Feb. 78

Rs. 1/-

ٹیلیفون نمبر رہائش :-
۲۵۳۳۴

ماہنامہ حریم لکھنؤ

ٹیلیفون نمبر آفس :-
۲۴۵۵۹

گذشتہ ۴۰ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اُردو میں

ہندوستان کا سب سے پُرانا رسالہ ہے

بیادگار

سید محمد سلیم انہونوی و شفیق النساء بیگم سلیم انہونوی مرحوم

جلد ۵۶ فہرست مضامین ماہ فروری ۱۹۷ء نمبر ۲

اڈیٹر و نگراں :- نسیم انہونوی
معاونین :- شوکت جہاں بیگم غزالہ —— جانی بیگم ردولوی

قیمت سالانہ

اعزازی خریداری	منی آرڈر سے	بیس روپیہ
مخصوص خریداری	"	اٹھارہ "
معمولی خریداری	"	پندرہ "

وی۔ پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ
غیر ممالک سے بقدر ۳۰ روپیہ یا دو پونڈ برائے سی میل ایر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں

• حریم میں شائع ہونے والے تمام ناول اور افسانے فرضی ہوتے ہیں کسی کے نام یا مقام اور حالات سے اتفاقیہ مطابقت ہو جائے تو حریم ذمہ دار نہ ہوگا۔

• حریم ہر انگریزی ۵ رو ۲ کو قطعی روانہ کر دیا جاتا ہے ہندوستان میں ۳۰ تاریخ سے پہلے کی گمشدگی کی شکایتوں پر غور نہ کیا جائے گا۔

پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ۲۰ تاریخ سے پہلے دفتر میں موصول ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

خط و کتابت کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ اور نمبر خریداری ضرور لکھیں۔

آفس اور ترسیل زر کا پتہ نسیم بک ڈپو ۔ ۲۰۳۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ
نسیم انہونوی۔ مالک و ناشر و پرنٹر۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ۔

(سید منظر علی ادیب ایم اے علوم اسلامیہ)

اس ماہ لمعات کی جگہ ذیل کا مضمون شائع کر رہا ہوں جو "پردے میں رہنے دو" کا ایک باب ہے جسے سید منظر علی ادیب ایم۔ اے علوم اسلامیہ نے اپنے ایک مجموعہ مضامین کی شکل میں پاکستان میں شائع کرایا ہے۔ یہ باب موقر اسلامی جریدہ الفرقان لکھنؤ سے شکریہ کے ساتھ نقل کیا جا رہا ہے

نسیم انہونوی

آج کل ہمارے ملک کے اکثر اخبارات رسالے اور ڈائجسٹ مختلف قسم کے اشتہارات، مضامین اور پردہ کی مخالف خواتین و حضرات کے انٹرویو شائع کر کے خواتین کو اپنے روایتی گھر کو خیرباد کہنے اور پردہ ترک کر کے مردوں کے شانہ بشانہ "ملکی ترقی میں بھرپور حصہ لینے" پر بہت زیادہ اکسا رہے ہیں بعض مقبول اخباروں اور رسالوں نے تو خواتین کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ صفحے مخصوص کر رکھے ہیں اور ان صفحات کی زینت بننے والے مضامین عموماً پردہ کی مخالفت اور ترک پردہ کی حمایت میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور سینما بھی اپنی اپنی جگہ اس ضمن میں اپنا کردار بڑی "خوبی" سے ادا کر رہے ہیں بعض مولوی حضرات بھی خصوصاً جو رسائل و جرائد بہائے خواتین سے منسلک ہیں، حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ وغیرہ کے جنگ کے موقعوں پر زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے کے واقعات کا سہارا لے کر خواتین کو "ملی خدمات" کے لئے ابھار رہے ہیں حالانکہ خواتین کی جنگوں میں شرکت (ایمرجنسی ہنگامی حالات کے) مستثنیات میں سے ہے جسے عام بے پردگی کی دلیل کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا سکتا۔ مصر، عراق اور ایران جیسے مسلم ممالک کی مثالیں دی جاتی ہیں جہاں خواتین نے یورپ کی تقلید میں اپنی بانہیں اور پنڈلیاں دونوں ننگی کر ڈالی ہیں۔

ان ترغیبات اور اکساہٹوں کے نتیجہ میں دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے عزیز ملک پاکستان میں بے پردگی، بے حیائی، بد اخلاقی اور بد نظمی کا ایک سیلاب اٹھ آیا ہے۔ اونچی میں پردہ ترک کر کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملازمت اختیار کرنے کا رجحان بڑی تیزی سے فروغ پا رہا ہے۔ نوبت یہاں تک آن پہنچی ہے کہ بعض پیشے یا عہدے جن پر مرد ہمیشہ سے فائز رہے ہیں، صرف خواتین ہی کے لئے مخصوص قرار دیئے جا چکے ہیں۔ دکانوں، ملوں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے مالکین اور دوسرے بھی تجارتی اداروں اور سرکاری و نیم سرکاری دفتروں کے منتظمین اپنی "ہمہ گیر ترقی" کے لئے خواتین کی دریافت پر نہ صرف فرحاں و شاداں نظر آتے ہیں بلکہ نازاں بھی ——— نازاں خصوصاً اس لئے کہ اس زمین و آسمان کے مالک نے تو عورتوں کے دائرہ عمل کو "وقرن فی بیوتکن" کا حکم دے کر گھر تک محدود کر دیا اور ادھر انسانوں میں سب سے افضل انسان محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال فرما کر خواتین کے میدان عمل کو مختصر کر دیا جب کہ ان صاحب فراست حضرات نے خواتین کے دائرہ عمل کو ماشاءاللہ وسعت بخشی اور ان کے میدان عمل کو نئی پنہائیاں عطا کیں اور اس طرح خواتین کو "قعر پستی" سے نکال کر کامیابی کی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کرنے کا شرف حاصل کیا۔

پیشتر ازیں کہ میں آپ کو یہ بتاؤں کہ خواتین کا غیر مردوں کے دوش بدوش دفتروں اور کارخانوں میں کام کاج کرنا کس طرح ایک غیر اسلامی فعل ہے اور اس عمل سے بذات خود عورت پر، خاندان پر اور معاشرہ پر کس قدر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میں ذیل میں وہ چند سوال پیش کرتا ہوں جو ایک خاتون امیدوار سے بوقت انٹرویو پوچھے گئے "مشرق" ۱۹ جنوری ۱۹۸۲ ان کے سرسری مطالعہ سے آپ بخوبی اندازہ لگا لیں گے کہ کامیابی کی وہ کونسی بلندیاں ہیں جہاں یہ حضرات صنف نازک کو لے جانا چاہتے ہیں۔

۱۔ آپ برقعہ اتار دیجئے ہم آپ کا اچھی طرح جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

۲۔ گوگلز (چشمہ) اتار دیجئے! ہم آپ کی آنکھوں کا رنگ روپ دیکھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ سامنے دیکھ کر ہمارے سوالوں کا جواب دیجئے شرمانے کی کوئی بات نہیں اب تو آپ کو ان باتوں سے دو چار ہونا پڑے گا۔

۴۔ کیا آپ ہر قسم کا کام کر سکتی ہیں؟

سورۂ نور (آیت ۳۰) میں مالک دو جہاں ارشاد فرماتے ہیں۔ ....."اور ظاہر نہ کریں اپنی زینت" (یعنی آرائش بناؤ سنگار خوش رنگ و خوش وضع لباس وغیرہ ——— اور یہی وہ تمام چیزیں ہیں جو دفاتر میں ملازمت اختیار کرنے والی خواتین کے لئے ضروری ہیں بلکہ بعض ادارے تو "دلکش شخصیت" اور جسم کے بعض ضروری حصوں کی صحیح صحیح پیمائش کی بھی شرط لگاتے ہیں۔) "مگر اپنے شوہروں، یا باپوں یا بیٹوں یا بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں یا میل جول کی عورتوں یا غلاموں کے سامنے یا ایسے مرد خدمتگاروں کے سامنے جو عورت کی ضرورت سے مستغنی ہو چکے ہوں یا ان نابالغوں کے سامنے جو ابھی عورتوں کے بھیدوں سے ناآشنا ہیں۔" (سورۂ نور آیت ۳۰)

مندرجہ بالا تفصیلی فہرست میں کہیں بھی ملوں یا فیکٹریوں کے مالکین، تجارتی اداروں کے منتظمین یا بنکوں اور فرموں کے منیجر حضرات کا ذکر خیر نہیں آیا اور نہ ہی ان میں سے کوئی فرد "نابالغوں" یا عورت سے مستغنی" حضرات کے زمرہ میں آتا ہے۔ اب ایسی صورت میں عورتوں کا غیر مردوں کی معیت میں بنکوں، فرموں، ہوائی جہازوں، ملوں اور فیکٹریوں وغیرہ میں کام کاج کرنا صریحاً احکام خداوندی کی خلاف ورزی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرتی مصلحت کی بنا پر اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اسے ایک نظر دیکھ سکتا ہے۔ اب جب کہ عورتیں بے پردہ ہو کر نامحرموں کے ساتھ گھل مل کر دفاتر میں کسب معاش کریں تو حضور اکرمؐ کی یہ صورت کو "ایک نظر" دیکھنے کی رعایت یا اجازت کیا معنی!

سورۂ النور (۳۰) میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "اے نبی مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کریں...... "حضرت بریدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا "اے علیؓ ایک نظر کے بعد دوسری نظر نہ ڈالو پہلی نظر تمہیں معاف ہے۔ مگر دوسری نظر کی اجازت نہیں ——— اسی طرح حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا کہ نظر پھیر لو۔ اب آپ ہی بتایئے کہ دفاتر کی ملازم خواتین کے معاملہ میں ہر وقت نظریں نیچی بھلا کیوں کر رکھی جا سکتی ہیں وہاں تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہی اپنا مدعا یا مقصد سمجھایا جا سکتا ہے۔ پھر پہلی نظر کے بعد دن یا رات بھر میں سینکڑوں، ہزاروں بار دوسری نظر ڈالی جاتی ہے اور یوں ہم کھلے بندوں احکام خداوندی و فرمودہ ہائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

سورۂ الاحزاب (۵۹) میں ارشاد رب تعالیٰ ہے "اے نبی اپنی بیوی اور اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں" قرآن مجید کے تمام مفسرین نے اس آیت کریمہ کا ایک ہی مفہوم بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اوپر اپنی چادریں لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں، اب آپ خود ہی اندازہ فرما لیجئے کہ کیا دفتروں میں اور کارخانوں میں کام کرنے والی عورتیں اپنے چہروں کو ڈھانک کر کام کر سکتی ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ بعض پیشوں کے اختیار کرنے میں ہماری بہو بیٹیوں کو نہ صرف اپنے چہروں کو بے نقاب کرنا پڑتا ہے بلکہ سر کے علاوہ دیگر مقام ہائے زینت کو بھی اچھی طرح نہیں ڈھانکا جا سکتا یہ سب کچھ خلاف قوانین خداوندی نہیں تو اور کیا ہے؟

سورہ الاحزاب (۵۳) میں اللہ تعالیٰ اجنبی مردوں کو حکم فرماتے ہیں:۔ "اور جب تم عورتوں سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو اس میں تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی ہے اور ان کے دلوں کے لئے بھی" جب اجنبی مرد بنک کی کھڑکی سے ملازم لڑکی سے لین دین کرتے ہیں یا جب غیر مرد دکانوں پر جا کر "شو گرل" یا سیلز گرل سے سودا سلف خریدتے ہیں تو کیا وہ واقعی پردہ کی اوٹ" سے یہ تمام معاملات طے کرتے ہیں؟ جب ہمارے ہوائی

جہازوں میں سفر کرنے والے اجنبی مرد ایک مسلمان ایر ہوسٹس سے کوئی شے (بعض اوقات مشروب تک) طلب کرتے ہیں تو کیا وہ ایسا کرتے وقت اپنے چہروں پر کوئی پردہ ڈال لیتے ہیں یا ضروریات طلب کرنے سے پہلے بطور اوٹ کسی دروازے کے پیچھے چلے جاتے ہیں؟ نہیں تو پھر یہ سب کچھ جائز ہوا یا ناجائز؟

مندرجہ بالا سورت ہی میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے: "اگر تم خدا ترس ہو تو بات میں لگاوٹ کا انداز نہ پیدا ہونے دو کہ جس کے دل میں کچھ روگ ہو وہ کوئی غلط امید باندھ بیٹھے بلکہ سیدھے سیدھے بھلے طریقے سے بات کرو۔" ادھر ایک سیلز گرل، شاپ اسسٹنٹ، ریسپشنسٹ RECEPTIONIST یا کلرک معلومات خاتون کے لئے اولین شرط ہی یہ ہے کہ اس کی آواز میں گھلاوٹ ہو تاکہ گاہک یا ملاقاتی مایوس نہ لوٹے۔ کیا پھر بھی خواتین کے لئے اس قسم کے پیشے اختیار کرنا جائز قرار دیا جا سکتا ہے جو ہم سب جانتے ہیں نماز جمعہ اسلام کی اجتماعی زندگی میں مرکزی اہمیت رکھتی ہے یہ واحد نماز ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے: "مومنو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد کی طرف جھپٹ جایا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو......" لیکن نبی اکرمؐ کا صاف حکم ہے کہ عورتوں پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے ——— جنازہ کی مشایعت انسانی و اسلامی ہمدردی کے اعلیٰ ترین کاموں میں سے ہے۔ مگر عورتوں کو اس سے بھی روکا گیا ہے۔ عیدین میں بھی عورتوں کی شرکت فرض نہیں ہے۔ عورتوں کا قبروں پر بھی جانا ممنوع ہے، حج ایک اجتماعی فریضۂ دین ہے اگرچہ یہ مردوں کی طرح عورتوں پر بھی فرض ہے تاہم حتی الامکان عورتوں کو طواف کے موقعہ پر مردوں کے ساتھ خلط ملط ہونے سے روکا گیا ہے۔ مقام غور ہے کہ جب ہمارا مذہب اسلام مسجد جیسی پاکیزہ جگہ پر، نماز جیسی مقدس عبادت میں جنازوں اور قبروں کی حاضری میں جب کہ ہر شخص کے سامنے موت کا تصور ہوتا ہے، اور صنفی جذبات تقریباً مفقود ہی ہو جاتے ہیں، مردوں اور عورتوں کی سوسائٹی کا مخلوط ہونا پسند نہیں کرتا تو کیا وہ دفتروں اور کارخانوں میں اختلاطِ صنفین کو جائز قرار دے گا جس رسولِ پاکؐ نے عورتوں کو خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرنے پر لعن طعن کی ہو وہ پاک رسولؐ جو سگے بھائی بہنوں، میاں بیوی اور ماں بیٹے کو پاس کھڑے ہو کر نماز تک ادا کرنے سے روکتا ہو وہ بھلا کسبِ معاش کے لئے مرد و زن کے لئے بے باک یا آزاد اختلاط کو کب پسند کر سکتا ہے؟

اول تو ایک اسلامی معاشرہ میں کسبِ معاش عورتوں کی ذمہ داری ہی نہیں ہے۔ کسبِ رزق مردوں کا کام ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: "الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" یعنی مرد عورتوں کے قوام و نگراں ہیں۔ پھر مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت بخشی گئی ہے (النساء، ۳۴) اس کی وجہ بتاتے ہوئے اسی آیت میں ارشاد ہوتا ہے: "بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" یعنی اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا (محنت سے کمایا ہوا) مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں (نہ کہ عورتیں مردوں پر) زیادہ حقوق دیئے ہیں مثلاً مہر، خلع، طلاق، نان نفقہ، کھلانے پلانے، لباس اور مکان کی ذمہ داری وغیرہ۔

عورت کا نفقہ اس کے شوہر ہی پر واجب نہیں ہے بلکہ شوہر کے نہ ہونے کی صورت میں باپ بھائی بیٹے اور دوسرے سرپرستوں پر واجب ہے۔ عورت کو مہر یا وراثت کی شکل میں ملے ہوئے مال پر پورا قبضہ اور اختیار دیا گیا ہے، عورت خود کتنی ہی مالدار کیوں نہ ہو اس کا نان نفقہ شوہر ہی کے ذمے رہتا ہے اور وہ اسے قانوناً حاصل کر سکتی ہے۔ اگر اس کا شوہر اس کو نان نفقہ نہ ادا کرے یا اس کا انتظام کئے بغیر کہیں غائب ہو جائے تو عورت قانونی طور پر اپنا نفقہ اس کی جائیداد سے حاصل کر سکتی ہے۔ مرد کے نام پر قرض لے سکتی ہے۔ اور اس کی ادائیگی کا ذمے دار شوہر ہوگا۔ علاوہ ازیں وراثت کے قانون کے تحت عورت کو باپ، شوہر، اولاد اور دوسرے قریبی رشتے داروں سے ترکہ میں حصہ ملتا ہے۔ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان حقوق و مراعات کی وجہ سے عورت کی اقتصادی حالت مردوں سے بھی زیادہ مستحکم ہے۔ الغرض ایک اسلامی معاشرہ میں ماسوائے غیر معمولی حالات کے کسبِ معاش عورت کی ذمے داری نہیں ہے۔ (البتہ قربِ قیامت کی بے شمار نشانیوں میں سے عورتوں کا مردوں کے ساتھ کسبِ معاش میں شریک ہونا برائی کے طور پر ایک نشانی بتایا گیا ہے) ویسے بھی عورت اپنی مخصوص جسمانی ساخت، مزاج، فطرت ذہن، قوت اور نفسیات کے اعتبار سے سیاست

تجارت، صنعت و حرفت اور لڑائی دنگے کے کاموں کے لئے موزوں نہیں ہے۔ وہ ان کاموں میں حصہ لینے کی غرض سے بڑی بڑی جلیل القدر ہستیاں تو پیدا کر سکتی ہے مگر براہ راست اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالے بغیر ان دھندوں میں شرکت نہیں کر سکتی اگر کہیں دو چار عورتوں کو آپ کرسیاں سنبھالے یا کلیدی عہدوں پر فائز دیکھ رہے ہیں تو وہ بس نام کی ہیں اصل کام تو ان مردوں کے ہاتھ میں ہے جنھیں عرف عام میں "انتظامیہ" کہا جاتا ہے۔

آپ کو یاد ہوگا سنہ ۱۹۶۲ء میں ہمارے پے کمیشن کے ممبران نے حکومت سے سفارش کی تھی کہ سی ایس پی اور دوسرے اعلیٰ عہدوں پر خواتین کو فائز نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا عہدہ پیغمبری ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہبری یا رہنمائی کے لئے اس دنیا میں ایک لاکھ سے زیادہ پیغمبر بھیجے لیکن ان میں سے ایک بھی عورت نہ تھی۔

اس بات کو ایک معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی تسلیم کرے گا کہ ایک اہم ذمے دار عہدہ کے لئے (مثلاً سربراہ مملکت، فوج کا کمانڈر، پولیس افسر اور جج وغیرہ) ہمیں ہمہ وقت چاق و چوبند تیار اور مستعد شخص درکار ہے۔ ادھر عورت ہر ماہ ایک ہفتہ سے زیادہ عرصہ کے لئے درد سر، تکان، اعضاء شکنی، اعصابی کمزوری، اضمحلال طبیعت، خرابی ہضم، بعض حالات میں قے اور متلی، عضلات میں سستی، ذہانت اور خیالات کو مرکوز کرنے کی قوت میں کمی، طبیعت میں چڑچڑاپن، زیر ناف درد، سینے میں درد اور ٹیس اور ذہنی پراگندگی وغیرہ کا شکار ہو کر اس قسم کے عہدوں کو سنبھالنے یا ان سے متعلقہ ذمہ داریوں یا فرائض سے کما حقہ، عہدہ برآ ہونے کے قابل بھی نہیں رہتی۔ پھر اگر عورت شادی شدہ ہے تو وہ زمانۂ حمل کے آخری ایک مہینہ سے لے کر بچے کی پیدائش کے ڈیڑھ دو ماہ بعد تک گھریلو ہلکے پھلکے کام کاج کے قابل بھی نہیں رہتی ہے۔ اس عرصہ میں اس سے کسی قسم کی سخت جسمانی یا دماغی محنت کی توقع رکھنا محض عبث ہے۔

دنیا کے تمام عظیم شاعروں، ادیبوں، فن کاروں، قلم کاروں اور بڑے بڑے مفکروں نے عورت کو ہمیشہ بلا امتیاز رنگ و روپ و مذہب و ملت ایک مشفق، ناز بردار اور خیر اندیش ماں، ایک ہمدرد و غم گسار بہن، ایک پاک دامن و عفت مآب بیٹی، ایک اطاعت گزار و فا شعار شریک حیات و پاکیزہ نفس بیوی، ایک مخلص و جاں نثار دوست یا پھر ایک دل کو لبھانے والا، بار بار روٹھ جانے، من جلانے والا حسین و جمیل محبوب، دلبر ہی کے روپ میں چاہا اور پسند کیا۔ ان عقلاء میں سے کسی نے بھی عورت کو بحیثیت ایک سیاست داں، فوجی کمانڈر، پولیس افسر، وزیر، سفیر یا دفتری کلرک، چپراسی یا چوکیدار نہ چاہا نہ پسند کیا۔ ان سب کے نزدیک یہ مقدس ہستی اپنی خصوصیات کی بنا پر دلوں پر تو حکمرانی کر سکتی ہے لیکن کسی ملک کی باگ ڈور نہیں سنبھال سکتی۔ اس مقصد کے لئے کردار کی تمام خصوصیات مثلاً حوصلہ، جرأت، شجاعت، قوت، طاقت، ہمت، دلیری، تدبیر، قوت عمل، استقلال، بردباری، سنجیدگی، بلند خیالی، عمیق فکری وغیرہ قدرت نے عورت سے زیادہ مرد کو دی ہیں۔ مختصراً خواتین کو اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پردہ کو خیرباد کہہ کر دفتروں اور کارخانوں کا رخ کرنا سراسر ایک غیر اسلامی اور نامناسب فعل ہے۔ غیر معمولی حالات میں مثلاً شوہر یا باپ کی بیماری یا موت کی صورت میں اگر کوئی عورت پردہ کی حدود میں رہ کر، اپنے مخصوص جسم، ذہن، قوت اور نفسیات کا لحاظ رکھتے ہوئے روزی کمائے تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا! اسلام دین فطرت ہے جب کوئی شخص یا قوم اس دین فطرت کے تجویز کردہ اصول یا اس کی مقررہ حدود کو توڑتی ہے تو وہ نقصان اٹھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ عورت کی کسب معیشت میں شرکت ایک تحریک کی صورت میں، جب کہ کتنی ہی صریح آیات قرآنی، مستند احادیث نبوی اور ثابت شدہ تعامل صحابہ و تابعین کی تصریحات کے منافی ٹھہری تو انسانی زندگی پر اس فعل ناقص کے نقصانات مرتب ہونے بھی ضروری ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہمارے اخبارات (خصوصاً انگریزی) اور دوسرے رسالے "ڈائجسٹ" وغیرہ قارئین کو یہ بتا کر سفید جھوٹ بول رہے ہیں کہ خواتین کے پردہ ترک کرنے اور اپنے گھر بار کو خیرباد کہتے ہوئے دفتروں اور کارخانوں میں ملازمت اختیار کرنے سے گھر پر، بچوں پر اور معاشرہ پر کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑتا حالانکہ حقائق بالکل اس کے برعکس ہیں۔ میں ذیل میں متعدد ملکی و غیر ملکی اخبارات و دیگر طبی اور ادبی رسائل و جرائد کی خبروں، مضمونوں، مقالوں اور جائزوں پر مبنی کچھ ایسے حقائق اور چند ایسے اعداد و شمار پیش کرتا ہوں جن کے مطالعہ سے قارئین خود ہی اندازہ لگا لیں گے کہ وہ قوم یا افراد جنھوں نے قرآنی ہدایات کے صریحاً خلاف عمل کی فطری تقسیم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عورت کو کسب رزق کے لئے گھر سے نکال کر دفتر میں لا کھڑا کیا ہے کتنے ہولناک نتائج سے دوچار ہیں۔

"چیسٹر رپورٹ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر تین میں سے ایک خاتون نکاح سے پہلے ہی جوہر عصمت کھو چکی ہوتی ہے۔ انگلستان میں ہر سال اوسطاً ۵۰ ہزار عورتیں ناجائز اولاد کو جنم دیتی ہیں۔ امریکہ کے شہر نیویارک اور شکاگو میں بدکاری کے دو سو اڈے قائم ہیں۔

(کوہستان ۲۷-۷-۲۰۰۱)

امریکہ کے متعلق کنزے رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مردوں میں سے ۷۰ فی صدی اور عورتوں میں سے ۵۰ فیصد بلا تکلف ناجائز تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اسی رپورٹ کے اندازہ کے مطابق امریکہ میں ناجائز بچوں کا تناسب پانچ میں ایک ہے۔ (پردہ سید ابوالاعلیٰ مودودی)

"دنیا کے دیگر ممالک، مسلم وغیر مسلم، میں جہاں کہیں بھی خواتین میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے حالت چنداں مختلف نہیں ہے۔ کوئی بھی آجر اپنی ملازماؤں کو ہر ماہ سات آٹھ روز کے لئے رخصت دینا برداشت نہیں کرسکتا۔ لہٰذا بے چاری ملازم خواتین کو ایام حیض میں بھی ہر طرح کا ہلکا بھاری کام کرنا پڑتا ہے حالانکہ طبی نقطۂ نظر سے ان دنوں میں عورت کو پورے آرام اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہیجان اور مسلسل تحریک کی وجہ سے ایک محتاط اندازے کے مطابق آج کل ۸۰ فی صد عورتوں کے ایام ماہواری سخت درد اور تکلیف سے آتے ہیں۔ اسی طرح بچے کی پیدائش سے پہلے اور بعد تک مناسب آرام اور احتیاط کے فقدان کی وجہ سے خواتین میں زچگی سے متعلق شدید پیچیدگیاں ہو رہی ہیں۔

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ ۹ ماہ سے ڈھائی برس کی عمر تک کے بچوں کو کسی حال میں بھی ماں سے جدا نہیں کرنا چاہئے یہاں تک کہ اگر خدانخواستہ بچہ بیمار پڑ جائے اور شفاخانہ میں داخل کرنا پڑے تو ماں کو اس کے پاس ہی رہنا چاہئے۔ (امروزہ ۵ مئی ۶۷ء۔ جدید تحقیق)

پھر یہ بات بھی اب پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ دل کی دھڑکن میں ایک قسم کی موسیقی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بچے جو اپنی ماؤں کے دل کی طرف چمٹ کر سوتے ہیں جلد سو جاتے ہیں۔ (پاکستان ٹائمز ۵ مئی ۱۹۶۷ء)

(باقی آئندہ)

اٹھائیسواں جشن جمہوریہ

عوام کی ناقابل تسخیر طاقت اور کامل فتح کا پیغام لایا ہے —
اتر پردیش کی نئی حکومت نے پچھلے چند ماہ میں عوام کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے جو اہم اقدام کئے ہیں ان کے نتیجے ہیں —

- **چھوٹے اور غریب کسانوں کو**

لگان کی معافی — چھوٹے پیمانے کی کنی سینچائی کے کاموں اور کھاد کی خریداری کے لئے سرکاری امداد — چھوٹے روزگار اکائیوں کی خاص طور پر حوصلہ افزائی، جیسی آسانیاں فراہم کی گئی ہیں —

- **مزدوروں کو**

بونس کا حق ملا — صنعت کاری میں ان کی حصے داری کا پر اثر منصوبہ بنایا گیا ہے۔

- **پس ماندہ طبقوں کے لئے**

سرکاری ملازمتوں میں ۱۵ فی صدی جگہیں محفوظ کی گئی ہیں — تکنیکی اسکولوں میں بھی ان کی جگہیں مخصوص کی گئی ہیں۔

- **شہریوں کے لئے**

بیوپاریوں کے ذخیرے کو محدود کرنا — تقسیم کرنے میں اصلاحات — کڑوے تیل کی جگہ لاہی کے تیل کی فروخت کا انتظام — ضروری اشیاء کی قیمتوں میں کمی کی گئیں —

غیر ترقی یافتہ عوام کی ترقی کے لئے کی گئی ہر کوشش جمہوریت کو مضبوط و خوش حال بنائے گی

دس کا نوٹ

اظہر افسر پروڈیوسر آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد

افراد :۔ میاں .... بیوی

پہلا دوکاندار .... دوسرا دوکاندار

تیسرا دوکاندار .... بیرہ

(ہوٹل کے ایک حصّے میں میاں بیوی بیٹھے چائے پی رہے ہیں۔ دور کہیں ہلکے سروں میں پیانو بج رہا ہے)

بیوی :۔ لو میں نے چائے ختم کرلی۔ اب بتاؤ۔

میاں :۔ بتانا کیا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ تم ذرا ان بلوں سے سامان ملاکر دیکھ لیتیں کہ ساری چیزیں آگئیں یا نہیں۔ کہیں کسی دوکاندار کو ہم نے زیادہ پیسے تو نہیں دے دئیے۔

بیوی :۔ نہیں تو زیادہ پیسے کیوں دے دیتے۔

میاں :۔ پھر بھی دیکھو یہ رہے بل اور یہ ہے بچی ہوئی رقم۔

بیوی :۔ کیا صرف دس کا نوٹ :

میاں :۔ جی ہاں صرف ایک نوٹ اور۔ یہ اور ہے ایک چونی بس۔

بیوی :۔ یہ چونی تو شاید وہ ہے۔ جو میں نے بلاؤز کے پیس خریدتے کے بعد دو روپے والے لال نوٹ کے ساتھ تمہیں دی تھی۔

میاں :۔ ہاں ہاں کیوں ؟

بیوی :۔ یہ الگ ہے۔

میاں :۔ الگ ہے کیا مطلب ؟

بیوی :۔ یہ چونی پہلے سے میرے پرس میں پڑی تھی۔ میں نے پہلے دوکاندار سے واپس شدہ کچھ روپے اپنے پاس پرس میں رکھے تھے۔ پھر سب جاتیں تو حساب غلط ملط ہو جائے گا۔ اس لئے تمہیں دے دئیے تھے۔

میاں :۔ تو گویا دس کو ڈیڑھ سو روپیوں میں سے صرف یہ ایک نوٹ بچا ہے۔ دس کا۔

بیوی :۔ ہاں ایک سو پینتیس روپے تو ان ساڑھیوں کے ہوئے یہ رہیں رسیدیں، بلاؤز کے پیس ہم نے علیحدہ دوکان سے لئے تھے۔

میاں :۔ یہ رہی اس کی رسید۔

بیوی :۔ کتنے روپے ہیں۔ ؟

میاں :۔ اٹھارہ روپے اڑتالیس نئے پیسے۔

بیوی :۔ ایکسو پینتیس اور اٹھارہ، یہ تو ایک سو ترپن ہوئے۔

میاں :۔ ایک سو ترپن کیوں بچاسی نئے پیسے بھی تو ہوئے۔

بیوی :۔ ہاں خیر ایک سو چون ہو گئے۔

میاں :۔ یہ آپ کا سینڈل اکیس روپے چورانوے نئے پیسے کا میں نے ایک سگریٹ منگوالیا تھا۔

بیوی :۔ یعنی بائیس روپے، ایک سو چون اور بائیس ہوئے ایکسو چھتر، لیکن ہم نے خرچ تو ایک سو اٹھتّر کئے ہیں۔ دس کا صرف ایک نوٹ ہی بچا ہے نا۔

میاں :۔ صرف ایک نوٹ۔

بیوی :۔ پھر کچھ اور کیا لیا ہے ہم نے ؟ اوہو ہو، اصل چیز تو رہ ہی گئی وہ بھلا آپ کیوں یاد کرتے۔

میاں :۔ کون سی چیز ؟

بیوی :۔ جی یہ دکاندی کی چرچراہٹ آپ کے کوٹ کے لئے گرم کپڑے کا ہمیں اس کے روپے بھی تو لاؤ۔ چودہ روپے۔

میاں :۔ ہاں اس کا تو کچھ خیال ہی نہیں رہا تھا۔ لو پورے ایک سو اٹھتّر ہو گئے۔

بیوی :۔ ہوں ہوں منیجر کاکپڑا کیوں خراب کرتے ہو بیرہ دیکھ رہا ہے یہ کوئی حساب کرنے کا کاغذ ہے۔

میاں :۔ (کھسیانی ہنسی کے ساتھ) نہیں تو میں نے ویسے ہی خبر لگو یاد تھو روپوں میں سے صرف یہ دس کا نوٹ بچا ہے میں سمجھتا ہوں۔ تم نے ساڑھیوں پر کچھ زیادہ روپے خرچ کر دئیے۔

بیوی :۔ اجی واہ میں بھلا زیادہ روپے خرچ کرنے والی ہوں۔ ایسا مول تول کر کے لیا ہے کہ دوکاندار بھی کیا یاد کریں گے۔

میاں :۔ میرا مطلب ہے .....

بیوی :۔ آپ دیکھتے نہیں کیسی جھک جھک بک بک کرتی ہوں۔ ان لوگوں سے وہ تو میں ہی ہوں جو ان کے جھگڑے میں نہیں آتی۔ کوئی اور ہو تو یہ لوٹ ہی لیں دن دھاڑے۔

میاں :۔ اوہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ دوکاندار تمہارے مول تول سے تنگ آجاتے ہیں۔ مگر میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم نے صرف ایک سو بتیس کی تو ساڑھیاں ہی ساڑھیاں خرید لیں۔

بیوی :۔ زیادہ ہیں ؟

میاں :۔ اور کیا

بیوی :۔ ارے واہ، میں نے تو ڈھائی سو روپے کا اندازہ لگایا تھا۔ وہ تو تم نے درمیان ہی میں مجھے سنا دیا تھا کہ ایک سو پچاس سے زیادہ روپے ساتھ نہیں پھر بھی میں انہیں کھینچ کھانچ کر ایک سو نوے تک لے گئی (راز دارانہ لہجے میں) سنو کے میاں۔ ہوں۔

بیوی :۔ پچ پچاس روپے تو نہیں چھپا رکھے تم نے ؟

میاں :۔ بالکل نہیں سچ۔ میں قسم کھانے کو تیار ہوں۔ خدا کی قسم لو۔ میں۔ میرا مطلب ہے تم خود میری جیبیں دیکھ لو۔ لو

بیوی :۔ نہیں ہوں گے رہنے دو۔ اچھا میاں ابھی جو ہم نے کچھ نمکین چیزیں کھا کر کافی پی ہے۔ اس کا کتنا بل ہوگا

میاں :۔ ہوگا یہی کوئی روپے سوا روپے کا اس سے زیادہ نہیں۔

بیوی :۔ لو وہ بیرہ آگیا۔

میاں :۔ بل لائے ہو۔

بیرہ :۔ جی صاحب

بیوی :۔ اونو۔ دو روپے بچیس نئے پیسے۔

میاں :۔ (آہستہ سے) اوہو۔ (پھر بیرہ سے) سنو یہ لے جاؤ ایک چونی تم رکھ لو باقی ریزگاری ہمیں لا دو۔ جلدی آؤ۔

بیوی :۔ بڑی خاموشی ہے۔ یہاں۔

میاں :۔ ہاں یہی ایک جگہ اور ہوٹلوں کے مقابلے میں کچھ پرسکون ہے۔ باقی سب۔

بیوی :۔ لو ریزگاری آگئی۔ چلو واپس چلیں۔

بیرہ :۔ صاحب یہ ......

میاں :۔ کیا بات ہے ؟

بیرہ :۔ نوٹ دوسرا دے دیں۔ ؟

میاں :۔ کیوں اس نوٹ میں کیا برائی ہے۔ ؟

بیوی :۔ بھئی برائی تو کچھ نہیں۔ یہ ایک طرف سے پھٹ گیا ہے۔

میاں :۔ پھٹ گیا ہے۔ ؟

بیرہ :۔ جی ہاں یہ دیکھئے اس طرف سے۔

بیوی :۔ ہاں سچ مچ یہ تو ایک طرف سے بالکل کٹ گیا ہے۔

میاں :۔ (رکتا ہے) اوہوں۔

بیوی :۔ کس سے لیا آپ نے یہ۔

میاں :۔ میں نے ؟

بیوی :۔ ہاں آپ نے۔

میاں :۔ کہیں تم نے تو نہیں لے لیا۔

بیوی :۔ میں نے۔ نہیں تو صرف بلاؤز کے پیس جس دوکان سے لئے تھے وہیں سے دو روپے کا ایک نوٹ لیا تھا۔ اور وہ بھی اسی وقت میں نے آپ کو دے دیا۔

میاں :۔ ہاں یہ تو صحیح ہے۔

بیوی :۔ پھر ؟

میاں :۔ پھر کیا وہی تو سوچ رہا ہوں کہ یہ پھٹا ہوا نوٹ ہمارے پاس کیسے آگیا۔

بیوی :۔ تم نے سو کا نوٹ کس دوکان پر کھلایا تھا۔

میاں :۔ سو کا نوٹ ؟

بیوی :۔ ہاں ہاں ساریاں ہم نے دو علیحدہ علیحدہ دوکانوں سے خریدی تھیں نا۔ سو کا نوٹ تم نے کس دوکاندار کو دیا تھا۔

میاں :۔ میں سمجھتا ہوں اس سے پہلے دوکاندار کو جس کا یہ گلابی رنگ کا بل ہے۔

بیوی :۔ جہاں سے یہ نیلی لیا تھا ؟

میاں :۔ ہاں

بیوی :۔ بالکل نہیں اسے تو آپ نے دس دس کے علیحدہ آٹھ نوٹ دیئے

تھے۔ تم نے دوسری دوکان پر سَو کا نوٹ دیا تھا۔

میاں :۔ کچھ یاد نہیں آتا۔ میکالے نے یا شاید کسی اور نے بالکل سچ کہا ہے۔

بیوی :۔ کیا کہا ہے۔ ؟

میاں :۔ یہی کہ دنیا میں آدمی کو سب سے زیادہ تکلیف خراب سکے کی وجہ سے اٹھانی پڑتی ہے۔

بیرہ :۔ صاحب، مینجر نے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ نوٹ واپس کر کے جلد سے جلد کچن میں پہنچ جاؤں تو اچھا ہے۔

میاں :۔ اوہ۔ تم ابھی تک نہیں کھڑے ہو۔ بھئی ایسا کرو کچھ دیر ٹھہر کر آجاؤ۔ ہاں جاؤ۔

بیوی (کھانستی ہے)

میاں :۔ تمہارے پاس ہوں گے کچھ پیسے میرا مطلب ہے اتنے کہ ہم یہ دو روپے پچھتر نئے پیسے ادا کر دیں۔

بیوی :۔ دو روپے پچھتر نئے پیسے کیا میرے پاس تو ایک نیا پیسہ بھی نہیں ہے۔ میں نے تو جو کچھ میرے پاس تھا۔ سب تمہیں دیدیا۔

میاں :۔ پھر ـــــ پھر اب کیا ہوگا۔

بیوی :۔ میں کیا بتاؤں کیا ہوگا۔ بعض وقت تمہاری حرکتوں پر اس طرح غصہ آتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔

میاں :۔ اوہو، کبھی تو سمجھ سے کام لیا کرو، ہوٹل کا بیرہ ہمارے سامنے کھڑا ہے۔ اور تم۔۔۔۔۔۔ وہاں کپڑوں کی دوکانوں پر بھی تم نے یہی حرکتیں شروع کر دی تھیں۔

بیوی :۔ پھر تم ایسی باتیں کرتے کیوں ہو۔ غضب خدا کا ایک معمولی دوکاندار تمہیں بے وقوف بنا گیا۔ ایک دوکاندار نے دس روپے کا پھٹا ہوا نوٹ تمہیں دے دیا۔ اور تم چپ چاپ لے آئے۔

میاں۔ میں ابھی جاتا ہوں۔

بیوی :۔ کہاں۔

میاں :۔ بیرہ تم باہر جاؤ۔

بیوی :۔ کہاں جاؤ گے اب ؟

میاں :۔ تم یہیں ٹھہرو میں ابھی اس دوکاندار کو یہ نوٹ واپس کر کے آتا ہوں۔

بیوی :۔ یہیں بیٹھی رہوں۔ ؟

میاں :۔ ہاں ہاں کوئی حرج نہیں۔ میں ابھی آیا۔

بیوی :۔ کس کے پاس جاؤ گے، اس دوسرے دوکاندار کے ہاں جانا۔

میاں :۔ دونوں ہی کے ہاں دیکھتا ہوں۔

(سازِ موسیقی ذراسی دیر کے لئے)

پہلا دوکاندار۔ آئیے آئیے کہئے کیا دکھاؤں آپ کو، کوٹنگ شرٹنگ یا ریشمی ساڑیاں۔

میاں :۔ جی نہیں میں آپ کو یہ دس کا نوٹ دینے آیا تھا۔

دوکاندار :۔ دس کا نوٹ ؟ آپ کی جانب کوئی بقایا ہے کیا۔ آپ ہمارے کھاتہ دار ہیں ؟ (پکارتا ہے) بھگو۔

میاں :۔ جی نہیں میں تو۔۔۔۔۔۔۔۔

دوکاندار :۔ اچھا اچھا کسی کھاتہ دار نے بھجوایا ہوگا۔

میاں :۔ میری پوری بات تو سن لیں آپ کو یہ نوٹ واپس کرنے آیا ہوں جو آپ نے مجھے دیا تھا ابھی ابھی۔۔۔۔۔۔۔

دوکاندار :۔ میں سمجھا نہیں آپ کا مطلب۔

میاں :۔ ذرا اس نوٹ کو دیکھئے۔

دوکاندار :۔

میاں :۔ یہ تو آپ کو یاد ہے کہ ابھی ابھی میں اور میری بیوی دونوں آپ کے پاس آئے تھے، اور ہم نے آپ کے ہاں سے ۷۱ روپے اکتیس نئے پیسوں کا کپڑا خریدا تھا۔

دوکاندار :۔ اوہ۔ تو یہ نوٹ آپ واپس کرنے آئے ہیں۔ شاید میں نے آپ کو ذرا کم دے دیا تھا۔ لائیے لیکن یہ تو ایک طرف سے پھٹا ہوا ہے۔

میاں :۔ جی ہاں اسی لئے تو آپ کو لوٹانے آیا ہوں جب میں نے آپ کو سَو روپے کا نوٹ دیا تو آپ نے یہی نوٹ مجھے دیا تھا۔

دوکاندار :۔ آپ کا مطلب ہے یہ نوٹ ہم نے آپ کو دیا ہے۔

میاں :۔ جی ہاں جی ہاں۔

دوکاندار :۔ آپ سے سَو روپے کا نوٹ لے کر ؟

میاں :۔ میں نے کہا نا جی ہاں سَو روپے کا بالکل نیا اور کرارا نوٹ لے کر۔

دوکاندار :۔ معاف فرمائیے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ نے مجھے سَو کا نوٹ نہیں دیا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے دس دس کے آٹھ علیحدہ علیحدہ نوٹ دیئے تھے۔ اور میں نے آپ کو دو روپے کا نوٹ اور ۶۹ نئے پیسے دیئے تھے۔ تو یئے میں آپ کو

اطمینان کرا دوں۔

میاں :۔ (مری ہوئی آواز میں) جی

دوکاندار :۔ یہ رہا کیش بکس اس میں آپ کوئی سو روپے کا نوٹ دیکھتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج صبح سے سب دس دس کے نوٹ ہی آ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے۔ یہ نوٹ آپ نے کسی اور سے لیا ہے۔

میاں :۔ جی۔ ؟ —— جی ہاں جی ہاں۔

(سازی موسیقی)

میاں :۔ آپ نے مجھے شاید نہیں پہچانا۔

دوسرا دوکاندار :۔ جی۔ جی نہیں، آپ کہاں سے آئے ہیں۔ سیل ٹیکس آفس سے، انکم ٹیکس آفس سے ؟

میاں :۔ جی نہیں میں کسی دفتر سے نہیں آیا ہوں۔ میں تو ابھی ابھی آپ کے پاس سے گیا ہوں۔ میرا مطلب ہے۔ میں اور میری بیوی، ہم دونوں ابھی آپ کے ہاں سے کچھ کپڑا خرید کر لوٹے ہیں۔

دوکاندار :۔ اوہ ہاں۔ تو کہو، کپڑا چاہیئے آپ کو نئے ڈیزائنوں میں ویکار تلہے اہری کستن ——

میاں :۔ جی نہیں نہیں کسی کو مت لوٹے۔

دوکاندار :۔ تو پھر کوئی شکایت ہے آپ کو ؟

میاں :۔ جی ہاں شکایت ہی کہئیے۔

دوکاندار :۔ شکایت

میاں :۔ جی نہیں شکایت نہیں میرا مطلب ہے بھول سے ......

دوکاندار :۔ بھول ؟

میاں :۔ جی ہاں بھول سے آپ نے مجھے یہ نوٹ دے دیا ہے۔

دوکاندار :۔ اوہ شکر ہے آپ کو یاد آ گیا۔ لاسے صاحب آج کل کے اس زمانے میں ایسے دیانت دار اور فرض شناس آدمی کہاں ہیں ؟ لائیے میں آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔ حساب میں بھول چوک تو ہو ہی جاتی ہے۔ بڑا بڑا شکریہ۔ اور فرمائیے۔

میاں :۔ فرمانا تو اور کچھ نہیں تھا۔ آپ اس نوٹ کو ذرا ایک نظر دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔

دوکاندار :۔ اجی صاحب کاہے کی ایک نظر اور کاہے کا دیکھنا۔ بڑا بڑا شکریہ۔

میاں :۔ شکریہ ؟

دوکاندار :۔ اور فرمائیے اور کوئی خدمت ۔ ؟

میاں :۔ آپ شاید سمجھے نہیں۔ میں نے آپ کو یہ نوٹ اس لئے لوٹانے آیا تھا۔ کہ میرا مطلب ہے آپ اسے لے کر دوسرا دے دیں۔

دوکاندار :۔ دوسرا نوٹ دے دوں ؟

میاں :۔ جی ہاں آپ نے یہ پھٹا ہوا نوٹ مجھے دے دیا ہے۔ جب میں نے آپ کو سو روپے کا نوٹ دیا تھا۔ تو آپ نے اپنی بل کی رقم لے کر باقی روپے جو آپ نے مجھے دیئے یہ نوٹ اسی میں آ گیا ہے ذرا اسے بدل دیجئے۔

دوکاندار :۔ آپ کا مطلب ہے یہ پھٹا ہوا نوٹ میں نے آپ کو دیا ہے، یہ دس کا نوٹ ؟

میاں :۔ جی ہاں۔

دوکاندار :۔ دیکھئے صاحب ہماری دوکان پر صبح سے شام تک سینکڑوں گاہک آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ ضرور یاد رکھتے ہیں کہ کس سے ہم نے کیا لیا اور کس کو ہم نے کیا دیا۔

میاں :۔ تو آپ نے مجھ سے سو روپے کا نوٹ نہیں لیا ؟

دوکاندار :۔ ضرور لیا۔

میاں :۔ (خوشی سے امڈ آئے لہجے میں) لیا تھا نا۔

دوکاندار :۔ جی ہاں جی ہاں لیا مگر یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ آپ کو باقی روپوں میں میں نے سب پانچ پانچ کے نوٹ دیئے ہیں۔

میاں :۔ پانچ پانچ کے نوٹ ؟

دوکاندار :۔ جی ہاں سب کے سب اور کچھ ریزگاری۔ اس میں کوئی دس کا نوٹ نہیں تھا۔

میاں :۔ لیکن یہ —— یہ

دوکاندار :۔ یہ آپ نے کسی اور سے لیا ہوگا۔ ویسے آپ اسے کسی بنک سے بھی بدل سکتے ہیں۔ لیجئے اپنا نوٹ۔

(سازی موسیقی)

میاں :۔ (ہانپ رہا ہے) اُف

بیوی :۔ شکر ہے تم آ گئے۔ میں تو بیٹھی بیٹھی تھک گئی۔ کیا ہوا نوٹ بدل گیا۔

میاں :۔ نہیں۔

بیوی :۔ نہیں —— پھر ؟

میاں :۔ پھر کیا دونوں ہی دوکاندار کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو یہ نوٹ

نہیں دیا۔

بیوی :۔ یہ نوٹ اُن لوگوں نے نہیں دیا۔

میاں :۔ نہیں ۔ ایک کہتا ہے ۔ آپ نے دس دس کے علیٰحدہ علیٰحدہ نوٹ دیئے تھے ۔ دوسرا کہتا ہے ۔ آپ نے سَو کا نوٹ بھنوایا ضرور مگر میں نے دس کا نوٹ کوئی نہیں دیا ۔ سب پانچ پانچ کے نوٹ تھے ۔

بیوی :۔ بیٹھو تو ۔

میاں :۔ بیٹھتا ہوں بھئی بیٹھتا ہوں ، اُف

بیوی :۔ پھر آخر کس سے لے لیا تم نے یہ نوٹ ۔ ؟

میاں :۔ وہی تو یاد نہیں آ رہا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں تنخواہ میں آگیا ہوگا ۔

بیوی :۔ تنخواہ کے روپوں میں ۔ پھر تم خزانچی سے بدل سکتے ہو ۔

میاں :۔ او ہو ۔ وہ تو صحیح ہے مگر اس وقت کیا کریں گے ۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ ہم ہوٹل میں کھانے پینے کے بعد دو تین روپے بھی نہیں دے سکتے ۔

بیوی :۔ راستے میں کسی سے مانگ لے ہوتے ۔

میاں :۔ کیا مطلب

بیوی :۔ میں نے کہا اگر کسی جان پہچان کے آدمی سے دو تین روپے مانگ لئے ہوتے تو کم سے کم یہ بل تو چُک جاتا ۔

میاں :۔ نہ نہ میں کسی سے نہیں مانگتا وانگتا ۔ پہلے تو کوئی ایسا آدمی دکھائی ہی نہیں پڑا ۔ اور اگر کوئی دکھائی بھی پڑتا تو مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں اسے آواز دے کر روپے مانگتا ۔

بیوی :۔ یوں کرو ۔ یہ چونی تم اسے دیدو بیرے کو اور منیجر سے مل کر کہہ دو کہ یہ بل بعد میں دے دیں گے ۔

میاں :۔ (ٹھنڈا سانس لیتا ہے) اور کیا ہو سکتا ہے ۔ اچھا تم چلو باہر میں آتا ہوں ۔

(سازی موسیقی)

بیوی :۔ (گھبرائی ہوئی آواز میں) کیا ہوا بہت دیر لگا دی آپ نے ، مان گیا ؟

میاں ۔ ہاں تو مان تو گیا ۔ مگر میں شرم سے گڑا جا رہا ہوں ۔

بیوی :۔ دیکھو میں نے ایک ترکیب سوچی ہے ۔ اس دس کے نوٹ کے نکالنے کی ۔

میاں :۔ ترکیب کیسی ترکیب ؟

بیوی :۔ آؤ کچھ سامان خرید لیں ۔ کسی نہ کسی دوکاندار کو چل ہی جائے گا ۔ ذرا سا کونا ہی تو غائب ہے ۔ کون غور کرتا ہے ۔ اور یوں بھی سورج ڈوب چلا ہے ۔

میاں :۔ کیسی باتیں کر رہی ہو ۔ سورج ڈوب چلا ہے ۔ تو کیا ہوا ۔ کیا دوکانوں میں اندھیرا ہوتا ہے ۔ اور وہ بھی اتنا کہ پھٹا ہوا نوٹ نہ دیکھ سکیں وہ ۔

بیوی :۔ او نہہ جلدی میں موڑ کے دے دیں گے ۔ تم آؤ تو ۔ آؤ اس سامنے والی دوکان میں چلتے ہیں آؤ ۔

(سازی موسیقی)

تیسرا دوکاندار :۔ فرمائیے صاحب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میاں :۔ دیکھو بھئی ایک شہد کا شیشہ چاہئے تھا ۔

بیوی :۔ شہد کا شیشہ نہیں کوئی ہیر آئل دیجئے ۔ ہیر آئل بڑے سائز کا

میاں :۔ (آہستہ سے) کیا حرج ہے شیشہ بھی تو آ سکتا ہے ۔

بیوی :۔ ذرا تم یہاں چپ ہی رہو تو اچھا ہے ۔

میاں :۔ میں چپ ہوں ۔

دوکاندار :۔ آپ نے کچھ کہا ۔

بیوی :۔ جی نہیں کچھ نہیں ان سے کہہ رہی تھی کہ جلدی چلنا ہے ۔

دوکاندار :۔ ہاں ہاں ضرور ضرور ۔ یہ رہا آپ کا ہیر آئل بڑے سائز والا ۔ اور کچھ ۔

بیوی ۔ جی نہیں کچھ نہیں ۔ بس بل بنا دیجئے ۔ یہ رہا دس کا نوٹ ۔

دوکاندار :۔ شکریہ میں ابھی آیا ۔

بیوی :۔ ارے یہ تو چل گیا ۔

میاں :۔ (خوشی سے) اس نے کھولا تک نہیں ۔

بیوی :۔ او ہو ذرا چپ رہو ۔

میاں :۔ وہ تو اندر چلا گیا ہے کیش جمع کروانے کیا وہاں تک آواز چلی جائے گی اور ویسے میں چپ ہی تو ہوں ۔

بیوی :۔ یہ ایسے کیا دیکھ رہے ہو ۔ چوروں کی طرح اِدھر اُدھر ۔

میاں :۔ بھئی میں تو باہر چلتا ہوں ۔ تم آجانا سامان لے کر ۔

بیوی :۔ کہاں جاتے ہو یہیں کھڑے رہو ۔

دوکاندار :۔ صاحب یہ نوٹ آپ دوسرا دیجئے ۔

میاں :۔ دوسرا ۔

دوکاندار :۔ جی ہاں میں نے اندر سیٹھ کو نوٹ دکھایا تھا۔ وہ کہتے ہیں : نہیں چلے گا۔

بیوی :۔ نہیں چلے گا ؟ یعنی دس روپے کا یہ نوٹ نہیں چلے گا۔

دوکاندار :۔ جی ہاں میں نے کہا نا نہیں چلے گا۔ کوئی اور نوٹ دے دیجئے۔

بیوی :۔ کوئی اور نوٹ تو ہمارے پاس ہے نہیں یہی ایک نوٹ ہے۔

دوکاندار :۔ یہی ایک نوٹ ہے۔

بیوی :۔ جی ہاں۔

دوکاندار :۔ معاف فرمائیے لائیے سامان

(لکڑی کے زینے پر تیز تیز قدموں کی آواز)

سیٹھ :۔ (اندر کہیں دور سے) کیا بات ہے گردھر ؟

دوکاندار :۔ کچھ نہیں میاں بیوی نوٹ چلانے آئے تھے۔ (ہنستا ہے) (بس کا نوٹ)

(سیٹھ بھی قہقہہ لگاتا ہے۔ قہقہوں کی گونج)

(سازی موسیقی)

قاتل مسیحا

نجم اعزاز

کا چوتھا نیا ناول جو ان کے سابقہ ناولوں سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔

نجم اعزاز صاحب نے اپنے پہلے ناول ہی سے مقبولیت حاصل کرنا شروع کر دی تھی۔ اب ان کے نئے ناولوں کے لئے بہنیں مشتاق رہتی ہیں آج ہی طلب فرمائیں۔ قیمت بارہ روپے۔

نجم اعزاز کے دوسرے ناول

دھوپ چھاؤں ۔ اپنے بیگانے ۔ پیچ و خم

6/30 7/50 15/-

کیا آپ کو علم ہے کہ لکھنؤ کس لئے مشہور ہے

اگر نہیں تو ہم کو بتاتے ہیں

لکھنؤ اپنی مخصوص تہذیب اور مشرقی تمدن کے لئے مشہور ہے جس کا کہیں جواب نہیں گو یہ تہذیب اب زمانے کے ہاتھوں رفتہ رفتہ مٹ گئی ہے پھر بھی ہاتھی لاکھ گھٹے تب بھی سوا لاکھ ٹکے کا۔ گری حالت میں بھی ایک نمونہ ہے۔ لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے اور پھل وغیرہ جو دیکھنے والوں کو متحیر کر دیتے ہیں اصل اور نقل میں فرق محسوس نہیں ہوتا۔

آصف الدولہ (جن کے متعلق مشہور تھا جس کو نہ دے مولا اسے دے آصف الدولہ) کا مشہور تاریخی امام باڑہ چھوٹا امام باڑہ ریزیڈنسی مارٹن صاحب کی کوٹھی، بوٹانیکل گارڈن، بنارسی باغ، زندہ عجائب گھر، حضرت منزل، قیصر باغ۔ ریوڑیاں جیسے کھٹیاں بھی کہتے ہیں عطریات اور چکن کا کام اور ان سب سے زیادہ زردوزی کا مدانی اور بادلہ وغیرہ کے کاریگر جن کا کام سارے ہندوستان میں مشہور ہے اور ان کاریگروں کا بہترین کام :—

درشنومل آتمارام اینڈ سنس گوٹے والے

راج کمل ہوٹل بلڈنگ امین آباد روڈ لکھنؤ

میں ہوتا ہے

صدہا حریمی بہنیں اب تک اس فرم کی خدمت کا تجربہ کر چکی ہیں اپنی ضروریات کے لئے خط و کتابت کیجئے یا فون نمبر ۲۲۴۶۶ پر بات کیجئے۔

ایمانداری • خوش معاملگی — اور وقت کی پابندی خصوصیات ہیں

امام زین العابدینؑ

عابدہ مزجس

امام طلحہ شافعی، علامہ مکی اور علامہ خلیجی نے اپنی بلند پایہ تصنیف میں یہ روایت نقل کی ہے — "ایک بار حج کے موقع پر ایک انبوہ کثیر طواف کعبہ میں مصروف تھا انہی میں عباسی خلیفہ ہشام ابن عبدالملک بھی تھا اس نے بہت کوشش کی کہ حجر اسود کو بوسہ دے سکے لیکن ہجوم کی کثرت مانع رہی۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک شخص طواف کرتا ہوا حجر اسود کی طرف روانہ ہوا لیکن اس طرح کہ اس کے راستے سے ہجوم خود بخود چھٹتا چلا جاتا ہے اور وہ آسانی سے راستہ پالیتا ہے۔ ہشام نے حیرانی سے اپنے مقربین سے استفسار کیا کہ یہ کون شخص ہے۔ قریب ہی مشہور قصیدہ گو فرزدق بھی موجود تھا اس نے آگے بڑھ کر اپنا مشہور قصیدہ فی البدیہہ کہنا شروع کیا۔

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته
والبیت یعرفه والحل والحرام

ترجمہ یہ وہ برگزیدہ شخص ہے کہ مکہ، مدینہ، حل، حرم سب ان کے چاپ قدم تک کو پہچانتے ہیں۔

یہ برگزیدہ شخص حضرت علی ابن حسین علیہ السلام تھے جنھیں تاریخ زین العابدین اور سید الساجدین کے نام سے پہچانتی ہے آپ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے جن سے آئندہ ائمہ کرام کی نسل چلی آپ کی والدہ شہر بانو شاہ کسریٰ یزدجرد کی بیٹی تھیں۔ آپ کی ولادت ۱۵ رجمادی الاولیٰ میں ہوئی۔ ائمہ طاہرین میں جن مشکلات و مصائب کا سامنا جناب سجاد کو ہوا۔ اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی لیکن آپ نے یہ پیہم صدمے جس صبر و استقامت سے برداشت کئے حق گوئی و حق پرستی کا علم بلند رکھا۔ تاریخ اسلام اس کے تذکرے کے بغیر نامکمل ہے۔ انسانیت اس پر تاقیامت فخر کرسکتی ہے۔ آپ کو اقلیم عبادت و ریاضت میں جو مقام معراج حاصل ہے اس کی شہادت تمام معاصر محدثین نے بالاتفاق دی ہے۔ آپ میں وہ تمام صفات عالیہ بکمال خاص موجود تھیں جو آل محمد علیہم السلام سے مخصوص ہیں یعنی وہ رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کی کامل تفسیر تھے۔ محدثین کا بیان ہے کہ وہ اپنے عظیم المرتبت دادا جناب علی مرتضیٰ سے بہت مشابہ تھے۔

آپ کثرت سے عبادت و سجود کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ آپ کے جسم کے مختلف حصوں پر نشانات پڑ گئے تھے جس کی وجہ سے آپ کو "ذوالثفنات" کہا جاتا ہے۔ آپ کی عبادت میں حد درجہ استغراق پایا جاتا تھا۔ وضو کرتے وقت آپ کا چہرہ مبارک زرد ہو جاتا تھا اور آپ کانپنے لگتے تھے۔ لوگوں کے استفسار پر آپ فرماتے تھے کہ یہ خوف خدا ہے کہ میں احسن الخالقین کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔

ابوالفرج اصفہانی لکھتے ہیں کہ ایک بار آپ کے گھر میں آگ لگ گئی۔ آپ حالت نماز میں تھے لوگوں نے بہت غل مچایا لیکن آپ کی مشغولیت میں شمہ بھر فرق نہیں آیا۔ بعد میں لوگوں نے شکایت کی کہ آپ متوجہ کیوں نہ ہوئے گھر جل جاتا تو کیا ہوتا تو آپ نے فرمایا مجھے دوزخ کی آگ کا خیال تھا۔ اسی طرح ایک بار آپ کے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کنوئیں میں گر گئے آپ نماز میں مصروف تھے لوگوں نے بہتیرا واویلا کیا لیکن آپ کو خبر تک نہ ہوئی یہاں تک کہ نماز ختم ہوئی۔ آپ کنوئیں تک تشریف لے گئے اور ہاتھ بڑھا کر امام محمد باقرؑ کو اس طرح برآمد کر لیا کہ وہ بالکل محفوظ تھے۔

آپ پارسا اور انتہائی پرہیزگار ہونے کے علاوہ خلق محمدی کے وارث بھی تھے۔ ایک بار سنا کہ کوئی شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اسے سلام کیا اور بڑی ملائمت سے فرمایا۔ — تو نے جو کچھ کہا اگر وہ صحیح ہے تو خدا مجھ پر رحم کرے اور اگر تو غلط کہتا ہے تو خدا تجھے بخش دے۔ وہ شخص آپ کے پاؤں پر گر پڑا اور بے ساختہ پکارا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اولاد رسول

ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص جو آپ کو گالیاں دے رہا تھا اسے آپ نے ایک ہزار درہم عنایت کئے۔

آپ کے جود و کرم کے بے پایاں خزانے ہر خاص و عام کے لئے یکساں تھے۔ حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ کہا کرتے تھے کہ ہماری مخفی خیرات ان کے انتقال سے جاتی رہی۔ آپ مدینہ کے ضعیف لوگوں کا کام پوشیدہ طور پر کر دیا کرتے تھے۔ رات کو آٹے یا مدہ پھل کا تھیلا اٹھا کر محتاجوں میں تقسیم کیا کرتے تھے لیکن کسی کو اس امداد غیبی کا راز معلوم نہ ہوتا۔ آپ کی شہادت کے بعد لوگوں پر یہ حقیقت کھلی سفیان کا بیان ہے کہ آخری غسل کے وقت آپ کی پشت مبارک پر سیاہ نشان پایا گیا جو اناج وغیرہ اٹھانے کی وجہ سے آپ کی پشت پر نمودار ہو گیا تھا۔

آپ کی زندگی بہت ابتلاء و آزمائش میں گذری۔ واقعۂ کربلا کے بعد آپ کو کسی نے متبسم نہیں دیکھا آپ کثرت سے گریہ کرتے تھے اور کسی بازار سے گذرتے تو آپ کی حالت غیر ہو جاتی کہ حرم رسولؐ و وارث آیۂ تطہیر کی شام کے بازاروں میں بے پردگی کا خیال دامنگیر ہوتا تھا۔ اسی دور میں اسلام کی روح مردہ ہو رہی تھی۔ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس وقت میں آپ نے اپنا وہ فرض جلیل بہترین انداز میں پورا کیا جو آپ کا اور آپ کے خاندان کا مقصد اعلیٰ رہا تھا یعنی اشاعت دین حنیف زندگی علوم دینیہ اور تحفظ ختم نبوت۔ اس وقت آپ نے اپنے تابندہ کردار کی شمع فروزاں کی۔ شمع علم کے پرستار پروانہ وار آپ پر نثار ہوئے اور اکتساب فیض کرتے رہے وہی دور پر آشوب تھا جب منبر پر کلمۂ حق کہنا قابل گردن زدنی تھا۔ آپ عوام و خواص کے لئے علم و حکمت کے موتی اپنی دعاؤں اور مناجات میں لٹاتے رہے۔ اس وقت جب اعلیٰ صفات کردار ناپید ہو چکی تھیں۔ آپ کے ان ارشادات عالیہ سے انسانی کردار کو جلا دینے کا پیام ملتا ہے۔ توحید رسالت، سیاست، معیشت اور جہاد پر بھی اعلیٰ ترین و قطعی مباحث ملتے ہیں آپ کا یہ خاموش علمی جہاد اس غیر اسلامی نظام کے خلاف ایک نعرۂ احتجاج تھا جو اسلام کی آڑ لے کر مالی منفعت کی بنیادوں پر قائم کیا جا رہا تھا تاکہ لوگ اندازہ لگا سکیں کہ اصل اسلام کیا ہے اور ان کے حکمراں اسے کس انداز میں ان تک پہنچا رہے ہیں۔ احمد علی الحسینی العمرانی نے لکھا ہے۔ یہ ایک چشمۂ شفا ہے جس سے کوئی بیماری رہتی ہی نہیں۔

چند پاکیزہ خیالات کی ضو فشانی ملاحظہ ہو جس کی چوٹ پورے عالم انسانی پر تاقیامت پڑتی رہے گی اور بھٹکے ہوؤں کے لئے مشعل راہ بنے گی۔ آپ نے فرمایا:

"پاک ہے وہ خدا اور بلند ہے ان خیالات سے جو مشرکین نے قائم کئے ہیں:

"میرے سبب سے میرے کسی دوست کا دل نہ دکھا۔"

"اے خدا مجھے سرمایہ دار تو بنا لیکن سرمائے کو بیجا خرچ کرنے سے محفوظ رکھ اور مناسب داد و دہش، حسب موقع خرچ کرنے سے مجھے درست فرما دے اور سرمائے کی بہتر تقسیم کی مجھے تعلیم کر دے اور ان تمام امور کے بعد مجھے اسراف سے روک اور مجھے ایسا سرمایہ نہ دے جو مجھ میں سرمایہ دارانہ اکڑ اور سرکشی پیدا کر دے۔

افسانہ

وہ کون تھی

نسیم اختر

اس روز محفل خوب گرم تھی، ابا جان کے ایک دوست جو اکثر ہمارے گھر آتے اپنی دلچسپ اور پر مزاح باتوں سے سب کو ہنسانے میں مشغول تھے۔ یہ صاحب ایک سرکاری افسر اور بلا کے ظریف تھے۔ بات بات پر زندگی سے بھرپور اور جاندار قہقہے بلند کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ادھر میرے سامنے بھی یہی گڑبڑی ہے کہ ہنسی بے تحاشا ہوتی ہے۔ لہذا سب سے زیادہ ان کی آمد پر مجھے مسرت ہوتی ہے۔

"انکل ایک لطیفہ سناؤں۔؟؟" میں نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اجازت چاہی۔

"ہاں ہاں ضرور سناؤ۔ ارے نیکی اور پوچھ پوچھ" انھوں نے خوش دلی سے کہا۔

"اوہ بھئی یہ محترمہ تو ہر وقت لطیفے سنانے پر کمربستہ رہتی ہیں۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ لطیفے بھی اللہ کے فضل و کرم سے ایسے ایسے غیر دلچسپ کہ کسی بھی صاحب عقل کا اس پر ہنسنا تو درکنار مارے غصے کے ڈھنگ سے رونے کو بھی جی نہ چاہے۔ ارے لطیفے کیا ہوتے ہیں۔ اچھی خاصی دکھ بھری داستانیں ہوتی ہیں"۔

میری کزن شمع جس کے ساتھ میری ہمیشہ لگتی ہے ایک دم ہی بول پڑی اور پھر یہ کمبخت جب بولتی کفن پھاڑ کے بولتی ہے۔ خون ہی تو کھول کر رہ گیا۔ ویسے بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ لطیفے سنانے کا واقعی مجھے شوق ہے اور پھر کوئی ہنسے یا نہ ہنسے اپنے لطیفے کے اختتام پر خود ہی ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جانا بھی میری کمزوری ہے۔

"ہاں تو تم نے لطیفہ نہیں سنایا" انکل محظوظ ہوتے ہوئے بولے۔

"میں وہ لطیفہ بھول گئی" میں نے جل کر کہا۔

"ارے تو یاد کر لو ڈیر کزن" شمع پھر بول پڑی: "میں وعدہ کرتی ہوں کہ دل پر پتھر رکھ کر ہنسنے کی ہر ممکن کوشش کروں گی"

اسی وقت ہماری بھابی صاحبہ جو شریک محفل تھیں کچھ سوچتے ہوئے امی سے بولیں۔

"باجی میرے یہاں ایک بڑھیا روزانہ شام کا کھانا لینے آتی ہے۔ بیچاری غریب عورت ہے۔ اگر چاہیں تو آپ بھی اس کی کچھ امداد کر دیا کریں"۔

"ہرگز نہیں بھابھی" انکل نے فوراً دخل در معقولات کرتے ہوئے کہا "ان فقیرنیوں کو قطعی گھر میں گھسنے نہ دیا کریں۔ یہ بدکردار عورتیں ہوتی ہیں اور بے حد خطرناک بھی"۔

"ارے نہیں بھائی، وہ تو کوئی شریف اور خاندانی عورت معلوم ہوتی ہے"۔

"جی ہاں ایسی ایک ہزار پھرتی ہیں شریف زادیاں آپ کس کس کی امداد کیجئے گا" انکل تلخی سے بولے۔

"بھیا یوں جانے بوجھے بغیر کسی پر الزام دھرنا ٹھیک نہیں خدا سے ڈرنا چاہیئے"

امی نے حمایت کی "معلوم نہیں دکھیا کن حالات کی بنا پر یوں لوگوں کے ٹکڑوں پر پیٹ کا جہنم بھرنے پر مجبور ہے"

میں الزام نہیں دے رہا ہوں بھابھی۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ ان فقیرنیوں کا تعلق جرائم پیشہ افراد کے گروہ سے ہوتا ہے اور یہی عورتیں گھر کی بھیدی بن کر لنکا ڈھاتی ہیں۔ گھروں میں آئے دن جو چوریاں ہوتی ہیں انہی کی مہربانی ہے"

اس طویل بحث کے بعد بھی اماں نے انکل کی بات پر کان نہ دھرے اور مسلسل بڑھیا کی حمایت میں اڑی رہیں اور یوں وہ ہمارے گھر کا کھانا پکانے لگی.

خاموش خاموش سی سنجیدہ بوڑھی عورت. سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے، سوکھے پپڑیوں جمے ہونٹ، سیاہ حلقوں میں دھنسی زمانے کی سرد مہری کا شکوہ کرتی ہوئی بے نور سی آنکھیں اور چہرے پر ڈھیروں ویرانیاں سمیٹے وہ روزانہ کسی بھولی بسری یاد کی طرح آتی اور مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتی اور کھانا پکا کر شام کے دھندلکوں میں گم ہو جاتی. خدا جانے وہ کہاں سے آتی اور کہاں جاتی تھی.

گھر میں اسے کبھی ایک بدحال بھکارن سے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی. لیکن خدا جانے کیوں مجھے اس سے بے حد دلچسپی تھی میرے دل میں اس کے حالات جاننے کا بے حد تجسس پیدا ہوا. اس کے لہجے کی شائستگی اور گفتگو کا انداز بتاتا تھا کہ اس کا تعلق یقیناً کسی معزز گھرانے سے رہا ہوگا. باوجود اس کی زبوں حالی اور شکستہ لباس کے اس کی شخصیت میں ایک خاص وقار تھا.

آخر ایک روز میں نے جی کڑا کر کے اس سے پوچھ لیا.

اماں تم ایک عرصے سے ہمارے ہاں آ رہی ہو لیکن آج تک تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا. آج تم اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ کہ وہ کون سے حالات ہیں جن کی وجہ سے تم یوں در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو.

یہ سن کر ایک زخمی مسکراہٹ اس کے سوکھے لبوں پر پھیل گئی. چہرے پر حیرت تھی. اچانک وہ اٹھی اور ایک لفظ کہے بغیر تیزی سے باہر چلی گئی. مجھے افسوس ہوا کہ کیوں میں نے یہ سوال کیا. شاید اپنے خول سے نکلنا اسے پسند نہیں. اپنے بارے میں کوئی انکشافات اسے منظور نہیں.

اگلے روز وہ معمول کے مطابق دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی نظر آئی. اس سے پیشتر کہ میں کوئی معافی پیش کرتی وہ نہایت آہستگی سے بولی:

— بیٹی...... تم نے میرے بارے میں جاننا چاہا تھا شاید اپنے بارے میں کسی کو کبھی ایک لفظ نہ بتاتی لیکن اب تم نے ہمدردی سے پوچھا ہے تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گی ضرور ...... یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی. دو شفاف آنسو چشم نم سے نکلے اور پھسلتے ہوئے میلے دوپٹے میں جذب ہو گئے.

ہاں اماں تم اپنے متعلق مجھے سب کچھ بتاؤ. آج یہ مہر خاموشی جو تمہارے ہونٹوں پر ثبت ہے اسے توڑ دو. مجھے بتاؤ کہ آخر تم اتنی اداس کیوں رہتی ہو، تمہارا چہرہ ویرانیوں کا مسکن کیوں ہے؟ وہ کون سے غم کی دھول ہے جس نے تمہارے نقوش کو جو یقیناً کبھی دلکش رہے ہوں گے اس قدر مدھم کر دیا ہے.

میں تمہاری ممنون ہوں. غمگسار ہوں. مجھے اپنے شاندار ماضی کے متعلق بتاؤ." میں اسے اعتماد میں لینا چاہتی تھی."

"شاندار" وہ دونوں ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے بولی. "میرا ماضی کسی زمانے میں بھی شاندار نہیں رہا تاہم میں نے کچھ اچھے دن ضرور گزارے ہیں. اس نے ایک سرد آہ کھینچ کر کہا. "میں نے ایک خوشحال زمیندار گھرانے میں جنم لیا. ماں نے اپنے چاؤ سے میرا نام رانی رکھا تھا." اتنا کہہ کر وہ بڑے طنز سے مسکرائی "بیٹی اپنے نام اور قسمت کا موازنہ نہ کر رہی ہو."

"بہت چھوٹی تھی کہ ماں کا انتقال ہو گیا. اور پھر باپ کا سایہ بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا. تایا نے چھوٹی عمر میں بیاہ کر اپنے سر سے ٹال دیا. قسمت کی ستم ظریفی کہ میرا شوہر بگڑا ہوا عیاش شخص نکلا. شراب اور جوا اس کی زندگی کے لازمی جزو تھے. وہ روزانہ شراب پی کر آتا اور نشے میں مجھے دھن ڈالتا. ذرا سی لغزش پر اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ آتا. میں سب کچھ صبر سے برداشت کرتی رہی. اپنا حال دل کہتی بھی تو کس سے میرا پرسان حال تھا بھی کون؟ لیکن بیٹے کی پیدائش نے مجھے بہت ہی حوصلہ بخشا اور میں سب کچھ بھول کر اس کی پرورش میں مصروف رہی. خیال تھا کہ اولاد کی موجودگی میرے شوہر کو سنوار دے گی. لیکن وہ تو بیٹے کی طرف بھی توجہ نہ دیتا. اس کی وہی پرانی روش تھی. گھر کا روپیہ پیسہ تیزی سے اس کی بری عادتوں کی نذر ہو رہا تھا. شراب نوشی سے اس کی صحت دن بدن گرتی جا

تھی۔ آخر ایک روز ڈاکٹر نے یہ منحوس خبر سنا دی کہ اس کے پھیپھڑے خراب ہو گئے ہیں اور وہ چند روز کا مہمان رہ گیا ہے اور پھر وہ موت کی گھڑی بھی جلد ہی آن پہونچی ایک اداس سی شام کو وہ مجھے تنہا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر رخصت ہو گیا۔ شوہر کی موت نے بالکل ہی میری کمر توڑ دی۔ وہ جیسا بھی تھا، تھا تو اپنے سر کا تاج لیکن بیٹے کی موجودگی نے میری کافی ڈھارس بندھائی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ شرابی باپ کا بیٹا اس کے نقش قدم پر چل کر اس جیسا نکلے میں تو اسے ہر لحاظ سے اچھا اور نیک آدمی دیکھنا چاہتی تھی اس کے مستقبل کی خاطر ایک روز میں نے اپنے آبائی وطن کو ڈبڈبائی آنکھوں سے الوداع کہا اور بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر شہر کی کسی گمنام گلی کے تنگ و تاریک کمرے میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں میں محنت مزدوری کرنے لگی۔ بیٹے کو میں نے اسکول میں داخل کر دیا میں نے دن رات ایک کر دیا اور بیٹے کو پڑھایا آخر مسلسل محنت اور طویل جد و جہد کا پھل مجھے اپنے چاند کی اعلیٰ تعلیم اور پھر کامیاب ملازمت کی صورت میں مل گیا۔

اب میرے سر میں چاندی کے تار بڑھاپے کا پیغام لا رہے تھے۔ لیکن تکلیفوں اور پریشانیوں کا زمانہ گزر چکا تھا۔ مجھے بیٹے کا گھر بسانے کی فکر ہوئی۔ خدا نے یہ مشکل بھی آسان کی۔ لڑکا قابل ہو تو اس کو بر ملنے میں کیا دیر لگتی ہے۔ میری بہو پڑھی لکھی اور خوبصورت تھی۔ اس کے آنے سے گھر کے سونے آنگن میں جیسے بہار آگئی لیکن میری تکلیف و مصائب کہاں ختم ہوئے تھے خوشی کے وہ پل جھپکتے گذر گئے اور غم کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

میرا وجود اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ وہ پڑھی لکھی اور خوشحال گھرانے کی بیٹی تھی بھلا ایک جاہل اور دیہاتی ساس کو اپنے گھر میں کیونکر برداشت کر سکتی تھی۔ بہو کے بھڑکانے میں آکر بیٹا بھی بے عزتی کرنے لگا اور اس روز تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب بیٹے نے مجھے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ "ماں میں روز روز کی تو تکار سے عاجز آ چکا ہوں۔ محض آپ کی وجہ سے میرے گھر کا سکون درہم برہم ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنا انتظام کر لیں۔" بیٹے کی عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔ وہ نادان نہیں تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ بیوہ ماں کا اس کے علاوہ دنیا میں کون ہے؟ اس کے بعد جو ہوا اور ہو رہا ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ اتنا کہہ کر وہ زار و قطار رونے لگی۔

اس کی کہانی میں کوئی نئی بات، جدت اور انفرادیت محسوس نہیں ہوئی۔ ساس بہو کے روایتی جھگڑے کی وہی رٹی رٹائی داستان تھی جو ہمارے معاشرے میں سالہا سال سے دہرائی جا رہی ہے اور کون جانے کب تک دہرائی جاتی رہے گی لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ مجھے بڑھیا کی کہانی پر بالکل یقین نہ آیا۔ مجھے یقین تھا اس نے اور بہت سے بھکاریوں کی طرح ہمدردی بٹورنے کے لیے یہ کہانی گھڑی ہے۔ دل تو چاہا کہوں۔

"بی! کوئی نئی بات سنائی ہوتی یہ قصہ تو اب اس قدر پرانا ہو چکا ہے کہ اس میں کوئی دلکشی نہیں رہ گئی۔

اس روز انکل بہت دن بعد آئے تھے، انھیں دیکھ کر سب کھل اٹھے اور بڑھ بڑھ کر ان کی طویل غیر حاضری کا شکوہ کرنے لگے۔

"کیوں بھئی آج کوئی لطیفہ سنانے کا پروگرام نہیں ہے کیا؟" انھوں نے مجھے چھیڑا لی بھری۔

"کیوں نہیں؟" میں نے چہک کر کہا اور ان کے پیشے کے متعلق ایک لطیفہ جو اسی روز کسی رسالے میں پڑھا تھا سنانے لگی جو کچھ یوں تھا۔

"ایک جسمانی کرتب دکھانے والے نے لیمو نچوڑا اور لوگوں کو دعوت دی کہ اگر کوئی اس میں سے مزید ایک قطرہ بھی نچوڑ دے تو وہ اسے انعام سنا دان دے گا۔ مجمع پر خاموشی چھا گئی اچانک ایک شخص مجمع کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور لیموں میں سے تین قطرے ٹپکا دیے۔ جسمانی کرتب والا ہکا بکا رہ گیا اور فرسندہ ہو کر پوچھا۔

"جناب آپ کون ہیں؟"

"انکم ٹیکس آفیسر!" اس شخص نے مسکرا کر جواب دیا۔

لطیفہ سن کر انکل نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور

دیر تک ہنستے رہے۔ اتنے میں سامنے سے روٹی پلنے والی اماں آتی دکھائی دی۔ جونہی انکل کی اس پر نظر پڑی کہ نہ جانے کیوں ان کا رنگ فق ہوگیا۔ ادھر ہی خانے کی طرف آتے ہوئے اماں نے کھالان میں بیٹھے ہوئے انکل کو بے یقینی سے دیکھا۔ اس کی پلکیں حیرت سے پھیل گئیں اور تب ہی میں نے اس کی بوڑھی آنکھوں میں ایک وقت حیرت، مسرت، نفرت اور نہ جانے کن کن بے نام جذبوں سے لہریں سی موجزن دیکھیں۔ اس کی رنگت متغیر ہوگئی اچانک اس کے چہرے پر زلزلے کے سے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے ایک آخری حقارت بھری نگاہ انکل پر ڈال جھٹکے سے مڑی اور تیزی سے شام کے سرمئی دھندلکوں میں گم ہوگئی۔ ادھر انکل کی حالت غیر تھی۔ وہ اب بھی ٹکٹکی باندھے دروازے کی طرف گھور رہے تھے۔ ان کا چہرہ کسی ایسے پتے کی مانند لرز رہا تھا جس پر خزاں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نازل ہو چکی ہو۔ چائے کی پیالی ان کے لرزیدہ ہاتھوں میں کانپی اور ساری چائے ان کے قیمتی سوٹ پر چھلک گئی۔ لیکن نہ تو انھیں اپنے سوٹ کے ستیاناس ہونے کی پروا تھی اور نہ ہی کسی دوسری بات کا ہوش۔ ان کا تمام بدن پسینے سے شرابور تھا۔ آخر خالی پیالی تپائی پر رکھتے ہوئے وہ بھرائی آواز میں بولے۔

"اچھا اب میں چلوں؟"

"جی نہیں۔ آج تو ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے۔ ابھی تو آئے ہیں" ہم نے اصرار کیا لیکن وہ کسی بات کا کوئی جواب دیئے بغیر کھڑے ہوگئے۔

اس روز ہم سب نے ان کی چال میں اس جوانی کی لڑکھڑاہٹ واضح طور پر محسوس کی جو اپنا سب کچھ ہار کر تہی دامن گھر لوٹ رہا ہو۔

اور وہ دن اور آج کا دن۔ نہ تو وہ اماں لوٹ کر دوبارہ آئی اور نہ ہی انکل نے اپنی شکل دکھائی۔

اور اس نے فیصلہ بدل دیا

نکہت پروین

میں کہ گم کردہ وادیٔ محبت ہو کر — کب سے سرگشتۂ احساس دل الجھا ہے دوست
کشتۂ سوز غم و جذبۂ حسرت ہو کر — یہ غلط ہے کہ تجھے بھول گئی ہوں اے دوست

آج وہ پھر اداس تھی ... بے حد اداس ... شام ڈھلنے لگی تھی۔ اور رات کا اندھیرا دھیرے دھیرے بام پر اتر آیا تھا... ہوا میں بھی کچھ خنکی آ چلی تھی۔ مگر... شمع ... ان سب باتوں سے بے خبر کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے سوچے ہی جا رہی تھی ... جانے کیا کیا ... اسے کرن یاد آ رہی تھی اس کی اپنی کرن ... اس کی واحد سکھی۔ اس کی راز دار و غمگسار ... جس کے ساتھ اس نے اپنے بچپن سے لے کر اب تک کی زندگی گذاری تھی کتنی یادیں وابستہ ہیں اس کے ماضی سے ... کرن ... جس سے اسے بہت پیار تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کرن بیگانگی کی نقاب اوڑھ لیتی ... اور تب ... شمع کی اداسی گہری ہو جاتی ... یہ دھوپ چھاؤں کی دوستی ... جس میں خلوص تھا۔ وفا تھی ... پیار تھا۔ لمحہ بہ لمحہ گہری مضبوط اور مستحکم ہوتی گئی۔

آہ! یہ بھولی یادیں ... خراماں خراماں اس کے ذہن کی دہلیز پر آ کھڑی ہوئی ہیں ... بارہا ایسا ہوا ہے کہ شمع اداس ہوتی اور اس سے دور اپنے گھر میں بیٹھی کرن کے دل پر غبار سا چھا جاتا۔ اور بے وجہ ہی وہ بھی اداس ہو جاتی اور پھر ... یا تو وہ اسے بلانے کا پیغام بھیجتی یا خود ہی اس کے پاس آ جاتی۔ واقعی ان میں کوئی روحانی تعلق تھا ... ہاں ... یہ بھی تو ایک بھولی ہوئی یاد ہے۔

شمع اداس تھی ... بے حد اداس ... جانے کیوں۔ وہ خود۔ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ کیوں اچانک ہی اداسی کی دھند اس کے اطراف چھا جاتی ہے۔ بس ... اس کا دل بھرا آ رہا تھا۔ سارا دن وہ آوارہ بادلوں کی طرح ادھر سے ادھر پھرتی رہی۔ اور شام سے ہی وہ سر درد کا بہانہ کر کے بستر میں لیٹ گئی۔ تکیہ پر سر رکھتے ہی بے اختیار آنسو ابل پڑے۔ اور وہ چپکے چپکے ہی روتی رہی۔ کہ اچانک ... ایک جانا پہچانا لمس اس نے محسوس کیا۔ ساتھ ہی کرن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ آنچل سے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

کیا بات تھی! ... آج پھر تو روئی ...

اور شمع نے کچھ کہے بغیر اپنا سر جھکا لیا۔

بول نا شمع ... کرن نے اس کا سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

آج تو صبح سے ہی اداس تھی نا ...

ہاں کرن! ...

اور تو جانتی ہے نا ... کہ جب شمع اداس ہو تو کرن بھی خوش نہیں رہ سکتی۔ جانتی ہے ...؟ آج صبح ہی سے میرا دل گھبرا رہا تھا۔ اور کچھ دیر پہلے تو بہت زور سے دل دھڑک اٹھا ... مجھے ایسا لگا جیسے تو نے مجھے پکارا ہے ... میں رہ نہ سکی اور فوراً ہی تیرے پاس چلی آئی ... مگر ... ایک فیصلہ کر کے ... یہ کہہ کر کرن خاموش ہو کر گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی ...

کیا فیصلہ ...؟ شمع زبردستی مسکرائی۔

یہی کہ آج میں تجھ سے تیری اداسی کی وجہ پوچھ کر ہی رہوں گی۔ بول ... یہ اچانک تجھے کیا ہو جاتا ہے ... کوئی راز ایسا بھی ہے جو مجھ سے بھی چھپایا جائے۔

نہیں۔ نہیں ... کرن ... تمہاری قسم ... ایسی کوئی بات نہیں ...

پھر کیا بات ہے ... کرن نے پیار سے ڈانٹا۔

کچھ بھی تو نہیں ... شمع نے آہ بھر کر اس کے کاندھے پر سر رکھ دیا ... میں خود کچھ نہیں پاتی کرن ... کہ کیوں یہ سناٹا سا میرے ارد گرد چھا جاتا ہے۔ مجھے کسی چیز کی کمی نہیں ... مگر پھر بھی کبھی کبھی انجانا سا دکھ میرے دل میں سمٹ آتا ہے۔ ایک خلاء

سا مجھے محسوس ہوتا ہے۔ اور پھر ایک سناٹا سا میری روح میں اترا چلا
جاتا ہے... اس وقت... نہ جانے میرا جی کیا چاہتا ہے.... اور میں
اداسیوں کی دھند میں ڈوبتی چلی جاتی ہوں... بس... ایسے میں
تمہارا ہی نام میرے دل کی دھڑکنوں میں گونجنے لگتا ہے۔ اور یہ کتنی
خوشی کی بات ہے کرن... کہ تم تک میرے دل کی صدا پہونچ جاتی ہے
کرن... تمہاری ذات میرے لیے بہت بڑا سہارا ہے۔ مجھے چھوڑ نہ دینا
کرن۔ مجھے چھوڑ نہ دینا... وہ سسک اٹھی.. اور کرن نے یوں اسے
اپنے سینے میں چھپا لیا جیسے کوئی شفیق ماں اپنے معصوم بچے کو چھپا لیتی
اور... کبھی کبھی... جب کرن بیگانگی کی نقاب اوڑھ لیتی تو....
اکثر ایسا بھی ہوا... کہ... جب حسب معمول شمع کو اداسیاں گھیر لیتیں اس
کا دل چاہتا... اس کا کوئی بہت ہی اپنا... اس کے پاس آئے اور
چپکے سے اس کی اداسیاں سمیٹ لے۔ ایسے میں بس کرن کا ہی تصور
اس کے ذہن کے پردے پر ابھرتا۔ اسے محسوس ہوتا... کرن ابھی آئے
گی۔ پیار سے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہے گی۔
ہوں... تو آج پھر دورہ پڑا میری شمع کو... پگلی کہیں کی...
سب دکھاوا ہے یہ۔ کل جب کوئی مجھ سے بھی زیادہ اپنا مل
جائے گا تو کرن کی یاد بھی نہیں آئے گی... چل بس... اب اٹھ...
اور ہنستی مسکراتی زندگی کو پیار سے گلے لگا لے۔
... مگر... مگر... یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا... نہ کرن آتی... نہ کرن
سے زیادہ کوئی اپنا... وہ اپنے دکھ آپ ہی سمیٹ کر خود کو خاموشیوں
کے حوالے کر دیتی... کرن کی بے رخی اسے اور زیادہ دکھی کر دیتی
مگر... چار دن بعد ہی کرن و شمع کی جوڑی پھر مسکرا اٹھتی... لوگ انکی
دوستی کو رشک سے دیکھتے۔ انھیں خود بھی تو ناز تھا اپنی اس بے مثال
دوستی پر...
دن گذرتے رہے... پھر... کرن کی شادی ہو گئی... وہ پردیس
چلی گئی۔ بہت جلد ہی اس کا خط شمع کو ملا۔ کرن نے آنسوؤں کی
زبان میں شمع سے جدائی کی داستان لکھی تھی۔ شمع کا حال تو اس سے
زیادہ ابتر تھا... وہ تو یکبارگی ایک دم تنہا ہو گئی تھی... کوئی اور
سہیلی تھی نہ کوئی ہمنوا... وہ گم صم سی ہو کر رہ گئی... وقت کس کے
روکے رکا ہے۔ ایک سال بیت گیا۔ اور پھر کرن کے رویہ میں تبدیلی
آ گئی... وہ اپنے گھر آتی تو شمع سے یوں ملتی جیسے کوئی اجنبی کہیں
سسرال مل گیا ہو اور اس سے رسمی تعلق نبھایا جا رہا ہو۔ سسرال جاکر تو
مہینوں خط نہ لکھتی۔ اور کبھی لکھتی بھی تو چار سطریں رسمی سی... کرن کی
بے رخی شمع کے دل کا درد بنتی گئی... اس نے کبھی بھی کرن سے اس کی
بیگانگی کی شکایت نہیں کی... بس خود ہی چپکے چپکے گھلتی رہی۔
شام گہری ہو گئی تھی... اس نے بتی جلائی اور بے دلی سے آکر
کرسی پر بیٹھ گئی۔ بے خیالی میں پیڈ کھینچا اور قلم اٹھا کر کچھ لکھنے لگی۔
کئی صفحات سیاہ کر دیے تو چونک کر دیکھا... دل کا سارا درد کاغذ
پر بکھر گیا تھا۔ اس کے اندر سے کہیں سے ایک سرگوشی ابھری
پگلی! تجھے کسی ساتھی کی ضرورت ہے نا۔ کرن تیری ساتھی نہیں
بن سکتی۔ یہ قانون قدرت کے خلاف بات ہے۔ کرن نے اپنا حقیقی
ساتھی پا لیا ہے۔ تو بھی تلاش کر لے۔ ایک ایسا ساتھی جو تجھے بھی کرن
سے دور کر دے
اور یہ آواز شمع کی راہبر بن گئی... اس نے اپنے اس عہد کو توڑ
دینے کا فیصلہ کر لیا کہ وہ شادی نہ کرے گی۔
دراصل یہ اس کی بھول تھی۔ اس نے ایک مرد کی بے وفائی سے
متاثر ہو کر کرن سے محبت کر لی تھی۔ اس کی نظروں میں دنیا کا ہر مرد
بے وفا نظر آتا تھا۔ اور ہر عورت باوفا۔ لیکن اسے معلوم نہ تھا کہ عورت
مرد سے بھی زیادہ بے وفا ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی محبت اسی
وقت تک رہتی ہے جب تک اسے جیون ساتھی نہیں مل جاتا۔
اس کے بعد وہ اپنی دنیا میں کھو جاتی ہے جہاں جیون ساتھی اور بچوں
کے علاوہ کسی سے محبت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔
شمع کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ اس نے شادی کر لی اور جب اسے
تجربہ ہوا کہ ہر مرد ایک جیسا نہیں ہوتا۔ جس نے اس سے بے وفائی کی
تھی۔ اور پھر اسے یہ معلوم ہو گیا کہ کیوں کرن نے اس سے محبت
ترک کر دی تھی۔

آؤ پڑوسن باتیں کریں

حافظ عاشق ہرگانوی

نورجہاں نے اپنے فلیٹ میں تالا ڈالا اور دو منزلے سے نیچے آگئیں۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ پہلے بازار سے سبزی لے آئیں۔ گڈی کے پاپا کئی روز سے کہہ رہے تھے کہ پالک کا ساگ کیوں نہیں بناتیں آج خود بھی پالک کھانے کو جی چاہا تو وہ سوچنے لگیں کہ پالک لے ہی آیا جائے۔ ان کے قدم بازار کی طرف بڑھ گئے۔

لیکن ابھی وہ چار چھ قدم ہی آگے بڑھی تھیں کہ پیچھے سے آواز آئی "اے نورجہاں بہن، کہاں جا رہی ہو؟"

انھوں نے مڑ کر دیکھا تو مسرت ہاتھ میں پرس اور تھیلا لیے چلی آرہی تھی۔

"آؤ آؤ۔ بہت دن جیو گی۔ ابھی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔"

"میرے بارے میں کیا سوچ رہی تھیں؟"

"یہی کہ آج تمہارے گھر آکر تمہیں بور کروں۔"

"واہ اب کبھی آتی نہیں ہو تو یہ بہانہ لے بیٹھیں۔"

"سچ کہتی ہوں۔ بازار سے لوٹ کر تمہارے گھر آتی۔"

"یہ سوچا بھی تھی کہ بازار سے لوٹ کر آؤ گی۔ دو گھر بعد میرا گھر ہے۔ پڑوس میں رہ کر نہیں آتی ہو اس پر یہ بہانہ۔"

"کیا کروں مصروفیت میں گھر جاتی ہوں۔ مجھے خود احساس ہے کہ عید بقرعید، محرم کتنے ہی تہوار گزر گئے اور میں تمہارے گھر جھانکنے بھی نہیں گئی۔"

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ آج بھی نہیں آنے کا بہانہ گڑھ رہی ہو۔"

"اب زیادہ شرمندہ نہ کرو۔ ہاں یہ بتاؤ کہاں جانے کے لئے نکلی ہو؟"

"بازار جا رہی ہوں۔ سبزی لانی تھی۔"

"پھر چلو، میں بھی چل رہی ہوں۔ سبزی مجھے بھی لینی ہے۔ دن ملنے کے جھمیلے سے جی اکتا یا سا لگتا ہے۔"

"کیسا جھمیلا؟" مسرت نے پوچھا۔

"ارے بہن، یہ شادی شدہ زندگی جھمیلے سے کم نہیں ہے۔ اچھا کیا ہے تم نے شادی نہیں کی ہے۔ سکھ سے تو ہو۔"

"سکھ؟ یہ تم کہہ رہی ہو۔؟ بغیر مرد کے، عورت کا تصور ہی ممکن نہیں ہے۔"

"پھر تم کنواری کیوں ہو؟ تم تو خود کفیل ہو، برسر روزگار ہو۔"

"بہت جلد شادی کر رہی ہوں۔ اتنے دنوں تک اکیلی رہ کر تجربہ کر رہی تھی کہ بغیر مرد کے زندگی کیسی لگتی ہے۔"

"کیسی لگتی ہے؟"

"نہایت واہیات۔ اصل زندگی کا کوئی مزہ ہی نہیں ہے۔ دراصل عورت کی صحیح زندگی اس کا شوہر اور بچے ہیں، جس کی وسعت گھر کی چار دیواری ہے اور اسی حکومت کی وہ ملکہ اور رانی بتائی جاتی ہے۔"

"آج گرانی کے زمانے میں کمزور اور مجبور عورت سے اپنی حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو تھامنا مشکل ہو رہا ہے۔"

"لیکن کوئی عورت خود کو کمزور اور مجبور کیوں سمجھے؟"

"ایسا نہ سمجھے تو پھر کیا سمجھے۔ ہزار خواہشوں کے ساتھ ساتھ ہر عورت کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایک چہار دیواری کے اندر اپنے شوہر اور بچوں کے بیچ رہے۔ لیکن آج چہار دیواری کی مملکت میں رہ کر کوئی بھی عورت اپنے کسی بھی طرح کے خواب کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس لئے وقت آواز دیتا ہے کہ گھر کی کل بننے سے بہتر ہے کہ ٹیچر بنو، نرس بنو، کلرک بنو یا کچھ بھی بنو۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ حالات کی ستم ظریفی پر میری نگاہ بھی ہے۔ آج حالات اس حد تک ناگفتہ بہ ہو گئے ہیں کہ ایک لڑکی یا عورت کے لئے ملازمت ضروری ہو گئی ہے۔ گویا، شادی کا نعم البدل صرف نوکری ہے جو سارے مطالبات کا حاصل ہے۔ لیکن متوسط طبقے کی شادی شدہ عورت جب اپنی حکومت سنبھالنے کے لئے میدان میں آتی ہے تو اس کی تعریف نہ کر کے اسے محض ذہنی تفریح، مالی آزادی اور ذمہ داریوں سے فرار کہا جاتا ہے۔ ہمدردی کے چند الفاظ کی بجائے اسے لعنت ملامت کا تحفہ ملتا ہے۔ بیشتر جگہوں

میں اس کا دوسرا پہلو عملی طور پر زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دالان میں کوڑا جمع ہو گیا ہے جھاڑو دے لو، میلے کپڑے غسل خانے میں ڈال دو، پتیلی میں پانی رکھ دو چائے کا وقت ہو گیا ہے، سونی رو رہی ہے ذرا گود لے لو وغیرہ! جب یہ حالات ہوں تو عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ لڑکی ہی بنی رہے۔"

"آخر کب تک؟"

"ہاں، یہ بھی صحیح ہے کہ آخر کب تک۔ زندگی کے مطالبات کو وہ کب تک نظر انداز کر سکے گی اور چشم پوشی یا فرار سے کب تک کام لے گی؟"

"تم نے تو ایک ہی پہلو پر نظر ڈالی ہے اور گھبراہٹ محسوس کر رہی ہو۔ دوسرا پہلو دیکھو گی تو رو کھا جاؤ گی۔"

"کون سا دوسرا پہلو؟"

"راشدہ کی زندگی کو دیکھ کر سمجھو!"

"کون راشدہ؟ وہ نگہت کی بہن جو اسی کے اسکول میں ٹیچر ہے؟"

"ہاں ہاں وہی۔"

اس کی زندگی۔ سے کیا کہوں۔ دیکھنے میں بہت سیدھی سادی لگتی ہے"

"ہشت۔ تم بھی کہاں کی لے بیٹھیں۔ میں اس کی گھریلو زندگی کی بات کر رہی تھی۔"

"اوہ اچھا۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں راشدہ سے تھوڑی دیر کے لئے صرف ایک بار ملی ہوں۔ ظاہری طور پر بھلی لگی تھی مگر اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ اپنے اندر کتنے ہی راز چھپائے بیٹھی ہے۔ میں اسے پرکھنا چاہتی تھی، مگر وہ بار بار میرے پاس سے اٹھ کر چلی جاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے موجودہ حالات سے مطمئن نہیں ہے۔"

"یقیناً وہ مطمئن نہیں ہے۔ اس کے شوہر یونس کا معاملہ تو اور بھی عجیب ہے۔"

"کیا وہ شادی شدہ ہے؟"

حقیقتاً۔ تم شاید اس کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی ہو۔ راشدہ بیچاری اپنے شوہر کی لاپروائی سے عاجز رہتی ہے۔ اس کے گندے بنیان کی طرف وہ توجہ دلاتی ہے، بٹنوں کے ٹوٹے ہوئے بٹن کا اسے خیال رکھنا پڑتا ہے، آج کون سا دن اور تاریخ ہے اور ریڈیو پر دودھ بھارتی کہاں پر لگتا ہے، اس کی جانکاری بھی اسے

ہی دینی پڑتی ہے۔ تم ابھی شوہر سے واقف نہیں ہو اس لئے سمجھ رہی ہو کہ شوہر نام کا یہ شخص کوئی بڑا رومانی قسم کا آدمی ہوگا۔ حالانکہ سبھی شوہر اس طرح کے نہیں ہوتے۔ راشدہ کے یونس کی ہی مثال لو۔ یونس باہر سے کاروباری ہے اور اندر سے شاید کاروباری بھی نہیں ہے۔ کیونکہ کاروبار میں وہ اتنا بے پروا ہے جس سے اسے نت نیا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اندر سے وہ تاریخی دور سے پہلے کا انسان معلوم ہوتا ہے۔ وہ سوتا ہے، جاگتا ہے، صبح سویرے اٹھ کر کچھ اپنی اور کچھ گھر گرہستی کی ضرورتیں پوری کرتا ہے، پھر کھانا کھا کر دکان چلا جاتا ہے اور رات کو لوٹ کر کھانا کھاتے ہی سو جاتا ہے۔ اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔ دکان کے کام کے علاوہ اسے اور کسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اسے خود کیا کھانا یا پہننا ہے، کپڑے میلے ہیں یا پھٹ گئے ہیں، اسے ان سب باتوں سے کوئی غرض نہیں ہے۔ اب بیچاری راشدہ اسے سنبھالے، گھر کو سنبھالے، بچوں کو سنبھالے، اسکول کرے، دنیاداری نبھائے بیمار پڑے تو خود ہی علاج کرائی پھرے۔ آخر کیا کیا کرے۔ یونس کوئی ذمہ داری اپنے آپ پر نہیں لیتا ہے۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ وہ بیوی اور بچوں سے خوب پیار جتائے گا۔ راشدہ لڑے یا ڈانٹے، چپ چاپ سب کچھ سن لے گا۔ اور کوئی کام بگڑ جانے پر ایسا ظاہر کرے گا کہ اسے تو تمام باتوں کی بڑی فکر رہتی ہے، لیکن بیچاری کیا کرے، اس کی قسمت ہی ساتھ نہیں دیتی۔"

"یقیناً یہ ایک ٹریجڈی ہے۔ اس طرح کی مثالیں اور بھی مل جائیں گی۔ مگر ان کا حل کیا ہو سکتا ہے؟" مسرت نے فکرمند لہجے میں پوچھا۔

"آج عورت اس اسٹیج پر پہنچ گئی ہے جہاں سے واپس آنا اچھا نہیں اور کھڑا رہنا مشکل ہے۔ عورت سروس کر کے بھی گھر کی ذمہ داریوں سے الگ نہیں ہو سکتی اور نہ اسے ہونا چاہئے۔ لیکن جب تک لوگوں کی ذہنیت صحیح راستے پر نہیں آئے گی، مرد اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ اس وقت تک مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ سماجی مسائل بگڑتے ہی جائیں گے۔"

"اچھا بہن، آؤ سبزی لے لیں۔ پھر گھر چل کر باتیں کریں گے۔"

"آج نہیں، پھر کسی دن میں آؤں گی۔ آج بازار میں دیر ہو گئی۔ دن کے کھانے کے لئے سبزی بھی بنانی ہے۔"

اچھا تو پھر سہی!"

ایک تاریخی افسانہ

ــــ ترجمہ رفعت سلطانہ خواجہ

سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیا لیو ونیا کے تمام شراب خانے اور ریستوران تقریباً خالی پڑے تھے ہر طرف ویرانی چھائی ہوئی تھی وہ ٹکٹکی باندھے سڑک کی طرف دیکھتی رہی شاید وہ ان دنوں کو یاد کر رہی ہے جب اس کا بوڑھا باپ اس کی انگلی پکڑے اسے انہی سڑکوں پر گھمایا کرتا تھا مگر وہ سنہرا دور اب گزر چکا تھا۔ حالات نے اسے شاہی گرجے کے پادری کچی کاتت کے یہاں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کے آوارہ مزاج بیٹے نے اس کی زندگی عذاب میں ڈال رکھی تھی وہ ہر وقت چھلاوے کی طرح اس کے پیچھے لگا رہتا وہ جدھر جاتی اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جاتا اور اپنی محبت کا اظہار کرنے لگتا وہ سخت پریشان تھی کیونکہ وہ اس کے مزاج سے واقف تھی اسے یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ بوڑھے پادری کا بیٹا ایک آوارہ مزاج نوجوان ہے وہ محض اس کے حسن کا پجاری اور جب اس کا حسن ڈھل جائے گا تو وہ اپنا دامن سمیٹ لے گا وہ ایک پاک دامن لڑکی تھی اس لیے اپنی عصمت بچانے کے لیے ایک برفانی رات میں پادری کے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اس کے قدموں کی آہٹ رات کے سکوت کو توڑ رہی تھی بیچی کے درختوں پر تھکا دینے والا سکوت طاری تھا۔

”کتھرائن، میری بیٹی تم کہاں ہو؟“

یہ بوڑھے پادری کی آواز تھی جو اسے دور سے سنائی دے رہی تھی، بوڑھے پادری کی آواز سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے وہ ٹھہر گئی، بڑھتے ہوئے قدم جیسے جم کر رہ گئے، بھولی بسری یادیں اس کے ذہن کے پردوں میں ابھرنے لگیں اور پھر نہ جانے کیوں اس نے آواز کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔

”میں یہاں ہوں میرے مقدس باپ“

”بیٹی اپنے گھر واپس لوٹ چلو“ آواز اس کے بالکل قریب آ گئی۔

”مجبوروں اور بے سہاروں کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ مقدس باپ“ کتھرائن لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

بوڑھا پادری کچی کاتت اس کے نزدیک پہنچا اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا ”بیٹی اپنے بوڑھے باپ کو معاف کر دو“

کتھرائن نے عقیدت اور احترام سے سر جھکا لیا اور پادری کے ساتھ گرجے واپس آ گئی۔

کتھرائن سویڈن کے ایک گاؤں ”مرین برگ“ میں پیدا ہوئی تھی“ مرین برگ“ بیچی کے درختوں میں گھری ہوئی ایک چھوٹی سی خوبصورت بستی تھی۔ یہاں وہ اپنے والدین کے ساتھ انتہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی تھی۔ حالات سے تنگ آ کر اس کے باپ نے اپنا ملک چھوڑ دیا اور روس میں رہنے لگا یہاں کے شاہی گرجے کے پادری کچی کاتت کو کتھرائن سے بڑی محبت تھی وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہتا، ہر روز اپنے ساتھ گرجے لے جاتا مجسموں کے سامنے جھکنے کے آداب اسے یاد تھے۔ مگر شاہ بلوط کا بنا ہوا مجسمہ وقت کے بہتے ہوئے دھارے کو نہ روک سکا اور پھر ایک دن اس کا بوڑھا باپ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس کی ضعیف ماں محنت مزدوری کر کے اس کا پیٹ پالتی رہی مگر ایک اندھیری رات جب شدید طوفان آیا ہوا تھا اس کی ماں بھی کسی حادثے کا شکار ہو گئی۔ اس وقت سے وہ تنہا تھی، بالکل تنہا۔

لیو ونیا کی سڑک پر دو سائے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے اور بوڑھا پادری سوچ رہا تھا کہ کتھرائن کا بے پناہ حسن اس کے لیے مصیبت بن گیا ہے ہر نوجوان اس کے حسن پر

شناسے ہوا اور اسے حاصل کرنے کے لیے بے قرار اس کا نوجوان بیٹا بھی کتھرائن پہ دل و جان سے فریفتہ ہے۔

"اس میں میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں" ایک لمحے کے لیے بوڑھے پادری کے ہونٹ ہلے اور سائے اپنی منزل کی طرف بڑھ گئے۔

اب برف پگھلنی شروع ہو چکی تھی موسم بہار کی آمد آمد تھی ملک میں شادمانی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ آج شاہی گرجا اور بوڑھے پادری پچی کات کا مکان پھولوں سے سجایا جا رہا تھا۔ شہنشاہ روم پیٹر اعظم آج گرجے میں عبادت کے لیے آ رہا تھا، ہر شخص بہترین لباس زیب تن کیے خوشی سے ادھر ادھر پھر رہا تھا مگر معصوم کتھرائن اپنے حسن کی رعنائیوں سے بے نیاز ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ ہر خوشی کے موقع پر وہ اپنے والدین کو یاد کر کے آنسو بہانے لگتی آج بھی وہ ان کے خیالوں میں کھوئی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس کے بوڑھے باپ نے علاج نہ ہونے کی وجہ سے دم توڑ دیا تھا، ماں کا معصوم بھرا چہرہ اس کی نظروں میں گھوم رہا تھا گرجے سے وابستہ افراد ایک ایک کر کے شہنشاہ کو سلام کرنے کے لیے لائے گئے تو معصوم کتھرائن بھی ان کے پیچھے چلنے لگی جب سب لوگ شہنشاہ کو سلام کر چکے تو کتھرائن بھی ڈھیلے ڈھالے لباس میں آگے بڑھی اور شہنشاہ کے سامنے پہنچ کر ادب سے گردن جھکا دی۔

"سلطان عالم، یہ کتھرائن ہے" بوڑھا پادری پچی کات کتھرائن کا تعارف کراتے ہوئے بولا۔

پیٹر اعظم نے اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا اور پھر شاہی پادری پچی کات سے مخاطب ہوا۔

"آج سے کتھرائن کی پرورش شاہی محلات پر ہونا چاہیئے"۔

اور پھر بڑھ کر محبت سے کتھرائن کا ہاتھ پکڑ لیا بوڑھے پادری پچی کات کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یہ ہمارا حکم ہے" پیٹر اعظم کی آواز گرجی۔

سارے ملک میں پیٹر اعظم اور کتھرائن کی محبت کے چرچے ہونے لگے، شہنشاہ کے درباری اور مصاحب حیران تھے اور اس محبت کو نفرت کی نظر سے دیکھتے، ان تمام مخالفتوں کے باوجود پیٹر اعظم کتھرائن کو ملکہ بنانے کے لیے بے چین تھا اور کتھرائن کو اپنے پہلو میں بٹھا کر شاہی تخت پہ جلوہ افروز ہونا چاہتا تھا، اس وقت کتھرائن کی عمر تیس سال کے قریب تھی لیکن ہر محفل میں اس کے حسن و جمال کے چرچے تھے، آخر مخالفتوں کے باوجود پیٹر اعظم نے اس کو ملکہ بنا لیا۔

کتھرائن اور پیٹر اعظم کی شادی کو کئی سال بیت چکے تھے اور روس میں قیامت خیز ہوائیں چل رہی تھیں، کتھرائن فرکا کوٹ پہنے تخت پر خاموش بیٹھی تھی، آنکھوں میں آنسو آ جاتے تو رومال سے خشک کر لیتی۔ سڑک پر نظریں جمائے کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو، رات تیزی سے گزر رہی مگر وہ اسی طرح خاموش بیٹھی آنسو بہاتی رہی، وہ پریشان اور فکرمند تھی کیونکہ پیٹر اعظم نے اس پر ایک فوجی افسر کے ساتھ ناجائز تعلقات کا الزام لگایا تھا۔ اس افسر کو شہنشاہ کے حکم پر سرِ شام ہی قتل کر دیا گیا تھا اس لیے اسے اپنے زوال کا خطرہ تھا اور اس کا یہ خوف بلا وجہ نہیں تھا پیٹر اعظم کے مزاج کو وہ اچھی طرح جانتی تھی، اس کا دل کسی انجانے خوف سے لرز رہا تھا۔ تخت سے اتر کر وہ ٹہلنے لگی نظریں بار بار سڑک کی طرف اٹھتیں، محل کے نیچے سے گزرنے والی سڑک بالکل ویران پڑی تھی۔ کچھ دیر بعد ایک سایہ نمودار ہوا اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھنے لگا پھر سڑک کے موڑ پر آ کر ٹھہر گیا۔

"کتھرائن تم کہاں ہو!" کئی سال پہلے کی طرح وہی آواز فضا میں گونجی

"میں یہاں ہوں، میرے مقدس باپ" کتھرائن نے روتے ہوئے کہا

سایہ بڑھتا ہوا اس کے نزدیک آ گیا، اور کتھرائن کو وہ رات یاد آ گئی۔ جب وہ بے سہارا الہڑ دنیا کی ایک سنسان سڑک پر کھڑی تھی اور پادری نے پیار بھرے لہجے میں اسے پکارا تھا۔

"کتھرائن، کتھرائن، تم کہاں ہو۔" اور پھر پادری پچی کات اس کی طرف بڑھا اور کتھرائن نے بڑھ کر عقیدت سے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

بوڑھا پادری پچی کات اس کی طرف جھکا اور سرگوشی کے انداز میں بولا "میرے ہاتھ بہت کمزور ہیں"، کتھرائن رونے لگی۔

"انسان اپنی عزت کے لیے کیا کچھ نہیں کرتا" یہ کہہ کر پچی کات ایک طرف چل دیا، ایک صبح جب سورج کی کرنوں نے محل میں نصب شدہ سینٹ پال کے مجسمے کو چھوا تو سارا محل کتھرائن اعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔ گویا پیٹر اعظم کی موت کا اعلان تھا۔ اور کتھرائن اعظم روس کی خود مختار ملکہ تھی۔ لوگ پیٹر اعظم کی موت پر حیران و ششدر تھے۔ اور محل کے آس پاس ایک نحیف سایہ بدستور منڈلا رہا تھا۔۔۔۔

قصص الانبیاء
مختصر منظوم

سلیمان احمد

اللہ ازل سے ہے کرتا ہے جہانبانی
بندوں پہ کرم کرنا یہ وصف ہے رحمانی
کونین کا خالق ہے لاریب کر امکانی
تیرا نہ کوئی ثانی تو خالق لاثانی

یہ تیری عنایت ہے یہ تیری نوازش ہے
جرأت ہی مری کیا تھی کرتا جو زباں دانی
تفصیل اگر چاہو، تفسیر ہے آئینہ
افسانے نہیں ہیں یہ قصے ہیں یہ لافانی

سجدے کے نہ کرنے سے معتوب ہوا شیطاں
تھی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی شیطانی
تخلیق ہے چھ دن کی کہتے ہیں جسے عالم
اس عالم حیرت کو دیکھے سے ہے حیرانی

پیغمبر اول ہیں اور پہلے بشر یہ ہیں
آدم ہی سے دنیا میں ہے نسل یہ انسانی
پھر قتل کی دنیا میں بنیاد پڑی پہلی
ہمشیر ہی قاتل تھی یہ فعل تھا شیطانی

پھر شیثؑ ہدایت کو بھیجے گئے دنیا میں
کرتے ہی رہے پیہم کوشش تھی جو امکانی
ادریسؑ منجم تھے اللہ سے تقرب تھا
نعمات جناں کی تھی ان کے لئے ارزانی

اک نوحؑ سے دنیا میں ایجاد ہوئی کشتی
طوفان بلا میں کی خالق نے نگہبانی
اک ایسی اٹھی آندھی باقی نہ بچی بستی
کنکریاں برستی تھیں اک قہر تھا ربانی

سب نقش کہن یارب دنیا میں ہوئے غارت
شداد کی جنت تھی دنیا میں جو لاثانی
پھر کیسی سزا پائی اس قوم کے لوگوں نے
پیغمبر صالحؑ کی اک بات نہ جب مانی

اس بانیٔ کعبہ کو جب آگ میں ڈالا تب
وہ آگ بنی آخر پھر رشک گلستانی
وہ آل پیمبر تھے ظرف ان کا بھی عالی تھا
ہونے جو چلا قرباں آنکھوں میں نہ تھا پانی

پھر لوطؑ کی امت پر بھی قہر خدا ٹوٹا
مانے نہ کسی صورت کرتے تھے وہ شیطانی
نابینا پیمبر تھے اسحاقؑ ترے بھولے
دو بیٹے جو کرتے تھے خالق کی ثنا خوانی

بھائی سے وہ خائف تھے برسوں رہے پوشیدہ
یعقوبؑ نے دنیا کی تھی خاک بہت چھانی
اصحاب کہف مولیٰ سوتے ہی پڑے اب تک
رحمت ہی کے سائے میں تیری ہے نگہبانی

ہاں شعیبؑ پیمبر تھے پر ظلم سہے کتنے
چنگھاڑ اک آئی پھر اور قوم ہوئی فانی
مچھلی کو نہ تھی جرأت کر جاتی وہ سرتابی
تو نے ہی کئی دن کی یونسؑ کی نگہبانی

رکھ لیتے تھے زخموں پر کیڑوں کو اٹھا کر وہ
کیا صبر تھا ایوبؑ، کیا فضل تھا ربانی
اسکندر اعظم کو کیا کیا نہ ہوا حاصل
جب وقت آخیر آیا دل میں تھی پشیمانی

فرعون کو دعویٰ تھا دنیا میں خدائی کا
کیوں غرق ہوا دیکھو انجام یہ تھا فانی
ہمراہ خضرؑ کے تھے وعدہ تھا خموشی کا
موسیٰ نہ سمجھ پائے اسرار تھے پنہانی

قارون نہ تھا ایسا شیطان نے تھا بہکایا
حاصل جو ہوئی اس کو دولت کی فراوانی
ہارونؑ برادر تھے موسیٰؑ کے مگر دیکھو
ہر بات میں روشن تھی اخلاق کی تابانی

کہنا ہی نہ مانا تھا الیاسؑ کا لوگوں نے
ایمان سے ہٹی دل تھے کرتے تھے وہ نادانی

داؤدؑ کو دنیا میں حاصل تھی حکومت بھی
پھر بھی وہ سدا تیری کرتے تھے ثنا خوانی

مخلوق خدا اک دن دنیا میں رہی بھوکی
کھانا نہ کھلا پائے دعوی تھا سلیمانی

اک شخص جو مردہ تھا کیسے وہ ہوا زندہ
اللہ کو قدرت تھی بندوں کو یہ دکھلانی

گر آرہ نکل جاتی خارج تھے نبوت سے
سر پر ہی چلے آرہ یہ حکم تھا ربانی

مقتول ہوئے یحییٰؑ دی تھی نہ اجازت جو
گو عقد ہوا جس سے ملکہ بنی دیوانی

جو عیسٰیؑ کی جاں لینے کی کتنی رہی تدبیریں
جب وقت ہوا پورا دی جان بہ آسانی

مریمؑ تری بندی پہ الزام لگے کیا کیا
دامن نہ تھا آلودہ کیوں ہوتی پشیمانی

بن باپ کے بیٹے تھے پائی تھی مسیحائی
مردوں کو جلاتے تھے یہ بندۂ سبحانی

یا رب مجھے یارا دے اب ذکر کروں ان کا
ہے فرط عقیدت سے آنکھوں میں مرے پانی

سرتاج پیمبر ہیں اور شافع محشر ہیں
بخشی مرے آقا نے ہر ذرہ کو تابانی

سرکار دو عالم پہ کیا کیا نہ ستم ڈھائے
پھر بھی تو دعائیں دیں یہ خلق ہے لاثانی

اس رحمت عالم کے اوصاف بیاں کیا ہوں
قلزم سے اگر لکھیں باقی نہ رہے پانی

سرکارؐ کے صدقے میں ارحامی سلیماں نے
تکمیل قصص کرلی یہ فضل تھا رحمانی

آمدِ رحمت العالمینؐ

درخشاں ملیح آبادی

بنا رشک جنت ہے گلزار ہستی یہ کون آج ایسا حسیں آگیا ہے
جو ہوگا حبیب خدائے دو عالم وہی دلربا مہ جبیں آگیا ہے

نکھار آگیا ہے گلوں کے رخوں پر تبسم ہے کلیوں کے رنگیں لبوں پر
نوا سنج سب طائران چمن ہیں زمانہ بہار آفریں آگیا ہے

دکھایا جمال اپنا خیر البشر نے قدم چومے بڑھ کر نسیم سحر نے
جھکے آرہے تھے ستارے زمیں پر جو دیکھا کہ ماہ مبیں آگیا ہے

جو ظاہر ہوا نور خالق کا جلوہ کیا چاک خورشید نے شب کا پردہ
نثار اپنی کرنے کو زریں شعاعیں وہ بالائے چرخ بریں آگیا ہے

خوشی کا دو عالم میں پرچم کھلا تھا ندا ہاتف غیب یوں دے رہا تھا
جھکیں بہر تعظیم جن و ملائک کہ سلطان دنیا و دیں آگیا ہے

نداجس کی صورت پہ شمس و قمر ہیں اداؤں سے گھائل ملک اور بشر ہیں
سرودش بکھرائے باغ جہاں میں وہی کاکل عنبریں آگیا ہے

کھلی تیری قسمت ہے اے ارض بطحا کہ سایہ ہوا تجھ پہ ابر کرم کا
بڑھانے کو عظمت تری آسماں سے خود اب لامکاں کا مکیں آگیا ہے

بگاڑ اپنی رکھی جنھوں نے تھی حالت سراپا بنے تھے جو کفر و جہالت
پیام الٰہی سنانے جہاں میں انھیں سید المرسلیں آگیا ہے

مبارک ہو ٹوٹے دلوں کو سہارا غریبوں کی کشتی نے پایا کنارا
ہو مژدہ اسیران رنج و محن کو کہ اب رحمت العالمیں آگیا ہے

نہ گھبرا زمانے کے جور و ستم سے تجھے کام کیا ہے درخشاں ہجوم غم سے
ترے واسطے لے کے محبوب رحماں جو تسکین قلب حزیں آگیا ہے

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا ایک ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ شعر مقررہ عنوان پر ہو، سنجیدہ، موزوں اور معیاری ہو اور نمبر خریداری لکھ کر اس طرح بھیجا گیا ہو کہ ۲۰ تاریخ تک دفتر پہونچ جائے۔ مارچ کے لیے عنوان "ہمدم" ہے اور اپریل کے لیے سادگی (ادارہ)

موج گل موج صبا، موج سحر لگتی ہے
سر سے پا تک وہ سماں ہے کہ نظر لگتی ہے

مرسلہ۔ فہیم اہنپوری

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

مرسلہ۔ مس ملکہ بانو چکمگلور

موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے

مرسلہ زینب (مدراس)

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہے جلوہ گر
ہے موج زن تمام یہ دریا سراب میں

مرسلہ تابندہ مصباح (کانپور)

زندگی انساں کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے دم کے سوا کچھ بھی نہیں

مرسلہ۔ عقیلہ ہارون ہاشمی

تمنا تھی لب ساحل کبھی ہم بھی پہونچ جائیں
مگر ہر موج رستے میں ملی ہم کو بھنور بن کر

مرسلہ۔ مسز شہناز کلیم (مدراس)

اے موج بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپیڑے ہلکے سے
کچھ لوگ ابھی تک ساحل سے طوفاں کا نظارہ کرتے ہیں

مرسلہ
(نیلوفر گورے (بدلاپور)

حد سے نہ گذر، سیلاب نہ بن، طوفان نہ بن
بن ہلکی سی موج ایسی جس موج پہ دریا ناز کرے

مرسلہ۔ فریدہ واجد (سنبھور)

اپنا ہی تھا قصور جو طوفاں میں گھر گئے
اک موج تھی کہ جس کو کنارا سمجھ لیا

مرسلہ۔ نزہت، فرخ دیبا نکہت عابدی (لاماراتی کیمپ)

موج غم پر رقص کرتا ہے حباب زندگی
ہے الم کا سشورہ بھی جزو کتاب زندگی

مرسلہ۔ آفتاب حاجی سیٹھ (چن پٹن)

اک موج مچل جائے تو طوفاں بن جائے
اک پھول جو چاہے تو گلستاں بن جائے

مرسلہ۔ صوفیہ منظفر (جمشید پور)

رہا نہ ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

مرسلہ۔ مس تبسم بہار (دربھنگہ)

موج ساحل سے ملو، ہر کامل سے ملو
سب سے مل آؤ تو اک بار مرے دل سے ملو

مرسلہ۔ آمنہ دل شاد (سکندرآباد)

اے مقدس حور اے پروردۂ موج تسنیم
روح عشرت گاہ ساحل جان طوفان عظیم

مرسلہ۔ مہر افروز (لکھنیاں)

موج کی ٹکر سے بچنے کی خوشی مت پوچھیے
اس قدر اچھلے کہ پھر ٹکرا گئے ساحل سے ہم

مرسلہ۔ عبدالجبار ٹیلر (خیرآباد۔ اعظم گڈھ)

• موجیں اور موجوں کے شامل اشعار شائع نہیں کیے گئے، اس لیے کہ جو عنوان ہو وہی شعر بھی ہونا چاہیے

(ادارہ)

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ مسرت ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی یا منگنی سے متعلق ہو۔ خبر مختصر ترین الفاظ میں صاف صاف لکھی جائے۔ پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور نمبر خریداری کے ساتھ اس طرح روانہ کی جائے کہ ہر تاریخ تک دفتر میں پہنچ جائے طباعت کی غلطی کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔ البتہ اطلاع ملنے پر اس کی صحت کا اعلان کردیا جائے گا۔

ولادت اطفال کی خبریں

صادقہ الوری۔ میسور۔ میرے بڑے بھائی عثمانی اور بھابھی نجیب النسا کے گلشن حیات میں خدائے تعالیٰ نے ۱۷ر ذی الحجہ بروز جمعرات تیسری بار ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ نام عرفان عثمانی رکھا گیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ میرے بھیا کے گھر کی بہار ہمیشہ قائم رکھے۔

• سیدہ مصباح (جاجمؤ کانپور) میرے ماموں زاد بھائی رضا واحد اور بھابھی نکہت یاسمین صاحبہ کے گلشن حیات میں پہلی بار اللہ تعالیٰ نے ۲۴ر دسمبر ۷۷ء بروز سنیچر بوقت ۴½ بجے شام ایک چاند سی گڑیا عطا فرمائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ نومولود عمر دراز پائے اور صاحب نصیب ہو۔

• نزہت مجیب (جتوارپور) میرے رشتے کے پھوپھی زاد بھائی شفیع الرحمان اور بھابھی شاہینہ شفیع کے گلستان زیست میں اللہ تعالیٰ نے ۸ر نومبر ۷۷ء بروز منگل پہلی بار ایک پیاری سی گڑیا عطا فرمائی۔ پیاری کا نام شاذیہ قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ عمر دراز پائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• نہال نسرین۔ نجو شاہین (آمبور) "میرے عزیز ماما محبوب احمد اور مامی شہناز پروین کے گلشن حیات میں ۹ر جنوری ۷۸ء بروز شنبہ بوقت صبح ۶½ بجے ایک کلی مسکرائی۔ نام ثمینہ یاسمین قرار پایا۔ خدا سے دعا ہے کہ نومولود اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• عزیزی فرزانہ سلمیٰ (دختر جناب عطاء الرحمان صاحب ریٹائرڈ انجینئر۔ پٹنہ) کو اللہ پاک نے ۲۰ر جنوری ۷۸ء کی صبح ۶ بجکر ۳ منٹ پر دوسری بار ایک پیاری سی بچی عطا فرمائی اللہ پاک اسے عمر طویل عطا فرمائے اور صاحب نصیب کرے عطاء الرحمان صاحب کو نواسی مبارک ہو۔ نسیم انہونوی

• صفیہ (نبیرہ سہنت) "میرے چھوٹے بھائی محمد اسمٰعیل صاحب موتراوزاد اور بھابھی دلشاد خانم صاحبہ کے گلشن حیات میں اللہ پاک نے ۸ر دسمبر ۷۷ء بروز جمعرات بوقت ۵ بجے صبح پہلی بار ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ بچے کا نام [illegible] قرار پایا۔ اللہ پاک نومولود کو عمر طویل بخشے اور فخر خاندان بنائے۔

پیغامات نشاط

• فرزانہ سلمیٰ (دختر نیک اختر بو۔اے غفور صاحب مرحوم ایگزیکٹیو انجینئر) کی شادی ڈاکٹر وقار اعظم سلمہ (فرزند ایم اے بصیر صاحب) کے ساتھ ۲۰ر دسمبر ۷۷ء بمقام کرکالہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ بہن نعیمہ بیگم صاحبہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ نسیم انہونوی

• (حمدی ناز، عفت ترنم (آمبور) ہماری پیاری دیدی عائشہ صدیقہ (دختر نیک اختر ایس محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم ہمشیرہ ایس ایم مختار احمد صاحب) کی شادی محمد عثمان پاشاہ (فرزند ارجمند محمد ذکریا صاحب) کے ساتھ ۱۸ر دسمبر ۷۷ء بروز اتوار بمقام آمبور بخیر و خوبی انجام پائی اللہ سے دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• نجو شاہین۔ نہال نسرین (آمبور) "ہماری آنٹی ریحانہ تاج اور انکل ثناء الرحمان صاحب کی شادی ۲۰ر جنوری ۷۸ء بروز دوشنبہ بوقت صبح ۱۱ بجے بخیر و خوبی انجام پائی اللہ سے دعا ہے کہ دونوں کی جوڑی سلامت رہے۔

• شبنم مسیح۔ عرفانہ مسیح (آنولہ) ہماری پیاری بجیا ماہ طلعت صاحبہ (دختر نیک اختر جناب مسیح الدین صاحب) کی شادی محفوظ احمد صاحب کمپونڈر (فرزند تاج سرور قوال) کے ساتھ ۹ر دسمبر ۷۷ء بمقام آنولہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک انھیں ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• واسکا احمدی ناز (آمبور) میری پیاری خالہ عائشہ صدیقہ خریدار حریم (دختر جناب سینگی محمد اسمٰعیل مرحوم) کی

کی شادی امی زیڈ عثمان پاشاہ سلمۂ (فرزند جناب امی ایم محمد زکریا صاحب) کے ساتھ ۵ ردسمبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔

• ملا ویز سید خالد (بھاگلپور) میرے چچا زاد بھائی ڈاکٹر رضی احمد خاں کی شادی انجم زیبا دختر نیک اختر ابرار الہدیٰ صاحب کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک اس جوڑی کو پھولتا پھلتا رکھے۔

انتقال پر ملال کی خبریں

• جناب شان الہیٰ غوری صاحب (جیس نٹ دیرآگرہ) کی ہمشیرہ محترمہ اور جناب عارف الہیٰ صاحب (فرزند نٹ ویرآگرہ) کی والدہ یکم جنوری ۱۹۸۷ء کو بمقام آگرہ رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ پاک اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نسیم انہونوی

• عذرا عظیم صدیقی (کیمور) افسوس صد افسوس کہ میرے شفیق والد محترم محمد مقتدر صدیقی صاحب اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ۲۷ نومبر ۱۹۸۶ء بروز اتوار بوقت ۱۰ بجے بمقام امروہہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ پاک انھیں بخشے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• مس زبیدہ فضلی (رامپور) افسوس میری سالی خدیجہ بیگم صاحبہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز سنیچر اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ پابند صوم و صلاۃ اور ملنسار تھیں۔ اللہ انھیں غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر دے۔

• مسز کبیر قادر (بلاری) نہایت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری شفیق والدہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۶ء کی رات میں ۱۱ بجے ہم سب کو روتا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ مرحومہ کی عمر پچھتر سال سے زیادہ تھی۔ دو گھنٹے کی مختصر علالت نے انھیں ہم سے جدا کر دیا۔ اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

• شمس النساء، نیازیہ بیگم (کلکتہ) ہمارے پھوپھا حضور احمد صاحب ایک طویل علالت کے بعد ۴ رجنوری ۱۹۸۷ء کو بمقام آنولہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ دعا ہے کہ اللہ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔

• آفتاب، حاجی سعید (چمن پٹن) افسوس صد افسوس کہ میرے تایا دادا حضرت محمد رضا حسین صاحب رکن اعظم ستان نیمل مین پٹن بروز جمعہ ۶ بجے کر ۵۵ منٹ پر ہم سب کو چھوڑ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے مرحوم کی عمر ۹۱ سال کی تھی۔ بڑے خوش مزاج اور عبادت گذار تھے۔ دعا ہے کہ اللہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• شاہدہ بیگم (راجہ پور سکروڑ) افسوس کہ میری پیاری بھابھی خیر النساء (مقیم جلبرا) کا ۸ رجنوری ۱۹۸۷ء بروز بدھ انتقال ہو گیا۔ مرحومہ کی عمر پچاس سال کی تھی۔ دو ماہ کی شدید علالت نے انھیں ہم سب سے جدا کر دیا۔ مرحومہ نیک اور پابند صوم و صلاۃ تھیں۔ اللہ انھیں بخشے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

لطیفے

ایک نوجوان جوڑا کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں کھیتوں میں ایک آدمی ہل چلاتا نظر آیا۔ اس نے ہل میں ایک بھینس اور ایک بھینسا جوت رکھا تھا۔ یہ دیکھ کر عورت نے پوچھا۔

• یہ لوگ بھینسوں کو ہل میں کیوں جوتتے ہیں؟

مرد نے برجستہ جواب دیا: "یہ بھی عورتوں کی طرح برابری کے حقوق کا مطالبہ کرنے لگی تھیں"

ایک صاحب بقرعید سے قبل کہیں دور جانے لگے تو بیگم نے کہا۔

- ڈارلنگ! مجھے تم عید کے دن بہت یاد آؤ گے:

"کوئی بات نہیں۔ جب میری یاد ستانے لگے تو قربانی کے بکرے کو دیکھ لینا: شوہر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

اے۔ ایم شوقی گجرات

جیشوں کے دل مہمانوں کی آمد سے محفوظ رہنے کا تیر بہدف نسخہ

امیر رشتہ داروں اور دوستوں سے قرض لیجئے اور نادار دوستوں اور رشتے داروں کو قرض دیجئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی آپ کے گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ آزمائش شرط ہے۔

تبصرہ

[illegible] کے لیے [illegible] کی دو جلدیں [illegible] ہوتا ہے۔

مثنوی مولانائے روم (جلد چہارم)

مرتبہ و مترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب ناشر سب رنگ کتاب گھر دہلی۔ صفحات ۳۰۰۔ ریگزین کی خوبصورت رنگین جلد۔ قیمت اٹھارہ روپیہ۔

مثنوی مولانائے روم کے سلسلہ میں کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ اس کی پہلی دوسری اور تیسری جلدیں بھی انہیں خصوصیات کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ یہ سلسلہ اردو کتابوں کی اشاعت میں ایک شاندار اضافہ ہے۔ اس دور میں کمتر ہی ایسی اچھی کتابت وطباعت کے ساتھ کوئی کتاب شائع ہوئی ہے

مثنوی مولانائے روم فارسی میں ہے اور اس دور میں جبکہ اردو پڑھنے والے بھی کمتر ہی رہ گئے ہیں، فارسی کتب کو کون پڑھ سکتا ہے۔ اسی کے پیش نظر یہ کتاب کے اصل متن کے ساتھ ہی ساتھ اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے اس لیے کہ ایسی کتب کا مطالعہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے جو پند و نصائح کے خزانے اپنے اندر سمو لیے ہوئے ہیں۔ مثنوی مولانائے روم اسی لیے ساری دنیا میں مشہور ہے اور بہت ہی زبانوں میں اس کی اشاعت ہو چکی ہے میں سفارش کروں گا کہ ہر صاحب ذوق اس کتاب کو خرید کے پڑھے اور لائبریری کی زینت بنائے۔

خالدؓ کے کارنامے

مرتبہ۔ سید سجاد حسینی صاحب۔ ناشر کتبہ ناران۔ دارالرحمت نمبر ۳۔ چکنڈی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۴۔ قیمت ۷۵ پیسے۔

مولف نے اس مختصر سی کتاب میں اس مجاہد اعظم کے کارناموں کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے جس کے لیے ہزاروں صفحات کی ضرورت تھی بہرحال یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ٹھیک ہے جو ضخیم تاریخی کتب کا مطالعہ نہیں کر پاتے یا ان سے اکتاتے ہیں۔ حضرت خالد کا لقب سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار ہے۔ اور واقعی یہ قوت اللہ کی ہی تلوار میں ہو سکتی ہے جو ایسی فتوحات کر دکھاتے۔ یہ لقب خود ہمارے نبی کریم صلعم نے غزوہ موتہ کے موقع پر عطا فرمایا تھا۔ اسلامی فتوحات میں حضرت خالدؓ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مشرق سے مغرب تک آپ نے اسلام کا جھنڈا لہرایا۔ خصوصیت سے شام کی فتوحات قابل ذکر ہیں۔

بخشی پاکٹ جنتری

ہندستان میں شاید ہی کوئی ایسی جنتری ہو جو اتنی مدت سے شائع ہو رہی ہو۔ بخشی کمپنی ۱۸۹۲ء میں قائم ہوئی تھی۔ اسکی ادویات ملک کے طول و عرض میں شہرت رکھتی ہیں۔ یہ جنتری انھیں دواؤں کی فہرست ہوتی ہے لیکن دلچسپ، مفید اور معلوماتی مضامین بھی ان میں شامل کیے جاتے ہیں۔ قیمت صرف ۲۵ پیسے۔

ملنے کا پتہ :- ایس۔ اے۔ بی بخشی کمپنی کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ۔

انمول موتی

شاذیہ بخاری

۱۔ محبت وہ تحفہ ہے جس کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں۔
۲۔ میٹھے بول دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔
۳۔ پیار کی حقیقت جاننا چاہو تو ماں کو دیکھو۔
۴۔ کسی کو سکھ نہ دے پاؤ تو نہ دو لیکن دکھ بھی نہ دو۔
۵۔ من کو پانی کے جھرنے کی طرح بناؤ۔ یعنی ہر لمحہ نیکی کا خیال کرو۔
۶۔ زندگی میں امیدوں کو جگہ مت دو۔
۷۔ بھید بھاؤ زندگی کو ناکامی کی طرف لے جاتے ہیں۔
۸۔ خلوص و محبت سے زندگی کی قدروں کو جاننے کی کوشش کرو۔
۹۔ محنت کا عادی ہونا خوب سے خوب تر کی تلاش پر دوڑاتا ہے۔
۱۰۔ وقت کی پابندی۔ زندگی کو خوشی و کامرانی سے ہمکنار کرتی ہے۔

میں تو عمر بھر قہقہے لگاؤں گا۔ اپنی ایک گرل فرینڈ کے ساتھ۔ آہا۔ میرے
ساتھ پڑھتی تھی۔ کیا لڑکی ہے صاحب۔ جینی تو خیر اسے ہونا ہی چاہیئے تھا۔ لیکن
وہ عادتوں کی بھی بے حد پیار کی ہے۔ مجھے بہت پسند ہے۔ بھلا اسے چھوڑ کر
محترمہ رؤف النساء پٹھان کو کون گلے کا ڈھول بنائے گا"
"پھوپھی اماں کو معلوم ہے یہ بات؟" اس نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔
خاکسار کیسے معلوم کراؤں گا اپنے منہ سے اپنی شادی بیاہ کی بات نہیں کر سکتا
شرم آتی ہے۔ اس کے علاوہ دولھا بنتے وقت چہرے پر نور نہیں اترتا"
جینی نے مسکراہٹ ضبط کر کے کہا" میں معلوم کراؤں گی یہ بات۔ آپ۔۔۔
خط وط لکھنے کی تکلیف مت اٹھایئے۔
بہت بہت شکریہ۔ محترمہ زینت افروز۔ آپ نے یہ بات طے کرا دی تو
میں ماموں جان والا ہیرا آپ کو انعام دے دوں گا!"
مجھے نہیں چاہیئے انعام۔
تو وہ ہیرا میں رکھ لوں اپنے پاس!
رکھا ہوا تو ہے ہی۔ آپ کے پاس" بے حد خفا ہو کر اس نے جواب دیا"
مجھے دکھایا بھی نہیں۔
دکھاؤں گا۔ کوئی اچھی ساعت آ جائے۔! اتنی جلدی کس بات کی ہے"
بینک میں رکھوا دیا ہے اسے؟" ٹھٹھک کر جینی نے پوچھا۔
جی نہیں۔ وصیت کے مطابق ابھی تو وہ ماموں جان ہی کی ملکیت ہے۔ وقت
آئے گا تو میری طرف منتقل ہو جائے گا! اس نے بڑی سنجیدگی سے بتایا۔
میں نے سنا ہے کہ ہیروں سے اچھی بری ساعتیں وابستہ ہوتی ہیں" معصومیت سے
[illegible] زندگی۔ حالانکہ مصطفےٰ شرارتوں پر شرارتیں کرتا تھا۔

ڈیڈی ہی کے انداز میں وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں اور پیشانی پر بوسہ دیتیں۔
لیکن ایک تو مو تھا۔ ایسی پیاری سی خاتون کا اتنا طوفانی لڑکا۔ جینی کو اس پر ترس
آیا کرتا کہ اگر والدین نے اسے مکمل تعلیم دلائی ہوتی تو وہ ایسا غیر سنجیدہ اور آفت کا
مارا نہ ہوتا۔ پتہ نہیں پھوپھی اماں نے اپنے اکلوتے لڑکے کی تعلیم پر خاطر خواہ توجہ
کیوں نہیں دی تھی۔ بے چارے کو پڑھنے کا شوق تو تھا تب ہی اتنی لمبی چوڑی لائبریری
سنوار رکھی تھی۔ تاکہ ملنے جلنے والوں کو مرعوب کر سکے!۔ اب تو وہ دن بھر عجیب عجیب
بچکانے کام کیا کرتا۔ اس کے شوق بھی نرالے تھے۔ باغبانی میں تو فنا ہوا ہی کرتا تھا
اب اس نے اپنے کاروباری دفتروں پر بھی جانا چھوڑ دیا تھا۔ کارندوں اور
منیجروں کو بھجوا دیتا۔ دن بھر یا تو گھر کی صفائی میں لگا رہتا۔ یا پھر اپنی گھوڑی کے
دلار کرتا۔ فرصت ہوتی تو پھوپھی اماں کے ساتھ کچن میں گھس کر انھیں حیران کیا کرتا
اس کے علاوہ اس کا سب سے عمدہ مشغلہ جینی کا دماغ کھانا تھا! جینی نے محسوس
کیا تھا۔ لاکھ وہ شرارتیں کرے یا فضول بکواس میں وقت خراب کرے۔ اس کی
ہر حرکت تہذیب کے دائرے سے متجاوز نہیں ہوتی تھی۔! اگر ایسا نہ ہوتا تو جینی
اسے برداشت بھی نہ کرتی!۔
صبح کا موسم نہایت دلآویز تھا۔ ناشتے کے بعد پھوپھی اماں نے اس سے کہا۔
بیٹی اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو چلو پل بھر ڈاکٹر صاحب کے یہاں بیٹھ
آئیں"
پل بھر کیوں۔ آپ دیر تک بیٹھ کر آئیے۔ میں خفا نہیں ہوں گا" مصطفےٰ نے
بڑے خلوص سے کہا۔
پھوپھی اماں کے بزرگ آپ کب سے بن گئے" جینی نے پوچھا۔
اچھا خاصا بڑا ہوں میں ممی سے۔ یقین نہ ہو تو ناپ کے دیکھ لیجئے" اس نے کہا

دیر نہ کر دیں"۔ پھوپھی اماں نے کہا۔

پھوپھی اماں میں ساڑی پہنوں کہ شلوار سوٹ؟" اس نے پوچھا۔

شلوار سوٹ"۔ مصطفےٰ نے قہقہہ لگایا : عجیب بدحواس فیشن ایجاد ہوئے ہیں صاحب۔ پہلے پہل میں سڑکوں پر ان گنت لڑکیوں کو شلوار سوٹ پہنے دیکھ کر بڑا حیران ہوا تھا کہ یا الٰہی یہ اتنی بے شمار بھنگنیں نوچ کی نوچ کدھر جا رہی ہیں۔ بعد کو پتہ چلا کر بے چاری بھنگنوں کے خاص لباس کو بھی آپ حضرات نے نہیں چھوڑا۔"

دیکھئے نا پھوپھی اماں"۔ وہ سخت روہانسی ہو کر بولی۔

سچ تو ہے۔ تم کیا کر رہے ہو یہاں بیٹھ کے"۔ پھوپھی اماں نے مصطفےٰ کو للکارا : اگر کوئی کام نہیں ہے تو سو جاؤ پڑ کے۔ منع کیا تھا کہ لڑکی کے معاملے میں الٹی سیدھی بکواس نہ کرنا :

"بہت اچھا۔ میں جا رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں۔ سکندر خاں صاحب نے کوفتوں کا سالن باریک پیسا ہے کہ یونہی قیمے کے گومڑے ستوپ کر رکھ دیے ہیں : وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آپ کو ہار رکھی خانے کے معاملات میں بھی دخل ہے؟ جینی نے حیرت سے کہا۔

جناب ـــــ وہ احتراماً جھکا : یہ معاملات بنیادی ہیں۔ یعنی اپنی زندگی کی عمارت کے ستون یعنی کھمبے انہی معاملات پر یعنی کھانے پینے کے معاملات پر ایستادہ ہیں :

کیا یعنی، یعنی۔ لگا رکھی ہے آپ نے : وہ جھنجلائی۔

خواہ مخواہ آپ میرے حقوق کو پامال کر رہی ہیں : اس نے جوابی جھنجلاہٹ دکھائی۔

"صاحبزادے احمد مصطفےٰ"۔ اس نے بڑے غرور سے کہا۔

آپ غلط سلط باتیں بھی بکتے ہیں : اس نے یاد کر کے حقارت سے کہا۔

ہم بس بھولے ہی سے جھوٹ بولتے ہیں۔

مجھ سے بک دیا تھا کہ میٹرک میں تین مرتبہ لڑھکا ہوں۔ پھوپھی اماں نے سچی بات مجھے بتا دی۔

ارے پھوپھی اماں کی بھلی چلائی۔ اب وہ بے چاری اپنے منہ سے اپنی اُولاد کی توہین کیا کرتیں۔ ایسے غیروں کے سامنے یونہی انٹ سنٹ اڑا دیا کرتی ہیں :

ارے ارے۔ آپ کے منہ میں لگام ہے کہ نہیں۔ آپ پھوپھی اماں کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں کہ انٹ سنٹ اڑاتی ہیں :

کیوں مجھ پر طوفان جوڑتی ہیں آپ۔ بھلا میں اپنی ممی کے شان میں اس قدر نازیبا الفاظ کہوں گا۔ خدا کی پناہ؟

میں تو ہرگز آپ سے سر نہیں پھوڑ سکتی : اس نے تھک کر سر تھام لیا : بس تور رنی آ کر آپ کو ٹھیک کرے گی :

مجال ہے اس کی۔ ٹانگ گھما کر چھت پر پھینک دوں گا۔

اچھا اچھا دیکھیں گے : وہ بولی : پھوپھی اماں کی یہ مرضی ہے کہ اسے آپ کے سر چپکا یا جائے۔ گن گن کے وہ بدلے چکائے گی۔ میں بھی اسی کا ساتھ دوں گی :

مصطفےٰ نے قہقہہ لگایا : کیوں تمام کے مدرسے کی مربیہ :

"اب تو میں پھوپھی اماں سے کہوں گی کہ جلد از جلد بات چلائیں بھیجیں گی کہ کیوں تمام کے وہ روتی ہے کہ آپ؟ :

اور لکڑی لے کے پھوپھی اماں لپکیں اس کی طرف۔ مصطفےٰ نے بھاگ کر جان بچائی۔

ایک دن وعدہ کیا تھا کہ بکواس نہ کیا کروں گا۔ مگر کہاں یاد ہے نگوڑا وعدہ: وہ کرسی پر بیٹھ کر بڑبڑانے لگیں۔

پھوپھی اماں ان کی وجہ سے بے چاری روفی یہاں نہیں آرہی۔ ابھی کہتی تھی مجھ سے کہ میں صرف موموکی وجہ سے نہیں آسکتی!: جینی نے شکایت کی۔

دیکھئے ممی۔ وہاں بھی ان چھوکریوں میں میری برائیاں ہوتی رہتی ہیں:

مصطفےٰ نے کہا: کیا یہ بات قابل برداشت ہے؟!:

روفی بھی ٹھیک کہتی ہے: پھوپھی اماں نے کہا: مار کے ستا ستا کے حیران کر دیا تھا اسے بھی:

اب میں اسے بلاؤں گی۔ دیکھوں گی کون اسے ستاتا ہے: جینی نے للکارا

ضرور بلاؤ بیٹی۔ یہ بھی کوئی بات ہے کہ بے چاری بچی یہاں آنے کو ترپے اور نہ آسکے:

پھوپھی اماں یہ کہہ کر جب چلی گئیں تو مصطفےٰ نے اسے گھورا۔

تو وہ بالشت بھر کی چھوکری مجھے موموکہہ رہی تھی۔ کیوں؟۔

ضرور کہے گی۔ اگر یہی نام ہوگا: جینی نے گردن اکڑائی: اور میں بھی آئندہ سے یہی کہوں گی:

ممی کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا!۔

دیکھتی ہوں مجھے کون روکتا ہے!۔

دیکھتا ہوں۔ وہ چھوکری یہاں کیسے آسکتی ہے۔

آپ خود چھوکرے ہے۔ جینی کو اس کی دھاندلی پر شدید طیش آنے لگا تھا۔

یہ آپ کے حقوق ہیں؟: جینی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

بالکل۔ کسی بڑی تقریب میں آپ نے خواتین کو دیگیں دم کرتے نہ دیکھا ہوگا۔ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ہماری ہی کمزور صنف آگے آگے دکھائی دیتی ہے:

بادرچی کہیں کے!: اس نے لاجواب ہو کر دھاندلی کی۔

اب ممی کچھ نہ بولیں گی: اس نے فریاد بلند کی۔

پہل تم ہی نے کی تھی۔ کیوں خواہ مخواہ لڑکیوں کو بھنگنیں بنایا تھا: پھوپھی اماں نے برجستہ کہا۔

پھوپھی اماں زندہ باد: جینی خوش ہو کر بولی۔

ممی سے انصاف کی بالکل توقع نہیں ہے۔ اس سے تو یہی اچھا ہے کہ میں کالجوں کا سالانہ ہی لوں: اس نے برا سا منہ بنا کر کہا، اور اٹھ گیا۔

جینی لباس بدل کر آئی۔ بادامی جوڑ پیدار پاجامہ۔ گہرا کتھئی پھولدار ہلکا پھلکا سیک اور بادامی نازک سا دوپٹہ جس کے کناروں پر کتھئی سیک اسی جھالر لگی تھی۔ اس لباس میں وہ نوخیز بچی لگ رہی تھی۔ بیس اکیس سال کی... دوشیزہ تو معلوم ہی نہ ہوتی تھی۔ پھوپھی اماں کھل اٹھیں۔

خدا کا احسان ہے کہ بھیا نے تمہیں فیشن کی لعنتوں سے دور اور پاک رکھا ہے۔ مجھے تو لڑکیوں پر بل باٹم سوٹ، اور مردانہ قمیص پاجامے بالکل اچھے نہیں لگتے۔ تمہاری دلکشی کے خیال سے کہا نہیں تھا۔ اب دیکھو آئینہ میں۔ کتنی پیاری لگ رہی ہو:

مجھے یہ نئے وضع کے لباس خود بھی پسند نہیں:

بڑی اچھی بات ہے۔! آؤ چلیں۔ ادھر باغ کی راہ سے اتھائیں گے

صبح کو راحت سے کہلوا دیا تھا۔ وہ لوگ منتظر ہوں گے۔"

ڈاکٹر صاحب کی لڑکی بھی پڑھی لکھی ہو گی؟

پچھلے سال بی۔ اے کیا تھا اس نے۔ پھر ڈاکٹر صاحب نے آگے نہیں پڑھایا۔ بے چاری بچی ماں کے سائے سے محروم ہو چکی ہے۔ غریب گھرداری ہی میں لگی رہتی ہے۔ بھائی کا کچھ کام سر دے دیغرہ کا ہوتا ہے۔ بے چارہ وہ الگ ادا ادا را پھرتا ہے۔ چین کسی کو نہیں۔ ڈاکٹر صاحب تو یوں بھی مصروف رہتے ہیں۔ سچ پوچھو تو ان سب کی کسمپرسی پر ہی مجھے اتنا ترس آتا ہے۔!"

لڑکی کا کچھ نام بتایا تھا آپ نے؟۔

روپی کہو لی ہے!

بہت اچھی لڑکی ہو گی پھوپھی اماں تب ہی آپ نے اسے موکے لیے پسند کیا ہے:

لڑکی بڑی نیک اور مخلص ہے۔ مجھے تو خیر اچھی لگتی ہی ہے۔ مگر وہ شیطان بھی پسند کرے۔ تب نا۔ کہتا ہے کہ میں نے آج تک روپ ن النسا رجیا پٹھانی نام کسی لڑکی کا نہیں سنا۔ اب بتاؤ کون اس کے ساتھ داغ خال کرے!"

جینی کو ہنسی آ گئی: اب ان کی ذرا سی بھی گوشمالی نہیں کرتیں:

ابھی تک مارتی ہوں: وہ بے بسی سے بولیں: مگر ایسا نکما ہے کہ الٹے میرے ہاتھ دبانے بیٹھ جاتا ہے۔ آخر کتنی گوشمالی کر دوں۔ ہماری بوا حمیدن بلیوں سے بہت ڈرتی ہیں۔ اس خباثت کے مارے نے درجنوں بلیاں بھی تو پال رکھی ہیں۔ ابھی پچھلی گرمیوں میں اس کی بلی گیندا نے چار بچے دیے تھے۔ چاروں بچے لفافہ میں رکھ لیا۔ بوا بے چاری پاس پنکھے کے نیچے بیٹھی ہوا کھا رہی تھیں۔ انہیں باہر سے لا کر لفافہ دیا اور بولا کہ اس میں آم ہیں۔ فوراً دھو کے کاٹ دیجئے۔ یہ کہہ کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ بوا بے چاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی انھوں نے لفافہ میں

نظر آ رہا تھا۔ آنکھ اٹھا کر بھی ادھر نہیں دیکھا۔

میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اچھا ہے کچھ دیر ادھر رہو۔ تمہارا دل بہل جائے گا: پھوپھی اماں کہہ رہی تھیں: وہ لوگ بڑے اچھے بہت شریف ہیں۔ مجھے کوئی اندیشہ ہوتا تو میں تمہیں وہاں اکیلی کیوں چھوڑ دیتی؟"

اچانک جینی نے مصطفےٰ کے ہزارے پر چھپکا مارا۔ ہزارہ اس کے ہاتھ سے چھوٹا اور اس نے ایک چیخ مار کر کہا: بچاؤ۔ بچاؤ"

پھوپھی اماں نے کان بند کر لیے۔ منہ پھیر لیا۔

بچا کچھا پانی جینی نے مصطفےٰ پر انڈیل دیا اور دانت پیس کر بولی: اب ہوش میں آ جائیے"

"شکریہ۔ شکریہ۔ مجھے ہوش آ گیا ہے" وہ بڑے خلوص سے بولا۔

آپ کی یہ باتیں اب ناقابل برداشت ہوتی جا رہی ہیں۔

کمال ہے: اس نے حیران ہو کر کہا: میں تو بڑی دیر سے چپ ہوں۔ ایک بات بھی نہیں کی! آپ نے بلوایا تھا مجھے روپی کے گھر سے!

جی نے۔ ڈر کے مارے اپنا نام نہیں لیتی مصطفےٰ نے کہا۔

کچھ بھی اچھے نہیں لگتے ایسی حرکتیں کرتے ہوئے: جل کر بیزاری کی اداکاری کرتے ہوئے پھوپھی اماں نے کہا: ماشاء اللہ چھ سات سال بڑے ہو اس سے۔ بڑا پن ذرا باقی نہیں رکھا:

آپ کو کیا معلوم کون بڑا ہے کون چھوٹا: مصطفےٰ نے کہا: ہو سکتا ہے کہ یہ محترمہ ہی بڑی ہوں۔ بعضے آدمی ٹھگنے ہوتے ہیں۔ بعضے چھوٹے ہی۔ کسی ثبوت کے بغیر آپ نے کہہ دیا کہ بڑے ہو۔ میری پیدائش کے وقت آپ میرے آس نہ پاس!"

مصطفےٰ کی تمام شرارتیں روبی کو سنائیں۔

دونوں لڑکیاں بڑے مزے میں باتیں کر کر کے ہنس رہی تھیں۔ اتنے میں ایک چھوٹا سا لڑکا آیا اس نے جینی سے کہا "آپ کو بیگم صاحب بلا رہی ہیں!" اور پھر ٹیپ ریکارڈ کی طرح یہ فقرہ دہرا کر واپس چلا گیا۔

ہاں بھئی جاؤ۔ دیر ہو گئی ہے" روبی اٹھ گئیں" مگر آتی رہا کرو جینی اب تو تمہارے بغیر دل ہی نہیں لگے گا!۔

تم کیوں نہیں آتیں۔؟

مجھے موبو سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ ڈرا کر مار ڈالے گا۔

مجھے تمہارے بھائی جان سے دحشت ہو رہی ہے!۔ اشعار سنا کر ادھ مرا کر دیں گے۔ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ پھر جینی بڑے خلوص سے اس سے مل کر رخصت ہوئی۔ بے حد خوش تھی۔ اسے روبی بڑی اچھی لگی۔ اس نے سوچا بڑا مزہ آئے اگر موبو کی شادی روبی سے کر دی جائے دو آپ ہی آپ ہنس دی۔

اندر آئی تو پھوپھی اماں دکھائی دیں۔ مصطفےٰ ہزارہ ہاتھ میں لیے گملے سیراب کر رہا تھا۔ مجھے دیر لگ گئی پھوپھی اماں" جینی بولی "روبی بڑی پیاری ہے۔ وہ مجھے آنے ہی نہیں دیتی تھی۔ آپ کے بلانے پر مجبور ہو گئی۔

میں نے کب بلایا بیٹی۔

چھوٹے سے بچے کو آپ نے بھیجا تھا: وہ حیرت سے بولی

نہیں تو بی بی۔ میرے پاس کوئی چھوٹا سا بچہ نوکر ہی نہیں ہے۔؟ وہ بھی حیرت سے بولیں۔

ا ... ...

ہاتھ ڈالا تو ہاتھ میں پلپلا سا لگا پوچھنے لگیں بیٹا کیا چوسنے کے آم لائے ہو انہوں نے جواب دیا۔ بوا دادی آپ اگر چوسنا چاہیں تو ایک آم نکال لیجئے۔ انھوں نے آم سمجھ کر بچے کو دبوچا اور لفافہ اپنی گود میں الٹ لیا۔ نہ پوچھو بیٹی کس طرح تڑپ کر اٹھی ہیں کہ بچے نگوڑے ان کی گود ہی سے پھدک کر ادھر ادھر گرے۔ اور وہ جیسے مرتے مرتے بچیں۔ سارا دن بڑبڑایا کیں بے چاری:

جینی کو بہت ہنسی آئی: مگر بلیاں تو اب بھی یہاں دہلی دندنا رہی تھیں: بوا بے چاری ڈھیٹ ہو چکیں۔ کہاں تک ڈرتیں۔!"

جینی کو یاد آیا اس کے ساتھ بھی تو اس نے شرارتیں کی تھیں۔ برا سا منہ بنا کر بولی "لیکن یہ غنیمت ہے کہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے:

مگر یہ بھی کتنی بری بات ہے کہ اس عمر میں ایسی حرکتیں کرتے پھریں۔ جینی نے موقعہ محل مناسب دیکھ کر کہا: دراصل پھوپھی اماں ان کی تعلیم رہ گئی نا:

"اتنا ہی بہت پڑھا ہے: وہ بے زاری سے بولیں: بلکہ پوچھو تو میں نے ہی یہ سلسلہ ختم کرا دیا۔ کہاں تک پڑھے جاتا!۔

"ہاں پھوپھی اماں۔ یہ بھی کوئی تعلیم ہوئی۔ کم سے کم انھیں بی۔ اے تو کرا ہی دیا ہوتا:

بی۔ اے۔؟" وہ ہنس پڑیں: "تم سے اس نے کیا کہا تھا۔ کہا تھا کہ میٹرک میں تین مرتبہ فیل ہوئے۔

بے ہودہ کہیں کا۔ وہ بی۔ اے آنرز ہے اور دو دو مرتبہ ایم۔ اے کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ انگریزی کا ہے۔ دوسری کا مرتبہ عربی سے۔ ریسرچ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے نہیں کرنے دیا۔ اس کے علاوہ اسے اپنا کام بھی دیکھنا پڑتا تھا۔

منیجر وغیرہ لوگ ایماندار اور بھروسے کے قابل ہوں۔ لیکن ان کی نگرانی حساب کتاب لین دین تو کرنا پڑتا ہی ہے۔"

جینی نے دل ہی دل میں سوچا۔ واپس جا کر وہ اس سے خوب جھگڑا کرے گی کتنا سوکھا منہ بنا کر کہا تھا۔ بیرک فیل ہوں۔ مگر اتنے تعلیم یافتہ ہو کر ایسی حرکتیں۔ بچوں کی سی۔!

وہ دیکھو روفی اپنے گیٹ پر کھڑی ہے۔" پھوپھی اماں نے اشارہ کیا انہیں دیکھ کر ایک لڑکی روش پر بھاگتی ہوئی آئی۔ اور پھوپھی اماں کے گلے لگ گئی۔

• اللہ۔ ممی! اتنے دنوں بعد میری یاد آئی۔" اس نے شکوہ کیا۔

انہوں نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔" بیٹی میں یہاں تھی نہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں حیدرآباد چلی گئی تھی۔ ان سے ملو۔ یہ جینی ہے۔ میرے بھائی کی لڑکی۔ اسے بھی تم سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ اور تو گھر پر سب اچھے ہیں۔"

اندر چلیئے نا۔" اس نے جینی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی بولی۔" آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔"

اچھا!۔ جینی پھیکے سے مسکرائی۔

وہ سب کو اندر لے گئی۔ بڑا صاف ستھرا مکان تھا۔ شفاف سا صحن۔ ہوادار برآمدہ۔ روشن روشن سے دالان۔ روفی نے انہیں برآمدہ میں بٹھایا۔

ابرار نہیں آئے ابھی تک!" پھوپھی اماں نے پوچھا۔

• بنگلور سے مدراس چلے گئے ہیں۔ کسی دوست کی بہن کی شادی ہے

• اگر تم سے متعارف ہوئے اور پتہ چلا کہ تم بھی اس مرض میں مبتلا ہو کہ اچھے شعر پر سر دھنتی ہو تو پھر اشعار سنا سنا کر تمہارا بھرکس نکال دیں گے ہر بات پر انہیں کوئی واقعہ یاد آجاتا ہے۔ مخاطب کو بولنے نہیں دیتے ان سے بے تکلف نہ ہونا ورنہ جان کھا جائیں گے۔"

جینی ہنسنے لگی۔" تم کیسے برداشت کرتی ہو۔"

میں نے ان کے مرض کا دفیعہ تلاش کر لیا ہے۔

کیا کیا ہے۔

" وہ اشعار کی مٹی پلید ہوتے نہیں دیکھ سکتے!۔ ان کے سامنے ایک دن میں نے یہ شعر پڑھ دیا تھا ؎

کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا۔!
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

بس اس دن سے انہیں جو چپ لگی ہے تو ایسی لگی ہے کہ میرا دماغ بھی درست ہے۔" جینی ہنس پڑی۔" ہمارے تمہارے نصیب میں ایسے ہی مجہول المعقول بھائی بند لکھے ہیں۔ ادھر وہ پورا عجائب خانہ ہیں ادھر یہ مکمل انسائیکلو پیڈیا۔!

روفی کو ہنسی آ گئی۔" ان حضرت نے ممی کے چیخنے چلانے کے باوجود گھر کو باغ باغ کر رکھا ہے۔ ایک دن میں نے گلاب کا پھول توڑ لیا تھا۔ خدا کی پناہ۔ مارے انتقام کے موصوف نے میری چوٹی میں مینڈک کا بچہ باندھ دیا تھا۔ گر میں نے ہار نہیں مانی۔ گھر آتے آتے اس کے سارے گلاب توڑ ڈالے اور پھر ڈر کے مارے آج تک اس کے گھر نہیں گئی ہوں۔

آپ جیسے میرے پپا ویسے ہی اس کے بھی ہیں نا۔ پپا!: روپی جلدی سے بولی۔

بالکل بالکل۔ اب تمہیں اپنے ڈیڈی کی کمی محسوس نہ ہوگی۔ بیٹی: ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ اور بڑی سنجیدگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جینی نے اندر اندر اپنے آنسو پی لیے۔ شکریہ تک ادا نہ کر سکی!۔

ذرا ہی سی دیر بعد یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ برسوں سے ان لوگوں میں رہتی آئی ہو۔ روپی محروم محبت تھی۔ مجسم محبت نکلی۔ جینی بھی خوش تھی۔ ڈاکٹر صاحب کھانے کے بعد آرام کرنے چلے گئے۔ روپی اسے اپنے ساتھ گھر دکھانے لے گئی!۔

یہ بڑا کمرہ امی کا ہے۔ اس میں وہ رہتی تھیں۔ اب میں رہتی ہوں۔ مجھے بہت سکون ملتا ہے ہر طرف ان کی مہک ملتی ہے۔ ہر جگہ ان کا وجود نظر آتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد میں امی کی کمی بھول جاتی ہوں۔ اچھا لگتا ہے نا؟:

بہت اچھا ہے!:

وہ وہ ایکسی کے پاس بھائی جان کا کمرہ ہے۔ آؤ دکھاؤں!

بھائی جان بزنس مین ہیں!۔

ہاں!۔

روپی نے کمرہ کھولا۔ بہت سجا سنوارا کمرہ تھا۔ ہر چیز قرینہ سے لگی تھی۔ رائٹنگ ٹیبل کے سامنے دیوار پر ابرار کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی!۔ صورت شکل سے نہایت سنجیدہ آدمی لگ رہا تھا!۔

انہیں شعر شاعری کا اتنا شوق ہے کہ توبہ ہی بھلی: روپی نے کہا

دو تین روز بعد آئیں گے: روپی نے کہا پھر بولی: ممی یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ انہیں بھی لے آئیں۔ اب میں اتنی وقت زدہ نہیں رہا کروں گی۔ اچھا میں کچھ پینے کے لیے لاؤں:

رہنے دو بی بی۔ ہم کھا پی کے آئے ہیں۔ میں تو جینی کو تم سے ملانے لائی تھی۔ اب تم دونوں باتیں کرو۔ مجھے جانے دو۔

آپ آئیے نا ہمارے یہاں: جینی نے بے تکلفی سے کہا۔

ارے۔ یہ کیا آپ جناب کرنے لگیں: روپی ہنس دی: کچھ خود سے جدا کیے رہی ہو۔ مجھے۔ میں تو تمہیں ہرگز آپ کہہ کر مخاطب کرنے والی نہیں:

ہاں ہاں۔ اب آپس میں بے تکلفی برتو۔ ہم عمر ہو۔ ہم مذاق ہو: پھوپھی اماں نے بھی رائے دی: غیروں کی طرح کیوں ہو۔

اب تو تم ہمیشہ یہیں رہو گی نا۔ زینت؟: روپی نے پوچھا۔

ہمیشہ؟: جینی کو اپنا نام اس کے لبوں سے بڑا اچھا لگا۔

اللہ کس طرح بولتی ہے مو مو سے: روپی نے حیرت ناک انداز سے دونوں ہاتھ اپنے گالوں پر رکھ لیے۔ پھوپھی اماں انہیں باتیں کرتے چھوڑ کر اٹھ گئیں۔

جینی کو بہت ہنسی آئی: ناک میں دم کر دیا ہے انھوں نے۔ لیکن بھی قطعی مذاق نہیں کرتے۔ بچوں کی سی معصومیت ہوتی ہے ان کی شرارتوں میں۔ اگر نہ آج کل کے سے ہیرو شائپ ہوتے تو منٹ بھر کو بھی میں یہاں نہ ٹکتی!۔ مگر کیا تم صرف انہی کی وجہ سے ہمارے یہاں نہیں آؤ گی؟:

مجھے تو فرصت ہی نہیں ملتی۔ جینی۔ حتیٰ کہ میں گھر کی مصروفیات کی وجہ سے ایم۔ اے نہ کر سکی۔ ادھر پپا کے پرائیوٹ مریض دیکھتے رہیں۔ مجھے

ان کی دیکھ ریکھ بھی کرنی پڑتی ہے.... وہ پرلی طرف لمبی سی چھت دیکھ رہی ہو
نا... ادھر ہم رہتے ہیں۔!! تم البتہ ذری ہو۔ روز نہیں آجایا کرو۔ ابھی کالج
کھلنے میں دیر ہے ؟۔

ابھی تو میں یہی سوچوں گی کہ میں ایم۔اے کروں یا نہ کروں۔

کیوں ؟۔

ڈیڈی نہیں چاہتے تھے کہ میں آگے پڑھوں!۔

ہاں شاید۔ ایم۔اے کے لیے تو تمہیں مردانہ یونیورسٹی جانا پڑے گا!۔

ڈیڈی کو یہ بات پسند نہیں تھی۔

تو پھر۔

• وہ چاہتے تھے کہ میں صنعتی ادارے میں کچھ سینا پرونا سیکھوں۔ بس یہی
کروں گی۔ ان کے بعد بھی میں نہیں چاہتی کہ ان کی روح کو مجھ سے شکوہ ہو۔!

کیا تقدیر ہے۔ جینی!۔ میری ممی نہیں۔ تمہارے ڈیڈی نہیں۔ ماں باپ
کے کہے ہوئے خلا کبھی پر نہیں ہو سکتے!۔ ممی کو گئے ہوئے دو سال ہوئے مگر میں
ابھی تک ان کی ابدی جدائی قبول نہ کر سکی!"

تقدیر کا شکوہ بیکار ہے۔ روفی۔ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ تم اپنی ممی
کو دو سال کے بعد بھی یاد کرتی ہو۔ مگر میرے ڈیڈی کا تو ابھی چالیسواں بھی
نہیں ہوا۔

کیا!: روفی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

جینی کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی: ان کے سوئم کے بعد میں پھوپھی اماں
کے ساتھ چلی آئی۔ میرے ڈیڈی کی یہی مرضی تھی۔ میں نے زندگی میں کبھی ان
کا کہا نہیں ٹالا۔ میں بہت چاہتی تھی اپنے ڈیڈی کو۔ روفی۔ وہ بہت

پیارے تھے۔ وہ بھی تو مجھے بے پناہ چاہتے تھے۔ وہ میری ماں بھی تھے۔
باپ بھی۔ میرے لیے جیتے تھے۔ میرے لیے ہنستے روتے تھے۔ پھر میں ان کا کہا
کیوں ٹالتی۔ اگر ان کا دل نہ بڑھ جاتا تو وہ کبھی نہ مرتے۔ روفی۔ وہ مجھ سے
اتنی محبت کرتے تھے کہ اپنی موت کی بات بھی مجھ سے نہیں کہی۔ حالانکہ انہیں
ہفتوں پہلے پتہ چل گیا تھا کہ وہ بہت دنوں نہیں جئیں گے۔ مگر انھوں نے
مجھے نہیں بتایا۔ اتنا بھی میرا پریشان ہونا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔
روفی۔ لیکن وہ اب چلے گئے۔ ان کا تذکرہ نہیں کروں گی۔ انھوں نے مجھ
سے کہا تھا کہ مایوسی بددلی بدبختی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دینا۔ میں ان کا کہا
نہیں ٹال سکتی۔ روفی میں تو اب روؤں گی بھی نہیں۔ کبھی نہیں روؤں گی!۔

یہ کہتے کہتے جینی رونے لگی۔ روفی نے بھی اس کا ساتھ دیا اور اسے
گلے لگا لیا۔ دوپہر کے کھانے پر اس نے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا۔ بڑے بھاری
بھرکم اور بارعب آدمی تھے۔ انھوں نے بڑے پیار سے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔
روفی نے مختصر سی تفصیل سے اس کا تعارف کرایا۔

اچھا تو یہ بیگم نرجس کی بھتیجی ہے۔ خوب خوب۔ میں سمجھا تھا کہ کوئی
تمہاری سہیلی ہوگی۔ بڑی خوشی ہوئی۔ کہاں پڑھ رہی ہو۔ بیٹی؟"

بی۔اے کا امتحان دیا ہے انکل۔ پھر جو کچھ پھوپھی اماں کہیں گی ۔۔ وہ
کروں گی": اس نے سر جھکا کر کہا۔

ماشاءاللہ۔ ماشاءاللہ؛ وہ خوش ہو گئے: بہت سعادت مند بچی ہو۔
خدا تمھارا نصیب بلند کرے... تمھارے والد محترم کیا کرتے ہیں۔ بیٹی۔

دو اب اس دنیا میں نہیں رہے انکل۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے!۔

• ڈاکٹر صاحب خاموش ہو گئے۔

ٹیلیفون نمبر رہائش
۲۵۲۳۴

ٹیلیفون نمبر آفس
۲۲۵۰۹

ماہنامہ حریم لکھنؤ

گذشتہ ۵۶ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اردو میں

ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

بیادگار

سید محمد سلیم انہونوی و شفیق النساء بیگم سلیم انہونوی مرحوم

جلد ۵۶ — فہرست مضامین ماہ مارچ ۱۹۸۶ء — نمبر ۳

اڈیٹر و نگراں: نسیم انہونوی
معاونین: شوکت جہاں بیگم عزالہ — جمالی بیگم ردولوی

قیمت سالانہ

اعزازی خریداری ...... منی آرڈر سے ...... بیس روپیہ
مخصوص خریداری ...... اٹھارہ ہ
عام خریداری ...... پندرہ ہ
وی پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ
غیر ممالک سے بذریعہ ۳۰ روپیہ یا دو پونڈ بذریعہ ہوائی ڈاک ایر میل

• حریم میں شائع ہونے والے تمام ناول اور افسانے فرضی ہوتے ہیں۔ کسی کے نام یا مقام اور حالات سے اتفاقیہ مطابقت ہو جائے تو حریم ذمہ دار نہ ہوگا۔

• حریم ہر انگریزی ماہ کی ۵ تاریخ کو قطعی روانہ کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ہر ماہ ۲۰ تاریخ سے پہلے کی گئی شکایتوں پر غور نہ کیا جائے گا۔

پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ہر تاریخ سے پہلے دفتر میں موصول ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

خط و کتابت کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ اور نمبر خریداری ضرور لکھیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ:
نسیم بک ڈپو ، لکھنؤ

نسیم انہونوی ، مالک و ناشر ، پرنٹر ، سرفراز قومی پریس ، لکھنؤ

گزشتہ ماہ کے لمعات کا بقیہ

تمام ماہرین طب اس بات پر متفق ہیں کہ ماں کا دودھ بچے کے لئے بہترین غذا ہے۔ اب بتایئے کہ وہ بچے جو اپنی ماؤں کی ملازمت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہی نرسنگ ہومز یا سرکاری تربیت گاہوں کے حوالے کر دیئے جائیں یا جو کرایہ کی نرسوں اور اناؤں کی گود میں پرورش پائیں اور بجائے ماں کے دودھ کے خارجی غذاؤں سے اپنا پیٹ بھریں اور راتوں کو بھی ماں کے "دل کی دھڑکن سے پیدا ہونے والی موسیقی" سے محروم رہیں اپنا داخلی یا ذہنی توازن قائم رکھ سکتے ہیں؟ امریکہ میں ایسی ہی ماؤں کے آج چار کروڑ بچے اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں۔ ماہرین نفسیات کو کون بتلائے کہ ماں کی مامتا اور شفقت ہی ان بے گناہ معصوم ہستیوں کا واحد علاج ہے۔ انگلستان میں بچوں کی افسردگی کے بارے میں بچوں کے ماہر ڈاکٹر ایوا اے فروہر نے "برٹش میڈیکل جرنل" (مارچ ۱۹۷۶ء) میں لکھا ہے کہ بچوں میں افسردگی عام طور پر خیال کیے جانے والی حد سے کہیں زیادہ عام ہے۔ جو بچے درد شکم، بے خوابی، چڑچڑاپن، خوف اور طبیعت میں اضطراری کیفیت کی شکایت کریں تو سمجھ لیجئے کہ وہ "افسردگی" کا شکار ہیں اور یہ دلی افسردگی عام طور پر ماں سے جدا ہونے کے خوف سے . . . . پیدا ہوتی ہے" جدید تحقیق کے مطابق جو بچے ماں کی شفقت سے محروم رہتے ہیں انھیں ایگزیما کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔

فطری آغوش تربیت سے محروم نرسنگ ہومز سرکاری پرورش گاہوں یا کرایہ کی نرسوں اور آیاؤں کی گود میں پلنے والے یہ بچے اب سمجھ سکتے ہیں بڑے ہو کر کس سیرت و اخلاق کے مالک ہوں گے۔ دنیا جانتی ہے کہ اپنے پاؤں کے نیچے جنت رکھنے والی ماں اور صرف ماں ہی گھر پر رہ کر بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا اہتمام کر سکتی ہے۔ نپولین نے ایک مرتبہ کہا تھا تم مجھے ایک اچھی ماں دے دو میں تمہیں ایک اچھی قوم دے دوں [illegible]

میں جنس کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کی جانب سے لاپروا ہو جائے تو بچوں کا ذہن مختلف قسم کی آوارگیوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ان میں ذمے داری، آوارگی عیش پرستی، جنسی بے راہ روی اور دوسری اخلاقی برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

امریکہ کے متعلق فیڈرل بیورو آف انوسٹی گیشن (F.B.I) کے فراہم کردہ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۷۶ء میں ۱۹۷۵ء کے مقابلہ میں سنگین جرائم میں ۵ فی صد اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح قتل و غارت، اغوا، جسمانی مار پیٹ، ڈاکہ زنی، دھوکہ دہی اور کار چرانے کے جرائم میں بالترتیب ایک، دو، چار، پانچ، چھ اور سات فی صد اضافہ ہوا ہے۔ بنک یا دکان لوٹنے کے واقعات میں ۱۲ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح نوجوان لڑکیوں میں بھی آوارگی کا رجحان بڑھ رہا ہے وہاں کی عورت کو حیا، شرم، غیرت یا عزت و ناموس سے اب دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں رہا۔ آج وہ نہ صرف مردوں کے ساتھ دفتروں اور کارخانوں میں کام کرتی ہے بلکہ ان کے ساتھ ہوٹلوں، پارکوں، نائٹ کلبوں اور دیگر تفریح گاہوں میں رات اور دن خوب رنگ رلیاں مناتی ہے، سگریٹ پیتی ہے، شراب نوشی کرتی ہے، جوا کھیلتی ہے، اسمگلنگ کرتی ہے، ڈاکہ ڈالتی ہے، جیب تراشتی ہے، غرض وہ تمام عیوب جو کبھی صرف مردوں میں پائے جاتے تھے ان تمام میں وہ خود ملوث ہے۔ جرمنی میں آوارہ لڑکیوں کے لئے علیحدہ جیل خانے قائم کیے گئے ہیں۔ (پاکستان ٹائمز ۳۰ جولائی)

انسانی عمل کی فطری تقسیم کو توڑ کر جہاں انسان نے اور بہت سے نقصانات اٹھائے وہاں اسے ایک یہ نقصان بھی اٹھانا پڑا کہ وہ اپنا خاندانی نظام تباہ و برباد کر بیٹھا۔ خاندان کی اصل معمار عورت ہی ہے۔ مرد تو صرف سامان تعمیر فراہم کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب اصل معمار کا [illegible] سامان تعمیر [illegible] پاکستان

اور دوسرے مغربی ممالک میں آج کل یہی کچھ ہو رہا ہے۔ بظاہر دولت پرستی معلوم ہوتی ہے۔ گھر دنیا بھر کی نعمتوں اور دوسری مادی آسائشوں کے ساز و سامان سے بھرا دکھائی دیتا ہے لیکن ان گھروں کے مکین خاندانی اتحاد، یکجہتی، ہم آہنگی، محبت و ادب اور رواداری جیسے ضروری انسانی جذبات سے عاری ہونے کی وجہ سے ایک انتہائی کرب انگیز زندگی گزار رہے ہیں۔ بیوی کے لئے شوہر کی خدمت، بچوں کے لئے اپنے والدین کی اطاعت اور والدین کے لئے اپنی اولاد کی پرورش و نگہداشت ایک بوجھ بن کر رہ گئی ہے۔ عورت کی معاشی خود مختاری نے اسے نفس پرست، ازدواجی ذمے داریوں سے متنفر اور خاندانی زندگی سے بیزار کر دیا ہے۔ اس کی تمام تر دلچسپیاں گھر سے منتقل ہو کر دفتروں اور کارخانوں کی نذر ہو گئی ہیں۔ کچھ بچے کی پسند و ناپسند پر خاوند سے طلاق طلب کر لیتی ہے۔ شوہر کے محض خراٹوں سے تنگ آ کر اس سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے۔ (امریکہ میں آج کل روزانہ ایک ہزار سے زائد طلاقیں لی جاتی ہیں۔

(روزنامہ جنگ ۱۳ فروری ۱۹۶۲ء)

عام خواتین میں شادی کے بغیر ہی زندگی سے پورا پورا لطف اٹھانے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ وہ اب "ماں" بننے سے بھی گریز کرنے لگی ہیں اس لئے کہ بچہ جننے سے ان کے حسن میں فرق آ جاتا ہے۔ یہ سب کچھ عورت کو خاندانی نظام سے الگ کر کے معاشی اور دوسری بیرون خانہ سرگرمیوں میں مصروف کرنے کا منطقی نتیجہ ہے۔

یہ ہے وہ "ترقی" اور "خوشحالی" جو امریکہ اور دنیا کے دوسرے "مہذب" ملکوں نے عورت کو کسب معیشت میں شریک کر کے حاصل کی ہے اور جس کی تعریف میں ہمارے ہاں کے اخبارات و دیگر رسائل و جرائد آئے دن کالم کے کالم سیاہ کرتے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان نے جب کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف سرکشی کی ہے اسے نقصان ہی اٹھانا پڑا ہے۔ کوئی بتائے کہ عورت نے "وقرن فی بیوتکن" کا مذاق اڑا کر اور گھر کی بجائے "دفتر" کو بسا کر کیا لیا؟ اگر اپنے لئے جسمانی و ذہنی بیماریاں، ان گنت نفسیاتی الجھنیں، بدنامی، ذلت اور خواری مول لی تو باقی دنیا کو بے حیائی، بے شرمی، حرام کاری، جنسی بے راہ روی اور دوسرے سنگین اخلاقی جرائم سے بھر دیا اور دوسرے معصوم بچوں کا مستقبل الگ تاریک کر دیا۔ انسان آج اپنی ذہنی پریشانی کے تاریک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ خوفناک حادثے، تباہ کن زلزلے، سیلاب، طوفان اور وبائیں اس پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کیوں؟ صرف اس لئے کہ انسان نے اپنے پیدا کرنے والے خدا کے بتائے ہوئے راستوں کو چھوڑ کر خود اپنی متعین کردہ راہوں پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ ان گذارشات کے لکھنے سے میرا مدعا یہ نہیں ہے کہ پاکستانی عورتیں اپنے گھر یا اپنے ملک کی اقتصادی حالت بہتر کرنے کے کاموں میں حصہ ہی نہ لیں۔ اول تو اپنے گھر اور ملک کی ترقی و خوشحالی میں اس سے بڑھ کر ان کا کیا حصہ ہو سکتا ہے کہ وہ گھر پر رہ کر بچوں کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں۔ کیا پاکستان کی کوئی عورت بھی پاکستان کی ترقی و خوشحالی میں اس عورت سے بڑھ کر حصہ لینے کا دعویٰ کر سکتی ہے جس نے قائد اعظم جیسی عظیم شخصیت کو جنم دیا ہو اور گھر پر رہ کر اس کی صحیح تربیت کی ہو؟ پاکستان کی چاہے کروڑ عورتیں اگر تمام کی تمام مل کر دفتروں اور کارخانوں میں ملازمتیں اختیار کر کے پاکستان کی خدمت کا دعویٰ کریں تب بھی وہ اس خدمت کا عشر عشیر بھی نہیں ہو سکتا جو اس عورت نے پاکستان کے لئے سر انجام دی جس نے علامہ اقبال جیسی ہستی کو جنم دیا اور اسے اپنے معیار زندگی بلند کرنے کے معیار انسانیت بلند کرنے کا سبق دیا! ہم مانا آپ کے پاس امور خانہ داری اور دوسری گھریلو ذمہ داریوں سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کے بعد کچھ وقت بچ جاتا ہے اور آپ روپیہ کما کر ہی اپنے گھر اور ملک کی اقتصادی حالت بہتر کرنا چاہتی ہیں تو کیا ضروری ہے کہ آپ دفتروں اور کارخانوں ہی کا رخ کریں؟ کیا آپ اسلامی حدود میں رہ کر یہ کام نہیں سر انجام دے سکتیں۔ سلائی، بنائی، کڑھائی، کروشیا ورک، تصنیف و تالیف، تعلیم و تدریس وغیرہ کے ذریعے سے بھی معقول آمدنی ہو سکتی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ سادگی پسند اور کفایت شعار خواتین جو گھر پر رہ کر چھوٹی چھوٹی گھریلو دستکاریوں اور مندرجہ بالا شریفانہ ذرائع سے روزی کما رہی ہیں ان خواتین سے کہیں زیادہ خوشحال ہیں جو دن رات دفتروں اور کارخانوں کے مالکوں یا افسروں کی ماتحتی کرتی ہیں اور ان کی کڑوی کسیلی باتیں سنتی ہیں۔

دفتروں اور کارخانوں میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کی خواہش مند بہنوں کو اس سلسلہ میں ایک اور بات بھی نہیں فراموش کرنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ برعکس مغربی ممالک کے جہاں حیا و شرم غیرت و حمیت دقیانوسی ڈھکوسلے بن کر رہ گئے ہیں اور جہاں لوگ اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ ان کے نزدیک نکاح کے بغیر کسی مرد کا کسی عورت سے تعلق رکھنا کوئی معیوب

نقل نہیں ہوا ہے۔ بدچلن بدنامی شہرت خیالی کی جاتی ہے، ہمارے ملک میں خدا کا شکر ہے بدنامی سے بہت ڈرا اور نفرت کیا جاتا ہے۔ ایک عورت بدنام ہونے پر شدید نفسیاتی الجھنوں میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ ادھر غیر مردوں کے ساتھ کام کاج کرنے کی وجہ سے بدنام ہوئے بغیر رہا نہیں جا سکتا کیونکہ یہ بالکل فطری چیز ہے لہٰذا اس کا تو جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات "یہ سکنڈل" اتنی بھرپور صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ لڑکی کا سارا خاندان بدنام، ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے۔ اپنوں اور غیروں کے طعنے اور تشنے گھر والوں کو کھائے لیتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ لڑکی زندگی بھر ایک اچھے بر سے محروم رہ جاتی ہے۔ ایسے میں آپ خود ہی سوچئے کہ اپنی اور ملک کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لئے کون سی جگہ موزوں ہے۔ گھر یا دفتر؟

خدا کے لئے معیار زندگی بلند کرنے کے خبط میں اپنے گھروں کو "راحت کدوں" میں مت تبدیل کیجئے اس لئے کہ ان راحت کدوں سے صرف عیش پسند، کام چور، بزدل، بے غیرت، پست حوصلہ، سست، کاہل اور ظالم انسان تو جنم لے سکیں گے لیکن ان راحت کدوں سے بہ درجہ اول کے انسان نہ تو کبھی ابھرے ہیں اور نہ ابھریں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جملہ مسائل کو اسلامی حدود میں رہتے ہوئے حل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(ماخوذ از کتاب پردے میں رہنے دو، اشاعت الفرقان لکھنؤ)

پرچہ نہ ملنے کی شکایت

ڈاک کی بد نظمی سے ہر ماہ ایک سو سے زائد پرچے راستہ میں گم ہو جاتے ہیں۔ اطلاع ملنے پر ہم دوبارہ پرچہ روانہ کر دیتے ہیں۔ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک انتظار کرنے کے بعد دفتر کو کرنا چاہیے۔ بہت سی بہنیں ۲۰ تاریخ سے پہلے ہی خط لکھ دیتی ہیں۔ جب پر دفتر توجہ نہیں کرتا۔ یہ بہنیں یہ سمجھتی ہیں کہ پرچہ دفتر سے نہیں بھیجا گیا۔ یہ مناسب نہیں پرچہ پوری توجہ کے ساتھ ہر ماہ ۲۰ تاریخ کو روانہ کیا جاتا ہے۔

گل ہائے عقیدت در گلشن رسالت

الحاج برق آشیانوی

انسان اگرچہ کہ بلندی سے گرا ہے
لیکن یہی انسان سرِ عرش گیا ہے

احمد ہے ترا نام تو محبوب خدا ہے
دنیائے رسالت میں تری شان جدا ہے

دارا کو ملا ہے نہ سکندر کو ملا ہے
وہ مرتبہ جو تیرے غلاموں کو ملا ہے

نظروں میں کرم آپ کی اور لب پہ دعا ہے
گالی کا جواب آپ نے اس طرح دیا ہے

جب قافلہ مکے سے مدینہ کو چلا ہے
توحید کی تعلیم کا اک باب کھلا ہے

فرمانِ نظر ہے تری قرآن زباں ہے
جو حکم بھی تیرا ہے وہی حکم خدا ہے

لے جا کے اسے ڈال دو جنت میں فرشتو
الفت میں محمد کی گرفتار ہوا ہے

قدرت کا یہ انعام محمد کا ہے اکرام
سوچا بھی نہ تھا حج مری قسمت میں لکھا ہے

کعبہ مری آنکھوں میں ہے طیبہ میں ہے مدینہ
تحفہ مجھے یہ حج و زیارت میں ملا ہے

عرفات کے میدان میں ہر اک کی زباں پر
اک نام محمد ہے یا اک نام خدا ہے

یوں میرے تصور میں ہے یہ گنبد خضریٰ
صحرا کے تخیل میں کوئی پھول کھلا ہے

آیا ہے سمندر پہ سے بے بال و پر اُڑ کر
یہ برق جو دربار رسالت میں کھڑا ہے

جو نہ کرنا تھا — ناول

مصنفہ: جناب برق آشیانوی

(بھارت چند کھنہ کی نظر میں)

جناب برق آشیانوی صاحب ایک نہایت موثر ادیب اور ایسے شاعر ہیں جن کو کرکٹ کی اصطلاح میں "آل راونڈر" کہا جاتا ہے آل راونڈر سے یہ مراد نہیں کہ جس شخص کے لئے یہ محاورہ استعمال کیا جائے وہ ہر فن سے گول ہو بلکہ اس سے مراد ہے "ہر فن مولا" برق آشیانوی صاحب اس لیے ہر فن مولا ہیں کہ ان کی شاعری کی طرح ان کی نثری تخلیقات بھی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں، ایک ظرافت کا حصہ اور دوسرا بلا ظرافت کا جو اثر بے غرض ہوتا ہے۔

"جو نہ کرنا تھا" برق صاحب کے غالباً پہلے ناول کا عنوان ہے ظرافت کے میدان کے ایک غازی کا اپنے اکھاڑے کو چھوڑ کر ایک ایسے میدان میں کود پڑنا جو بالکل جداگانہ ہے۔ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ موصوف نے جو نہ کرنا تھا کیا اور یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ ادب کے میدان میں ایک آل راونڈر ہیں۔

بہر حال اس ناول میں ظریفانہ پہلو نہ ہو تو نہ سہی لیکن چاٹ طنز کے نظریہ سے بھرپور ہے۔ پورا ناول اس کی ہیروئن کے گرد طواف کرتا ہے جس کا نام زینت ہے۔ زینت در اصل زینت نہیں بلکہ شگفتہ ہے جس نے فردوس البلاد بمبئی سے امتیازی حیثیت سے ایم اے کیا اور جب اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کسی جاگیردار کے بیٹے کے ساتھ کی جا رہی تھی کہ وہ شادی کے پنڈال میں پہونچنے سے پہلے ہی گھر والوں کی پہونچ سے باہر ہو گئی۔ حیدر آباد چلی آئی اور ایک پان کی دوکان کھول لی اپنی اصلیت کو چھپانے کے لئے اس نے اپنا نام زینت رکھا اپنی اعلیٰ تعلیم و تربیت، فہم و فراست کی وجہ سے یہ پان کی دوکان ایسی چلی جیسے چھک چھک دھوئیں کی گاڑی اڑائے لئے جائے۔ اس کی ایک ہفتہ کی آمدنی کسی محکمہ کے ناظم کی سارے مہینے کی تنخواہ سے کہیں زیادہ تھی۔

زینت کو اپنی دوکان کے ایک مستقل گاہک کی شباہت میں

اپنے محبوب موہن کا شائبہ دکھائی دیتا ہے اور وہ اس نوجوان میں دل چسپی لینے لگتی ہے جو محکمہ زراعت کا ایک انسپکٹر ہے اور جس کا نام نصیر الدین اکبر ہے۔ زینت اس کو بابو یعنی بچہ کہتی ہے کیونکہ وہ عمر میں اس سے بہت چھوٹا ہے۔

بابو نصیر الدین اکبر اسیر پنجہ بخار ہو کر اسپتال پہونچ جاتا ہے اور اپنے والدین کو جو کسی اور شہر میں رہتے ہیں اطلاع نہیں کرتا، جب وہ آنا فاناً پان کی دوکان سے اپنے روز کا راشن یعنی ایک ڈبیہ سگریٹ اور ایک پان خرید نے نہیں آتا تو پان والی زینت اپنے پڑوسی منشی جی (ایک کہنہ جہاں تجربہ سالخوردہ) کی مدد سے بابو کی کھوج شرلاک ہومز کی طرح لگا لیتی ہے پان والی بابو کو اسپیشل وارڈ میں منتقل اور اپنی بہترین تیمارداری سے روبہ صحت لے آتی ہے اور عین اس وقت بابو کے والد بھی اسپتال میں وارد ہو جاتے ہیں اور اب پان والی کی محبت میں گرفتار اپنے بابو کو اس سے نجات دلانے کی کوشش میں بابو کو پھر بیمار کر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جب والدین کی محبت اور محنت بابو کو صحت نہیں دلا سکتی تو وہ مجبوراً زینت کی موجودگی کو ایک نعمت سمجھتے ہوئے بیٹے کی صحت یابی کی خاطر مزید اعتراض اس کی وابستگی پر نہیں کرتے۔ بیٹا صحت پا کر گھر چلا جاتا ہے۔

اب اگر اس ناول کے پلاٹ کو مختصراً بھی بیان کیا جائے تو یہ مضمون بہت لمبا ہو جائے گا۔

تو سنیئے "جو نہ کرنا تھا" میں پھر کیا ہوا۔ بابو کی بہن نجمہ عرفان کی منگیتر ہے نجمہ کی شادی کرنے سے پہلے عرفان کے والدین تیس ہزار روپے کا مطالبہ کرتے ہیں جو بابو کے والد جو مجسٹریٹ ہیں دے نہیں سکتے یہ رقم زینت ان کو دیتی ہے تاکہ نجمہ کی شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو بابو کی شادی ذکیہ سے طے ہے مگر بابو زینت کی محبت میں گرفتار ہے اور بابو کے والدین بابو کی محبت میں مجبوراً اس کی شادی زینت سے کر دینے پر تیار ہیں۔ مگر زینت بابو کو سمجھا دیتی ہے کہ وہ اس کو چھوٹے بھائی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتی اور اس طرح ذکیہ اور بابو کے درمیان جو دیوار حائل ہے وہ ہٹ جاتی ہے۔

زینت کی کالج کی سہیلی فیروزہ جس کو موہن کی والدہ نے فیروزہ کی والدہ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے پالا پوسا پڑھایا لکھایا اور ڈاکٹر بنا کر اس کی شادی بھی کر دی تھا موہن کو اپنا سگا بھائی

سمجھتی تھی، حضرت موہن شکنتلا عرف زینت کے فراق میں بجھا ہوا شمع کی طرح گھل رہے تھے۔ اب نیوزہ شکنتلا کو ڈھونڈ نکالتی ہے اور پھر ایک ہی پنڈال میں بابو کی شادی ذکیہ سے، انجمہ کی عرفان سے اور شکنتلا کی موہن سے ہو جاتی ہے سب ایسے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں اور شادیوں کے شادیانوں میں ناول اختتام کو پہنچتا ہے۔

اس ناول میں قابل مصنف نے شکنتلا کا کردار بڑی چابکدستی سے تعمیر کیا ہے۔ شکنتلا میں مونا لزا کا ابدی حسن، سیتا کی پاکدامنی، پدمنی کی جرأت، سوہنی کی محبت اور حاتم طائی کی سخاوت موجود ہیں۔ ہندستانی عورت کے بنیادی کردار کی عظمت اپنی درخشاں بلندیوں پر نظر آتی ہے، ذکیہ، انجمہ اور شکنتلا (زینت) اپنی محبت کے لیے ہر ایثار کرنے اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں اگر ان کو مولوی برق آشیانوی صاحب نہ بچا لیتے تو یہ تینوں دفعہ وقفہ سے خودکشی کر لیتیں، اسی طرح بابو بھی مرنے کے لئے پا بہ رکاب بیٹھا ہے مگر اس کو بچانے والے اس ناول میں اتنے ہیں کہ وہ مر نہیں سکتا۔

محبت کی ان لازوال عظمتوں میں ذات پات کے امتیاز کا کھوکھلا پن، جہیز کی لعنت اور انسان کی بنیادی اچھائی کے روپ بڑی عمدگی سے اجاگر ہو جاتے ہیں۔

ناول بے انتہا دلچسپ ہے شروع سے آخر تک اس میں کئی کلائمکس آتے ہیں اور پان والی زینت اپنے کتھے چونے سے کوئی رخنہ پیدا نہیں ہونے دیتی اور رستے ہوئے زخم مندمل ہو جاتے ہیں، زبان نہایت سلیس اور محاورے کے لوازمات سے مالا مال ہے اور اس طرح اردو کے علماء اور ناقدین اس کو پڑھتے ہوئے ناک بھوں نہیں چڑھا سکیں گے، میرے خیال میں برق آشیانوی صاحب کا یہ ناول ایسا ہے جو جدید ناول نگاروں کی ڈگر اور موضوعات سے بہت دور ہے اور جن کو ماں باپ بیٹے بیٹیاں [illegible] ایک دوسرے کی موجودگی میں پڑھ [illegible] شرم اور بے دلچسپی محسوس نہیں کریں گے اور [illegible] کر اس کے پڑھنے والوں میں پڑھنے والیاں زیادہ ہوں گی کیونکہ اس میں ان کے کردار کی عظمت اور آبرو کو انتہائی [illegible] پہنچا دیا گیا ہے۔

کسی اچھے ناول میں کیا ہونا چاہئے؟ دلچسپی، مکالموں کی برجستگی، غیر ضروری تفصیلات سے احتراز، کردار نگاری، امید و بیم کی کیفیات اور زبان کا چٹخارہ اس میں سب کچھ ہے اور اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ یہ ایک کامیاب ناول ثابت نہ ہو۔

قیمت چودہ روپے

طابع و ناشر نسیم بک ڈپو لکھنؤ

ملنے کا پتہ - آندھرا پردیش

اردو اکیڈمی، حیدر آباد۔

ہماری کتابیں

(جگن ناتھ آزاد)
مرقع اقبال قیمت: پچاس روپے
(علامہ اقبال کی زندگی کے اہم واقعات
عمر کے حساب سے نایاب تصاویر اور تحریروں
کا البم)

(پروفیسر خلیق احمد نظامی)
سرسید احمد خاں قیمت: پانچ روپے
(ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی، تعلیمی اور
ثقافتی زندگی پر سرسید اور ان کے رفقا کے
کارناموں کا زبردست اثر پڑا ہے۔ پروفیسر
نظامی نے بڑے سلیقے سے ان کی شخصیت
اور کارناموں کا جائزہ لیا ہے۔)

ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر
(ڈاکٹر محمد عمر) قیمت: بیس روپے
(ڈاکٹر تارا چند نے اپنی مشہور تصنیف میں
ہندوستانی تہذیب پر مسلمانوں کے اثرات
کا جائزہ لیا تھا۔ ڈاکٹر محمد عمر نے اپنی اس
محققانہ کاوش میں دکھایا ہے کہ ہندوستانی
تہذیب نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبے میں
سرایت کر لی ہے۔)

(عرش ملسیانی)
ہم ایک ہیں قیمت: دو روپے
(ہندوستان مختلف قوموں، عقیدوں
اور فرقوں کا ملک ہے اور یہی اس کی
حلاوت سے قریب و زینت حاصل ہے۔ بو قلموں
رنگ کے پھول ایک گلدستے میں بندھے ہوئے
ہیں اور ہماری قومی زندگی کو تاب و توانائی
بخشتے ہیں۔)

(عرش ملسیانی)
ابوالکلام آزاد قیمت: پانچ روپے
(ابوالکلام آزاد جدید ہندوستان کے
معماروں میں ہیں۔ جدوجہد آزادی کی کوئی بھی
تاریخ مولانا آزاد کی خدمات کے اعتراف کے
بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔)

(شہباز حسین)
روشنی کے مینار قیمت: ایک روپیہ پچیس پیسے
(سماجی مصلحین، مذہبی رہنماؤں اور
سماجی قائدین کے سوانحی خاکے جو آسان زبان
میں ہائی اسکولوں کے طلبا کے لئے لکھے گئے
ہیں۔)

(شیلا دھر)
یہ ہندوستان قیمت: دس روپے
(اس باتصویر کتاب میں سادہ اور سہل
زبان میں بچوں کو ہندوستان کی تہذیب و
ثقافت کے ساتھ ساتھ تاریخی، معاشی اور
سماجی حالات سے آگاہ کیا گیا ہے اور انہیں
نہایت دلچسپ انداز میں یہ بتایا گیا ہے کہ
اس ملک کی دنیا میں کیا اہمیت ہے۔
عمدہ کتابت و طباعت سے مزین
تصاویر سے مزین یہ ایک ایسی کتاب ہے
جسے بچوں کے لئے ضرور خریدنا چاہئے۔)

جواہر لال نہرو کی کہانی
تصویروں کی زبانی
قیمت: تین روپے پچاس پیسے
(محبوب رہنما اور ہندوستان کے پہلے
وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو کی زندگی کے
دلچسپ واقعات رنگین تصویروں میں۔
بچوں اور طالب علموں کے لئے ایک عمدہ تحفہ)

پھلوں اور سبزیوں کو محفوظ رکھنے
کے طریقے
قیمت: دو روپے پچاس پیسے
(گھریلو ضرورتوں کے جام، جیلی، مربہ
مارملیڈ، چٹنی اور اچار وغیرہ بنانے کے مختلف
طریقے تصویروں کے ذریعے بتائے گئے ہیں
جن سے بڑی آسانی سے آپ گھر بیٹھے اپنی
من پسند چیزیں بنا سکتے ہیں۔)

"آج کل" کے سالانہ خریداروں کو
بیس فیصدی رعایت۔ محصول ڈاک
ادارے کے ذمے

ملنے کا پتہ: بزنس منیجر پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ ہاؤس، نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱

شوکت ۔ بات یہ ہے بانو کہ میڈک دیکھ کے مجھے پھریری سی آتی ہے ۔ گندہ گھنگھا ۔ چھی چھی چھی ۔

بانو ۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ تو دنیا میں کسی چیز سے ڈرتی تو ہے!

شوکت ۔ ایک بات پوچھوں بانو؟

بانو ۔ کوئی نیا شگوفہ ؟

شوکت ۔ شگوفہ وگوفہ بالکل نہیں ۔ بانو! کل رات مجھے بہت دیر میں نیند آئی ۔

بانو ۔ کیوں ؟ کیا کل اکیلے ہی پکچر دیکھنے چلے گئے تھے تمہارے شوہر؟

شوکت ۔ سمجھ آ گئے ہو تم ۔ تم تو یہ بات وہ بات ۔ بس شوہر ۔

بانو ۔ پھر کیا بات تھی؟ ۔

شوکت ۔ بانو میں رات کو بہت دیر تک سوچتی رہی کہ یہ مثل جو مشہور ہے ۔ آ او پڑوسن لڑیں ۔ آخر یہ کیوں ایسے کیسے مشہور ہو گئی؟ ۔

بانو ۔ بات یہ ہے شوکت جو مثلیں مشہور ہوتی ہیں ان کا کوئی سبب ضرور ہوتا ہے ۔

شوکت ۔ یہی تو میں پوچھتی ہوں کہ اس مثل کے مشہور ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ۔

بانو ۔ پہلی بات یہ ہے شوکت کہ پڑوسیوں میں کسی نہ کسی بات پر کبھی کبھی ضرور کچھ کھنچاؤ ہو جاتا ہے ۔

شوکت ۔ ہنہ ۔ کھنچاؤ ونچاؤ ۔ تمہارے اور میرے شوہر بھی تو پڑوسی ہیں ۔ دونوں میں بھائی چارہ ہے کہ نہیں؟ ۔

بانو ۔ ہے !

شوکت ۔ اور تم بھی تو میری پڑوسن ہو ۔ بس دیوار بیچ میں ہے ۔ ہم میں تم میں بہناپا ہے کہ نہیں ؟ جواب دو ۔

بانو ۔ تم نے ابھی دنیا دیکھی نہیں ہے شوکت! پڑوسنوں کی لڑائیوں کی ہزار مثالیں ہیں !

شوکت ۔ میں کہتی ہوں تم ہزار نہیں ایک ہی مثال بتاؤ !

بانو ۔ اچھا تو سنو ۔ دو پڑوسنیں تھیں جو بالکل ہماری طرح ایک دوسرے پہ جان چھڑکتی تھیں ۔ ان کے شوہروں میں بھی بھائی بندی تھی مگر ایک دن ہوا یہ ۔

شوکت ۔ کیا ہوا؟

بانو ۔ ہوا یہ کہ (معمولی سی بات تھی) ایک پڑوسن کے گھر مرغیاں پلی تھیں اس پڑوسن کی مرغی نے اس پڑوسن کے گھوڑوں کے اصطبل میں انڈا دیا ۔ یا نہیں ۔ مگر انڈا دینے کے بعد جیسے مرغیاں بولتی ہیں نا کٹ کٹ کٹ کٹاک ۔

شوکت ۔ اچھا ہاں پھر؟ ۔

بانو ۔ پھر تو اس پڑوسن نے کان کھڑے کیے اپنے لڑکوں کو اس پڑوسن کے اصطبل میں بھیجا کہ انڈا ڈھونڈھ لاؤ ۔ مگر اصطبل میں انڈا تھا نہ ونڈا ۔

شوکت ۔ تو آخر بات کیا تھی؟ ۔

بانو ۔ اجی بات کچھ بھی ہو ۔ مگر بات کا بتنگڑ بن گیا ۔

شوکت ۔ کیسے ؟

بانو ۔ ایسے ۔ کہ جن پڑوسن کی مرغی تھی اس نے اصطبل والی پڑوسن سے پکار کے کہا ۔ "بہن ! میری مرغی نے انڈا دیا ہے ذرا تلاش کر کے بھیج دو"۔ اس نے کہا "بہن! معاف کرنا اس وقت میرا لڑکا خالی نہیں ہے اپنے لڑکوں کو بھیج دو ڈھونڈھ لیں گے"۔ اس نے کہا ۔ "وہ تو اصطبل کا کونا کونا چھان آئے زمین پھٹ گئی انڈا سما گیا"۔ اس نے کہا "شاید مرغی نے انڈا دیا ہی نہ ہو"۔ یہ بولی "یہ میں مان ہی نہیں سکتی ۔ مرغی برابر کٹ کٹ بول رہی تھی"۔ وہ پڑوسن کہنے لگی "تو مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"۔ اس نے کہا ۔ "تم جھوٹ تو نہیں بول رہی ہو مگر یہ بات سچ ہے کہ مرغی نے انڈا دیا ضرور ہے"۔ اس نے کہا "تو میں تمہارا انڈا کھا گئی؟"۔ اس نے کہا "چاہے تم نے انڈا کھایا نہ بھی ہو مگر مرغی نے انڈا تو دیا ہے آخر اس کے انڈا دینے کا دن تھا"۔ اس نے کہا "میں چھپا ہوں؟" اس نے کہا "میں کیا جانوں؟" بس بات بڑھ گئی اور دونوں میں چار چوٹ کی لڑائی شروع ہو گئی ۔

شوکت ۔ بانو یہ تو تم نے ان پڑھ پڑوسنوں کی مثال دی پڑھی لکھی پڑوسنوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی ۔

بانو ۔ اجی ان میں بھی لڑائی ہوتی ہے ایم اے پڑوسن گریجویٹ پڑوسن کے بال بنانے پر اعتراض کرتی ہے ۔ کہ وہ اس طرح جوڑا باندھتی ہے کہ جیسے سر میں جھاڑو باندھے پھرتی ہو ۔ اور گریجویٹ پڑوسن کہتی ہے ایم اے پڑوسن کے شوہر کا منہ کیسا رہتا ہے دن رات ناک میں رہتے ہیں ان کی ناک ہے کہ بارہ سنگھا ۔

شوکت۔ (قہقہہ) خیر کچھ ہو مگر شرط لگا لو ہم میں نہ کبھی لڑائی ہوئی ہے نہ کبھی ہوگی۔

بانو۔ خدا کرے کبھی نہ ہو۔ یہ تو میں نے تمہیں مثالیں بتائیں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کل رات اپنے شوہر کے ساتھ کس بات پر قہقہے لگا رہی تھیں کس بات پر اتنی خوشی تھی۔

شوکت۔ ارے بانو۔ کل وہ میرے لیے ساری لائے تھے۔ بہت اچھی ساری ہے بانو!

بانو۔ تم نے مجھے نہیں دکھائی۔

شوکت۔ دکھاؤں گی آسمانی ساری ہے ویسا ہی بلاوز کا کپڑا۔ رِبن بندے، نکلس اور سینڈل سب آسمانی۔ کوئی گیارہ سو کا ہے سب سامان بانو۔!

بانو۔ ارے بابا! بہت روپیے خرچ کر دیے تمہارے شوہر نے۔

شوکت۔ ایک تم ہو کہ کبھی اپنے شوہر سے کوئی فرمائش ہی نہیں کرتیں۔

بانو۔ میں چادر دیکھ کے پاؤں پھیلاتی ہوں شوکت۔

شوکت۔ اور کیا میں آپے سے باہر ہو گئی ہوں؟۔

بانو۔ نہیں۔ میں نے تو بات پر بات کہی۔

شوکت۔ نہیں یہ تم نے مجھے طعنہ دیا۔

بانو۔ میں تمہیں کیوں طعنہ دوں گی؟

شوکت۔ میں کیا جانوں پوچھو اپنے دل سے۔

بانو۔ تمہارا مطلب ہے کہ میں تم سے جلتی ہوں؟

شوکت۔ کسی کے جلنے سے ہوگا کیا۔

بانو۔ شوکت۔ میں مذاق میں ٹال رہی ہوں مگر تم۔

شوکت۔ ہنہ، مذاق میں چٹکی لینا تمہاری عادت ہے۔

بانو۔ پھر میرے منھ سے کچھ نکل گیا تو۔ بات کرنے کی تمیز سیکھو شوکت۔

شوکت۔ تو میں بدتمیز ہوں۔ پھر میرے بھی منھ سے کچھ نکل جائے گا۔

بانو۔ میں جھگڑا ہی ختم کر دوں گی بہت دنوں سے سوچ رہی تھی دیوار پر شیشے جڑوا دوں بندر گھر میں اتر کر پریشان کرتے ہیں۔ مگر تمہاری وجہ سے شیشے نہیں جڑوائے۔ اب ضرور جڑوا دوں گی۔ نہ بندر آئیں گے نہ تم۔

شوکت۔ اچھا تو تمہارا مطلب ہے میں بندر ہوں!! اور جو تم دن بھر گھر میں جھاڑو دیتی گھومتی ہو تو تم (وہ جو خیراتی تیلی ہے نا تمہارا) تم اس کے کولھو کا بیل ہو۔

بانو۔ تو میں بیل ہوں۔؟

شوکت۔ تو میں بندر ہوں۔؟

بانو (اونچی آواز سے) اے سنتے ہو؟ دیکھو شوکت مجھے بیل کہہ رہی ہے۔

انور۔ (دور کی آواز) کیا کہا؟ کیا گھر میں بندر آیا ہے؟

شوکت۔ (اونچی آواز) ارے کہاں ہو سنا؟ تمہاری جو یہ بھابی صاحبہ ہیں انھیں نے مجھے بندر کہا۔

اسلم۔ (پاس آتی آواز) کہا تھا نا کہ صبح صبح دیوار پر نہ بیٹھا کرو۔ کیا بانو بھابی تمہیں بندر سمجھ کر آنگن میں چنے ڈال رہی تھیں۔

شوکت۔ دیکھیے اس وقت میں بہت غصے میں ہوں ذرا سا مذاق کیا تو دیوار سے کود کر جان دے دوں گی۔

اسلم۔ ارے ارے بھابی جس دن تو اور زندہ رہو میں تمہارے لیے سونے کے کنگن لانے والا ہوں۔

بانو۔ سنتے ہو یہ جو تمہاری منھ بولی بہن دیوار پر چڑھی ہوئی ہیں انھوں نے مجھے کولھو کا بیل کہا۔ پوچھو نا ان سے۔

شوکت۔ اور انور بھائی بانو نے مجھے بندر کہا پوچھیے نا ان سے۔

اسلم۔ ارے بھابی آپ دونوں میں ہوا کیا آخر؟۔

بانو۔ ہوا کیا تمہاری جو یہ بیگم ہیں انھیں نے مجھے بیل کہا ہاں۔ مجھے خیراتی تیلی کے کولھو کا بیل کہا۔ ہنہ۔

شوکت۔ اور انور بھائی تمہاری جو یہ دلھن بیگم ہیں انھیں نے کہا دیوار پر شیشے جڑوا دوں گی پھر دیوار پر بندر آئیں گے نہ تم تو کیا میں بندر ہوں؟۔

انور۔ نہیں تم بندر وندر بالکل نہیں ہو شوکت۔ بری بات ہے بانو ایسا نہیں کہتے۔

بانو۔ میں نے تو مذاق میں بندر کہا تھا تو کیا یہ بندر ہو گئیں۔

شوکت۔ اور میں نے بھی مذاق میں بیل کہا تھا تو کیا یہ کولھو کا بیل ہو گئیں۔

اسلم۔ اچھا شوکت وہ بڑی ہیں تم بھابی سے معافی مانگو۔

شوکت۔ نہیں۔ میں معافی نہیں مانگوں گی۔

اسلم۔ بڑوں کی عزت کرنا سیکھو شوکت۔

شوکت۔ ہاں خوب یاد آیا انور بھائی بانو نے مجھے بدتمیز بھی کہا تھا

پینے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر شہناز ٹس سے مس نہ ہوئی اور بالکل کے بعد اصرار پر بھی چائے بلانے پر راضی نہ ہوئی۔ یہ تو بھی مال ہی کی بات ہے۔ پچھلے دس سالوں میں وہ مجھ سے، راشدہ اور ناہید سے ٹھاٹ ٹھاٹ کر خوب کھاتی رہی مگر ہمیں آج تک کچھ کھلایا پلایا نہیں۔

"اسی لئے صحت مند ہوگئی ہے۔" مسرت نے کہا۔

اور تینوں چاروں ہنس پڑیں۔

"خیر، مذاق چھوڑو۔ شہناز پہلے کیا تھی، اسے بھی نظر انداز کرنا ہوگا۔"

"کیوں؟ نظر انداز کیوں کرنا ہوگا؟"

"کیوں یہ باتیں شادی سے پہلے کی تھیں۔ شادی کے بعد اسے اپنے طور طریقے میں تبدیلی لانی ہوگی۔"

"ہائے، یہ تو ہے۔ سنا ہے، وہ اب اسکول چھوڑ رہی ہے۔ کیوں نگہت؟"

"اس نے یہی کہا ہے کہ اسکول چھوڑ دے گی۔ اس کے میاں کو پسند نہیں۔"

"کب کہی تھی یہ بات؟"

"جب شادی کی تاریخ پکی ہوگئی تھی۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے میاں سے شادی سے پہلے ہی ملتی رہتی ہے؟"

"میں نے بہت پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ ان کا معاشقہ چل رہا ہے۔"

"کبھی اس نے بتایا بھی تھا؟"

"آئے گزرے۔ ہم سب کے گھر کی تو ٹی بنی پھرتی تھی، مگر اپنے پیٹ کا راز کبھی بتلاتی تھی۔"

"خیر یہ اس کی فطرت کی بات ہے۔ اگر عشق لڑا کر ہی اس نے شادی کی ہے تو ہماری دعا یہ ہونی چاہیئے کہ اس کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے۔"

"ہاں، تاکہ ہم لوگوں کے لئے، میرا مطلب ہے، شہناز جیسی کنواری لڑکیوں کے لئے مثال ثابت ہو۔"

"اچھا یہ بتاؤ۔ چڑھاوے میں کیا کیا آیا تھا؟"

"ہم لوگوں کو دونوں طرف کے زیورات یکجا کر کے دکھائے گئے تھے، اس لئے کون سا زیور کہاں کا تھا، یہ معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن زیورات تھے بہت۔"

"جھومر، ٹیکا، بلاق، لونگ، نتھ، فلکن، بندے، جھمکی، کرن پھول، آویزے، بالی، پتے، طوق، گلوبند، ستر لڑا، ہار، نکلس، گلاب ہار، ہمیل، ڈھولنا، زنجیر، ہنسلی، چمپاکلی، جوشن، نو رتن، بازو بند اور..... اور" مسرت سوچنے لگی۔

"میں بتاتی ہوں۔" نگہت بولی۔ "چھلّے، مندریاں، انگشتے، انگوٹھی، وینتی، آرسی، چوڑی، کنگن، کڑے، پہونچیاں، اگلے پچھلے، پہونچی، پچھاتی، پریچھم، گجرے، کردھنی، پازیب، جھانجھ، لچھے، چھڑے، چھاگل، چھیل چوڑی، بچھیا، ہانک، لاکٹ، پائل، ٹاپس، توڑے، جھالے، بالے، مرکی، چندن ہار، بدھی، ہتھ پھول، بجلی، چندن ہار، چھپکا اور کئی طرح کے زیور تھے۔"

"کئی نام چھوڑے دے رہی ہو۔" لطافت نے بتایا۔ "گھنگھرو، چاند ٹیکی، جہانگیری، بتانے، سیس پھول، اُدراج، ملی بند، مندری، دُر، نتھ، جگنو، مالا، چاند، موہن مالا، کیری پر کا ہار، پچلڑا، تلڑی، کرسری، بندیا، مہریں اور ہیکل تھے۔"

"اتنے سارے زیورات؟"

"ہاں، سبھی دیکھنے والیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ ان زیورات میں سے کتنوں کے نام تک لوگ جانتے نہیں۔"

"سنا ہے، شہناز کی نانی اور دادی کے یہ سب زیورات ہیں جو اب اس کی ماں کے پاس ہیں۔ کچھ زیورات لڑکے والوں کی طرف سے بھی آئے ہیں۔"

"کل رات ہی شہناز کی رشتے کی ایک خاتون بتا رہی تھیں کہ شہناز کے گھرانے میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ ان زیورات کو ایک جگہ محفوظ رکھا جاتا ہے اور ہر لڑکی کو شادی میں دے دیے جاتے تھے۔ اور میکے اور سسرال میں لوگوں کو دکھلانے کے بعد واپس لے لیا جاتا ہے۔ لڑکی کو وہی دو چار زیورات جہیز کے طور پر بعد میں ملتے ہیں جو ماں باپ اپنی خوشی سے دیدیتے ہیں یا جو لڑکے کی طرف سے آتے ہیں۔ شہناز کو بھی ان میں سے دو چار زیور ہی ملیں گے، بقیہ اس کی ماں کی تحویل میں چلے جائیں گے اور شہناز کی دوسری بہنوں کی شادی میں پھر نکلیں گے۔"

"آخر ایسا کرنے کی ضرورت کیا ہے؟"

"لوگوں کو مرعوب کرنے اور اپنی واہ واہی کرانے کے لئے۔"

"زمانہ کتنا بدل گیا ہے۔"

"زمانے کو الزام مت دو۔ زمانہ ہر دور میں ایک سا رہتا ہے، لوگوں

کی فطرت اور مزاج بدل جاتے ہیں۔
• خیر رہیں کیا۔ ہم جیسی ہیں، اچھی ہیں" نور جہاں نے ٹھنڈی سانس لی۔
- سب یہی کہتی ہیں۔ تم اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہو" مسرت ٹھٹھا کر ہنسی ایک بار پھر ہنس پڑیں۔
اسی وقت شہلا چائے لیکر آ گئی اور سب کی توجہ بالکل سے ہٹ گئی۔

(فارم ۴ - قاعدہ ۸)

۱۔ مقام اشاعت	لکھنؤ
۲۔ وقفہ اشاعت	ماہوار
۳۔ پرنٹر کا نام	سید انصار حسین ہندستانی
۴۔ پبلشر کا نام	سید محمد نسیم انہونوی۔ ہندستانی
۵۔ اڈیٹر کا نام	" " "

۶۔ سید محمد نسیم انہونوی۔ شوکت جہاں بیگم۔ سید محمد نعیم انہونوی
میں سید محمد نسیم انہونوی اقرار کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں درست ہیں۔ دستخط۔ نسیم انہونوی ۲۸ رفروری ۱۹۸۶ء

مسکراہٹ

۱۔ مسکراہٹ پر کچھ خرچ نہیں آتا لیکن یہ بہت کچھ دیتی ہے۔
۲۔ یہ حاصل کرنے والوں کو مالا مال کرتی ہے اور دینے والوں سے کچھ نہیں مانگتی۔
۳۔ یہ گھر میں مسرت و شادمانی لاتی ہے کاروبار میں اعتماد پیدا کرتی ہے اور دوستوں کی پہچان ہے۔
۴۔ یہ تھکے ماندے کے لیے آرام، بے دل کے لیے دل کی روشنی مایوسی کے لیے سورج کی کرن ہے۔
۵۔ ہاں یہ خریدی، مانگی یا چرائی نہیں جا سکتی کیونکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو اس وقت تک کسی کو فائدہ نہیں دیتی جب تک اسے اپنے دل سے پیدا نہ کیا جائے۔
۶۔ مسکراہٹ کی ضرورت اسے سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ جس کے پاس دوسروں کے لیے دینے کے لیے مسکراہٹ نہ ہو۔
۷۔ اگر آپ دوسروں کے لیے باعث احترام بننا چاہتے ہیں اور ان کے دلوں میں گھر کرنا چاہتے ہیں تو مسکرائیے۔

مرسلہ۔ مس ثمانہ خیر سید۔ آگرہ

اچھی باتیں

۱۔ کتابوں کی قیمت موتیوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔
۲۔ مصیبت پڑنے پر گھبرانا خود مصیبت ہے۔
۳۔ خاموش رہو یا ایسی بات کہو جو خاموشی سے بہتر ہو۔
۴۔ جھوٹ کو سچائی سے ختم کرنا چاہیے۔
۵۔ دانا وہ ہے جو وقت کو دیکھ کر کام کرے۔
۶۔ مانگو گے تو تمہیں دیا جائے گا ڈھونڈو گے تو پاؤ گے دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لیے دروازہ کھولا جائے گا جو کوئی مانگتا ہے اسے ملتا ہے۔
۷۔ اگر آپ کو زندگی عزیز ہے تو وقت کو ضائع نہ کیجیے کیونکہ زندگی وقت کے صحیح استعمال سے بنتی ہے۔ مرسلہ۔ شازیہ بخاری

حسینؑ — عزاداروں کے دروازے پر

از جناب شفق شادانی بہاوٹی۔ ضلع مرادآباد

تیروں سے چھدے مشکیزے کا انجام ہے اب تک یاد مجھے
[illegible] کے ٹکڑوں کا پیغام ہے اب تک یاد مجھے
عشرے کی لہو میں ڈوبی ہوئی وہ شام ہے اب تک یاد مجھے
سینے [illegible] خون کے [illegible] سے کوثر کی آگ بجھاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

قرآن بچانے کی خاطر تلوار اٹھائی تھی میں نے
اسلام کے زندہ کرنے کو گردن بھی کٹائی تھی میں نے
[illegible] بیشتر تھے لیکن اک شمع جلائی تھی میں نے
تم شمع بجھاتے جاتے ہو۔ میں شمع جلاتا جاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو۔ کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

کتنی نسلوں نے ساتھ مرے پائی ہے شہادت کیا جانو
وہ خون تھا کتنے قبیلوں کا، اس خون کی قیمت کیا جانو
تم جون و حبیب و مسلم کا انداز رفاقت کیا جانو
سب اپنے ہیں کوئی غیر نہیں سب کو سینے سے لگاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو۔ کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

[illegible] بیٹھے ہو۔ دل میں کوئی دھڑکن بھی تو نہیں
ماتم سے زخمی سینوں میں ایمان کا مسکن بھی تو نہیں
[illegible] جس میں رنگ جاؤں، ایسا کوئی آنگن بھی تو نہیں
روشن ہیں مرا خانے لیکن [illegible] میں اندھیرا پاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو۔ کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

[illegible] انسانی کی [illegible] دیوار سے آگے جاتا تھا
[illegible] کربلا میں سناٹے سے آگے جاتا تھا
[illegible] کشتہ کر [illegible] سے آگے جاتا تھا
[illegible] کرنے ہر عباس کو [illegible] والا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

[illegible] کی میں نے خدمت کی انسانوں سے میں نے پیار کیا
مایوسی میں تم ڈوبے ہو ارمانوں سے میں نے پیار کیا
تم اپنوں سے نفرت کرتے ہو بیگانوں سے میں نے پیار کیا
تم بھائی کے خون کے پیاسے ہو دشمن کی میں پیاس بجھاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

محنت کو مری پامال کیا اور مجھ سے محبت کرتے ہو
بدلے میں فقط آنسو دے کر توہین عدالت کرتے ہو
نفرت ہے نماز اور روزے سے مذہب سے بغاوت کرتے ہو
میں سجدے میں سر کٹواتا ہوں میں نیزے پہ قرآن پڑھتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

[illegible] ہے جو میری تشنہ لبی صحرا میں گھٹا بن جاتی ہے
دل سے جو آہ نکلتی ہے ہونٹوں پہ دعا بن جاتی ہے
جو خاک ہو میرے مقتل کی وہ خاکِ شفا بن جاتی ہے
ہوتا ہے قتلِ عام مرا اور پھر بھی زندہ رہتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

کھلاتے ہیں پھول تمنا کے ہونٹوں پہ سجاؤ پیاس مری
جناب [illegible] سینے میں [illegible] پیاس مری
شب خون کی [illegible] آنکھوں میں جلاؤ پیاس مری
تیغوں کے سائے میں جیتا ہوں، مرتا ہوں امر ہو جاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

الفاظ کی طاقت مردہ ہے، ہمراہ اگر کردار نہیں
کیا فائدہ ماتم کرنے سے ظالم سے اگر بیزار نہیں
جینے کا تصور بھی نہ کرو، مرنے پہ اگر تیار نہیں
بچھڑے ہو شفق جو برسوں سے پھر تم کو یاد دلاتا ہوں
"تھوڑا سا مجھے پانی دے دو کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں"

شراب نے کئی گھر اجاڑے ہیں

اپنے کنبے
کی خوشحالی
کے لئے
اِس سے بچئے

ہیں لڑکی بھی داخل ہوئی جس کا ہال میں مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ کسی نے کہا یہ منہ اور مسور کی دال۔ کسی نے کہا بڑے بڑے بہہ گئے ڈوبے جائیں نہ۔ کسی نے کہا۔ ہمیں بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔ غرض اس بیچاری پر خوب پھبتیاں کسی گئیں۔ لیکن وہ خاموش اور پُرسکون بیٹھی رہی۔

آداب کہہ کر نیچی نگاہ کیے وہ چوروں کی طرح ایک کرسی پر بیٹھ گئی شاہد نے اسے غور سے دیکھا۔ یہ ایک سیدھی سادھی معمولی گھرانے کی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ اس نے پوچھا کیا نام ہے تمہارا۔

جی مجھے تمنا کہتے ہیں۔

تعلیم۔ میٹرک پاس ہوں صرف۔

کیا آپ شادی کرنا چاہتی ہیں۔

پڑھنا سے پسند کرتی ہے۔

ناچنا گانا جانتی ہیں آپ۔

رونا اور گانا کون نہیں جانتا۔ میں بھی گا لیتی ہوں، لیکن معمولی جیسا۔ شریف گھرانوں کی لڑکیاں شادی وغیرہ کے موقعوں پر گا لیتی ہیں۔

کہاں تک پڑھنے کا ارادہ ہے

جتنا پڑھنا تھا پڑھ چکی۔ اب میں کھانا پکانا، سینا پرونا، کاڑھنا بننا سیکھ رہی ہوں۔ یہ سب بھی تعلیم ہی میں شمار ہونے والی باتیں ہیں۔ اور میں سمجھتی ہوں لڑکیوں کو انھیں باتوں کی تعلیم حاصل کرنا چاہیئے۔

آپ اپنے نوکروں کے ساتھ کس طرح پیش آتی ہیں۔

جی میرے گھر میں کوئی نوکر نہیں۔ میں اپنی ماں کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہوں۔

اگر میں آپ سے شادی کروں تو کیا میرے ساتھ کلب جایا کریں گی۔ میں شراب پیتا ہوں۔ آپ کو ناگوار تو نہ ہوگا۔

جی! شراب، آپ شراب بھی پیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں اجازت چاہتی ہوں۔

ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ تمنا! میں تمہیں آزما رہا تھا۔ میں نے کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ ہاں کلب ضرور کبھی کبھی جاتا ہوں۔

کیا آپ شریف خاتون کے لیے کلب کو ایک موزوں جگہ سمجھتے ہیں۔

نہیں۔

تو پھر میں وہاں جانا کیسے پسند کر سکوں گی۔

اچھا اب تم جا سکتی ہو۔

اور جب تمنا باہر نکلی تو پھر اس پر پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ آوازے سنائی دینے لگے۔ لیکن اسی وقت شاہد نے ہال میں آ کر کہا انٹرویو کا سلسلہ ختم کرتا ہوں۔ آپ سب جا سکتی ہیں۔ میں نے تمنا کا انتخاب کر لیا ہے۔

واحد کو بیٹے کے انتخاب پر حیرت ہوئی، لیکن انھوں نے کوئی دخل نہیں دیا۔ اسی وقت شاہد کی ماں نے ہیرے کی ایک انگوٹھی لا کر تمنا کو پہنا دی اور شاہد اپنی کار پر اسے بٹھا کر اس کے گھر پہونچا آیا۔

سارے شہر کی فیشن پرست لڑکیاں انگشت بدنداں تھیں وہ سوچ بھی نہ سکتی تھیں کہ ان کے مقابل میں تمنا جیسی لڑکی کا انتخاب ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔۔

چند نئے ناول

• گل باز	رضیہ بٹ	20/-
• کنول رانی	زرینہ صغیر	15/-
• بازار	مینا ناز	13/-
• نگن	اسما اعجاز	16/-
• درد کا ساحل	مسرت جہاں	12/-
• زمین کا چاند	فرزانہ یاسمین	13/-
ایک زخم نہاں اور	عفت موہانی	10/-
• بہانے	"	7/50
• انتظار	"	5/75
• پرائی آگ	"	6/50
• پھول کھلتے ہیں	عطیہ پروین	10/50
• پت جھڑ کی بہار	عفت موہانی	10/50
• صبح کے بھولے (ڈرامہ)	زہرہ جبین	4/50
• دنیا میں جنت (مزاحیہ خاکے)	امین سوانی	4/50
• جو شرکرتا تھا (ناول)	برق آشیانوی	4/-
• سنسبہ آپ کے گھر (مزاحیہ مضامین)	جمیلہ کاظمی	4/50

فالتو اون ——— کو کارآمد بنائیے

مختلف رنگ کے سوئٹر تیار کرنے کے بعد اکثر اوقات اون بچ جاتا ہے۔ بچے ہوئے اون کو کارآمد بنانے کے لئے ہم ایک آسان لیکن خوبصورت نمونہ پیش کر رہے ہیں اس کی مدد سے آپ تین رنگ کے پٹی دار سوئٹر تیار کر سکتی ہیں۔ یہاں ہم سوئٹر کا جو نمونہ دے رہے ہیں اسے ہلکے نیلے، گہرے نیلے (نیوی بلیو) اور سفید اون سے تیار کیا گیا ہے۔ یہی نمونہ تیار کرنے کے لئے آپ اپنی پسند کے رنگ لگا سکتی ہیں اسے بُننے کے لئے ہلکے نیلے اون کے ایک اونس کے ۸ گولوں، نیوی بلیو اون کے ۲ گولوں اور سفید اون کے ۲ گولوں کی ضرورت ہوگی۔

۱۰، ۱۱ اور ۱۲ نمبر کی اون کی سلائیاں آپ کے پاس ہوں گی یہ کئی رنگوں کے سوئٹر ۳۶ (۳۸-۴۰-۴۲) انچ کے سینے کے لئے ہے۔ اس کی لمبائی ۲۲ (۲۴، ۲۶، ۲۸) انچ ہے۔ آستین کی لمبائی ۱۹ (۲۰-۲۱-۲۲) انچ ہے۔

چھوٹا سائز بریکٹ کے باہر دیا گیا ہے اور بڑے سائز بریکٹ کے اندر ہیں اپنی آسانی کے لئے مطلوبہ سائز پر پنسل سے نشان لگا دیں۔

پچھلا حصہ

۱۲ نمبر سلائیوں پر ہلکے نیلے اون سے ۱۴۳ (۱۵۱، ۱۵۹، ۱۶۷) خانے ڈالیے۔

پہلی سلائی :- ایک خانہ بغیر بُنے اتاریں۔ ایک سیدھا ایک الٹا ایک سیدھا دائروں کے درمیان بنائی دہرائیے، آخری خانہ سیدھا ہے۔

دوسری سلائی :- ایک خانہ بغیر بُنے اتاریے ایک الٹا ایک سیدھا دائروں کے درمیان کی بنائی دہرائیے۔

پہلی اور دوسری سلائی کو مزید دس بار دہرائیے۔ آخری سلائی کے آخر میں ایک خانہ بڑھائیے۔ خانوں کی تعداد ۱۴۴ (۱۵۲، ۱۶۰، ۱۶۸) ہو جائے گی۔ خانوں کو دس نمبر کی سلائیوں پر لیں اور نیوی بلیو اون جوڑ کر بنائی کریں۔

پہلی سلائی :- پوری سیدھی۔

دوسری سلائی :- ایک خانہ بغیر بُنے اتاریں — دو الٹے دو سیدھے آخری تین خانوں تک ٭ دائروں کے درمیان کی بنائی دہرائیے پھر دو الٹے آخری ایک سیدھا ہے۔

تیسری سلائی — ایک خانہ بغیر بُنے ہوئے اتاریں ٭ دو سیدھے دو الٹے ٭ دائروں کے درمیان کی بنائی آخری تین خانوں تک دہرائیے تین سیدھے

دوسری اور تیسری سلائی کو مزید دو مرتبہ دہرائیے پھر دوسری سلائی کو ایک بار اور دہرائیے ٭٭

ہلکا نیلا اون جوڑیں اور ٭٭ دائروں سے ٭٭ دائرے تک درمیان کی بنائی ایک بار دہرائیے۔

اب دوبارہ نیوی بلیو اون جوڑیں اور ٭ سے ٭٭ دائروں کے درمیان کی بنائی کریں۔

سفید اون جوڑیے اور ٭٭ دائروں سے ٭٭ دائروں کے درمیان کی بنائی دہرائیے۔

نیوی بلیو اون جوڑیں اور دی گئی ترکیب کے مطابق بنائی کریں۔

مختلف رنگوں کی پٹیوں کا نمونہ دہراتی رہیں یہاں تک کہ کام کی لمبائی ۱۶ (۱۷، ۱۸، ۱۹) انچ ہو جائے۔

کندھے کی کٹائی

اگلی دو سلائیوں کے شروع میں ۸، ۸ خانے گھٹائیے۔ خانے گھٹانے کے دوران بھی نمونے کو برقرار رکھنا ہے

اگلی ۸ (۱۲، ۱۳، ۱۴) سلائیوں کے شروع میں ایک ایک خانہ گھٹائیے خانوں کی تعداد ۱۲۰ (۱۲۴، ۱۳۰، ۱۳۰) ہو گی۔

خانے گھٹانے بند کر دیں اور کام کی کل لمبائی ۲۴ (۲۵، ۲۶، ۲۷) انچ کر لیں۔

تیسری سلائی - ایک خانہ بنیے آگے۔ دوسیدھے دوالٹے دو کھون کے درمیان کی بنائی آخری تین خانوں تک دہرائیے۔ پھر تین سیدھے بنیے۔

نمونے کو برقرار رکھتے ہوئے پچھلے حصے کی مانند تینوں رنگوں کی پٹیاں ڈالتی رہیے لیکن ہر چوتھی سلائی اور آٹھویں سلائی کے شروع اور آخر میں ایک ایک خانہ بڑھانا ہے خانوں کی تعداد ۹۰-(۹۰-۹۰-۹۰) ہو جائے گی۔

اب ہر چھٹی سلائی کے شروع اور آخر میں ایک ایک خانہ بڑھائیے۔ خانوں کی تعداد ۱۱۲ (۱۱۲، ۱۲۰، ۱۲۰) ہو جائے گی۔

خانوں کو بڑھانا بند کر دیں بنائی جاری رکھیں یہاں تک کہ کام کی لمبائی ۱۹ انچ ہو جائے گی۔

آستین کی کٹائی

اگلی ۳۶ (۳۶، ۴۰، ۴۰) سلائیوں کے شروع میں ایک ایک خانہ گھٹائیے خانوں کی تعداد ۷۶ (۷۶، ۸۰، ۸۰) رہ جائے گی۔

اگلی ۳۰ (۳۰، ۲۰، ۲۰) سلائیوں کے شروع میں ۲، ۲ خانے گھٹانے ہیں۔ ۳۶ خانے باقی بچیں گے۔ بقیہ خانوں کو نمونے برقرار رکھتے ہوئے بند کر دیں۔

تکمیل

سوئٹر کو اطراف سے سی لیں۔ آستین سیئں گلے کی پٹی کو دوہرا کر کے سوئٹر کے ساتھ سی دیں۔ سامنے کے بارڈر کی پیٹوں کو ان کی پوزیشن کے مطابق رنگ میں نیوی بلیو اون کو بٹ کر ۳۶ انچ لمبی ڈوری بنائیے اور اسے سوراخوں میں سے گزار دیجیے۔

دُرون خانہ سے بیرون خانہ تک

"از خان خانہ"

ملک کی ایک ریاست کے مقامی اخبار میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں شہر میں مچھروں کی کثرت کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے یہ لکھا گیا ہے کہ مچھر سے جہاں انسانی زندگی کو مختلف قسم کے خطرات لاحق ہیں وہاں ایک بہت بڑا خطرہ اس بات کا ہے کہ اگر کوئی ظالم مچھر ناک میں داخل ہو جائے تو اس کو نہ صرف نکالنا مشکل امر ہے بلکہ جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی دقت اس مسئلہ میں یہ ہے کہ قانون میں ایسی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے جو "مداخلت بے جا بہ ناک" کی تعریف میں آتی ہو اس لیے قانون کی رو سے بھی اس کو ناک سے باہر نکالنا ممکن ہی نہیں۔ بہرحال ہم مراسلہ نگار کی دوررس نگاہ سے صد فی صد متفق ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے سامنے مچھر کے ناک میں داخل ہونے سے موت واقع ہونے کا ایک تاریخی واقعہ موجود ہے۔ نمرود جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اپنی رعایا سے اپنی خدائی منوا کر پرستش کرواتا تھا اس کی ناک میں ایک ایسا غدار مچھر داخل ہو گیا تھا جس سے بے ایمان نمرود کی نہ صرف خدائی بلکہ زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔ اس واقعہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مچھر کے ناک میں داخل ہونے سے انسان کی زندگی کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے یعنی آناً فاناً میں موت واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن تاریخ عالم کے غائر مطالعہ سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مچھر نمرود جیسے ظالم شہنشاہ کی ناک میں داخل ہوا تھا۔ [illegible] ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں آیا جس سے ثابت ہوتا کہ مچھر کسی غریب و مسکین کی ناک میں داخل ہوا ہو اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو۔

[illegible] مچھر کے ناک میں داخل ہونے کے خطرے

کے خوف زدہ ہونے کے بارے میں خود غور کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ تاریخ عالم میں تو صرف ایک نمرود کا پتہ چلتا ہے لیکن دور حاضر میں کئی نمرود موجود ہیں اور ان کی اقسام بھی اتنی ہیں ان کو قسم در قسم تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ اب ہمیں یہ نہیں معلوم کہ مراسلہ نگار ان نمرودوں میں کوئی ایک نمرود ہے جو مچھر سے خوف زدہ ہے۔ اگر وہ کسی قسم کا نمرود ہے تو بھی اس کو مچھر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ دور حاضر کا ہر نمرود اپنی ناک میں مچھر کے داخل ہونے سے پہلے خود ہی اس کی ناک میں اس حد تک داخل ہو گیا کہ خود مچھروں کی ناک میں دم آگیا ہے۔ مثلاً یہ نمرود اپنے گھر سے دور دور تک کے احاطوں میں مچھر مارنے کی دوا استعمال کر کے ان کا خاتمہ کرتا ہے۔ پھر بھی جو سخت جان مچھر اس کی زد سے محفوظ رہ جاتے ہیں ان کے حملہ سے بچنے کے لیے مچھر دانی میں سوتا ہے یا اپنے جسم کے کھلے حصوں پر لوشن "(lotion)" لگاتا ہے۔ ان تمام احتیاطی تدابیر سے نمرود نے تو اپنی حفاظت آپ کر لی ہے اور کسی مچھر کو ایسا کوئی موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ کسی نمرود کی ناک میں داخل ہو۔ مچھر کے حملے کا شکار صرف وہی لوگ رہ جاتے ہیں جو پہلے ہی سے کسی نہ کسی نمرود کی خدائی کا شکار ہیں۔ چنانچہ مچھر جب دیکھتا ہے کہ بیچارے پہلے ہی سے کسی کا شکار بنے ہوئے ہیں تو ایسے مجبوروں، کمزوروں اور ناداروں کی ناک میں داخل ہونا اس کی شان بہادری ہے یا یوں کہیے کہ شان مچھری کے منافی نہیں۔ آپ کہیں گے کہ مچھر جیسا حقیر ذی روح بہادر کیسے ہو سکتا ہے تو ہم آپ کی طرف سے جواب دینے کے بجائے استاد ذوق کا یہ شعر سنا دیتے ہیں

پشہ سے سیکھے شیوۂ مردانگی کوئی
جب قصد خوں کو آئے تو پہلے پکار دے

آخر میں ہم مراسلہ نگار سے صرف اتنا عرض کر دینے کی [illegible]

اپنی ناک میں داخل ہونے کے اندیشے سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ مزدور ہے تو اس کو پھر کی طرف سے ناک میں داخل ہونے کا خطرہ تو ضرور لاحق ہے لیکن اس خطرہ سے بچے رہنے کے اسباب پر اس کو پوری طرح قدرت حاصل ہے جس کی وجہ سے کوئی نالائق پھر اس کی ناک میں داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر مراسلہ نگار ہماری طرح کسی مزدور کے چنگل میں پھنسا چاہے تو پھر اس کی ناک پر بیٹھنا تک اپنی توہین سمجھتا ہے۔ چہ جائیکہ ناک میں داخل ہو کر اپنی نسل کے خیوہ مردانگی پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہو

حریم دسترخوان - کالم ۲ کا بقیہ

میں نمک شامل کر دیں۔ تمام چٹنی یا شیشے کو برتن استعمال کریں۔ چار پانچ گھنٹے بعد پانی چھوڑنے لگے۔ یہ پانی ضائع نہ کریں۔

سرسوں کے تیل کو دیگچی میں ڈال کر چولہے پر چڑھا دیں۔ تیل گرم ہو جائے تو اس میں مرچ زیرہ اور رائی ڈال کر تل لیں۔ پھر کیریوں کو اس میں پانی سمیت ڈال دیں۔ چمچے سے چلاتی رہیں۔ دس منٹ دم دے کر اتار لیں اس ترش چٹنی کی تیاری میں کوئی دیر نہیں لگی۔

حریمی دسترخوان

"مربّہ آم"

موٹی موٹی کچی کیریاں ڈیڑھ سیر لے کر چاقو سے ان کا سبز چھلکا جدا کر لیجئے، چاقو کی نوک سے چھلی ہوئی کیریوں کو گود دیجئے۔ اس کے بعد چاقو سے گود اتار کر لمبی لمبی قاشیں بنا لیجئے ان قاشوں کو سادہ پانی میں جوش دے کر اتار لیں اور کسی صاف کپڑے پر پھیلا دیں، تاکہ خشک ہو جائیں۔ ایک سیر چینی کی چاشنی بنا لیں ساتھ ہی آم کی قاشیں بھی ڈال دیجئے۔ تاکہ مٹھاس قاشوں میں جذب ہو جائے۔ اتار کر ٹھنڈا کر لیں۔ صاف شدہ کشمش بھی شامل کر سکتی ہیں کسی مرتبان میں محفوظ کر لیجئے۔ مربّہ تیار ہے۔

آم کی مزیدار چٹنی

اشیاء: ایک سیر کچے آم۔ آدھ پاؤ پیاز کتری ہوئی۔ آدھی چھٹانک لہسن کے جوے آدھی چھٹانک ادرک کتری ہوئی۔ آدھ پاؤ کشمش، پسی ہوئی سرخ مرچ چوتھائی چھٹانک نمک حسب ذائقہ، چائے کی پیالی سرکہ انگوری، ایک گلاس پانی، سوا سیر چینی۔

ترکیب: آم کی قاشیں کاٹ لیں۔ پیاز، لہسن اور ادرک گھی میں علیحدہ علیحدہ تل لیں۔ آم کی قاشیں بھی تل لیں۔ اسی دیگچی میں پیاز، لہسن، ادرک اور کشمش قاشوں میں شامل کر دیں۔ ایک گلاس پانی اور سوا سیر چینی بھی قاشوں میں ڈال دیں۔ چمچے سے ہلاتی رہیں۔ جب چاشنی بننے لگے گی تو قاشیں بھی گل جائیں گی۔ مرچیں آمیزے میں ملا دیں۔ جب قاشیں گل جائیں تو چولہے سے اتار کر ٹھنڈا ہونے دیں۔ ایک پیالی سرکہ انگوری شامل کر کے مرتبان میں بھر دیں۔ لذیذ اور میٹھی چٹنی تیار ہے۔

آم کی ترش چٹنی

اشیاء: ایک سیر کچے آم۔ سرخ مرچ پسی ہوئی دو چمچے۔ پسا ہوا نمک دو چمچے۔ زیرہ سفید پسا ہوا ایک چمچہ۔ تیل سرسوں ایک پاؤ۔

ترکیب: کیریوں کا چھلکا اتار کر کے قاشیں کر لیں [illegible]

عورت
اپنی عمر کیوں چھپاتی ہے؟

ایس۔ جی درانی

عورت ۔ عمر ۔ ایک تجزیہ ۔

برسوں سے یہی سنتے آئے ہیں کہ عورت اپنی عمر چھپاتی ہے ۔ جب کسی محفل میں ایسی گفتگو ہو تو حاضرین عمر بتانے والی عورت کی عمر میں دس پندرہ سالہ کا اضافہ کر لیتے ہیں ۔ حالانکہ اب تو مرد دوں نے بھی اپنی عمر گھٹانی شروع کر دی ہے ۔ لیکن ان کی پردہ پوشی پر اتنی توجہ نہیں دی گئی جتنی بیچاری مظلوم عورت پر دی گئی ہے

میں سوچتی ہوں کہ آخر عورت صحیح عمر بتانے سے اتنا گھبراتی کیوں ہے تو اس رویے کا پس منظر میرے خیال میں یہ ہے ۔

اول تو لڑکی کی پیدائش پر ہی سوگ منایا جاتا ہے اور یہ سانحہ اگر برداشت بھی کر لیا جائے تو جوں ہی وہ دس سال کی عمر کو پہونچتی ہے ۔ والدین کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگتی ہے ۔ ماں باپ اپنی بیٹی کی بڑھتے ہوئے قد اور اس کی عمر سے خوفزدہ ہونے لگتے ہیں ۔ ایک طرح سے یہ ٹھیک بھی ہے ۔ زمانہ کے حالات یہی ہیں ، لیکن اس میں بیچاری لڑکی کا کیا قصور ہے ۔ وہ بچپن سے ہی ماں کے ساتھ باورچی خانے کا کام سنبھالتی ہے ۔ باپ کی چیزوں کا دھیان رکھتی ہے ۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالتی ہے ۔ اس کے باوجود بیٹی کی قسمت میں ماں باپ کی تیز چبھتی ہوئی نگاہیں ہوتی ہیں ۔ وہ خود فاقہ کرے گی لیکن باپ اور بھائی کو بھوکا نہ رکھے گی ۔

لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو دیکھیں ۔ اس کی پیدائش پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے ہیں ۔ اسے کوئی پرواہ نہیں کہ گھر کا کیا حال ہے والدین کی مدد کرنی ہے یا نہیں ۔ وہ اس زعم میں رہتا ہے کہ وہ لڑکا ہے اور ان باتوں کے باوجود والدین اس کے واری صدقے جاتے ہیں کیونکہ انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ بیٹے کو ان کا بازو بنتا ہے ۔ خواہ وہ کچھ بھی نہ کرے ۔ پھر والدین کی آس ہے ناں ۔

دوسری وجہ عمر کی پردہ پوشی کے سلسلے میں عورت کی نفسیات ہے ۔ اس میں چاہے جانے اور خوبصورت کہلانے کی فطری خواہش عمر کے ہر دور میں ہوتی ہے ، لیکن مردوں نے عورت کی خوبصورتی کو عمر کے ایک خاص دور سے مشروط کر دیا ہے ۔ بجائے اس کے کہ وہ عورت کو ہر روپ میں پسند کریں ، انہیں صرف کمسن عورت میں خوبصورتی نظر آتی ہے ۔ اسی لیے عورت میں چاہے جانے کی خواہش اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی عمر کم کر کے بتائے ۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کا باپ ، بھائی ، رشتے دار ، شوہر اور محبوب سب اسے خوبصورت سمجھیں اور کم عمر سمجھیں ۔ وہ اپنا احساس کمتری مٹانے کے لیے ایسا کرتی ہے اگر مرد عورت کا یہ احساس کمتری ختم کر دیں تو مجھے یقین ہے کہ عورت میں خود اعتمادی پیدا ہو گی اور وہ اپنی صحیح عمر چھپانے کی کوشش نہیں کرے گی ۔

لڑکی جب تک ماں باپ کے گھر میں ہوتی ہے ، اس کی بڑھتی عمر کو دیکھ کر والدین بوجھ سا محسوس کرنے لگتے ہیں ۔ والدین کے ان احساسات کا اندازہ لڑکی کو بھی ہو جاتا ہے ۔ اگر وہ ایسا نہ کریں اور بیٹی کی عمر پر توجہ دینے کے بجائے یہ احساس کریں کہ لڑکے کے مقابلے میں اس لڑکی نے پورا گھر سنبھال لیا ہے اور اس کی ایک علیحدہ پرکشش شخصیت نکل آئی ہے اور بڑھتی ہوئی عمر اس کی حیثیت اور شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوتی ۔ بلکہ عمر میں اضافے کے ساتھ اس میں سمجھ بوجھ زیادہ آ گئی ہے تو والدین اور بہن بھائیوں میں لڑکی کی اہمیت بڑھ جائے گی ۔

بچپن انسان کا سنہری زمانہ ہوتا ہے ۔ لیکن جوں ہی نوجوانی کا زمانہ آتا ہے لڑکی اپنی ایک اہمیت محسوس کرنے لگتی ہے ۔ اس احساس زمانے

یں وہ جب اپنی بڑھتی عمر کا ذکر سنتی ہے اور اپنے آپ کو پریشان دیکھتی ہے اور دوسرے لوگوں کی چبھتی ہوئی نظروں کا سامنا کرتی ہے۔ تو گھبرا جاتی ہے اور سوچتی ہے کہ کاش وہ کسی طرح عمر میں پھر چھوٹی ہو جائے۔ حالانکہ نوجوانی کا دور خوبصورت دور ہوتا ہے۔

شادی کے بعد شوہر چند سال عورت کے حسن میں کھویا رہتا ہے۔ پھر اس کی نظریں ادھر ادھر بھٹکنے لگتی ہیں اور بیوی بے چاری میک اپ کا اور طرح طرح کا سہارا لینے لگتی ہے۔ عورت کے ماں بننے میں ایک منفرد حسن ہے۔ زمین پر انسانی تخلیق کا فریضہ اس کے سپرد ہوا ہے۔ مگر عورت اس عظیم فریضے سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے جھجکتی ہے کیونکہ اس کے حسن اور عمر پر اس کا اثر پڑے گا۔ حالانکہ ماں بننے کے بعد اس کے حسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کا روپ نکھر جاتا ہے۔ مگر صرف مرد کی نظروں میں حسین نظر آنے کے لیے عورت ہر حربہ آزماتی ہے۔ خواہ اس کے لیے اسے کچھ بھی کرنا پڑے۔

اگر مرد، عورت کو چالیس سال کی عمر میں بھی پوری توجہ دے، اس کی اہمیت کا اقرار کرے اور اسے یہ بتائے کہ پختہ عمری نے اس کی خوبصورتی اور خوب سیرتی میں اضافہ کر دیا ہے تو مجھے یقین ہے کہ عورت اپنی چالیس سال عمر کا اعلان کرتے ہوئے فخر محسوس کرے گی۔ کیونکہ اسے یہ محسوس ہوگا کہ عمر سے اس کے تجربات اور حسن کی پختگی ثابت ہوتی ہے۔

میرے خیال میں تو سب کچھ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ عورت کو اس کی عمر کے ہر حصے میں بھرپور توجہ دے تو کوئی وجہ نہیں ہے عورت اپنی عمر کم بتائے۔ عورت کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی خود اعتمادی کو مجروح نہ ہونے دے اور اپنی ذات میں اتنی کشش اور خوب سیرتی پیدا کرے کہ مرد اس کی عمر کے ہر دور سے متاثر ہو۔ اور محسوس کرے کہ عورت سولہ برس کی عمر میں بھی ویسی تھی جیسی چالیس برس میں بلکہ چالیس سال کی عمر میں زندگی کے تجربات نے اس میں متانت و بردباری اور دلآویزی پیدا کر دی ہے۔ اگر ایسا ہو تو مجھے یقین ہے کہ عورت اپنی عمر کم نہیں بتائے گی......

حسری دسترخوان

کھانا پکانے کے فن پر اردو میں اپنی نوعیت کی واحد کتاب جس میں ہر طرح کے پکوان اور دوسری اشیاء کے استعمال کے لائق کھانے پکانے کی ترکیبیں لکھی ہیں۔ ہر صاحب ذوق خاتون کے گھر میں رہنے والی کتاب۔ قیمت مجلد 6/-

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں جب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں بیاہ پہلے ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ کچھے کے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو نہیں بھاتی لیکن سونے چاندی کی گرانی نے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گران ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا کچھ بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپے سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں لچکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سنہری بیلیں اور ٹھپا، چکی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ پلاسٹک کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو مات کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولے میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو

ایک رات انھوں نے یونہی برسبیل تذکرہ منشی صاحب سے دریافت کیا۔
"جبینی کے لیے ممو میاں نے کہیں بات وات نہیں چلائی تھی؟"

منشی صاحب جب سے اس گھر میں آئے تھے۔ نہایت مسرور و مطمئن تھے۔ پھوپھی اماں بھی خوش ہوئی تھیں۔ کہ ایک وفادار اور مخلص ساتھی ملا ہے۔ دونوں میں اکثر رات کے کھانے کے بعد نہایت پرانی پرانی باتیں چھڑ جاتیں۔ اس وقت کی بھی جب بڑے صاحب کا بچپن تھا! منشی صاحب نے تو اس گھر میں تمام عمر ہی گزاری تھی اور اب وہ خادم نہیں ایک بزرگ فرد کی حیثیت رکھتے تھے۔ مصطفےٰ اور جبینی کو ان کے بڑوں نے یہی تعلیم دی تھی کہ بزرگ خادموں کا بھی ادب کیا جائے۔ وہ دونوں انھیں منشی چچا کہتے اور واقعی اسی طرح ادب سے پیش آتے تھے۔

اس رات حبس بہت تھا۔ مصطفےٰ اور جبینی باغ میں ہوا کھانے چلے گئے . . . . .
پھوپھی اماں نے دُھلے ہوئے شفاف پختہ فرش پر اپنی حصیر بچھائی اور پاندان سمیت باہر آ بیٹھیں۔ منشی صاحب بھی ایک گوشہ میں ٹِک گئے۔ تمباکو نوشی کی عادت نہیں تھی پھوپھی اماں کو یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ منھ پر دھواں نہیں چھوڑتے
موقع غنیمت جان کر پھوپھی اماں نے پوچھ لیا۔

"ماشاءاللہ۔ وہ اب شادی کے قابل ہو گئی ہے۔ ممو کے سسرالی عزیزوں میں کوئی لڑکا اس قابل ہے کہ نہیں۔ میں تو اس کے سسرال والوں کو بالکل نہیں جانتی!"

"ایک دفعہ کوئی تذکرہ نکلا تھا۔" منشی صاحب نے جواب دیا: "صاحب کو اقبال زمانی کے ساتھ بہت پسند آئے تھے۔ لیکن اب جھوٹے گاؤں سے ناطہ کیا۔ دلھن پرائے ملک سدھاریں اب تو یہ بھی پتہ نہیں کہ ان کے بھائی کی شادی ہو چکی ہے کہ ابھی نہیں ہوئی"
"مجھے تو بڑی فکر ہے۔" پھوپھی اماں نے کہا: "ماشاءاللہ جبینی تو اس قابل ہے

(باقی آئندہ)

بے تکان سفید جھوٹ بکتا تھا۔ مگر بھولی بھالی جبینی اس کی بات کو یقینی طور پر سچ سمجھ جاتی تھی۔ اس کی طرف دیکھ کر مصطفےٰ مسکرایا: "ہوتی ہیں نا؟" "آپ آئندہ کبھی اس کے دیکھنے پر اصرار نہ کیجئے گا!"
"میری تو یہ آرزو ہے کہ مرصع ہار میں آویزاں کر کے وہ ہیرا آپ کی دلہن کے گلے میں پہنایا جائے!" جبینی نے سچ مچ بے حد خلوص سے کہا۔
"انشاءاللہ انشاءاللہ۔" نہایت عقیدت اور قرارت سے مصطفےٰ نے کہا۔
"بس آپ بزرگوں کی دعائیں چاہئیں۔ ایسا ہی ہوگا۔"
"بزرگ؟" جبینی خفا ہو کر وہاں سے چلی آئی۔ اور سوچ لیا کہ اب اس احمق انسان سے ہرگز اتنی بہت ساری باتیں نہ کرے گی۔ ننھا بچہ بن بیٹھا ہے!

پھوپھی اماں نے منشی صاحب کا خط اسے دیا۔ اس کے خیالات پھر کافور ہو گئے۔ بڑے اشتیاق سے خط پڑھا۔ بے چاروں نے دکھڑا رو دیا تھا کہ اکیلے ہیں کس طرح رہتے ہیں۔ بڑے صاحب کی یاد نہیں بھولتی۔ بیٹا تم بھی بہت یاد آتی ہو۔ مائی اماں کھانے پینے کا خیال رکھتی ہیں مگر اب نہ کھانے پینے میں کوئی بات ہے نہ جینے میں کوئی لذت۔ مرجانا چاہتا ہوں۔ اور بہت سی باتیں لکھ کر آخیر میں تاکید کی تھی کہ صاحب کا چہلم تاریخ وفات سے کوئی ہفتہ بھر قبل ہے۔ ان کا مزار نہایت نفیس سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کی پچی کاری سے تیار کرا دیا ہے۔ اوپر کی جالی اور ارد گرد کا حصار باقی رہ گیا ہے۔ ہفتہ عشرے میں وہ بھی بن جائے گا۔ لہٰذا بیٹی تم اور مصطفےٰ میاں ضرور چلے آنا صاحب کا آخری کام ہے۔ اس میں کوئی کوتاہی نہ رہ جائے۔ جبینی کا دل آنسوؤں میں ڈوب گیا تھا اس نے چپ چاپ خط پھوپھی اماں کو پکڑا دیا پڑھ کر وہ بھی کچھ دیر خاموش رہیں پھر گلا صاف کر کے ڈبڈبائی آنکھیں آنچل سے

پوچھتی ہوئی بولیں۔

"میں تو منشی صاحب سے کہہ آئی تھی کہ بھیا اس موقعہ پر دونوں بچوں کو ضرور بھیجوں گی۔ لکھ دو بی بی کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ ہم ضرور آئیں گے بیچارے منشی صاحب۔ خدا انھیں سلامت رکھے۔ بچپن سے ابا مرحوم کے پاس رہے ہیں۔ یہیں ساری عمر گزار دی۔ ایسا مخلص اور وفادار آدمی اس زمانے میں ملنا مشکل ہے"۔

"آپ نہیں چلیں گی پھوپھی اماں"۔

میں بھی چلتی بیٹی۔ گر یہاں بھی میں فاتحے اور چہلم کی دیگوں کا بندوبست کرنا چاہتی ہوں۔ اس روز یتیم خانے کے بہت سے بچے آئیں گے۔ انھیں کھانا۔ کپڑا اور پیسے دینا ہے۔ غریب محتاجوں میں ان کی ضرورت کی چیزیں تقسیم کروں گی۔ مسجدوں میں صدقہ جاریہ جائے گا۔ کلام مجید، جانمازیں، نقد رقم بہت مصروف رہوں گی بیٹی۔ وہاں تم دونوں ہوگے۔ منشی صاحب ہوں گے وہ سارا انتظام سنبھال لیں گے"۔

طویل سانس لے کر وہ خاموش ہو رہیں۔

پھر پھوپھی اماں نے کہا: "جا کے خط لکھ دو۔ اور کبھی کچھ سوچا نہ کرو بیٹی۔ سوچنے سے ان حالات پر کوئی اثر نہیں پڑتا جو ہونے والے ہیں یا ہو چکے ہیں"۔

وہ منشی جی کو خط لکھنے چلی گئی۔ کچھ دیر باغ میں جھانکتی رہی۔ خزاں کا دور دورہ تھا۔ بے برگ و بار درخت ٹنڈ منڈ کھڑے تھے۔ جبینی کو یہ سوچ کر ہنسی آ گئی کہ یہ خزاں مصطفیٰ کے دل پر کیا ستم ڈھاتی ہوگی۔ پھر اس نے سوچا کہ آخر اس نے کسی گمنام لڑکے کے ہاتھ سے اسے پھول بوا بھیجا تھا کیا حق تھا اسے۔ اگر وہ اس سے خفا ہو جانے کا ارادہ نہ کرتی تو ابھی جا کے پوچھتی۔ مجبوراً خون کے گھونٹ

انھیں ان کے ساتھ چلنا ہے تو وہ فرطِ مسرت سے گنگ ہو گئے!۔

"آپ سب کی بہت خدمت کر چکے ہیں۔ اب آپ بقیہ زندگی آرام کیجئے کچھ ہمیں بھی اپنی خدمت کا موقعہ دیجئے"۔

منشی صاحب اظہارِ تشکر میں ہمیشہ رونے لگتے تھے۔ مشورے تیواری سے مل کر مصطفیٰ نے ضروری بندوبست کر لیا۔ تیواری بہت شریف آدمی تھے انھوں نے وعدہ کیا کہ جتنے مکان، گیراج اور کاٹیج وغیرہ ہیں ان کی وقتاً فوقتاً نگرانی کرتے رہیں گے اور سب کا ششماہی کرایہ انھیں بھجواتے رہیں گے!۔ چلتے چلتے جبینی نے مالی بابا کو اپنے ڈیڈی کے کپڑے اور نقد رقم دی۔ تیواری صاحب کا بہت سا شکریہ ادا کیا۔ اور اپنے باپ کے گھر کی ایک ایک دیوار دروسے مل کر رخصت ہو گئی۔ منشی صاحب ساتھ چلے گئے۔

ایک دانشمند اور ذمہ دار خاتون کی طرح اب پھوپھی اماں کو جبینی کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اس کے والدین زندہ ہوتے تو وہ اتنی شدت سے اس اہم مسئلہ پر غور نہ کرتی۔ لیکن اب تو ایک جوان بیٹی کی سرپرست کی حیثیت سے بچی مچی ان کی راتوں کی نیندیں حرام تھیں۔ جبینی کا اکیسواں سال تھا۔ ان کی اپنی شادی تو چودہ برس کی عمر میں ہو گئی تھی۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔ لڑکیوں کی تعلیم ان کی شخصیت کا لازمی اور ضروری جزو بن چکی تھی۔ سو یہ اطمینان کیا پھوپھی اماں کے دل سے جاتا رہا کیونکہ جبینی کا تعلیمی کیریئر بھی بہت مناسب تھا! انھوں نے فیصلوں کا روزِ آجاتا۔ تعلیمی وہ کامیاب ہو جانے والی تھی!

رو دہوتی ہے ۔ چار پلوں کے نیچے سے بہتی ہوئی ۔ واپسی پر دیکھیں گے
اچھا آپ یہاں تالی بجایئے ۔ سنا ہے بادشاہ کی قبر سے تالی کا جواب آتا ہے "
"میں بادشاہ کے حضور ایسی گستاخی ہرگز نہیں کر سکتا ۔ صرف اپنی تالی کا
جواب سننے کے لیے سیکڑوں سال کے سوئے ہوئے بادشاہ کی گہری نیند میں
خلل ڈالنا بڑی جسارت ہے "
"وہ کیا بچے تالیاں بجا رہے ہیں !"
"بچے معاف کیے جا سکتے ہیں ۔ بڑے نہیں ۔ ! اچھا آیئے اب واپسی کا مرحلہ
طے کریں ۔ آپ تھکیں تو نہیں ؟ "
"نیچے اتر کے اندازہ لگاؤں گی ۔"
"میں کہہ رہا تھا کہ اگر تھک گئی ہوں تو ۔ گود میں لے کے اتار دوں ! "
"کیا !" چیخی ہو کر جینی نے پوچھا ۔
"وہ کیا ایک بڑے میاں اپنی بچی کو گود میں لے کر اتر رہے ہیں" سہم کر
مصطفٰے نے جواز پیش کیا ۔
"اتریے چپ چاپ ۔ مجھے فضول باتیں اچھی نہیں لگتیں" جینی نے کہا اور
وہ دو دو زینے پھلانگنے لگی ۔
قلعہ کے بعد وہ عثمان ساگر گئے ۔ دیر تک پانی کا نظارہ کیا ۔ کینٹین میں
ناشتہ کرنے کے بعد انہیں ٹیکسی مختلف مقامات پر لے گئی ۔ مغرب تک مصطفٰے
نے سرسری طور پر آدھا شہر دیکھ لیا ۔ واپسی پر دونوں تھکن سے چور ہو گئے
رات کا کھانا کھا کے وہ ایسے بے خبر سوئے کہ صبح کو ناشتہ پر منشی صاحب
نے جگایا ۔
انہیں آج ہی واپس ہونا تھا ۔ مصطفٰے نے جب منشی صاحب سے کہا کہ

پی کر خاموش ہو رہی ۔ !

اسٹیشن پر منشی صاحب موجود تھے ۔ جینی ان سے ملی ۔ انھوں نے اسے گلے لگا لیا
دونوں بہت مغموم تھے ۔ جینی کسی دلخوش کن تقریب میں نہیں آئی تھی وہ
گم صم تھی مصطفٰے ساتھ تھا ۔ خلاف عادت وہ بھی نہایت خاموش ہو رہا تھا ! ۔
منشی صاحب کو اس نے بڑے ادب سے سلام کیا تھا ۔ بے چارے باغ باغ
ہو گئے ! سینکڑوں دعائیں دیں ۔ یہ بڑے آدمی صحیح معنوں میں بڑے آدمی
تھے کہ کبھی اپنے خادموں کو چھوٹا آدمی نہیں سمجھا ۔
راستے بھر وہ مصطفٰے سے باتیں کرتے رہے ! ۔ جینی چپ چاپ سڑک پر نظریں
جمائے بیٹھی رہی ۔ سب کچھ جانا پہچانا تھا ۔ ! اسے اپنے وطن سے بڑی محبت تھی ۔
جہاں اس کے ڈیڈی ہمیشہ کے لیے سو رہے تھے ۔ !
"کیا قبر تیار ہو چکی ۔ منشی صاحب ؟" مصطفٰے پوچھ رہا تھا ۔
"ہاں بیٹے ۔ میں نے اپنی نگرانی میں مکمل کروائی ہے ۔"
"چلیے پہلے قبرستان چلیں "
مصطفٰے کا لہجہ جینی کو بہت بدلا بدلا لگا ۔ وہ اس کھلنڈرے شوخ لڑکے کی ۔
لاابالی آواز نہیں تھی ۔ ایک سنجیدہ مرد کی بھاری آواز تھی ۔
"مگر بیٹے تمھارا سامان" منشی صاحب نے پوچھا ۔
"وہ رکھا رہے گا گاڑی میں "
ان کے حکم پر شوفر نے گاڑی قبرستان کی طرف موڑ دی ۔

جینی کا دل الٹنے لگا۔ اس نے گاڑی کی پشت سے سر ٹیک دیا۔ سنسان سڑک پر ٹیکسی بگولے کی طرح اڑی جا رہی تھی! ۔ آن کی آن میں قبرستان پہنچ گئی۔
وہ سب اترے۔ مصطفےٰ نے اس کی طرف کا پٹ کھولا۔ وہ بھی اتری۔ آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اگر سنبھل کر نہ چلتی تو یقیناً گر پڑتی!۔
سہ پہر کا وقت تھا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے! غبار آلود موسم بڑا اداس ہو رہا تھا! چاروں طرف پختہ و شکستہ قبریں بکھری ہوئی تھیں۔ بعض پر خشک پھول پڑے تھے۔ بعض کسمپرسی کا زبان حال سے نوحہ پڑھ رہی تھیں۔
صاحب کا گھر ادھر ہے: منشی صاحب نے گلوگیر لہجے میں ایک طرف اشارہ کیا۔
چلیے: مصطفےٰ نے کہا۔ وہ بڑے تاثر اور تاسف سے آس پاس دیکھتا جا رہا تھا! چہرہ پر دکھ نمود تھا۔
دور ہی سے انھیں سیاہ و سفید سنگ مرمر کی بنی ہوئی بلند بالا قبر دکھائی دی۔ جینی دوڑ کر اس پر گر پڑی۔ پیارے ڈیڈی۔ کب سے آپ یہاں سو رہے ہیں۔ وہ بلک بلک کے رو پڑی۔ منشی صاحب کی حالت اس سے جدا نہیں تھی۔ لیکن مصطفےٰ بالکل خاموش تھا۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر سر پر منڈھ لیا اور فاتحے کے لیے ہاتھ اٹھا دیے!۔
جینی فاتحہ بھی نہ پڑھ سکی۔ مصطفےٰ کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور فرش زمین پر گھٹنے ٹیکے وہ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ تب جینی کے دل میں ایک سایہ سا رینگ گیا۔ سو بہت دلکش آدمی ہے۔ وہ چونک پڑی اور جلدی جلدی اپنے آنچل سے قبر کی گرد صاف کرنے لگی۔ وہ اپنے ڈیڈی سے

بادشاہوں کے مقابر کہاں ہیں!۔
ادھر۔ دور۔ پچھواڑے۔!
وہ بھی دیکھ سکتے ہیں؟۔
کیوں نہیں۔
دونوں شانہ بشانہ اوپر چلتے گئے۔ چاروں طرف لق و دق میدانوں میں زرد زرد دھوپ بکھری ہوئی تھی۔ ہر سو ایک معنی خیز سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بڑی تند ہوائیں چل رہی تھیں۔ اکثر وہ ادپر آنے والوں کو اتنی تیزی سے پیچھے ڈھکیلتیں کہ انھیں چند لمحوں کے لیے ٹھہرنا پڑتا۔
مصطفےٰ پر سنجیدگی کا جو خول چڑھا تو وہ چڑھا ہی رہا۔ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔ یا وہ ایسا ہی حساس تھا کہ ہر چیز کا بہت اثر لیتا تھا!۔
بالآخر وہ بالا حصار پر پہونچ ہی گئے اب سارا شہر حیدر آباد ان کی نظروں کے سامنے تھا۔ گاڑھے کہر میں ملفوف۔ مصطفےٰ پیشانی پر ہاتھ کا چھجہ بنائے آنکھیں سکوڑے دور دور کے مناظر دیکھ رہا تھا۔ جینی پیچھے جھانک رہی تھی۔ جہاں ملٹری ڈینٹ، چرتے ہوئے بیشی اور ٹریفک سب کچھ بچوں کے کھلونے معلوم ہو رہے تھے!:
وہ جو دور سفید سفید سی ایک لکیر نظر آ رہی ہے نا؟: جینی اس کے پاس سرک آئی۔
ہاں ہاں!:
وہ عثمان ساگر ہے۔ حیدر آباد کا دلکش تفریحی مقام۔ نظام حیدر آباد نے سو گاؤں کے رقبہ میں یہ ساگر بنایا تھا:
اور وہ۔ ادھر؟: مصطفےٰ نے ایک سفید لکیر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ

"کبھی یہاں بادشاہ کا دربار لگتا ہوگا۔ درباری صف بستہ ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہوں گے۔ انصاف و ناانصافی کے مقدمے اور فیصلے ہوتے ہوں گے۔ رقص و سرود کی محفلیں منعقد ہوتی ہوں گی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دربار شاہی میں شعر و نغمے کی تانیں گونجتی ہوں گی۔ محمد قلی اردو شاعری کا پہلا صاحب دیوان شاعر بھی تو تھا۔ کیا بات کہی ہے اس نے بھی سہ

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج یک تل جیا جائے نا
پیا بن کہے تھے صبوری کروں
کہا جائے اما کیا جائے نا

انسان ہمیشہ سے پیاسا رہا ہے۔ اسے بہت کچھ ملا ہے پھر بھی انسان کسی چیز کے لیے مچلتا رہا ہے کیا چیز ہے وہ۔ جو آدمی کو نہ مل سکی۔ آدمی تشنہ کیوں ہے۔ چاہے بادشاہ ہو کہ شہنشاہ۔ وہ بھی کیوں بے چین رہا ہے آہ۔ ہر طرف فنا کی گرم بازاری ہے۔ ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں۔ ان کھنڈروں میں بھی کبھی جشن ہوئے ہوں گے۔ آج وہ چشم زندہ کے لیے عبرت و حسرت کا سامان ہیں!"

ادھر پہاڑیوں پر بادشاہ کی دو رقاصاؤں تارامتی اور پامتی کے محل ہیں" جنیفر نے بتایا۔ "ان کے محل سے بالا حصار تک آہنی تار کھنچے ہوئے تھے۔ رقاصائیں تاروں پر سے رقص کرتی ہوئی اپنے اپنے محلوں سے بالا حصار تک آتی تھیں۔ آپ اوپر نہیں چلیں گے؟"

چلوں گا۔ دیکھ رہا ہوں یہ سنگی طویل زینہ۔ یہی زینے اوپر جاتے ہیں؟

"جی ہاں!"

بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی تو نہ کر سکی۔ بس سر جھکائے اتنی سی بات سوچتی رہ گئی کہ مخملی بستر پر سونے والے ڈیڈی خاک کے بستر پر کیونکر سو رہے ہوں گے!؟ اس کے آنسو گرتے رہے۔

"بس بی بی اب چلو۔ پرسوں پھر آئیں گے۔ چادر چڑھانے" منشی صاحب کہہ رہے تھے: "اب مت رو۔ بیٹی۔ کب تک روؤ گی"

"مگر یہ تبسم دو ہی جذبے تولتے ہیں آدمی کو منشی صاحب" مصطفیٰ نے بڑے متاثر لہجے میں کہا: "انسان اگر خوشیوں کے موقع پر ہنستا ہے تو اپنوں کی موت پر اسے رونا بھی چاہیے۔ انہیں رونے سے منع نہ کیجئے۔ آنسو روحانی بوجھ کو ہلکا کر دیتے ہیں۔ آہ۔ بڑی بے ثبات ہے یہ دنیا۔ بڑے ناقابل اعتبار ہوتے ہیں یہ مرنے والے۔ بڑا خود فریب ہے یہ انسان۔ اپنے کندھوں پر ایک جنازہ اٹھا کر لاتا ہے۔ اسے منوں مٹی میں چھپا دیتا ہے اور خود کو یہ فریب دیتا ہے کہ یہ انجام صرف اسی کا ہے جو مر چکا ہے۔ اس کا نہیں ہے جو زندہ ہے۔ ایک دن ماموں جان ہماری طرح زندہ تھے۔ آج نہیں ہیں۔ ایک دن وہ بھی آئے گا جب ہم بھی نہ ہوں گے۔ خدا جانے یہ چکر آنے جانے کا کب سے چل رہا ہے۔ خدا جانے کب تک چلتا رہے گا"

"رہے نام اللہ کا" لمبی سی ٹھنڈی سانس لے کر منشی صاحب نے کہا۔

"بیٹا میری یہ خواہش ہے کہ جب مر جاؤں تو مجھے صاحب کے پاس دفن کر دینا مانی جان اور نیاز کی قبریں کہاں ہیں۔؟"

"ان کی قبریں دلہن کے آبائی قبرستان میں ہیں۔ صاحب کو ان کی وصیت کے مطابق ان کے والد کے پاس دفن کیا گیا۔ یہ رہی تمہارے دادا کی قبر۔"

وہ گھر واپس آئے۔ عطر ساز الکا تیواری کو معلوم ہوا کہ کوٹھی کے مالکان آئے

ہیں۔ وہ دوڑے آئے اور بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔

دو دن بڑے مصروف گزرے۔ تیسرے روز فاتحہ تھا۔ اس دن مسجدوں میں کلام پاک پڑھوائے گئے۔ جانمازیں بچھوائی گئیں۔ ان گنت یتیم بچوں نے کوٹھی پر کھانا کھایا۔ غریبوں اور مسکینوں میں کپڑے کھانا اور پیسے بانٹے گئے۔ رات گئے تک میلاد ہوتا رہا۔ اور جج صاحب کی قبر پر پھولوں کی چادر چڑھائی گئی۔

منشی صاحب اور مصطفےٰ بہت مصروف رہے۔ لیکن جینی کا کیا کام تھا۔ اس نے کپڑے تک نہیں بدلے۔ اسی کمرے میں بیٹھی رہی جہاں کبھی جج صاحب رہتے تھے۔ اس نے پھر ان رنگین لکیروں کو ڈھونڈا۔ جن پر سفیدی کرادی گئی تھی اس نے چونا کھرچا اور لکیریں واضح ہوگئیں۔ اپنوں کی یاد میں وہ دن بھر روتی رہی کہاں چلے گئے اس کے ماں باپ، بھائی، اور دادا دادی۔ بھابی نے کبھی اسے ایک خط تک نہ لکھا۔ حالانکہ انھیں پتہ تھا کہ وہ انھیں اور ان کی بے بی کو کتنا چاہتی تھی۔ مصطفےٰ نے بالکل سچ کہا تھا۔ بڑے بے مروت ہوتے ہیں جانے والے۔

رات کو اس کے لیے کھانا بھجوایا گیا۔ لیکن اس کا جی ایسا اُچاٹ تھا اس نے زبردستی دو لقمے کھائے اور باقی ساری سینی جوں کی توں اپنے مالی بابا کو دے دی۔

آج اس کا دل کچھ چاہ رہا تھا۔ نجانے کیا۔ کاش کوئی اپنا ہوتا۔ بالکل اپنا وہ اپنے اس نئے احساس سے پریشان تھی۔

ساری رات وہ سوتی جاگتی رہی۔ صبح کو غسل کے بعد وہ اپنے باغ میں آئی۔ مالی بابا نے ایک چھوٹا سا گلدستہ پیش کیا۔

کل بی جا رہی ہو بی بی۔

نہ لیا کروں؟۔

۔ بالکل نہیں۔ یہ جو کچھ بھی چیزیں ہیں۔ ان کی اہمیت میری نظروں میں کچھ بھی نہیں۔ انسان کی لاقیمت جان مٹی میں چلی جاتی ہے۔ کنکر پتھر باقی رہتے ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں!؟"

آپ کا [illegible] بالکل صحیح ہے۔ لیکن آدمی جب تک زندگی کا مرہونِ منت رہتا ہے۔ یہی کنکر پتھر اس کے لیے روٹی مہیا کرتے ہیں۔ ان کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔"

صاف سنسان سڑک پر ٹیکسی بھاگی جا رہی تھی۔ معمولی سا سفر تھا۔ لیکن جینی کے دل میں عجیب سے نوزائیدہ احساسات کلبلا رہے تھے۔ انھیں وہ خود طلب نہ پہنا سکی۔ لیکن آج وہ چاہتی تھی کہ مصطفےٰ اسے اتنے ادب سے آپ جناب کر کے مخاطب نہ کرے۔ اسے چھیڑے ستائے زچ کرے اور رُلا دے۔ لیکن وہ بہت غیور و خوددار تھی۔ آپ اپنی نگاہوں میں سبک ہونا اسے گوارہ نہیں تھا۔ اس لیے خود کو بہت سختی سے ڈانٹ دیا۔

آدھے گھنٹے کے سفر نے انھیں گولکنڈہ تک پہنچا دیا۔

مصطفےٰ بڑی عبرت سے قلعہ کے آثار دیکھ رہا تھا۔ عظیم ترین قلعہ کے عظیم الشان کھنڈر۔ جن سے اب بھی رعب و ہیبت ہویدا تھی۔ لق و دق صحن تھا جس میں چار سو خشک گھانس کا جنگل اُگ رہا تھا۔ اونچی اونچی نہایت عریض دیواریں تھیں در و دیوار پر سبز و سیاہ کائی محیط تھی۔ بڑے بڑے پر ہیبت دالانوں میں ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں۔ بہت سے لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے! چیونٹیاں زینوں پر چڑھتے اترتے نظر آ رہے تھے!۔

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا　　نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

نے جو کچھ کہا ہے اس کا مطلب کیا ہے۔ برا نہ مانیے گا؟۔

منشی صاحب سے کہہ دیجئے ہم باہر جا رہے ہیں۔

ان کی اجازت حاصل کر لی ہے!۔ بے چاروں کی حالت پر بڑا ترس
آتا ہے۔ جب بات کیجئے رونے لگتے ہیں۔

ہم سب کو بہت چاہتے ہیں: جینی نے کہا اور پھر ڈرائیور کو بتایا
کہ انھیں کہاں جانا ہے

انھیں قید تنہائی کی سزا کیوں دے رہی ہیں آپ۔ میں ایسا بندوبست
کر جاؤں گا کہ سرتواری ہر ماہ بعد کوٹھی کا کرایہ آپ کو دہلی کے پتہ پر روانہ
کر دیا کریں۔ آپ منشی صاحب کو اپنے ساتھ لے چلئے۔ یہاں وہ بہت گھبراتے
ہیں۔ بوڑھے آدمی ہیں۔ کبھی بیمار ہو جائیں یا خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو
جائے تو ان کا پرسان حال کون ہوگا؟:

اور تب جینی نے سوچا کہ احمد بے حد شریف آدمی کا دل اندر سے بہت وسیع
بہت سنجیدہ ہے۔ آج کل خادموں کی اتنی فکر کسے ہوتی ہے۔ دبی زبان سے
وہ بولی۔

لیکن ایک گرلز کالج؛ اور ٹیکسی کا گیراج ہے جس کی نگرانی ان کے ذمہ ہے
اور دونوں جگہوں کا کرایہ بھی وہی وصول کرتے ہیں:

یہ سب چیزیں ایک بوڑھے بے سروسامان انسان سے زیادہ قیمتی نہیں
ہیں نا۔ آپ منشی صاحب کو لیتی چلئے۔ بڑے ثواب کا کام ہوگا۔ میں وہاں
سے اپنا ایک آدمی یہاں متعین کر دوں گا۔ میرے سب آدمی ایماندار ہیں
گیارا سے ہے:

آپ میری رائے لینا اتنا ضروری کیوں سمجھتے ہیں؟:

ہاں۔ بابا۔

تم لوگوں کے بعد اب ہمارا جی بھی نہیں لگتا۔ مگر صاحب کی نشانی سینے
سے لگائے پڑے ہیں۔

ننھے مالک کیسے ہیں

بہت دیالو ہیں۔ بی بی۔ مگر ان سے ہمیں کیا کام۔

میں ڈیڈی کے کپڑے تمھیں دوں گی۔

سلامت رہو۔ بیٹی۔ اللہ تمھیں بلند نصیب دے۔

تمھارا بیٹا تمھیں کچھ نہیں بھیجتا۔ بابا۔

بی بی وہ اپنی عورت کے پیچھے ایسا پھنسا ہے کہ ماں باپ اور چھوٹے
بھائی بہن اسے یاد نہیں:

مات تمھیں کچھ لاتا بابا؟۔

ہاں بی بی۔ تمھارے ساتھ جو صاحب آئے تھے انھوں نے بہت کچھ دیا۔
میں نے ان سے کہا تھا کہ میں صاحب کا پرانا مالی ہوں تب وہ بہت مہربان
ہو کے بولے۔ وعدہ کیا ہے کہ جاتے وقت اور بھی بہت کچھ دیں گے۔ ان
کا مرتبہ اونچا ہو۔ آپ کے وہ صاحب کون ہیں بی بی؟:

وہ پھوپھی زاد بھائی ہیں:

بہت اچھے ہیں بی بی بہت اچھے ہیں:

میں گھر جا کے ہر مہینے تمھیں پیسے بھیجا کروں گی بابا۔ میرے ڈیڈی کے باغ
کی ہمیشہ نگرانی کیا کرنا ان کی کرسی پر کبھی کچھ کوڑہ کرکٹ نہ پڑے۔

کبھی نہیں۔ بیٹا۔ صاحب کی کرسی کو اپنی پلکوں سے جھاڑوں گا: وہ آبدیدہ
ہو گیا۔ اتنے میں روش پر مصطفےٰ آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے دھاری دار بڑے

پائنچے کا پاجامہ اور لمبی آستینوں کا ململ کا کرتہ پہن رکھا تھا۔ خوامخواہ اسے دیکھ کر جینی کا دل خشش آمیز طریقے سے دھڑکنے لگا۔ مالی نے اسے دیکھ کر دانت نکال دیے اور کھڑا ہوگیا۔

سلام صاحب

سلام بابا سلام: مصطفٰے نے پیشانی تک ہاتھ اٹھا کر اسے سلام کیا۔ مالی نے ایک زبان میں بے گنتی دعائیں دینی شروع کیں۔ مصطفٰے مسکرایا: بس کیجئے بابا۔ اتنی دعائیں آپ مجھے دے رہے ہیں کہ اگلے ہفتے تک میرا بادشاہ بن جانا کچھ ناممکن نہیں ہے۔ اچھا زینت آپ کا اب کیا پروگرام ہے۔ سارے کام تو خدا کے فضل سے بخوبی پورے ہو چکے! میں اب آپ کا شہر دیکھنا چاہتا ہوں:

ارے سرکار بہت سے مقامات ہیں دیکھنے کے قابل: مالی نے لقمہ دیا۔ گولکنڈہ کا حلقہ۔ ناگرجونا ساگر، عثمان ساگر، ہائیکورٹ، میوزیم اور چڑیا گھر—

اور اور —!

اپنی بیٹیا سے سفارش کیجئے۔ دکھلائیں: مصطفٰے نے کہا۔

جاؤ بیٹیا: مالی نے سچ مچ سفارش کر دی: اکیلے گھر میں پڑے پڑے پریشان ہونے سے کیا حاصل۔ آدمی اپنے جدا ہونے والوں کے غم میں ہمیشہ روتا رہتا ہے۔ مگر اپنے کام چھوڑ کر بیٹھ نہیں رہتا۔ ابھی تمہارے سامنے زندگی کی بہت سی لمبی سڑک پڑی ہے بی بی۔ خدا کرے کہ غم والم کے روڑے تمہاری راہ سے ہٹ جائیں اور تم ہنسی خوشی بخیر و خوبی اپنی منزل پر پہنچ جاؤ:

آمین آمین: مصطفٰے نے کہا پھر حیرت سے بولا: آپ کی بولی بہت اچھی ہے کہاں تک پڑھے لکھے ہیں بابا آپ!:

کہیں تک نہیں بیٹے: مالی نے آہ بھر کر کہا: سرکار صبح و شام اس جگہ اسی کرسی پر آکر بیٹھا کرتے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ ان ہی کی صحبت میں رہ کر بولنا آیا ہے:

اچھا بابا ہم پھر آپ سے باتیں کریں گے۔ اب ہم جائیں: مصطفٰے نے کہا۔ جاؤ بیٹا جاؤ۔ اللہ کے حفظ و امان میں جاؤ: بوڑھا دعائیں دیتا ہوا چلا گیا:

اگر کوئی خاص کام نہ ہو تو اٹھیئے:

دل بوجھل سا ہے۔ جینی نے کہا۔

میرا دل بھی بہت وزنی ہوگیا ہے اسی لیے چاہتا ہوں کہ کہیں گھوم پھر کر ہلکا کر لیا جائے:

کہاں جایئے گا: جینی اٹھ گئی اور لباس کی شکنیں درست کرنے لگی۔ جہاں لے چلیے گا: وہ مسکرایا۔ یہ تو آپ کا شہر ہے۔ میں یہاں اجنبی ہوں۔

اگر میں رہبری کی بجائے راہ سے بھٹکا دوں تو۔؟ دونوں گاڑی میں جا بیٹھے۔

بھٹکے ہوئے مسافر بھی کبھی راہ سے لگ ہی جاتے ہیں!:

اتنا بھروسہ ہے آپ کو مجھ پر۔؟

بالکل نہیں۔ مجھے ہنسی آرہی ہے آپ کی سادگی پر۔

کیوں؟

تو ذرا سا راستہ بتا کر آپ کہتی ہیں کہ آپ نے میری رہبری کی ہے— لیکن جن گلیوں میں آپ کو ہمیشہ چلنا ہے۔ ان کا رہبر تو میں ہوں!!

کیا مطلب؟: چونکتی ہو کر اس نے پوچھا۔

مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ ہمیشہ بولنے کے بعد سوچتا ہوں کہ میں

جی ہاں۔ یہ تکیہ سوتے وقت ہی نہیں
جاگتے میں بھی کام آتا ہے۔ اور اس تکیہ
کا نام ہے
اکسیر اعظم ڈراپ
پیٹ کا درد۔ ریاحی تکالیف۔ امراض معدہ
کے علاوہ ہاضمہ کی خرابی اور بھوک کی کمی
دور کرنے کے لیے بھی
آپ "اکسیر اعظم ڈراپ" پر تکیہ کر سکتے ہیں
اکسیر اعظم ڈراپ ہر موسم میں ہر عمر کے لوگوں کے
لیے بہترین فائدہ کی چیز ہے۔ یہ اکیلی دوا وقت
پڑنے پر پورے دواخانہ کا کام دیتی ہے۔
اکسیر اعظم ڈراپ ہر اچھے دوا فروش سے یا
براہ راست ہم سے حاصل کیجئے۔
تیار کردہ
ایس اے بی بخش کمپنی ۳۲ مولانا شوکت علی اسٹریٹ
پوسٹ بکس ۲۲۲۵ کلکتہ
AKSEER
AZAM
Drops
LIVER
AND
ALL
STOMACH
TROUBLES
S.A.B.
BAKHSH & CO.
32 COLOOTOLA ST.
CALCUTTA-73

مکمل نشہ بندی کا نصب العین پورا ہو کر رہے گا!

اتر پردیش سرکار نے

صدیوں سے چلی آرہی اس سماجی برائی کو اگلے چار برسوں میں ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔

یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے ریاست کے ۴ مزید اضلاع میں شراب پینا، پلانا

جرم قرار دیا گیا ہے۔

اب چمولی۔ اترکاشی۔ پتھورا گڑھ۔ ٹہری۔ پوڑھی گڑھوال۔ الموڑہ۔ نینی تال۔ دہرہ دون۔ لکھنؤ
کانپور۔ اناؤ اور بارہ بنکی اور ان کے ارد گرد دس کیلومیٹر تک پرمٹ پر بھی شراب استعمال نہیں کیجا سکتی۔

دوسرے اضلاع میں بھی

- کلبوں میں بھی شراب استعمال نہ ہوسکے گی۔
- شراب فروخت ہونے کے اوقات میں دو گھنٹے کی کمی کر دی گئی ہے۔
- گانجہ، چرس اور افیون کے استعمال پر بھی پابندی لگائی گئی ہے۔
- شراب ملی ہوئی دواؤں کے استعمال پر روک لگانے کے سلسلہ میں گیارہ قسم کے ٹنکچر اور پانچ قسم کی اسپرٹ کو بھی شراب قرار دے دیا گیا ہے۔
- تاڑی پر پابندی لگنے کے باعث بے روزگار ہونے کے باعث ان کو باکار رکھنے کے لئے اسکیم تیار ہو گئی ہے۔
- پردیش کے بارہ ضلعوں میں مکمل نشہ بندی کے فیصلہ سے جو لوگ بیروزگار ہوں گے انھیں چاہیئے کہ وہ اپنے حکام ضلع کے پاس اپنا رجسٹریشن کرالیں تاکہ ان کے لئے روزگار کا انتظام کیا جا سکے۔

شراب کی ہر بوند میں میٹھا زہر ہے

اس کا استعمال بند کیجئے

محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ اتر پردیش نے جاری کیا

سفرنامہ

لکھنؤ سے پٹنہ تک

نسیم انہونوی

خوش اخلاقی ایک اچھا انسانی جوہر ہے لیکن کبھی کبھی اخلاق برتنے میں انسان کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا اچھا نہیں لگتا، لیکن بات ایسی ہے کہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا اس لئے کہ میرا حالیہ سفر پٹنہ بھی اخلاقی سفر ہی تھا۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ میں تنفس کا مریض ہوں، بوڑھا ہو گیا ہوں اور مسلسل تکلیف نے اس قابل نہیں رکھا کہ کہیں آ جا سکوں خصوصاً دور دراز کی شادیوں کے شرکت کے تو تصور سے ہی روح لرزنے لگتی ہے لیکن بھائی سید محمد عطا الرحمٰن صاحب ریٹائرڈ ایگزیکیٹو انجینئر کے فرزند دلبند کی شادی میں شرکت نہ کرتا تو موصوف کو تو افسوس ہوتا ہی میرا ضمیر مجھے بھی ملامت کرتا رہتا، اس لئے کہ سراپا خلوص رحمٰن صاحب نے میری پارہ جگر نجم السحر سلمہا کی شادی میں مع بھابھی صاحبہ اور عزیزی فرزانہ سلمہا کے شرکت کی تھی اور شرکت بھی کیسی۔ بالکل قریبی عزیزوں جیسی کہ شادی سے پہلے آئے اور شادی کے بعد تک قیام فرما رہے

چھپا ہوا دعوت نامہ تو بعد میں آیا خصوصی دعوت دیتے ہوئے بھائی رحمٰن صاحب نے مجھے پہلے ہی یہ مژدہ جانفزا پہنچا دیا تھا کہ عزیزی خورشید سلمہ کی شادی ہونے جا رہی ہے آپ کو مع بھابھی اور بچوں کے آنا ہے میں نے لکھ دیا کہ ضرور آؤں گا خواہ اسٹریچر پر ہی کیوں نہ آنا پڑے [illegible] کے لئے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بلڈ پریشر نے انہیں ناکارہ بنا دیا ہے۔ پھر چھپا ہوا دعوت نامہ آیا تو [illegible] کی طبیعت بہت خراب ہو گئی لیکن میں ریزرویشن کرا چکا تھا اور بہرحال میں نے جانے کا عزم ادا کر لیا تھا [illegible] کے بعد ۸ بجے شب [illegible] ایک [illegible] ٹرین ہے پٹنہ جانے کے لئے [illegible] ۳ بجے دن میں چل کر ۱۰ بجے شب میں پٹنہ پہونچتی ہے۔ [illegible] فرسٹ کلاس میں

آرام سے بیٹھنے کی بھی جگہ مل جائے اس لئے میں نے بریلی پٹنہ فاسٹ پسنجر سے ریزرویشن کرایا جو ۹ بجے کے قریب چلکر دوسرے روز ایک ڈیڑھ بجے دن میں پٹنہ پہونچ جاتی ہے پسنجر سے اتنا طویل سفر آسان نہیں لیکن خیال یہ تھا کہ فرسٹ کلاس پسنجر کا عموماً خالی ہی رہتا ہے آرام سے لیٹا رہوں گا اور رات کے وقت تک [illegible] پٹنہ پہونچ جاؤں گا۔ لیکن شومی قسمت کہ اس روز فرسٹ کلاس کی جو بوگی بریلی سے لگ کر پٹنہ جاتی ہے خراب ہو جانے کے باعث لگی ہی نہیں تھی۔ یہ سن کر میں پریشان ہو گیا لیکن اسی وقت معلوم ہوا کہ ایک بوگی لکھنؤ سے وارانسی تک کے لئے لکھنؤ سے لگتی ہے اور اسمیں مجھے جگہ مل گئی اور میں اس میں بڑے آرام سے سفر کرتا وارانسی صبح ۶ بجے کے قریب پہنچ گیا۔ اب یہاں سے بہرحال تھرڈ کلاس میں سفر کرنا تھا جسکو اب جنتا کا دل بہلانے سکنڈ کلاس کہا جانے لگا ہے۔ خود ہی ہانپتی ہوئی سانسوں کے ساتھ کسی طرح بستر بند باندھا۔ صبح سانس کے مریضوں کیلئے کتنی صبر آزما ہوتی ہے اسے صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جو اس تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں بہرحال انسان حالات اور وقت سے ہمیشہ مجبور ہوتا ہے کسی طرح قلی بلا کر سامان اٹھوایا اور [illegible] ٹرین میں داخل ہو گیا۔ یہاں کا ماحول اس وقت عجیب تھا سب ہی ناشتہ اور چائے کی فکر میں تھے۔ بچے رو رہے تھے شور مچا رہے تھے اور ٹرین کے دھوئیں سے اشتہا کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی لیکن رومال ناک سے لگائے بیٹھا رہا۔ وارانسی کے [illegible] پسنجر ٹرین مغل سرائے پہونچی اور میں اتر گیا اس لئے کہ ایک صاحب نے یہ مژدہ جانفزا دیا تھا کہ یہاں سے [illegible] میل ٹرین مل جائے گی۔ اس میں [illegible] کا ریزرویشن ہوتا ہے لیکن اسٹیشن پر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اس [illegible] کی گاڑی مغل سرائے سے گیا ہو کر جانے کی ہے البتہ جنتا ایکسپریس

سکے بغیر وہاں سو یا ہی نہیں جا سکتا۔ خدا کا شکر ہے میری مسہری پر مکمل مچھر دانی لگی تھی اس لیے مچھروں سے آرام سے سو گیا۔

۷ مارچ کی صبح ناشتہ بھی خورشید الدین صاحب کا ملازم ہی چائے لے آیا۔ چائے پی کر میں نے ضروریات سے فراغت کی اور رحمٰن صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ ۸ بجے دلہن والوں ہی کے یہاں چائے ناشتہ کا انتظام تھا۔ دوسرے براتی بھی آگئے تھے ناشتہ کے بعد رخصتی کا اہتمام ہوتا رہا اور ۱۱ بجے کے قریب ہم لوگ دلہن کو لے کر واپس ہوئے۔

پاٹلی پترا کالونی شہر سے کافی فاصلہ پر ہے کار سے جانے میں بھی کافی وقت لگتا ہے۔ اس لئے اب شہر واپس جانا آسان نہ تھا حالانکہ میں نے نسیم صاحب سے وعدہ کیا تھا کہ دوپہر تک اردو اکیڈمی کے آفس آؤں گا۔

ہمارے پڑوسی سجاد صاحب جو ریلوے میل سروس میں ہیں اور جن سے رحمٰن صاحب اچھی طرح واقف ہیں اس شادی میں مدعو تھے مگر نہ آسکتے تھے اس لئے بغرض شرکت یہ کو آگئے تھے۔

دوپہر کا کھانا تین بجے ملا اس درمیان رحمٰن صاحب کے اکثر اعزہ اقربا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا رحمٰن صاحب کے ایک بھائی ضیاء الرحمٰن صاحب حکیم ہیں۔ موصوف کی صحت بھی ٹھیک نہیں ہے میری ہی طرح تنفس کی شکایت ہے۔ چلنے پھرنے سے تقریباً معذور ہو گئے ہیں۔ بھائی کی خوشی میں شرکت کرنے آگئے تھے افسوس کہ ہزاروں کو صحت بخشنے والے خود اپنا علاج نہ کر پائے۔ انگریزی دواؤں کا سہارا لے رہے ہیں۔ کھانے کی فراغت کے بعد میں نے کچھ دیر آرام کیا۔ ۵ بجے سجاد صاحب رخصت ہو گئے میں رحمٰن صاحب کے یہاں آگیا۔ رحمٰن صاحب کے بعض قریبی اعزہ اور احباب اس وقت بھی موجود تھے۔ ان میں مجید رضا صاحب عظیم آبادی بھی تھے۔ رحمٰن صاحب ان کا کلام بہت پسند کرتے ہیں خاص طور پر انھیں مجھ سے متعارف کرایا اور میں دیر تک ان سے گفتگو کرتا رہا۔ انھوں نے اس موقع پر ایک سہرا بھی پیش کیا تھا جو حریم میں شائع کیا جا رہا ہے ۸ بجے کے قریب سراج صاحب تشریف لائے تو میں نے

درخواست کی آپ کے فون پر گھر سے بات کرنا چاہتا ہوں سراج صاحب مجھے اپنی کوٹھی پر لے گئے۔ فون ملا کر میں نے گھر سے بات کی۔ اس عرصہ میں سراج صاحب کا خادم چائے کے لوازمات لے آیا میں اس وقت کچھ بھی کھانا نہ چاہتا تھا اس لئے کہ کھانے کا وقت قریب تھا۔ لیکن سراج صاحب کے پیہم اصرار سے مجبور ہو گیا اور اچھا ہی ہوا اس لئے کہ نہ کھاتا تو ایسی لذیذ چیزوں سے محروم ہی رہ جاتا خصوصیت سے چائے کے ساتھ جو چیزیں میرے مذاق کے مطابق صرف سراج صاحب ہی کے یہاں ملیں

سراج صاحب حسن صورت کے ساتھ ہی حسن سیرت رکھتے ہیں ان کا اور ان کے متعلقین کا مذاق فن کارانہ ہے۔ گھر کی ہر چیز نہ صرف دلکش تھی بلکہ بڑے سلیقے سے رکھی گئی تھی۔ یقیناً اس میں بیگم صاحبہ سراج صاحب کا بھی ہاتھ ہوگا

کچھ دیر سراج صاحب کے یہاں بیٹھنے کے بعد ہم پھر رحمٰن صاحب کے یہاں آگئے شب کے کھانے سے فراغت کی اور جائے قیام پر چلا گیا۔ صبح حسب معمول بیڈ ٹی پی کر رحمٰن صاحب کے یہاں آگیا

آج میرا پروگرام اردو اکیڈمی جانے اور چند دوسرے حضرات سے ملنے کا تھا۔ اس لئے ہادی میاں کی کار پر شہر گیا۔ رحمٰن صاحب کی تین لڑکیاں ہیں۔ بڑی ساجدہ سلمہا منجھلی فرزانہ سلمہا اور چھوٹی تحسین سلمہا۔ ساجدہ سلمہا کی شادی ہادی صاحب کے ساتھ ہوئی جو انجینئر ہیں اور آج کل پٹنہ ہی میں ان کا تقرر ہے فرزانہ سلمہا کی شادی قمر میاں سے ہوئی ہے جو بینکنگ میں کوئی افسر ہیں اور تحسین سلمہا کی شادی ڈاکٹر اظہار الحق صاحب سے ہوئی ہے جو کسی کالج میں لکچرر ہیں قمر میاں اور اظہار صاحب بہت شرمیلے ہیں۔ کم از کم مجھ سے کبھی بے تکلفی سے بات نہیں کی۔ لیکن ہادی صاحب بے حد ملنسار ہیں انھیں کی کار پر میں شہر گیا۔ ہادی میاں کے خسر محترم سید عارف حسین صاحب کو بھی شہر جانا تھا اس لئے وہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تھے عارف صاحب آجکل بکرم گنج میں اسسٹنٹ انجینئر ہیں گزشتہ سال فریضہ حج بھی ادا کر آئے ہیں۔ بڑا ہی [illegible] انتظامی قابلیت بھی [illegible] ان میں موجود [illegible] سے

رفیق صاحب کے ضلع کے انچارج رہ چکے تھے۔

اس وقت مسٹر بدرالزماں صاحب نسیم بکڈپو بہار شریف کو آگئے تھے میں نے انہیں لکھ دیا تھا کہ تمہارے صوبہ میں آرہا ہوں چونکہ تم بھی آ جاؤ۔ زماں صاحب کے آجانے سے مجھے اور تقویت ہوگئی تھی اس لئے کہ وہ پٹنہ کیا سارے ہندوستان کا مکمل جغرافیہ جانتے ہیں۔

شہر پہنچ کر عارف صاحب اتر گئے میں اور بدرالزماں سب سے پہلے سہیل صاحب کے یہاں گئے اس لئے کہ پٹنہ جاکر ان کے یہاں حاضری نہ دینا گناہ ہوتا۔ اسی جگہ عظیم الشان بکڈپو بھی ہے۔ وہاں جناب ملکاوی صاحب سے ملنا تھا جو درجنوں کتابوں کے مؤلف اور پبلشر ہیں موصوف کا آفس بھی بالاخانے پر ہے۔ سانس کی تکلیف کے باعث زینہ چڑھنا میرے لئے دشوار ہوتا تھا اسلئے سہیل صاحب کو بلا کر نیچے ہی بات کر لی ان کا زینہ چڑھنا اسوقت میرے لئے ممکن نہ تھا یہاں سے واپسی پر بہار اردو اکیڈمی کے آفس گیا۔ شاہ صاحب اور نسیم صاحب میرے منتظر ہی تھے۔ اکیڈمی کی... مطبوعات مجھے دکھائیں اور اکیڈمی سے شائع ہونے والے سہ ماہی پرچے کا پیاں عنایت فرمائیں۔ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک اتفاق تھا یا میرے آنے کی خبر رضوان احمد صاحب کو مل گئی تھی جو بہنوں کی خدمت میں عرصہ تک کاغذی زیور پیش کرتے رہے تھے۔ افسوس کہ اب یہ ماہنامہ بند ہوگیا ہے۔ موصوف بارہ بنکی کے ہیں جس کی سرحدیں لکھنؤ سے ملی ہوئی ہیں اس لئے کچھ زیادہ نسبت رکھتے ہیں مجھ سے۔ دوستانہ شکوہ کیا کہ میں ان کے گھر نہیں گیا۔ واقعی شکایت درست تھی میرے ذہن میں رضوان صاحب کا نام آیا نہ تھا۔

اکیڈمی میں اور بھی چند ادبی شخصیتوں سے شرف نیاز حاصل ہوا لیکن بھلا ہو اس بڑھاپے اور کمزور حافظے کا کہ ان کے اسماء گرامی یاد نہیں ہیں۔ شکر ہے رحمٰن صاحب نے فواکہات اور گرم مشروب سے ہماری تواضع بھی کی۔ اسی دوران ایک ایسے صاحب تشریف لائے جنھیں میں پہلی نظر میں مجذوب سمجھا تھا تعارف ہوا تو معلوم ہوا کہ علامہ واقف ہیں۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ واقف صاحب مجھ سے بھی واقف ہوں گے۔ لیکن جب میرا تعارف کرایا گیا تو بڑی گرمجوشی سے موصوف نے کچھ ایسے جملے کہے کہ میں سمجھا کہ ان کے اخلاق کا تقاضہ تھا۔ لیکن اس کے بعد علامہ نے ۴۰-۵۰ سال قبل کے وہ واقعات بیان کرنا شروع کر دیئے جن سے امین سلونوی کے سوا میرے خیال سے کوئی اب واقف نہ تھا۔ اور ان واقعات کو بیان کرنے سے پہلے واقف صاحب نے فرمایا کہ پہلے میری باتیں سن لیجئے اس کے بعد نسیم کے متعلق کوئی رائے آپ لوگ قائم کیجئے گا۔ ان واقعات میں اثر موہانی مرحوم، سراج جھنجھانوی، سراج لکھنوی نیز فتحپوری اور مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی۔ مرحومین کے قضیئے بھی شامل تھے اور یہ سب کچھ واقف صاحب کو اس تفصیل سے یاد تھے کہ وہ مجھے بھی اب یاد نہ تھے۔ میں حیران رہ گیا کہ واقف صاحب کا حافظہ کتنا تیز ہے کہ ہر ہر بات انھیں پوری تفصیل کے ساتھ یاد ہے۔ میں نے علامہ سے پتہ دریافت کیا تو فرمایا ہر جگہ مل سکتا ہوں بجز دو جگہوں کے ایک شراب خانہ۔ دوسرے مسجد۔
افسوس کہ وقت کافی گذر چکا تھا اور مجھے خیال تھا۔ کہ رحمٰن صاحب کھانے پر میرے منتظر ہوں گے۔ یہاں کا یہ بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ میزبان کے اوقات کا خیال ضرور رکھے واقف صاحب سے اور زیادہ واقف ہونا چاہتا تھا مگر افسوس کہ اس کا موقع نہ مل سکا اور میں پاٹلی پتر کالونی آگیا۔ مسٹر بدرالزماں شہر ہی سے رخصت ہوکر دوسرے روز آنے کا وعدہ کرکے بہار شریف چلے گئے تھے۔

اسی شام رحمٰن صاحب نے ہادی سلمہ سے کہا کہ مجھے پٹنہ کی سیر کرا دیں۔ ہادی میاں نے تقریباً پچاس میل اپنی کار میں بٹھا کر پٹنہ کے ان تمام خطوں کی سیر کرائی جو قابل دید تھے ایک ایک عمارت کے گرد گھوم گھوم کر مجھے ان کی تفصیلات بتائیں اور آخر میں اس شاہراہ پر لے گئے جو پٹنہ کی مین روڈ ہے اور جس کے دونوں جانب شہر لمبائی میں [illegible] میل تک آباد ہے۔

"سہرا"

بہ تقریب شادی عزیزی محمد خورشید اقبال سلمہٗ خلف مولوی عطاء الرحمن صاحب ریٹائرڈ چیف انجینئر پٹنہ

تعالی اللہ صبحِ نو بہاری جلوہ فرما ہے — بدستِ چرخِ نیلی نور افشاں جام و مینا ہے
نگاران چمن نے کھینچ کر لی مست انگڑائی! — بہاروں کی چمن میں اللہ اللہ جلوہ آرائی
ہوا بدمست ہے مخمور ہے دامانِ نظارہ — بنا ہے غنچہ غنچہ نکہت و رنگت کا گہوارا
چھلک گل کے پیمانے سے سرشاری و رعنائی — بہاروں کی جوانی لے رہی ہے جیسے انگڑائی
گلوں کے زود رعنائی سے چہرے نکھرے جاتے ہیں — نگاران گلستاں کے فسانے بکھرے جاتے ہیں
گلابی سے بھرے شیشہ و ساغر چھلکے پڑتے ہیں — شگوفے کھلتے جاتے ہیں ستارے ٹپکے پڑتے ہیں

چمن کے گوشے گوشے میں صبا جا کر پکار آئی
بہار آئی، بہار آئی، بہار آئی

عطارحمٰن کے لطف و کرم کا جام ہوتا ہے — بہاریں کھلکھلاتی ہیں گلوں کا نام ہوتا ہے
تجلی تجلی کا ہے عالم دم بدم، پیہم — ثریا بوس ہے خورشید کے اقبال کا پرچم
صبا منزل بنی ہے جلوہ و طلعت کا کاشانہ — منور، ضو فشاں، ضو ریز ہے رخسار رخسانہ
جوانی اور محبت کی نئی تجدید ہوتی ہے — نئی صبح بہاراں کی نئی تمہید ہوتی ہے
نئے انداز سے آغاز ہے رنگیں کہانی کا — مرے پیارے تتمہ ہے کتاب نوجوانی کا

شباب و حسن کی دلکش حسیں تصویر آئی ہے
لڑی سہرے کی بن کر فرض کی زنجیر آئی ہے

دعا ہے جب تلک خورشید اور اسکی کرن چمکے — ستارے مسکرائیں اور ماہ سیم تن چمکے
درخشاں، زرفشاں ناہید چمکے کہکشاں چمکے — ثریا جگمگائے نور میں ڈوبا جہاں چمکے

عروس نو کے افشاں سے بھری زریں جبیں چمکے
تمھارے پھول سے مکھڑے کا مہتاب مبیں چمکے

۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء۔ پیش کردہ رنجور عظیم آبادی

قطرات خون

واردات قلب محزوں کو جو بہ صورت نظم پیش کر رہا ہوں یہ اس کی دلی کیفیت کے آئینہ دار ہیں جو قرۃ العین معصومہ قدسیہ مسرور کے داغ مفارقت دیے جانے پر رواں ہوئے ــــ (ابجق نادری)

میں تو یہ سمجھی تھی اب بچے مرے گھر آئیں گے
کہہ کے سب روداد مکتب کی مجھے بہلائیں گے

پھر چہک اُٹھے گا میری آرزوؤں کا چمن
آئیں گے آتے ہی ہوں گے ساتھ وہ بھائی بہن

آہ آئے بھی تو لائے ساتھ اپنے کاروان
ہوگیا تاریک نظروں میں مری سارا جہان

لاش تھی ہاتھوں میں اُن کے قدسیہ معصوم کی
حسرتا مرضی یہ کیا تھی قادر قیوم کی

کس نے توڑا ہائے میرے شاخ ارماں کی کلی
اتنی تھی نادان پہ کیسے وہ ماری چلی گئی

کون سے جرموں کی دی یارب مجھے تو نے سزا
میں تو ہوں عاصی مری بچی نے کیا کی تھی خطا

پوچھتی تھی مجھ سے دو دن پیشتر جنت کا حال
کیجئے امی کون کرتا ہے خدا کی دیکھ بھال

اب سنوں گی کس سے وہ معصوم باتیں کردگار
کیا یہی تیری مشیت تھی مرے پروردگار

صبر کی تلقین کرنے کو جمع احباب ہیں
میری طرح سب کی آنکھیں حسرتا پر آب ہیں

خاندان کا خاندان ہے میرے ماتم میں شریک
جو مری خوشیوں میں شامل تھے وہ اس غم میں شریک

التجا تجھ سے فریدہ کی ہے یہ بارِ الٰہ
گلشنِ فردوس کے پھولوں میں دے اس کو جگہ

قطعۂ تاریخ رحلت

پڑھ کے شاید آرہی تھی تو وہاں درس فنا
لیے ہوتا ورنہ یہ جبر اجل کا ماجرا

لکھ قلم با حسرت و غم تا رہے ہر دل کو یاد
نورِ چشمی راحت دل قدسیہ کا حادثہ

۱۹ سنہ ۶۸ء

بروز چہارشنبہ ۲۲ر صفر المظفر ۱۳۹۰ھ یکم فروری ۱۹۶۸ء ـ ۴۵-۴ وقت عصر

کی انجمن قائم کی جا سکتی ہے۔

اس پر بھی زور دیا گیا کہ شادی طلاق ولایت اور وراثت سے متعلق تمام معاملات پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو یکساں اسلامی قوانین تسلیم کرنے پر آمادہ کیا جائے اور اس کے لیے بڑے پیمانے پر پروپیگنڈا کر کے رائے عامہ ہموار کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی جائیں۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ بچے بچیے سے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو نہیں بھاتی لیکن سونے چاندی کی گرانی سے کپڑوں کو چمکانے اور جھلملانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکہ بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لیے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں ہلکے آنچل دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سونے کی بیلیں اور چمپا کلی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور چمکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو مات کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولے میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان

حضرت علیؑ

کی شخصیت کا ہر پہلو مشعل راہ ہے

کنیز فاطمہ زیدی

تاریخ اسلام میں بعض ایسی ہستیاں بھی گذری ہیں۔ جن پر دنیا آج تک فخر و ناز کرتا ہے مگر تاریخ عالم سے قطع نظر اگر اپنی تاریخ کے اوراق الٹیں تو ہمیں تاریخ اسلام میں بعض شخصیتیں ایسی بھی نظر آتی ہیں جو اپنی کسی نہ کسی صفت کے سبب ہم میں قابل احترام سمجھی جاتی ہیں انہیں عظیم شخصیتوں میں ایک ذات ہمارے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی بھی ہے یوں تو علی کی شخصیت کا ہر پہلو ہمارے لیے آج بھی مشعل راہ ہے اور خصوصاً علی نے تصوف، شریعت و طریقت اور اخلاق نبوی کے بارے میں جو کچھ اظہار خیال کیا اسلامی تاریخ میں ان کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ علی کی ذات بلاشبہ مجمع الصفات ہے علی کی ذات میں شجاعت کے ساتھ ساتھ فصاحت بھی ہے فقر کے ساتھ سخاوت ہے زہد بھی ہے تقویٰ بھی ہے صبر بھی ہے۔

لیکن ان تمام صفات میں سے ایک صفت ایسی بھی ہے جو ان تمام صفتوں کے درمیان اس طرح نمایاں نظر آتی ہے۔ جس طرح ستاروں کے درمیان چاند کہ ہر ستارہ اپنی چمک دمک اور اپنی حیثیت کے سبب نمایاں ہے مگر چاند ان سب پر حاوی ہے اسی طرح علی کی ذات میں ایک صفت ایسی بھی ہے جو دوسروں سے ممتاز ہے۔ وہ ہے کائنات کا علم، اور علم بھی ایسا کہ سرکار دو عالم نے فرمایا انا مدینۃ العلم و علی بابہا میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ، یا میں علم کا خزانہ ہوں تو علی اس کی کنجی، غرضیکہ بے شمار حدیثیں ہیں جو علی کے علم کی تصدیق کرتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علی کا علم اس قدر وسیع تھا کہ نہ صرف وہ دنیا کے حد تک محدود تھا بلکہ وہ کائنات کے ذرے ذرے کی معرفت رکھتے تھے جیسا کہ خود فرمایا کہ "میں دنیا کے راستوں کے علاوہ آسمانوں کے راستوں کو بھی جانتا ہوں" اور نہ صرف یہ کہ کائنات کے ذرے ذرے کی معرفت آپ کو حاصل ہے بلکہ علی کا علم تو اس قدر وسیع تھا کہ خواہ توحید ہو یا نبوت، موت و حیات کا فلسفہ ہو یا مادی ترقی کا حال۔ عفت کی اہمیت، سیاست کی پیچیدگیاں، تقویٰ کی منزلیں ہوں یا عصر کی غلطیں۔ ان سب پر علی کا علم اس طرح گرفت رکھتا ہے کہ عقل انسانی حیران نظر آتی ہے۔

اور پھر جب بھی عقل انسانی حیران ہوتی ہے تو خواص آکر علی کے علم سے متعلق سوالات کرتے ہیں کہ اے علی ہم دس آدمی ہیں جو دعوا علم رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ کی فضیلت علم میں رسولؐ کی یہ حدیث سنی ہے کہ میں شہر علم ہوں اور علی اس کا در" ہم لوگ اس قول کی اس وقت تصدیق کریں گے جبکہ ہم سب ایک ہی سوال مکرر کریں اور آپ ہر سوال کا جواب علیحدہ بیان کریں۔ اور ہمارا سوال یہ ہے کہ "علم بہتر ہے یا مال۔؟"

آپ نے ان کے جوابات اس طرح دیئے کہ علم بہتر ہے کہ علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعون، ہامان اور قارون کے متروکات سے ہے۔ دوسرے کو کہا "علم بہتر ہے اس لیے کہ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تو حفاظت کرتا ہے۔ تیسرے کے جواب میں کہا کہ صاحب علم کے دوست زیادہ ہیں اور صاحب مال کے دشمن۔ چوتھے کو کہا کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم جس قدر صرف ہو زیادہ ہوتا ہے۔ پانچویں کو کہا کہ

صاحب علم کو سخی کہا جاتا ہے جبکہ صاحب مال کو بخیل کہتے ہیں۔ چھٹے
کو کہا کہ مال کو چوروں کا خطرہ ہے اور علم اس خوف سے محفوظ ہے
ساتویں کے جواب میں کہا کہ صاحب مال سے روز قیامت مواخذہ ہے
مگر صاحب علم سے نہیں کیونکہ دولت علم بے حساب ہے نہ پوچھ گچھ۔
آٹھویں کے جواب میں کہا، مال عرصہ تک رکھنے سے خراب ہوتا ہے
اور علم استاد اور دانش سے روشن ہوتا ہے۔ نویں کو اس طرح مطمئن
کیا، علم سے قلب میں روشنی حاصل ہوتی ہے اور مال سے سیاہی
چھا جاتی ہے۔ دسویں کو کہا کہ کثرت مال سے فرعون و نمرود نے
خدائی کا دعویٰ کیا مگر صاحب علم ہمیشہ احاطہ عبودیت میں رہتا
ہے۔ پھر آپ نے کہا خدا کی قسم اگر تم میری زندگی تک سوال کرتے
رہوگے تو میں بطرز جدید علم کی فضیلت بیان کرتا رہوں گا۔ کہ
رسول اللہ نے خود کہا کہ علم کے دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے
علی کو دیے گئے اور ایک حصہ باقی عالم کو اور اس میں بھی علی برابر
کے شریک ہیں۔

علی کے علم کے بارے میں ابن عباس رضی کہتے ہیں کہ علی نے جو علم
سیکھے وہ رسول کی تعلیم سے تھے اور رسول کا علم خدا کی تعلیم سے تھا
اور میرا علم علی کی تعلیم سے ہے اور میرا علم علی کے علم کے آگے اس طرح
ہے جس طرح سات سمندر میں ہے ایک قطرہ۔

اور ابن عباس سے یہ روایت بھی ہے کہ تمام شب حضرت
علی صرف بائے بسم اللہ کی تفسیر بیان کرتے رہے یہاں تک کہ صبح
ہوگئی آپ نے کہا اے ابن عباس اگر رات اور طویل ہوتی تو میں
اور بیان کرتا کہ جتنے اسرار کتب سماوی میں ہیں وہ سب قرآن
میں ہیں اور جو قرآن میں ہے وہ سورۂ حمد میں ہیں اور سورہ حمد
میں جو کچھ ہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور اس کا اصل
بھی صرف اس نقطہ میں ہے جو "ب" کے نیچے واقع ہے۔ ابن عباس سے
[illegible] نقطہ کہہ سکتے ہو۔

علی کی یہ تعلیمی صورت تھی [illegible] آپ [illegible] دیتے تھے
آپ کے [illegible] آپ کے وہ خطبات جو آپ
[illegible] آپ کے وہ خطبے
[illegible] کی حقیقت

رکھتے ہیں جس کی مثال تاریخ میں آج تک نہ مل سکی۔

لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو شخص علم کا مجسم پیکر اور
جو شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو جس کا ہر فعل اتباع رسول
سے متعلق ہو اس عظیم ہستی کی دنیا نے قدر نہ کی اور ایک سازش کے
تحت شقی ابن ملجم نے ماہ رمضان میں آپ کو شہید کر دیا۔ اس طرح
جو ذات خدا کے گھر میں پیدا ہوئی اس نے خدا کے گھر میں سجدے
میں جام شہادت نوش کرکے یہ ثابت کر دیا کہ بارالہا راہ حق میں
ایک میرا سر تو کیا اس گھر کے باقی افراد بھی اسی طرح قربانیاں دیں
گے کہ میری اولاد کی قربانی و شہادت رہتی دنیا تک تیرے محبوب کے
پھیلائے ہوئے دین کی استقامت اور اسلام کے تحفظ کا ذریعہ
بن جائے گی۔

وقار واثقی

مرزا صاحب: اجی سنتی ہو!... کہاں گئیں؟

بیگم: کیا ہے!۔

مرزا: میں نے کہا وہ تمہارے ہونے والے سمدھی کا خط آیا ہے۔

بیگم: کیا لکھا ہے؟

مرزا: کل انھوں نے اپنے صاحبزادے میاں "علی احمد" کو بر دکھائی کے لیے بھیج دیا ہے۔ آج دوپہر کی ٹرین سے وہ یہاں پہنچ جائیں گے

بیگم: اچھا! بڑی خوشی کی بات ہے (خوش ہو کر) تو پھر آپ بیٹھے کیا کر رہے ہیں جائیے نہ اسٹیشن۔

مرزا: ابھی گاڑی کے آنے میں ایک گھنٹہ باقی ہے۔ چلا جاؤں گا، ایسی جلدی کیا ہے؟۔

بیگم: اے اللہ جلدی کیا ہے! اگر گاڑی جلدی آگئی تو نیا شہر ہے' صاحبزادے کسی کو جانتے بھی تو نہیں۔ آپ نے تو انھیں دیکھا ہوگا۔

مرزا: دس سال ہوئے جب دیکھا تھا اب تو پہچاننا بھی مشکل ہے۔

بیگم: خیر جو کچھ ہو آپ جائیے.... جائیے نا اگر ایک گھنٹہ پہلے بھی چلے گئے تو ایسا کیا غضب ہو جائے گا۔

مرزا: اچھا بھئی اچھا۔ میں جاتا ہوں۔

وقفہ

اسٹیشن کی بھیڑ بھاڑ۔ پان، بیڑی، لیمپ۔ سیٹھ جی، قلی! بابو جی، حمال کی ملی جلی آوازیں۔

مرزا: (اپنے آپ سے) یہ سیکنڈ کلاس سے کون صاحبزادے اتر رہے ہیں؟... غالباً یہی ہیں۔ میاں علی احمد یہی ہیں، اٹیچی کیس پر نام بھی تو لکھا ہے.... کیا ہے؟ "اے احمد" بالکل ٹھیک۔ یہی ہیں (قریب جا کر) احمد میاں آپ نے مجھے پہچانا؟

احمد: (حیرت سے) جی میں نے تو آپ کو نہیں پہچانا۔

مرزا: خیر، خیر چلیے آپ گھر چلیے پہچان جائیے گا۔

احمد: مگر قبلہ سنیے تو۔

مرزا: گھر پر بیٹھ کر سب کچھ سن لوں گا، راستے میں شرفا باتیں نہیں کیا کرتے۔

احمد: مگر حضرت سنیے تو۔

مرزا: (بگڑ کر) یہاں کیا سنانا چاہتے ہیں آپ؟ انسان کو اس قدر بھی آزاد خیال نہیں ہونا چاہیے۔ چلیے گھر!

احمد: (دھیمے سے) چلیے صاحب، ہر چہ آید بر سر اولاد آدم جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

(وقفہ)

مرزا: اجی سنتی ہو؟... میں نے کہا یہ آگئے احمد میاں،

بیگم: (آتے ہوئے) ماشاء اللہ! چشم بد دور، کتنا اچھا جوڑا رہے گا۔ میری بچی کا... بیٹا راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی

احمد: راہ میں تو کوئی تکلیف نہیں ہوئی مگر یہاں آ کر۔

بیگم: یہاں آ کر کیا؟ کیا یہاں کوئی تکلیف ہوئی؟

مرزا: اجی چھوڑو نا فضول باتیں۔ دیکھو بھئی احمد میاں ہم لوگ پرانی لکیر کے فقیر نہیں ہیں۔ پردہ کے قائل نہیں، ہماری بچی بی، اے کر چکی ہے، آپ کو اپنے والد صاحب سے معلوم تو ہو ہی گیا ہوگا۔

احمد: جی! جی مگر۔

مرزا: آپ پریشان کیوں ہیں، بیگم جاؤ چائے وغیرہ (آواز دیتا ہے) نجمی بیٹا، یہاں آؤ نا۔

نجمہ: آئی ڈیڈی، آداب عرض کرتی ہوں۔

احمد: تسلیم... مگر قبلہ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مرزا: جو کہنا چاہتے ہو کہتے رہنا بیٹے عزت سے یہاں رہو... اچھا

بوڑھے والدین

نگہداشت

پارکر کے دادا کو گزشتہ کئی ماہ سے "راحت کدہ" میں داخل کر دیا گیا تھا۔ مغربی ممالک میں یہ رواج عام ہو گیا ہے کہ جب ماں باپ یا دادا دادی بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ان کو ایک ایسے دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) داخل کر دیا جاتا ہے جہاں بورڈنگ ہاؤس کا عملہ ان کے سارے کام کرتا ہے اور اہل خاندان کو ان کی خدمت اور ان کے بڑھاپے کے حواس کی پراگندگی سے نجات مل جاتی ہے۔ بوڑھے واقعی اپنے چھوٹوں کے لیے اسی طرح تکلیف دہ ... اور ان کی خدمت کے محتاج ہو جاتے ہیں جس طرح شیرخوار ننھے بچے اپنے ماں باپ کی خدمت کے محتاج ہوتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ نے ماں باپ کے دل میں اولاد کے لیے محبت کا جتنا قوی جذبہ رکھا ہے اولاد کے دل میں ماں باپ کی محبت کا اتنا قوی جذبہ نہیں رکھا ہے اور ماں باپ کی خدمت کو زیادہ تر انسان کے جذبہ احسان مندی اور حق شناسی کے سپرد کر دیا ہے اور اس میں اس کے لیے بڑی آزمائش ہے۔ اسلام میں اس احسان شناسی کی بڑی تاکید ہے اور اولاد کے لیے والدین کی خدمت سے زیادہ اجر کا باعث اور کوئی دوسرا عمل نہیں ہو سکتا۔ والدین کو ان کے اپنے خاندان سے جدا کر دینے سے زیادہ ناسپاسی و حق ناشناسی اور شقاوت کا کوئی دوسرا عمل نہیں ہو سکتا۔ حق تعالیٰ اور رسولؐ کے بعد انسان پر والدین سے زیادہ اور کسی کا حق نہیں ہے۔ والدین کی خوشنودی درحقیقت اللہ کی خوشنودی ہے۔ آپؐ نے وہ مشہور حدیث ضرور سنی ہو گی کہ ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ آنحضرتؐ نے اس شخص پر لعنت کی ہے جس کو والدین کی خدمت کا موقع نصیب ہوا اور اس نے جنت حاصل نہیں کی۔

یہ بات تو درمیان میں آ پڑی جس کی طرف مغربی زندگی کے موجودہ شدید رجحانات کے عہد میں متوجہ کرنا ضروری معلوم ہوا۔

مشرق و مغرب کا فرق

حالانکہ مشرقی معاشرے میں یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی یاددہانی کی ضرورت ہوتی۔ قرآن حکیم میں والدین کے سامنے اُف کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے اور اولاد اسلام میں بمنزلہ والدین کی ملک کے ہے، مگر آج مغربی تہذیب کی نام نہاد آزادی مادر پدر کی آزادی کا نام ہے۔

اس مختصر شذرے میں بڑھاپے کی خود فراموشی کے ایک منظر کی طرف اشارہ کرنا اور یہ دکھانا مقصود ہے کہ وہ کس طرح اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کا ماضی اس کے لیے نابود ہو جاتا ہے۔ مستقبل سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔ بس نیم شعور کی حالت میں صرف حال، سے اس کی زندگی عبارت ہوتی ہے اور کبھی کبھی اس خواب آسا شعور کا احساس بھی باطل ہو جاتا ہے یہ ہے انسان کے سر پر غرور کا آخری انجام!

ان کو "راحت کدہ" میں داخل کر دینے کے بعد جب دادا کی سالگرہ کا دن آیا تو اس کا اہل خاندان یہ دن منانے کے لیے اس کو ایک روز کے لیے گھر لے آئے، بڈھا اس تقریب میں خود اپنی ذات کی تقریب کا ایک دلچسپ کھلونا (یہ خاندان عیسائی مشنری کا ہے ورنہ خدا کی پناہ! آج کل والدین اپنی اولاد کے لیے ہیرو گیند کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتے۔) پوتے نے دادا سے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے آج کیا ہے جس پر ہم دونوں کام کر رہے ہیں، بوڑھا مسکرایا اور پوتے کی طرف خالی خالی آنکھوں سے دیکھا جس طرح نومولود بچہ اپنے آپ سے مخاطب ہونے والے کی طرف دیکھتا ہے اس نے جواب دیا "نہیں میاں جی، اب مجھے یاد نہیں ہے" اپنا سوال بھی پوتے نے دادا کو مشکل سے سنایا کیونکہ دادا کی سماعت بھی اب بہت کمزور ہو چکی ہے۔

"اچھا تو دادا جان تھا کس طرح مشین کے پاس چل کر

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریم بہنوں کی صرف ایسی خبر شائع کی جاتی ہے۔ جو ولادت اطفال، شادی اور انتقال سے تعلق رکھتی ہو خبر صاف اور مختصر سے مختصر لکھی جائے ساتھ ہی پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور نمبر خریداری کے ساتھ بھیجی جائے۔

ولادت اطفال کی خبریں

- محمد شمیم پرویز (لکھنؤ) میرے بڑے بھائی سید سلیم (نازیر فرس لکھنؤ) کے گلشن حیات میں ۱۰ فروری ۱۹۸۸ء کو ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ نام محمد شارق سلیم قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔
- آفتاب حاجی صغیر (رحیم چمن) میری چھوٹی دیورانی.... یاسمین زہرہ اور دیور نعیم الدین احمد صاحب کے چمن حیات کو پر بہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے دوسری بار بروز جمعرات بتاریخ ۲۸ جنوری ۱۹۸۸ء بوقت ۵ بجے صبح ایک چاند سا بیٹا عطا کیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ نومولود نیک، صالح اور فخر خاندان بنے۔
- تابندہ صباح (جاجمؤ) میری ماموں زاد بہن اسما ارشاد اور بہنوئی ظفر اللہ کے گلشن حیات میں ۷ فروری بروز دوشنبہ بوقت ۱۲ ½ بجے دن دوسری بار اللہ تعالیٰ نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا اللہ سے دعا ہے کہ اپنے بزرگوں کے سایہ میں پروان چڑھے اور فخر خاندان بنے۔
- فردوس نواب "میری بہن کوثر جمیل اور بہنوئی جمیل احمد کے چمن حیات میں ۷ جنوری ۱۹۸۸ء بروز سنیچر بوقت ۸ بجے صبح ایک ننھی سی کلی اللہ نے کھلائی نام ثنا جمیل اور پیار کا نام ہما یوسف رکھا گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ بزرگوں اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے

پیغامات نشاط

- منور علی شاہ ساہر صاحب (میرٹھ کینٹ) کی شادی عقد ثانیہ رضوی صاحب کے ساتھ ۲۶ مارچ ۱۹۸۸ء بمقام ٹی کیمپ وخیابی انجام پائی اللہ مبارک کرے۔ (نسیم الطاف‌الزماں)
- مس فرزانہ نبیل (سیٹ سیتاپور) میری بڑی بہن ممتاز بیت دختر شاہ محمد کامل صاحب، کی شادی میرے چھوٹے بھائی نوابصاحب کی سید شکیل عالم فرزند کرنل مسعود عالم صاحب کے ساتھ ۱۹ مارچ ۱۹۸۸ء کو بیساکھ ہوٹل کرنل ظفر مہدی عسکری نے بمقام کرائولد بڑی شان و شوکت کے ساتھ سرانجام دی۔ اللہ پاک اس حسین جوڑی کو خوش و خرم رکھے۔ آمین
- مس تبسم بہار (چھپا باغ دربھنگہ) "میرے ماموں زاد بھائی محفوظ الرحمن (پسر جناب حبیب الرحمن) کی شادی رضی احمد صاحب کی دختر نیک اختر کے ساتھ ۱۸ مارچ ۱۹۸۸ء بروز اتوار بخیر و خوبی انجام پائی خدا سے دعا ہے کہ میرے بھیا اور بھابی کے دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رہیں۔
- آمنہ خاتون زیدی (دہلی) میری بھتیجی رضیہ نقوی کے یہاں ایک پھول ۱۶ جنوری ۱۹۸۸ء کو مرادآباد میں کھلا۔ نام امیر عباس رکھا گیا۔ پروردگار عالم والدین اور اعزہ کو مبارک کرے۔

انتقال پُرملال کی خبریں

- گذشتہ ماہ کے حریم میں انتقال پرملال کی خبروں میں بہن ممتاز فریدی کا نام (بد خطی کے باعث) مس کے بجائے مسز چھپ گیا تھا۔ درست کر لیا جائے بہن موصوفہ کے والد مرحوم کا نام محمد شریف ہے۔ یہ نام خبر کے ساتھ لکھنا بہن فریدی بھول گئی تھیں۔
- صفیہ مشتری (بنگلور) میری سہیلی محمودہ خانم کے والد جناب ابراہیم خان صاحب۔ (منگلور) ۱۲ جنوری ۱۹۸۸ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم منگلور کے بڑے تاجر تھے۔ اپنی دریا دلی اور سخاوت کے باعث ہر دلعزیز تھے۔ اللہ پاک انہیں بخشے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
- آمنہ خاتون صاحبہ زیدی کی مرسلہ خبر انتقال پرملال کے تحت گذشتہ حریم میں چھپی تھی۔ غلط فہمی کے تحت تاریخ انتقال یکم فروری ۱۹۸۸ء کے بجائے ۱۶ جنوری ۱۹۸۸ء چھپ گئی درست کر لیجئے۔
- صوفیہ مظفر (ملکوکا لونی جمشید پور) انکوں کے ساتھ ڈالکھ رہی

ہوں کہ میری خوش دامن صاحبہ ۲۰ نومبر ۸۶ء بوقت ۵ بجے شام صرف دو روز کی مختصر علالت کے بعد اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں مرحومہ بیحد نیک اور ملنسار تھیں۔ حریم انھیں بیحد عزیز تھا اسکی ایک عرصہ سے خریدار تھیں۔ حریمی بہنیں مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ پاک انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• نفیس جہاں (جگلوری) میرے نانا محترم محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ایک مختصر علالت کے بعد ۲۴ دسمبر ۸۶ء کی شام کو ۸ بجے ہوگیا۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت میں جگہ دے۔ حریمی بہنیں دعائے مغفرت فرمائیں۔

• فرزانہ انوری (بانده، بستی پور) بڑے غم و افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے سگے رشتہ کے نانا مولوی صدیق صاحب وکیل ۲۴ جنوری ۸۶ء بروز چہار شنبہ بمقام دربھنگہ۔ اس سرائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم نیک دل نیک خو اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ اللہ پاک انھیں غریق رحمت کرے اور ہم سب کو صبر عطا کرے۔

• خورشید آرا بیگم (اندور) میرے خسر محترم جناب غلام رسول عرف ابا لال صاحب ۶ ماہ کی علالت کے بعد ۵ فروری ۸۶ء بروز اتوار ۱۰ بجکر ۳۰ منٹ پر شب میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم پس ماندگان کو خصوصیت سے مرحوم کی۔۔ اسلامی ضعیف والدہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• شاہدہ پروین (چکوریا) افسوس صد افسوس کہ میرے خسر محترم جناب صدیق حسین صاحب ۱۳ جنوری ۸۶ء بروز منگل بوقت ۹½ بجے دن بمقام چکوریا حرکت قلب بند ہوجانے سے اچانک رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے شفیق، ملنسار اور متقی پرہیزگار تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(بقیہ لطیفے سلسلہ صفحہ ۱۲۸)

بیوی خوش ہوتی ہے اور شوہر چونک جاتا ہے تو میں خوش ہوتا ہوں

• نابینے کی بیوی نے کہا "پیارے اگر تمھارے آنکھیں ہوتیں تو تم دیکھتے کہ میں کتنی حسین ہوں۔

نابینا شوہر نے کہا "پیاری اگر تم واقعی حسین ہوتیں تو میرے پاس کون ٹھہرنے دیتا

• ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا "یار اس ڈاکٹر نے تو معجزہ کر دکھایا بالکل چشم زدن میں اس نے میری بیوی کی تمام تکالیف کا علاج کر دیا۔ اب وہ بالکل صحت مند ہے۔

وہ کیسے

ڈاکٹر نے میری بیوی سے کہا تمھارے تمام امراض کی علامتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم بوڑھی ہو چکی ہو۔

لکھنؤ جدید

از مرزا رضا حسین

باقی نہ اب ادب ہے نہ شیرینی زباں
پہلے جو لکھنؤ تھا وہ اب لکھنؤ کہاں

غربت میں سارا کا زور و عظمت بدل گئی
بس اب یہ دیکھ لیجئے رسماً تو چل گئی

اب یہاں ہیں سیکڑوں بے کھٹکے نواب
مانند ہے سماں کہ جیسے ضعیفی میں ہو خضاب

اللہ رکھا! وہ دولت و عظمت کا آشیاں
آتی نظر ہیں خواب میں دادا کی کہانیاں

مشہور جس جگہ کا تھا آپس کا اتحاد
وہ شہر صاف! بن گیا اب مرکز عناد

گہوارہ پہلے اردو ادب کا تھا جو مقام
زندہ ہے یہ زباں وہاں اب برائے نام

ہر عیب کو سمجھتے ہیں کچھ لوگ یاں ہنر
اب دینداروں میں بھی سیاست ہے جلوہ گر

زہاد کے دلوں میں بھی خوف خدا نہیں
جو لا برلتے رہتے ہیں کچھ ما لمالہ دیں

بستا ہے بے گناہوں کا اس شہر میں لہو
گہوارۂ فساد بنا اب ہے لکھنؤ

تھی رات شب برات جہاں اور دن تھا عید
اب قاتلوں کا شہر ہے وہ لکھنؤ جدید

کہتے تھے لوگ پہلے جسے گلشن جہاں
اس سرزمیں پہ ہوتا ہے عظمت کا اپماں

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریم کی بہنوں کا مرسلہ ایک شعر شائع کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو۔ پاکیزہ، سنجیدہ اور موزوں ہو۔ ساتھ ہی نمبر خریداری کے ساتھ بھیجا گیا ہو۔ مئی کے لئے عنوان ہے "ہستی" اور جون کے لئے "رنگ"۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مرسلہ۔ مس فاطمہ زہرہ (بہار شریف)
مس کشور شاہدہ صدیقی۔ بی۔ اے (علی گڑھ)
فردوس نسبت (آگرہ)
زینب (مدراس)

اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے
سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتی ہے

مرسلہ۔ گل طلعت ترنم (آسنسول)
مس ریحانہ شیریں (آگرہ)
ماجرہ نسرین لاری (کانپور)

ہم نے کیا تھا جن کا یقیں سادگی کے ساتھ
دو گام چل کے راہ وفا میں بدل گئے

مرسلہ۔ مس فرحانہ صدف (آگرہ)

سیم و زر کی حرص سے تھی پاک تیری زندگی
سادگی پر تیری جھک جاتا تھا فرق قیصری

مرسلہ۔ رئیس قادری (مدراس)

تمنا پاک، دل معصوم، فطرت کس قدر سادہ
محبت سادگی ہی سادگی معلوم ہوتی ہے

مرسلہ۔ مس تبسم (دربھنگہ، بہار)

فریب عہد محبت کی سادگی کی قسم
وہ جھوٹ بول کہ سچ کو بھی پیار آ جائے۔

مرسلہ صوفیہ ظفر (اٹاوہ)

مجھے زندگی کی دعا دینے والے
ہنسی آ رہی ہے تری سادگی پر

مرسلہ۔ سیدہ اعتماد النساء شاہ (رامپور)

وفا تجھ سے اے بے وفا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

مرسلہ۔ شبنم فاطمہ (کانپور)

پھول مری سادگی پر ہنس دئے
جب کبھی کانٹے نے دامن تھام لیں

مرسلہ۔ تابندہ مصباح (جاجمؤ)

چند قابل قدر کتابیں

گھر آنگن

جاں نثار اختر کی رباعیات
قطعات کا گلدستہ نمونہ
ہر رباعی اردو کے ساتھ ہی
ہندی میں بھی شائع کی گئی ہے
قیمت سوا روپیہ

رانی کیتکی کی کہانی

مرتبہ
ڈاکٹر عبد الستار دلوی
ہندی ترجمہ کے ساتھ اعلیٰ طباعت
کا بھی خیال رکھا گیا ہے
قیمت ۱/۲۵

اردو میں ہندو مت کی شاعری

از
ڈاکٹر جعفر حسن نسیم
قیمت ۱/۲۵

لکھنؤ کی لسانی خدمات

از
ڈاکٹر حامد اللہ ندوی ۱۲/-

ٹیلیفون نمبر رہائش:- ۲۵۲۳۲

ٹیلیفون نمبر آفس:- [illegible]

حریم

لکھنؤ

ماہنامہ

اڈیٹر و نگران:-
نسیم انہونوی
معاونین
شگفتہ جہاں بیگم عبداللہ
حاذقہ بیگم ردولوی

گزشتہ ۴۷ سال سے پابندی وقت کے شائع ہو رہا ہے۔ اور اردو میں
ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۶ | فہرست مضامین ماہ مئی ۱۹۷۸ء | نمبر ۵

قیمت سالانہ

اعزازی .... منی آرڈر سے .... بیس روپیہ
مخصوص خریداری .... اٹھارہ
معمولی خریداری .... پندرہ
وی پی سے پرچہ منگانے پر [illegible] بیرونی ممالک سے
[illegible] مختلف ممالک کے
مختلف شرحیں
ترسیل زر کا پتہ:- نسیم بک ڈپو - ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ

- حریم میں شائع ہونے والے تمام ناول اور افسانے فرضی ہوتے ہیں کسی کے نام یا مقام اور حالات سے اتفاقیہ مطابقت ہو جائے تو حریم ذمہ دار نہ ہوگا۔
- حریم ہر انگریزی ماہ کی ۲۰ تاریخ کو ڈاک کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ جن [illegible] میں ۲۰ تاریخ سے پہلے کی گئی شکایتوں پر غور نہ کیا جائے گا۔
- پتہ کی تبدیلی کی اطلاع ۲۰ تاریخ سے پہلے دفتر میں موصول ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ پرچہ پرانے پتہ پر بھیجا جائے گا۔
- خط و کتابت کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیں اور نمبر خریداری ضرور لکھیں

نسیم انہونوی - مالک و ناشر - پرنٹر - سرفراز قومی پریس - لکھنؤ

چہار طرفی
خوبصورتی اور
تازگی کیلئے
روزانہ
صبح
جگمگ
PAK-O-SAF
REGD.
ANTISEPTIC
DEODORANT
SOAP
S.A.B. BAKHSHI & CO.
CALCUTTA
AGMAG
جگمگ
BAKHSHI & CO.
CALCUTTA
منجن سے دانت صاف کرکے پاک صاف صابن سے
غسل کیجئے بالوں میں سندری سہاگ تیل ڈال کر انھیں سنواریئے
آنکھوں میں سُرمہ نور نظر لگا کر بینائی میں اضافہ کیجئے۔ گھریلو
کاموں سے بحسن وخوبی نمٹنے کے لئے نسوانی کی خوراک پی کر خود کو
چاق وچوبند بنایئے۔ اور اوٹو سندری بہار
کی مستی بھری خوشبو کے ساتھ یکسوئی سے کام میں
لگ جایئے۔
ہمہ وقتی آسائش کے لئے بخشی کے بیش بہا تحفے
SUNDRI SOHAG
HAIR OIL
NISWANI
A GREAT
OTTO
SUNDRI
BAHAR
S.A.B.
BAKHSHI & CO.
CALCUTTA
BAKHSHI
بخشی کمپنی
ایس۔ اے۔ بی
۳۲، مولانا شوکت علی اسٹریٹ (کولوٹولہ)
کلکتہ ۔۷۰۰۰۷۳
مفصل معلومات کے لئے بخشی جنتری ۱۹۷۸ء ملاحظہ فرمایئے

ان کو مستقل باہر دربدر پھرانے کا اس لئے کوئی بھی موجب راحت ہوا کرتے ہیں مگر آپ اپنے گھر پر ہر وقت نظر رکھیں اسے چھوڑ کر کبھی بہت نہیں پاسکتی۔ اور گھر آپ نے گھر بار اس پر چھوڑ دیا تو شاید ہی آپ کے سامان کا پتہ نہ ہو۔ اسلام نے عورت کو قیدی بنا کر رکھنے کا سبق نہیں دیا۔ ورنہ وہ دور دراز کے سفر طے کر کے اسے حج کرنے کے فرض سے بھی مستثنیٰ کیا گیا ہوتا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ عورت کا حج کے لئے جانا اسی وقت درست ہے جب کوئی محرم مرد اس کے ساتھ ہو یعنی شوہر یا اور کوئی ایسا مرد جس کے سامنے وہ شرعی طور پر آسکتی ہو، جیسے سگا بھائی، چچا، بیٹا وغیرہ یعنی ویسے افراد جن سے شرعاً نکاح ناجائز ہو۔ اگر دس بیس عورتوں کا قافلہ بھی حج کرنے جائے تو ان قیود سے شرع انہیں ڈھیل نہیں دیتی۔ کیا اس کا واضح نتیجہ یہی نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ مرد کو عورت کی حفاظت کے لئے ساتھ جانا ہے۔ عورتیں کتنی ہی آزاد کیوں نہ ہوں خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتیں۔ اسی لئے اور صرف اسی لئے یہ شرعی حکم ہے۔

اختلاط مرد و زن سے بچنے کے لئے عورت کا گھر کی کوٹھری میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے مستحسن ہے، جبکہ مرد کے لئے مسجد میں نماز پڑھنا زیادہ ثواب حاصل کرنا ہے کسی غور و فکر کے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ مسجد تو جائے عبادت ہے وہاں کسی فتنہ کے سر اٹھانے کا بظاہر امکان نہیں۔ لیکن اسلام جانتا تھا کہ مسجد میں بھی یہ فتنہ کھڑا ہو سکتا ہے، اس لئے کہ وہاں پانچ وقت حاضری ہوتی ہے اور کبھی وقت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد ہی وہاں پہنچے ہوں۔ اس وقت خوفِ خدا، ہو سکتا ہے کہ نفس کی طاقت سے شکست کھا جائے، اس لئے کہ عورت ایک جادو ہے مرد کے لئے جو اس کے ہوش و حواس سلب کر دیتی ہے اور یہ طاقت اسے خدا نے ہی عطا کی ہے۔ جس کا ثبوت تاریخ عالم سے ملتا ہے۔ اور عورت کی یہ دلکشی زمانۂ آفرینش سے اب تک بدستور ہے اور یہی وہ کشش ہے جو عورت کی تباہی کا باعث بنتی رہی ہے اور اسی لئے اسلام نے یہ راہ نکالی کہ محرم اور نامحرم کا امتیاز قائم کر کے خواہ مخواہ سڑکوں پر پھرنے اور حسن کی نمائش کرنے سے روکا۔ اور یہ روک اس لئے نہیں ہے کہ اسلام عورت کو قیدی بنا کر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔ نہیں، جو لوگ ایسا کہتے ہیں وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ یہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ صنفِ نازک کو مردوں کے جبر و استبداد سے محفوظ رکھا جا سکے۔

ہماری بہت سی بہنیں یہ تاویل پیش کرتی ہیں کہ مرد سے سابقہ تو بہرحال عورت کو پڑتا ہی ہے۔ شوہر بھی بیویوں کے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں۔ اور کوئی خود اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ایسا برابر ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہو رہا ہے اور شاید ہمیشہ ہی ہوتا رہے گا، لیکن مستثنیات بہرحال، اگر عورت چاہے تو اپنے شوہر کو اپنا پرستار بنا سکتی ہے۔ اس کے بہت سے گر ہیں اور جو بہنیں ان سے واقف ہو جاتی ہیں۔ انہیں اپنے شوہروں سے شکوہ نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ گھریلو زندگی میں صرف ایک ہی مرد سے سابقہ پڑتا ہے۔ اور اسی کے ناز نخرے اٹھانا پڑتے ہیں۔ اسی کی محکومی کا جوا گلے میں ڈالنا پڑتا ہے، لیکن جو اس راہ سے بھٹک جاتی ہیں۔ انہیں اس سے زیادہ ظلم و ستم مردوں کے سہنا پڑتے ہیں۔

بہرحال میں نے یہ چند سطور صرف اس لئے لکھی ہیں کہ پردہ ترک کرنے والی بہنوں کو بھی اس دورِ انتشار میں زیادہ دور تک سوچنا چاہئے۔ ہمارے یہاں اخلاقی قدریں پست تر ہو گئی ہیں، اسی لئے شریف خواتین کا بلا ضرورت اور بغیر کسی مرد ساتھی کے نکلنا مناسب نہیں۔ پردہ نہیں کرتیں تو نہ کریں۔ لیکن حیا و شرم کا جامہ نہ اتاریں کہ یہ عورت کا سب سے قیمتی جوہر ہوتا ہے اس کے تار تار ہو جانے کے بعد ہی ناگفتہ بہ حالات پیدا ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔

مسلمان کدھر جا رہے ہیں

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان بد رسموں میں اس بری طرح پھنس گئے ہیں کہ ہر تقریب زحمت طلب ہو گئی ہے اور کم تر ہی لوگوں کو اس کا علم ہے کہ یہ تمام کی تمام رسومات برادرانِ وطن سے لی گئی ہیں۔ ورنہ اسلام تو نہایت سادہ مذہب ہے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کسی موقع پر بھی ایسی باتیں ضروری نہیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایک دور تھا کہ مسلمانوں نے اپنی سادگی سے دنیا پر ظاہر کر دیا تھا کہ دنیا میں ایسا کوئی مذہب نہیں جو ایسی پاک صاف اور سادہ زندگی گزارنے کا سبق دے سکے لیکن افسوس کہ ہم نے اپنے کو بیچنے کا [illegible] شروع کر دیا ہے کہ ہمارے رسم و رواج خرافات معلوم ہونے لگے ہیں کہ صحبت کا اثر ضرور رنگ لاتا ہے لیکن ہوتا یہ آیا ہے کہ اکثریت

ریویو کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں۔

نغمائے محبت

سائز ۲۰×۳۰ ۸/۱ صفحات ۹۶، کتابت و طباعت عمدہ ٹائٹل دیدہ زیب۔ قیمت پانچ روپیہ۔ ناشر ادارہ مرکز ۱۱۶۶ حویلی حسام الدین حیدر بلی ماران۔ دہلی۔

یہ کتاب ریاضت علی شائق ایم اے کے ایسے کلام کا مجموعہ ہے جو اہلبیت اطہار و شہدائے کربلا کی یاد گار میں پیش کیا گیا ہے۔

نعت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں خیبر کربلا، حب علی۔ انقلاب۔ ترویج مولود حرم۔ چراغ کعبہ اور جشن مسرت کے عنوان پر ایسا کلام ہے جو صرف شیر خدا حضرت علی علیہ السلام سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر اہل بیت اطہار کی شان میں سلام و قصائد وغیرہ شامل ہیں۔

محبان اہل بیت کے لئے یہ مجموعہ کلام ایک نادر تحفہ ہے۔ کلام کی زبان شستہ اور عام فہم ہے جسے ہر معمولی اردو داں بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

کلام ناصر

سائز ۲۲×۱۸ صفحات ۱۴۲۔ گرد پوش آرٹ کا شاہکار۔ قیمت پانچ روپیہ۔ ملنے کا پتہ کتاب پر درج نہیں۔ بہرحال یہ کتاب جناب شفیع اردو اکیڈیمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔

کلام ناصر نام ہی سے ظاہر ہے کہ ناصر صاحب کا مجموعہ کلام ہے۔ ناصر صاحب اردو کے مشہور مزاحیہ شاعر تھے جن کا کلام اودھ پنچ اور سرپنچ جیسے مقتدر مزاحیہ پرچوں کے علاوہ اور بھی بہت سے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے۔ افسوس کہ سنہ ۳۸ میں ناصر صاحب انتقال فرما گئے اور دنیا جس طرح سب کو بھول جانے کی عادی ہے ناصر صاحب کو بھی بھول گئی تھی، لیکن جائے مسرت ہے کہ مرحوم کے فرزند رشید احمد ناصر صاحب نے جو ایک مشہور کارٹونسٹ ہیں اپنے والد مرحوم کے کلام کا ایک مجموعہ شائع کرایا ہے تاکہ ناصر صاحب کے کلام کو غیر فانی بنا دیں۔

ناصر مرحوم کے کلام میں دلچسپ طنز بھی ہوتا تھا جس سے ان کا کلام اصلاحی کہا جا سکتا ہے مثلاً ایک حاجی صاحب پر فرماتے ہیں۔

کعبہ میں توبہ تو کیا جس نے بار بار
مکر و فریب و جل سے فسق و فجور سے
کسٹم کی جانچ میں وہ بیچارا پکڑ گیا
سونے کے بیج نکلے ہیں اک اک کھجور سے

رشید احمد کے کارٹون نے اسے اور بھی پر اثر اور قہقہہ سامان بنا دیا ہے۔

ایک اور کارٹون کے تحت یہ شعر بھی دلچسپ ہے

مری تنخواہ کے دن قرضخواہوں کا ہے اک مجمع
قیامت ہی سے پہلے میرے گھر روز حساب آیا

موجودہ دور کی آزادی پر یہ قطعہ بھی ملاحظہ ہو۔

دنیائے محبت نے بدلی ہے نئی کروٹ
نے آہ و فغاں اس میں نے ہجر کی ہیں راتیں
لیلیٰ پہ نہیں پہرہ مجنوں پہ نہیں قدغن
روزانہ سینما میں ہوتی ہیں ملاقاتیں

فلموں کے اثرات لڑکیوں میں کس طرح پروان چڑھ رہے ہیں

فلم بینی کا یہ کرشمہ ہے
آگئی لڑکیوں میں بے باکی
ان کو پائیں گے آپ سرتاپا
ایکٹرسوں کی کاربن کاپی

غرض کلام ناصر اس قابل ہے کہ مسکرانے، غم غلط کرنے اور دل بہلانے کے لئے اسے خرید کر رکھا جائے۔

ایک سبق آموز کہانی

آشا

نسیم پھلواری

سئی ندی کے کنارے ایک مختصر سی آبادی ہے جو اپنے ماحول کے اعتبار سے انتہائی دلکش اور جاذب نظر ہے۔ آبادی سے تھوڑے ہی فاصلے پر جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں ہرن اور نیل گائے کا شکار کثرت سے ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر شکار کے شوقین اس گاؤں سے گزر کر شکار کھیلنے جایا کرتے ہیں۔ گاؤں میں ضرورت کی اکثر چیزیں انھیں شکاریوں کی وجہ سے بآسانی مل جاتی ہیں۔ اس لئے گردو کا دکاندار اچھی خاصی قیمت وصول کرنے کے لئے ایسی تمام چیزیں رکھتے ہیں جن کی روزانہ زندگی میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

گاؤں کے آخری حصہ میں ننکو کی ایک مختصر سی دوکان تھی جس پر پان، بیڑی، سگریٹ، گڑ کے سیو، شکر کی برفی، پیڑے، لیا، چوڑے، گھٹیاں اور کٹے وغیرہ بکتے تھے۔ شکار پر جانے اور شکار سے واپس آنے والے لوگ ننکو کی دوکان پر کچھ دیر کے لئے ضرور بیٹھتے تھے۔

دوکان سے قریب ہی ایک کنواں تھا جس پر ننکو کا ڈول رسی میں بندھا ہر وقت رکھا رہتا تھا۔ خواہ کوئی اس سے سودا لے یا نہ لے ننکو پانی پلانے میں بخل سے کام نہ لیتا۔ کنویں کے قریب ہی برگد کا ایک عظیم الشان درخت اپنی ہمہ گیری کے باعث قرب و جوار میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے سائے میں سینکڑوں آدمی اور جانور دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لئے پناہ لیا کرتے تھے۔

ننکو نے وہیں کچھ چارپائیاں، اسباب وغیرہ بھی رکھ چھوڑے تھے جو شکاریوں کے بیٹھنے کے لئے فراہم کردہ سمجھے جاتے تھے۔ ننکو انھیں باتوں سے ہر دل عزیز ہو گیا تھا۔ گاؤں ہی میں نہیں بلکہ دور دور کے لوگ اس کے نام سے واقف تھے۔

ننکو کی بیوی کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا تھا۔ شادی کے بعد بیس سال تک میاں بیوی کا ساتھ رہا۔ لیکن قسمت نے انھیں دولت اولاد سے ہمیشہ محروم ہی رکھا۔ بیوی اسی تمنا میں گزر گئی کہ اس کی گود ہری ہوتی۔ ننکو بادل ناخواستہ زندہ تھا مگر اس کا دل بجھ چکا تھا اس لئے کہ اولاد نہ تھی تو نہ سہی، بڑھاپے کا ایک سہارا اور وقت بے وقت ٹکڑا روٹی پکا کر دینے والی خدمت گزار بیوی تو موجود تھی، لیکن قدرت نے اس ساتھی کو بھی ننکو سے جدا کر دیا۔ اب ننکو کا زیادہ تر وقت نیک کاموں میں گزرتا تھا۔ آمدنی کافی تھی اسی لئے اس نے بہت سا دھن کما کر بچا لیا تھا۔ اولاد ہوتی تو اس کی شادی بیاہ میں خرچ کرتا۔ میاں بیوی کا خرچ ہی کیا۔ دونوں غم واندوہ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس لئے کہ اولاد نہ ہونے کی کمی انھیں گھن کی طرح کھائے جاتی تھی۔

بیوی کے مر جانے کے بعد تو ننکو کی حالت اور بھی بری ہو گئی۔ کئی روز تک اس نے دوکان ہی نہیں کھولی۔ شکاریوں کو سخت تکلیف ہونے لگی، لوگوں نے بہت کچھ سمجھایا لیکن ننکو نے کہا اب دوکان کس کے لئے کھولوں میں زیادہ دن جینا نہیں چاہتا۔

اس واقعہ کے چند ہی روز بعد ننکو صبح اٹھ کر اشنان کرنے کنویں پر جا رہا تھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ ایک ریشمی کپڑے میں خوب صورت سا بچہ مٹھیاں باندھے سسک رہا ہے۔

سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ بڑھ کر چاروں طرف سنہرا عکس ڈال رہی تھیں۔ چڑیوں کے چہچہے دل و دماغ میں ایک سہانی کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ ہری ہری گھاس پر شبنم کے قطرے موتیوں کی طرح جمے ہوئے تھے۔ ہوا کے سرد جھونکے سماں میں بالیدگی پیدا کر رہے تھے۔ ننکو نے اس ماحول میں ایک

خوبصورت بچہ دیکھ کر تنکو کا دل باغ باغ ہوگیا۔ وہ بیوی کے غم کو بھی تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا۔ تبھی اس کے ہاتھ سے آرتی کی نے جھپٹ کر بچہ کو گود میں اٹھا کر لوری دینا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ بھگوان نے اس کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنے کے لئے یہ بچہ بھیج دیا ہے۔ اس نے سورج دیوتا کی طرف آنکھیں اٹھا کر کہا۔ بھگوان تیری لیلا کتنی اپار ہے۔ گھر والی تیس سال تک زندہ رہی لیکن تم نے میری گود نہ کھلائی، لیکن اب گھر والی کی جدائی کے بعد تم نے یہ پھول سے بھی زیادہ سندر بچہ دے کر مجھ پر احسان کر دیا۔

یہ کہہ کر تنکو فوراً گھر لوٹا۔ اس نے جلدی جلدی گائے لگائی اور تھوڑا دودھ دوہ کر روئی کی بتی کے ذریعہ سے پلا کر بچہ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ اس کے بعد اس نے نہا دھو کر کپڑے بدلے اور بچہ کو گود میں لے کر تھانہ کی طرف چل دیا۔ اب دن چڑھ چکا تھا۔ گاؤں کے سب ہی لوگ کام کاج میں لگ گئے تھے۔ تنکو کو بچہ لئے دیکھ کر سب کو حیرت ہوگئی۔ سب نے سوالات کرنا شروع کر دئے۔ تنکو مارے خوشی کے سب سے یہی کہہ رہا تھا بھگوان کی مایا ہے۔ گھر والی کے مرنے کے بعد اس نے جنم لیا ہے۔ گاؤں کے پچاسوں آدمی تنکو کے پاس آ گئے۔ وہ تماشہ بنا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ تھانہ پہنچ کر تنکو نے رپٹ لکھوائی اور کہا میں اس بچہ کو پالوں گا۔ یہ کسی کا بھی کیوں نہ ہو۔ بھگوان نے میرے ہی لئے اسے جنم دیا ہے۔

گھر واپس آ کر تنکو نے اپنی دوکان کھول دی اور اسی روز سے اس نے ایک بڑے برہم بھوج کا اہتمام شروع کر دیا۔ برہم بھوج میں آس پاس کے سب ہی گاؤں کے برہمن شریک ہوئے اور بچی کا نام آشا رکھا گیا۔

تنکو کو آشا کے ملنے کی اتنی خوشی تھی جتنی شاید اسے سگی اولاد مل جانے سے بھی نہ ہوتی۔ اس کے دو سبب تھے۔ اول یہ کہ امیدیں ختم ہو جانے کے بعد اسے بچہ مل گیا تھا اور اس سے بھی زیادہ اس کی ضعیف الاعتقادی کو دخل تھا جس نے اس کے دل پر نقش کر دیا تھا کہ یہ بچہ بھگوان نے اسی کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

تنکو نے بڑے لاڈ اور پیار سے آشا کو پالا پوسا۔ اس کی شال شکل ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ وہ رات دن اسی کی دھن میں لگا رہتا۔ کیا مجال کہ آشا ایک منٹ کو بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔ کسی کام سے جاتا تو اسے گاڑی پر بٹھا کر لے جاتا جو اس نے خاص طور پر اس کے لئے خریدی تھی۔ گاؤں میں زمیندار کے بچوں کو بھی وہ کپڑے میسر نہ تھے جو آشا پہنا کرتی تھی۔

دن گزرتے گئے گود میں پل کر آشا پیروں پیروں چلنے کے قابل ہو گئی۔ اب وہ تماشہ سی بن گئی تھی۔ جو آتا آشا کو دیکھ کر گود میں اٹھا لیتا، اس کی پیاری پیاری باتیں سن کر اکثر شکاری ٹافیاں اس کو کھلایا کرتے۔ صورت شکل اور رنگ ڈھنگ میں آشا کا کوسوں جواب نہ تھا۔ کوئی بھی اسے تنکو کا بچہ نہیں سمجھتا تھا لیکن تنکو کا خیال تھا کہ یہ اسی کی ہے۔ بیوی کی کوکھ سے جنم ہوا ہوتا تو بھی بھگوان ہی کی کرپا ہوتی اور کنویں کے پاس مل گئی تو بھی بھگوان ہی کی دین ہے۔

شکار کھیلنے کے لئے یوں تو سیکڑوں آدمی اس راستہ سے آیا جایا کرتے تھے جس پر تنکو کی دوکان تھی اور تھوڑی دیر کے لئے اس جگہ قیام کرنا بھی ہر شخص کے لئے ضروری تھا، اس لئے کہ جل پان کرنے کا یہ آخری مقام ہوتا تھا۔ لیکن ان شکاریوں میں ایک صاحب کشور تھے۔ جو غیر معمولی طور پر آٹھویں دسویں شکار کے لئے آیا کرتے تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ تنکو کی دوکان سے کافی سودا خریدا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سگریٹ نہ ہوتی تو وہ بیڑی کے بنڈل خرید کر اپنے جھولے میں ڈال لیتے۔ حالانکہ تنکو نے انھیں کبھی بیڑی پیتے نہیں دیکھا تھا وہ آشا کو بڑے پیار سے کھلایا کرتے تھے اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی کھلونا یا اور چیز اپنے ساتھ ضرور لایا کرتے تھے۔ کئی بار انھوں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر تنکو سے کہا کہ ان کے بھی ایک لڑکی تھی جس کی صورت آشا سے بہت ملتی جلتی تھی اسے دیکھ کر اس کی یاد آ جاتی ہے، افسوس کہ اس کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ جلدی مر گئی۔

تنکو بھی کشور کی بڑی عزت کرتا تھا، اسے [illegible]

کی ہتھیلی میں جب ایسا دکھ ہوتا ہے تو اولاد کے مرجانے کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اس نے کئی دفعہ کہا کہ "لالہ جی آشا میرے جیون کا سہارا ہے ورنہ میں مرچکا ہوتا لیکن صرف اس بچی کے لئے جی رہا ہوں اس پاپی سنسار میں میرے لئے اگر کوئی دلچسپ چیز ہے تو وہ میری آشا ہے۔ بھگوان نے بڑی دیا کر کے یہ بچی مجھے دی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں آشا کو تمھیں دے دیتا۔ اب بھی تم اسے اپنی بچی سمجھ سکتے ہو۔"

کچھ دن اور گزر گئے۔ اب آشا گھٹنوں کے بل چلنے کے بجائے ہرنیوں کی طرح چوکڑی بھرنے لگی۔ جس وقت آشا ننکو کے سامنے کھیلتی ہوتی اسے اس کا کبھی خیال نہ رہتا کہ وہ کیا تول رہا ہے اور ترازو کے پلڑے کہاں جارہے ہیں۔ اس کا نفع اور نقصان صرف آشا کی ذات میں مضمر تھا۔ کشور اب بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ اور حسب دستور جب آتے تو آشا کے لئے شہر کے بنے ہوئے اچھے اچھے کپڑے اور زیور وغیرہ بھی لاتے گو ننکو کو کسی چیز کی ضرورت نہ تھی اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ آشا کی پرورش اور پرداخت میں کوئی دوسرا بھی شریک ہو۔ لیکن کشور کے دکھ اور آتما کا خیال کر کے وہ سب کچھ قبول کر لیا کرتا تھا۔

آشا اب کچھ کچھ سمجھ دار ہوگئی تھی۔ اپنے چاہنے والے کو جانور بھی پہچانتے ہیں وہ تو انسان تھی، کشور کے تحفہ تحائف، عزیزداری اور محبت کے سبھاؤ نے اس کا من موہ لیا تھا۔ وہ کشور کو چاچا کہتی تھی اور اسے دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ جاتی تھی۔ جب کبھی کشور دس بیس دن نہ آتا تو آشا اسے یاد کیا کرتی۔ ایک روز خلاف معمول کشور دس بجے رات کے قریب گاؤں پہنچا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ننکو کی دکان بھی بند ہوچکی تھی، آج وہ تنہا نہ تھا اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ ننکو کی دوکان پر پہنچ کر کشور نے کنڈی کھٹکھٹائی۔ ننکو نے آواز پہچان کر کہا "لالہ جی آج اس وقت کیسے خیر تو ہے آپ کہاں سے آرہے ہیں اور یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟"

[illegible] میری گھر والی ہے [illegible] نکارے واپس جاکر [illegible] کی [illegible] ہے جو [illegible] جس سے

میری بچی مری ہے سانسیں چھین نہیں آتا اسی کے غم میں گھر کا نشا ہوئی جا رہی ہیں۔ [illegible] اس لئے آج میں نے کہا کہ چلو تم کو [illegible] آشا کو دکھلا لائیں شاید اسے دیکھ کر تم سوشیلا کا غم بھول سکو۔

ننکو نے جھٹ پٹ اندر جا کر اپنی چارپائی پر دھلی ہوئی چادر لگا دی اور کہا اندر آجائیے۔ یہ سنتے ہی کشور اور ان کی بیوی اندر چلی گئیں۔ ننکو نے انھیں عزت سے بٹھایا اور کہا۔

"یہ دیکھئے میری آشا سو رہی ہے۔ کتنی سندر ہے یہ — جاگ رہی ہوتی تو چاچا چاچا کر کے آپ سے لپٹ جاتی مگر سو رہی ہے تو گویا کچھ جانتی ہی نہیں، یہ نیند بھی موت ہی کے برابر ہوتی ہے۔"

کشور کی بیوی پلنگ سے اٹھ کر آشا کے کھٹولے کے پاس جا بیٹھی، چراغ کی ہلکی روشنی سے زیادہ آشا کا رنگ روپ چمک رہا تھا۔ کشور کی بیوی نے بے اختیار ہو کر آشا کا منہ چوم لیا۔ وہ چاہتی تھی کہ اسے گود میں اٹھا کر خوب کھلائے اور دل بھر کر پیار کرے لیکن پرائی بچی کی نیند خراب کرنے کا اسے کیا حق تھا وہ امیر تھی لیکن یہاں اس کا کیا بس تھا اس نے بلا تامل لیکن [illegible] بعد اپنے گلے کا ہار اتار کر آشا کے گلے میں پہنا دیا۔ پھر ننکو کی آنکھ بچا کر دو موٹے موٹے آنسو نکل کر آشا کے کپڑوں میں جذب ہوگئے۔

کشور نے کہا دیکھو ہے نا جیسے تمہاری سوشیلا وہی ناک نقشہ وہی رنگ وہی روپ، کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سوشیلا نہیں بھگوان نے شاید اسی کا جنم یہاں کیا ہے۔

ننکو نے فخریہ لہجہ میں کہا "ہاں یہ انھیں کی دین ہے ورنہ میں تو کہاں میں اور کہاں میری آشا۔ میں تو اس کے پاؤں کا دھوون بھی نہیں۔"

چند لمحے تک ایک سکوت کا عالم طاری رہا اس کے بعد ننکو نے کہا "آپ دونوں آشا کے پاس بیٹھیں تو میں آپ کے لئے کچھ بھوجن بنا لاؤں۔"

کشور نے کہا "اس کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگ کھا چکے ہیں۔"

کیسے ہوسکتا ہے کہ بہو گھر میں آئیں اور میں کچھ جل پان [illegible] نہ کراؤں۔ یہ میرے [illegible] ہے کہ آج دھن کے جیون میں سے کم [illegible] کو آپ جیسے بڑے لوگوں نے کیا [illegible] بھگوان کی کرپا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو میرے گھر لایا ہے۔

کشور نے کہا۔ بھیا ننکو ہم تم سب یکساں ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ ہم امیر ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو تمھارے پاس ہے وہ ہمیں کہاں نصیب۔ یہی اصل دھن ہے جو تمھارے سامنے کھڑے پھر رہا ہے۔ میں اسی دھن کے لئے ترس رہا ہوں اور تم اسی دھن سے مالا مال ہو۔ اگر میں تم کو اپنا تمام دھن دے کر بھی اسے حاصل کرنا چاہوں تو کیا تم دے دوگے؟ بتاؤ پھر کون دھن وان ہے۔ میں یا تم؟

ننکو نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا یہ تو ٹھیک ہے بھیا اس دھن کو تو دنیا مل جائے تو بھی نہیں دے سکتا اس کا کوئی مول نہیں ہے۔ سنسار میں جیون سب سے بڑا دھن ہے اور میرا جیون ہے اسے دینا جیون دینا ہے۔

ننکو ایک تھالی میں کچھ مٹھائی رکھ لایا، لیکن کشور نے اس تھالی میں سو روپے کا نوٹ رکھ کر کہا "تمھاری دعوت ہم نے قبول کرلی۔ تم اسے سوئیکار (قبول) کرلو۔ صبح جب آشا اٹھے تو کہنا تمھاری چاچی بھی رات کو آئی تھیں، وہ دے گئی ہیں۔

ننکو نے کہا۔ تو کیا رات کو آپ یہاں نہ ٹھہریں گے؟

نہیں ہمیں اسی وقت لوٹ جانا ہے۔ موٹر گاؤں کے باہر کھڑا ہے

لیکن اس سمے (وقت) تو میں آپ کو نہ جانے دوں گا، آشا سنے گی تو اسے بہت دکھ ہوگا۔ اب تو وہ سمجھ دار ہے اور آپکو معلوم ہے کہ وہ آپ سے کتنا پریم کرتی ہے۔

لیکن ہمیں اسی وقت واپس ہونا ضروری ہے۔

ننکو خاموش ہو رہا، کشور اور اس کی بیوی چلنے کے لئے [illegible] ہوئے۔ آشا اب تک اسی طرح سو رہی تھی۔ کشور کی بیوی نے ایک بار پھر جھک کر اسے پیار کیا اور اس بار اس کے آنسو آشا کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے گالوں ہی پر گر پڑے

ننکو نے انھیں دیکھ کر کہا۔ بہو جی روتی کیوں ہو، اسے بھی اپنی ہی بیٹی سمجھ لو، بھگوان کی لیلا میں کس کا کیا دخل جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اب آشا اپنی عمر کی پندرھویں بہار دیکھ رہی تھی۔ اس کا شباب ہنوز قیامت بن کر غضب ڈھا رہا تھا۔ اس کی غزالی آنکھیں جس کسی شکاری پر پڑ جاتیں تو خود شکار ہو جاتا۔ اب وہ گھر سے باہر کم ہی نکلتی تھی۔ ننکو اب اس کی شادی کی فکر تھی۔ جوان لڑکی کو کب تک گھر میں بٹھایا جا سکتا تھا۔ ایک پہاڑ تھا جس کا ناقابل برداشت بوجھ بڈھے ننکو کے سر پر تھا۔ اب وہ آشا کو نہ تو ساتھ لیکر کہیں جا سکتا تھا نہ ہی اسے گھر پر اکیلا چھوڑ کر خود کہیں جا سکتا تھا۔ باہر کے کام کاج دوسروں سے لیا کرتا تھا۔ چاہتا تو وہ یہی تھا کہ آشا اس کے گھر سے کبھی نہ نکلے، لیکن دنیا کے دستور کون توڑ سکتا ہے۔ ننکو بھی ہر دم اسی سوچ میں رہنے لگا۔

کشور اب بھی برابر اس کے پاس آیا کرتے تھے بلکہ اکثر وہ دو دو چار دن اسی کے یہاں رہتے تھے، لیکن ان کی بیوی پھر کبھی نہ آئیں

شادی کے لئے ننکو نے رفتہ رفتہ بڑی تیاریاں کی تھیں جہیز کا تمام سامان فراہم تھا۔ لیکن بر کا ابھی تک کہیں پتہ نہ تھا۔ اب تک ننکو سمجھتا تھا کہ ایسی سندر اور گن والی لڑکی سے شادی کرنے کے لئے کون ہے جو تیار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ہزار روپے کا جہیز وغیرہ بھی تیار کر رکھا تھا۔ گہنے زیور جو آشا کے پاس تھے شاید ہی اس گاؤں میں کسی کے پاس رہے ہوں لیکن اب جو بر ڈھونڈنے پر ننکو نے کمر باندھی تو کوئی بھی آشا سے شادی کرنے کے لئے تیار نہ ہوا، اس لئے کہ سب کو یہ راز معلوم تھا کہ وہ ننکو کی لڑکی نہیں ہے اس نے تو اسے صرف پالا تھا۔ نہ معلوم وہ کس ذات کی ہے اور کس طرح پیدا ہوئی ہے۔ سماج بھلا ایسی لڑکی سے شادی کرنے کی اجازت کیسے دے سکتا تھا۔

ننکو کہتا تھا کہ یہ اوتار ہے اس کی عزت تو اور سے بھی زیادہ ہوگی، لیکن [illegible]

تصیری نہ ہو۔ اب اس کے سوچ بچار کا عجیب حال تھا۔ اس نے کبھی آشا سے یہ کہا بھی نہ تھا کہ وہ اسے کہیں پڑی ملی تھی۔
اسی طرح دو سال گزر گئے۔ ننکو تمام کوششیں کر کے تھک گیا کسی نے بھی آشا سے شادی کی حامی نہ بھری۔ اس کی نگاہوں میں آشا ایک دیوی تھی اور سنسار کے تمام لوگ راکشس، اسکا بس چلتا تو وہ تمام دنیا کو تہہ و بالا کر دیتا، اب تک اس نے اپنا یہ راز کشور کو بھی نہ بتایا تھا جو اس کا سب سے زیادہ مخلص دوست یا ہمدرد تھا۔

ایک دن کشور شکار کھیل کر واپس ہوا تو شام ہو چکی تھی، ننکو کو معلوم ہی تھا کہ وہ شکار سے واپس آئے گا، اس لئے اس نے آشا سے اچھے قسم کا بھوجن تیار کرایا تھا۔ لیٹنے بیٹھنے کا سامان بھی درست تھا اس لئے کہ آج ننکو اسے رات میں اپنے ہی یہاں ٹھہرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ کشور جب واپس آیا تو ننکو نے بندوق لے کر جلدی سے پانی دیا کہ منھ ہاتھ دھو کر کچھ ناشتہ کر لے۔ اس کے بعد ہی ننکو نے اس سے کہا۔ بھیا آج رات تم یہیں رہو۔ مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہے۔ کشور کو اس گھر میں بڑا آنند ملتا تھا۔ اور اس کی دلی تمنا ہی یہ رہتی تھی کہ وہ یہیں رہا کرے اس لئے ننکو کو کسی اصرار کی ضرورت نہیں پڑی، دوکان بند کر کے ننکو اور آشا نے کشور کو کھانا کھلا کر پلنگ پر بستر لگا دیا اور حقہ بھر کر رکھ دیا۔ ننکو کی چارپائی اسی پلنگ کے پاس تھی جس پر کشور لیٹے تھے آشا اندر کی طرف کوٹھری میں جا کر لیٹ رہی۔
کافی دیر تک ننکو ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اس کے بعد جب اسے اطمینان ہو گیا کہ آشا سو گئی ہو گی تو اس نے کشور سے کہا:
بھیا آج تم سے ایک راز کہنا چاہتا ہوں۔
کشور نے کہا۔ تم مجھے اپنا بھائی سمجھو تمھارا راز میرا راز رہے گا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی۔
ننکو نے آہستہ سے کہا۔ آشا میری لڑکی نہیں ہے۔ بلکہ بھگوان کی مایا سے یہ مجھے کنوئیں کے پاس مل گئی تھی۔ میری گھروالی اولاد کی تمنا ہی میں سورگ کو سدھار گئی۔ میں بھی

جانے ہی والا تھا کہ بھگوان نے یہ دھن دے کر مجھے جلا لیا میں نے اسے اولاد سے بڑھ کر سمجھا۔ اس میں جو گن ہیں ان سے تم بھی واقف ہو۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ آشا کے روپ میں کوئی دیوی ہے جسے بھگوان نے میرے سپرد کیا ہے۔ لیکن — — اس کے بعد ننکو کی آواز بھرا گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔
کشور نے کہا۔ خاموش کیوں ہو گئے۔ ننکو اور تمھیں کیا کہنا ہے؟ —
ننکو نے کھنکھار کر کہا۔ لیکن اب بواہ کرنے کے لئے اس کنیا سے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ سماج کہتی ہے کہ معلوم نہیں یہ کس کے کرموں کا پھل ہے اور کون جانے کہ کس ذات پات کی ہے جس کے نہ باپ کا پتہ نہ ماں کا ٹھکانا — میں اب تھک گیا، جہاں جہاں بھی اپائے (کوشش) چل سکتا تھا میں دوڑا دھوپ یا منت سماجت کی مگر سب بیکار۔ اب جوان لڑکی کو گھر میں کب تک بٹھاؤں، تم جانتے ہو کہ کتنا خطرہ ہے۔ کہیں کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو اس بڑھاپے میں منھ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ آج تک کسی نے مجھے برا نہیں کہا، اب مرتے سمے بھی نیک نامی کے ساتھ ہی اٹھنا چاہتا ہوں۔ — بھیا اب تم ہی بتاؤ کہ کیا اپائے کروں
محویت میں حقہ کی نے کشور کے ہاتھ سے زمین پر گر چکی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے جو کوشش کے باوجود ٹپک ہی پڑے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔ ننکو تم نے اپنا راز مجھ سے بتا دیا تو پھر میں بھی اپنا بھید تم سے نہیں چھپا سکتا۔ آشا دراصل میرے ہی برے کرموں کا پھل ہے اور میں ہی اسے تمھارے گھر کے پاس ڈال گیا تھا محض اس لئے کہ اس کا مجھے علم تھا کہ تم اولاد کی خواہش رکھتے ہو۔ ممکن ہے کہ اسے پال لو اور ایک بے گناہ معصوم ہستی کی زندگی کا چراغ گل نہ ہو جائے —
یہ تمھاری بچی ہے بھیا۔ ننکو نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔
ہاں بھیا یہ مجھ ابھاگی ہی کے کرتوتوں کا پھل ہے۔ ایک بار میرے ساتھ جو عورت یہاں آئی تھی وہ دراصل میری بیوی نہ تھی، لیکن آشا کی ماں ضرور تھی — یہ میری زندگی کا سب سے

باپ ہے۔ وہ عورت میرے ساتھ کالج میں پڑھتی تھی۔ ہم دونوں میں محبت کے پینگ بڑھے اور یہاں تک کہ پریم پاپ بن گیا اور وہ ایک بچے کی ماں بھی ہو گئی۔ ذات پات کا بیریم دونوں کو شوہر اور بیوی کے روپ میں نہیں دیکھ سکتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس عورت کی شادی ایک دوسری جگہ کر دی گئی۔ شادی سے چند روز قبل جب کہ وہ میرے ساتھ آشا کو دیکھنے آئی تھی میں پاپی ہوتے ہوئے بھی ماں باپ کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگانا نہیں چاہتا تھا اسی لئے پتا کہلانا نہ سکا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ پھر میں نے شادی نہیں کی۔ شکار کے بہانے میں اپنی آشا کو دیکھنے چلا آیا کرتا تھا۔ یہی دراصل میرے جیون کا بھی سہارا ہے جس کے لئے میں نے سنسار کے سب سکھ تیاگ (چھوڑ) دئے ——— لیکن آہ ——— آج جو ہو رہا ہے اس سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ بچپن ہی میں مر گئی ہوتی یا میں نے خود ہی اس کا گلا گھونٹ دیا ہوتا۔ واقعی اب کیا ہوگا احساس کا جیون کیسے کٹے گا۔ افسوس میرے پاپ کا پھل اسے بھی بھگتنا ہے ———

جملہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ پاس ہی بندوق چھوٹنے کی آواز سنائی دی۔ گھبرا کر دونوں نے دیکھا تو سامنے کوٹھری سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہاں جا کر ان کی آنکھوں نے جو دیکھا اسے بیان کرتے ہوئے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ آشا خاک و خون میں پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کے منہ سے آخری جملے جو ان دو بدقسمتوں نے سنے یہ تھے: "مجھ ایسی ابھاگنی کا مر جانا ہی اچھا ہے۔ مجھے چھما (معاف) کرنا دادا اور چاچا"

کس کا مرتبہ بلند

— مائدہ سلطان

بحث یہ تھی کہ مرد کا مرتبہ اسلئے بلند ہے کہ وہ ہر کام کر سکتا ہے اور عورت اسکے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ندیم ہر روز صوفیہ سے یہی کہتا کہ تمھیں کیا معلوم کہ میں سارا دن کیسے پاپڑ بیلتا ہوں۔ تمھیں کیا آرام سے گھر میں بیٹھی رہتی ہو۔ اس روز بھی ندیم۔ نے ایسی ہی ڈینگ ہانکی تو صوفیہ جلبلا کر کہنے لگی کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ جو ہم عورتیں کر لیتے ہیں وہ تمھیں کرنا پڑے تو پتہ چلے

ہم کیا نہیں کر سکتے بیگم۔ تم کپڑے سینا کھانا پکانا اور گھر گرہستی کے سوا کر ہی کیا سکتی ہو ـــــ اور تمھارے یہ کام بھی مردوں سے بہتر نہیں ہوتے۔

کیا تم اتنے لذیذ کھانے پکا سکتی ہو جتنے مزیدار باورچی پکاتے ہیں۔ جو مرد ہوتے ہیں۔

کیا تم اتنے عمدہ کپڑے سی سکتی ہو جتنے عمدہ درزی سی سکتا ہے۔ جو مرد ہوتا ہے۔

کیا تم نے کسی انگریز کی کوٹھی دیکھی ہے۔ جس کی دیکھ ریکھ بیرے خانسامے کرتے ہیں، اور یہ سب مرد ہوتے ہیں۔

اب صرف ایک ہی کام رہ جاتا ہے یعنی بچے پیدا کرنا اور انھیں پالنا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ قدرت نے مرد کو مجبور کر دیا ہے۔ نہ وہ بچہ جن سکتا ہے۔ نہ اسکے دودھ اتر سکتا ہے۔

صوفیہ نے مسکرا کر کہا خدا کا شکر ہے کہ کسی بات میں تو تم نے عورت کی برتری مان لی۔ لیکن یہ صفت بھی مشترک ہوتی تو تم شاید اپنی جنس کو اس سلسلہ میں بھی فوقیت دیتے ـــــ لیکن تم نے جو مثالیں دی ہیں وہ عمومیت کی حامل نہیں ہیں کبھی تم نے سرکس دیکھا ہوگا۔ اس میں مرد ہی نہیں عورتیں بھی ودلچسپ کے حیرت انگیز کرتب پیش کرتی ہیں کیا تم بھی کر سکتے ہو۔ یقینا تمہارا جواب نفی میں ہوگا اس لئے کہ تمھیں اسکی پریکٹس نہیں ہے۔ اسی طرح باورچی اور ٹیلر وغیرہ اپنے فن کو ذریعہ معاش بنا کر حاصل کرتے ہیں اور انھیں تجارتی انداز پر یہ کام کرنا ہوتے ہیں۔ اگر ہم عورتیں بھی اسی انداز پر ان کاموں کو سیکھیں اور روزانہ انجام دیں تو ان ہی جیسی مہارت دکھا سکتے ہیں۔ ہم عورتوں کو کسی ایک ہی فن میں... قابلیت حاصل کرنا نہیں ہوتی بلکہ ہم گرہستی کے ہر قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں اور وہ کتنے دشوار ہوتے ہیں آپ کو اندازہ نہیں ہے کسی روز کر کے دیکھیے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ یہ ہم عورتوں ہی کا دل گردہ ہے کہ ہر روز.. چولھے ہانڈی سے واسطہ رکھتے ہیں۔ آپ دفتر جا کر کلرکی کرتے ہیں۔ اور بس، اسکے برخلاف ہمیں صبح سے شام تک جتنے کام کرنا پڑتے ہیں ان کی مختصر تفصیل سن لیجیے۔

صبح اٹھ کر انشاء اللہ کرنے کے بعد ناشتہ تیار کرنا۔ گھر کی صفائی۔ بچوں کو اسکول بھیجنا۔ ننھے کو نہلانا دھلانا۔ دودھ پلانا۔ اسکے پوتڑے دھونا۔ بچوں کے کپڑے دھونا، پریس کرنا گھر کی صفائی کرنا۔ پھر کھانے کا مینو سوچ کر کھانا تیار کرنا۔ مہمان آ جائیں تو ان کا استقبال کرنا ان کی خاطر مدارات کرنا بچوں کے لیے اسکول کھانا بھیجنا۔ شام کو ان کی واپسی پر ان کے لباس بدلوانا۔ انھیں ناشتہ کرانا۔ پھر ان کی خبرگیری کرنا کہ باہر نکل کر بری صحبت میں نہ پڑیں۔ انھیں ہوم ورک کرنے کی ہدایت کرنا۔ آپ کی واپسی کا انتظار کرنا۔ آپ کے آتے ہی آپ کے لئے چائے لگانا۔ آپ کے کوئی دوست آ گئے ہوں تو ان کی خاطر مدارات کا مخصوص انتظام کرنا پھر شام کے کھانے کی تیاری۔ کھانے کے بعد باورچی خانہ اور برتنوں کی صفائی بستروں کا لگانا۔ بچوں کا سلانا۔ رات میں اٹھ اٹھ کر ننھے کو بہلانا اپنی نیند حرام کرنا۔

ایمان سے کہئے گا۔ کیا آپ کے بھی اتنے ہی فرائض ہیں
تدیم نے مسکرا کر صوفیہ کا ہاتھ پیار سے پکڑ لیا اور کہا
واقعی آج تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں نے
کبھی تمہاری ان مصروفیات پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ واقعی
تمہارا رتبہ اس اعتبار سے ہم سے بڑا ہے۔ بلکہ میں تو یہ
کہوں گا کہ اگر تم نہ ہو تو گھر چل ہی نہیں سکتا۔ میں تو دفتر کے
کاموں ہی سے عاجز آ جاتا ہوں۔
صوفیہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور باورچی خانے میں
چلی گئی۔

اچھے اچھے ناول

ناول	مصنف	قیمت
گوشۂ کمال	والدہ افضال علی	20/-
جینے کی آرزو	فریدہ حق منجو	9/-
عینی	زبیدہ خاتون	10/-
دل کا شہر	حمیدہ جبیں	13/-
کشمکش	"	13/-
گل بانو	رضیہ بٹ	20/-
گھن	سلمیٰ کنول	16/-
لغزش	رضیہ بٹ	20/-
طلاق	"	10/-
آئیڈیل	رضیہ بٹ (افسانے)	15/-
انمول	دیبا خانم	12/-
بازار	میانا ناز	13/-
کنول رانی	زرینہ ضمیر	12/-
امانت	حمیدہ جبیں	10/-
لکیریں	سلمیٰ کنول	12/-
قرینہ	ماشا ناز	10/-
عقیلہ	ماہ منیر عروج	10/-
امید بہار	فرزانہ نصیر	9/-
فالتو لڑکی	حمیدہ جبیں	15/-

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ چمکتے بیٹے کے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو نہیں بھاتی لیکن سونے چاندی کی چمکنے اور جھڑ کانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپئے سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں چمکتے دمکتے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سوتی بیلیں اور چمپا جیکلی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں ان مشکلات کا حل سائنس دانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے، یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولے میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو

مسئلہ چوہوں کا

خان خانہ

درونِ خانہ سے بیرونِ خانہ تک

ابھی ہم چھپروں کا رونا رو رہے تھے کہ سعودی عرب میں مقیم سفیر برطانیہ کی شکایت اخبار میں شائع ہوئی ہے کہ انھیں چوہوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ صاحب موصوف نے لندن ٹائمس کے توسط سے اپنی حکومت کو مطلع کیا ہے کہ چوہوں کو سعودی عرب کے باورچی خانوں میں غذا نہ ملنے کی وجہ سے وہ مردم خور بن گئے ہیں۔ جس کے ثبوت میں انھوں نے خود اپنا واقعہ پیش کیا ہے کہ چوہوں نے انھیں دو مرتبہ کاٹ کھایا ہے۔ حکومت برطانیہ نے جس سے بالواسطہ شکایت کی گئی اپنی سطوتِ شاہانہ کے ساتھ جواب دیا ہے کہ چوہوں کے لئے سفیر برطانیہ سے زیادہ مرغن غذا فراہم کرنے کی کوئی گنجائش سرکاری موازنہ میں موجود نہیں ہے۔

ہمیں سفیر صاحب کی شکایت اور اُن کی حکومت کا دو ٹوک جواب پڑھ کر بے حد رنج پہنچا۔ ایک طرف چوہے معمولی غذا نہ ملنے کی وجہ سے سفیر صاحب کو اپنا نوالہ بلکہ نوالۂ تر بنا رہے ہیں اور دوسری طرف ان کی حکومت چوہوں کے لئے کوئی مرغن نوالہ فراہم کرنے سے انکار کر رہی ہے۔ نتیجۃً سفیر صاحب بے حد پریشان ہیں۔ آخر کب تک وہ اپنے جسم سے چوہوں کو غذا فراہم کرتے رہیں گے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ سعودی عرب کے باورچی خانوں میں چوہوں کو مرغن غذا تو درکنار سوکھی روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی۔ یہ واقعہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ سعودی عرب میں باورچی خانے ہی شاذ و نادر ہیں اس لئے کہ بازار میں پکی پکائی غذائیں آسانی سے مل جاتی ہیں اور گھروں میں پکانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اگرچہ یہ سودا مہنگا پڑتا ہے لیکن سعودی عرب کے باشندوں کے لئے کوئی سودا مہنگا نہیں ہے کیونکہ ان کے پاس دولت کی فراوانی بلکہ ارزانی ہے چنانچہ چوہوں کو باورچی خانوں میں کھانے کو کچھ نہیں ملتا تو وہ سفیر صاحب کو ہی رفتہ رفتہ کھا رہے ہیں۔

اب تک انھیں دو قسطوں میں کھا چکے ہیں معلوم نہیں ابھی کتنی قسطوں میں سفیر صاحب کا قصہ ختم ہوگا۔ اگر یہی رفتار رہی تو ایک روز سفیر صاحب کے جسم کا آخری نوالہ بھی چوہے ہضم کر جائیں گے۔ سعودی حکومت ایسی بے فکر ہے کہ جیسے کہہ رہی ہو — ہمیں چوہوں نے نہیں کاٹ کھایا ہے کہ ہم سفیر صاحب کی فکر کریں — ادھر سعودی حکومت مجبور ہے کہ باورچی خانوں میں چوہوں کے لئے کوئی غذا کا انتظام نہیں کیا جا سکتا۔ اُدھر حکومت برطانیہ نے صاف جواب دے دیا ہے کہ چوہوں کے لئے کوئی غذا فراہم نہیں کی جا سکتی۔ غرضکہ دو حکومتوں کے درمیان سفیر صاحب مردار ہو رہے ہیں اور چوہے مزے میں مردار کھا رہے ہیں۔ بہرحال جب تک برطانیہ کے لذیذ ترین سفیر صاحب زندہ ہیں سعودی عرب کے بھوکے چوہوں کو غذا تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔

برطانیہ نے سفیر صاحب کی دعوتِ طعام ختم ہونے کے بعد معلوم نہیں چوہے کس ملک کے سفیر صاحب کی تلاش میں نکلیں۔ اس لئے کہ چوہوں کے منہ تو سفیر صاحب کے خون کا مزہ لگ گیا ہے۔ اب وہ سفیروں سے کم کوئی غذا قبول بھی نہیں کریں گے۔ چنانچہ ہم ان تمام موٹے تازے، چکنے چپڑے سفیروں کو جو دولت مند ممالک کے نمائندے ہیں متنبہ کیے دیتے ہیں وہ ابھی سے اپنی اپنی حکومتوں کو چوہوں کے اس خطرے سے آگاہ کر کے اپنی جان بخشی کی فکر کر لیں۔ اور اپنے ممالک سے چوہوں کے لئے مرغن غذائیں درآمد کر کے ذخیرہ کر لیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذخیرہ اندوزی کر کے سعودی عرب کے مارکٹ میں دولت کمانے کی فکر کریں۔ بہرحال ہم نے اپنا انسانی و اخلاقی فرض ادا کر دیا ہے۔ اب اپنی جان کی حفاظت کرنا خود ان کا کام ہے۔

ایک اور تجویز ہم پیش کرتے ہیں اس پر غور کر کے اگر سعودی حکومت عمل آوری کرے تو شاید یہ مسئلہ حل ہو۔ ہم نے ایک کہانی پڑھی تھی کہ کسی ملک میں چوہوں نے تباہی مچا رکھی تھی تو ایک

بین بجانے والے نے اپنی بین سے ایک خاص دھن بجائی جس کو سن کر
تمام چوہے مست و بے خود ہو گئے تھے۔ بین بجانے والے نے سمندر کا
رُخ کیا اور خود کچھ دور تک سمندر میں چلا گیا۔ پیچھے پیچھے چوہے بھی
بیخودی کے عالم میں سمندر میں پہنچ گئے۔ تب اچانک اس نے بین
بجانا بند کر دی تو تمام چوہے سمندر میں غرق ہو گئے۔ اب دیکھنا
یہ ہے کہ سعودی چوہے کس ملک کی موسیقی کو پسند کرتے ہیں۔
(بین بجانے کا مسئلہ تو اب باقی نہیں رہا اس لئے کہ آجکل یہ بھینس
کے بجائے گدھوں کے سامنے بین بجائی جاتی ہے) ہمارے ناقص
خیال میں اگر راک اینڈ رول کی دھن بجائی جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ
چوہے یہ دھن سن کر راک اینڈ رول کا رقص شروع کر دیں گے البتہ
موسیقی سمندری جہاز پر بجائی جائے جو ساحل سے کچھ دور سمندر کے
اندر کھڑا رہے۔ پھر اسی کو نشر کر کے شہر میں ٹرانزسٹروں کے ذریعہ
چوہوں کے کانوں تک پہنچایا جائے۔ اس طرح چوہے جہاز تک پہنچنے
سے پہلے ہی سمندر میں غرق ہو جائیں گے۔ بعض لوگوں نے ہمیں بتایا
کہ آج کل سعودی عرب میں ہندستانی موسیقی کو بہت پسند کیا جا رہا ہے
بالخصوص لتا منگیشکر کی دھنوں پر تو کان دیتے ہیں (جان نہیں دیتے)
ممکن ہے وہاں کے چوہے بھی لتا منگیشکر کے گانوں کے شیدائی
ہوں۔ چنانچہ لتا منگیشکر کے فلمی ریکارڈ بجائے جائیں
تو ہمیں امید ہے کہ مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ غرض یہ تمام
تدابیر برطانیہ کے سفیر صاحب کے خاتمے سے پہلے ہی مکمل ہو جانی چاہئیں۔
چوہے کو لوگ ایک حقیر جانور سمجھتے رہے جس طرح مچھر کو ایک حقیر
کیڑا جانتے رہے۔ لیکن جب مچھر نے ناک میں دم کر دیا تو چوہے
پورے جسم کو بھی ہضم کر دیں گے۔ وہ کہانی تو عام ہے کہ ایک چوہے
نے شیر کو جال سے رہائی دلائی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وقت آ پڑے
تو شیر بھی چوہے کا محتاج ہو جاتا ہے (اس زمانے میں چوہوں کو
بادشاہی خاندان میں شامل جاتی تھی اگر یہ بات نہ تھی تو چوہا شیر کو رہا کرنے
کے بجائے زندہ کھا جاتا) غرض چوہا بڑا خطرناک جانور ہے۔ اس
کی کئی قسمیں ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک قسم وہ ہے جو
انسان کی شکل و صورت کا ہوتا ہے۔ ایسا چوہا اُن حکومتوں کا تختہ
الٹ دیتا ہے جو اس کو ایک حقیر چوہا سمجھ کر نظر انداز کر دیتی ہیں۔
آخر میں ہم قارئین کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ ہر قسم کے چوہوں سے
ہوشیار رہیں۔ چوہے دانوں کے استعمال سے کوئی مقصد حاصل
نہیں ہوگا اس لئے کہ چوہے اب ماڈرنائزڈ ہو گئے ہیں۔ وہ چوہے
دانوں کی غذا کے بجائے سفیروں کو کھا رہے ہیں اگر چوہے دان کا استعمال
کرنا ہی ہے تو بڑے بڑے چوہے دان بنوا کر ان میں سفیروں کو چھوڑیں
تو شاید چوہے پکڑے جائیں گے غرضیکہ چوہوں کا مسئلہ بڑی اہمیت کا
حامل ہو گیا ہے۔ اور اس طرف ملک کی تمام حکومتوں کو توجہ کرنے کی
ضرورت ہے۔ تاکہ ان کے سفیروں کی جان کی حفاظت ہو سکے۔

قہقہے

عادت جو پڑی ہو برسوں سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے بنڈی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

شعلہ۔ اکبر کا یقین تھا کہ ہم اپنی صدیوں پرانی تہذیب اور تمدن سے کٹ نہیں سکتے۔ فرماتے ہیں ع

ہر چند کہ ہے بیگم کا مونڈر بھی بہت خوب

شگوفہ.... ہر چند کہ ہے مس کا مونڈر بھی بہت خوب
شعلہ..... بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

رنگین واقعی بیگم کے عطر حنا میں جو بات ہے وہ مونڈر میں کہاں
شگوفہ۔ ہم مشرقی ایبل ہونے کا ثبوت دینے کے لئے مونڈر سونگھ کر لاکھ حجرہ میں یا تھوڑی دیر کے لئے بیہوش ہی کیوں نہ ہو جائیں۔
طلعت۔ مگر صاحب! عطر حنا پھر عطر حنا ہے۔
رنگین۔ (ہنستے ہوئے) بہت خوب
شگوفہ۔ مرزا رنگین! اکبر سچے ہندوستانی تھے فرماتے ہیں ع

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے

رنگین۔ ..... اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
شگوفہ..... لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے

شعلہ۔ بہت خوب یعنی کسی بادشاہ کی فوج سے بھی اکبر نہیں دبتے تھے۔
طلعت۔ مگر ہندوستانی چیزوں پر ایسے فدا تھے
رنگین۔ کہ ڈرنے کے لئے بھی انہیں ہندوستانی چیز ہی درکار تھی
شعلہ۔ جی ہاں ولایتی فوج سے نہیں ڈرتے تھے۔
شگوفہ۔ ہندوستانی فوج سے ڈرتے تھے
طلعت۔ بلکہ فوج پر شہید ہو جایا کرتے تھے۔
رنگین۔ بہت خوب
شعلہ بہت خوب مرزا شگوفہ
شگوفہ۔ اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے

رنگین۔ اکبر ہندوستانی تھے اور چاہتے یہ تھے کہ کوئی کتنی ہی تعلیم کیوں نہ حاصل کر لے مگر دماغ اور مزاج... ہندوستانی رہنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ

ع۔ ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا

شعلہ ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
رنگین۔ کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

شگوفہ۔ (ہنستے ہوئے) یعنی تعلیم پا کے اس قدر مہذب ہو گئے کہ باپ دادا کے گھر کا منہ دیکھنا تعلیم کی توہین سمجھنے لگے
شعلہ۔ جی۔ ساری عمر ہوٹلوں میں گزار دی۔
طلعت۔ اور اسپتال جا کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔
شعلہ۔ اللہ کو پیارے نہیں (فیشن) کو پیارے ہو گئے۔
طلعت۔ (ہنس کر) بہت خوب کہا میرے شعلہ
شعلہ۔ ایک لطیفہ عرض کرتا ہوں مس طلعت
طلعت۔ عرض نہ کیجئے ارشاد فرمائیے میرے شعلہ۔
شعلہ۔ ایک صاحبزادے سمندر پار سے پڑھ کے جو آئے تو گھر پہنچ کر سلام نہ دعا اپنے باپ کو دیکھتے ہی بڑے ولایتی لہجے میں بولے.. "ہلو ڈیڈی!"
رنگین۔ یعنی صاحبزادے پڑھ لکھ کر باپ کے بیٹے نہیں رہے بلکہ باپ کے دوست بن کے پلٹے۔؟
شعلہ۔ جی۔ اور باپ کو "ہلو ڈیڈی" جو کہا تو باپ تعجب کے ایسے عالم میں کھو گئے کہ منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
شعلہ۔ جی ہاں۔ اور ابھی باپ تعجب کے ہی عالم میں تھے۔ کہ صاحبزادے نے اپنی والدہ کی خیریت پوچھنے کے لئے باپ سے پوچھا "ڈیڈی! آپ کا میم صاحب لوگ کیسا ہے"
شگوفہ۔ پھر کیا ہوا میرے شعلہ؟
شعلہ۔ اجی پھر یہ ہوا کہ باپ تعجب کے عالم سے چونکے اور چونکتے ہی اچھل کر باپ دادا کے وقت کا ایک ڈنڈا اٹھا کے دوڑے جو سمندر پلٹ صاحبزادے کے پیچھے تو آگے آگے ولایتی زیبرا صاحبزادے اور پیچھے پیچھے ڈنڈا مار ہندوستانی باپ...... تو جل میں آیا۔ سو گز کی ریس ہو رہی تھی۔...
شگوفہ۔ آگے کیا ہوا میرے شعلہ!؟
شعلہ۔ ہوا یہ کہ صاحبزادے جھپاک سے پولیس چوکی میں داخل

بلکہ باپ تپاک سے بیٹے کے سر پہ نازل۔ بیٹے غڑاپ سے دارونہ
کی میز کے نیچے اور باپ کا ہاتھ بیٹے کی ٹانگ کے نیچے
طلعت (ہنستے ہوئے) پھر اس ڈرامے کا انجام کیا ہوا شعلہ صاحب؟
شعلہ۔ جی۔ دارونہ نے گھبرا کر پوچھا بات کیا ہے قبلہ مولانا!؟۔
باپ بولے "میرا سارا روپیہ برباد ہو گیا یہ جو شخص کا جو کر
آپ کی میز کے نیچے گھسا ہے؛ اسے ولایت پڑھنے کے لئے
بھیجا تھا۔ جانے سے پہلے یہ مجھے ابا میاں کہتا تھا، پلٹا
تو "بلو ڈیڈی" کہتا ہے۔ اور سادہ اپنی والدہ کا مزاج پوچھنے
کے لئے مجھ سے کہنے لگا "ڈیڈی! تمھارا میم صاحب لوگ
کیسا ہے؟" میم صاحب لوگ"۔ گویا کہ یعنی میں نے اپنے
گھر میں بیویوں کی فٹ بال ٹیم پال رکھی ہے؟؟
رنگین۔ بہت خوب بہت خوب
شعلہ۔ اور دار وغہ صاحب بھی زندہ دل آدمی تھے بولے "مولانا
آپ کے بیٹے کا دھڑ ہندوستان آگیا ہے مگر سر ولائیت
کی گلیوں میں جوتیاں چٹخاتے پھر رہا ہے ہے۔" باپ
بولے "اجی آج ہی اس کا سر بھی ہندوستان آیا جاتا ہے
جاتا ہوں ابھی سر منڈاتا ہوں اور سر پر سرسوں کے تیل کی
مالش کرنے کے لئے ایک پہلوان بلاتا ہوں اور اس کے
سر کو دوبارہ ہندوستانی کرنے کے لئے چالیس دن تک
اسے قوالیاں سنانے کا پروگرام بناتا ہوں۔
رنگین۔ پھر کیا ہوا بیٹے کا حال میر شعلہ؟
شعلہ۔ اجی منڈے سر پہ مالش جو کی سرسوں کے تیل کی پہلوان
نے تو چالیس دن کیا بیس ہی روز میں قوالیاں سن کے
ڈیڈی کو "ابا حضور" کہا "اچھا سرکار" کہنے لگے۔
شگوفہ (ہنس کر) سارا تو ترکی بھول گئے؟
شعلہ۔ اجی ساری ترکی تمام ہو گئی
رنگین۔ بہت خوب غالباً ایسی ہی کو کے لئے اکبر نے کہا ہے۔
تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دام بلا ہے
اے کاش کہ اس دور میں ہم باپ نہ ہوتے
طلعت (ہنستے ہوئے) بہت خوب فرمایا حضرت اکبر نے۔
اجی اکبر کی ظرافت کے رنگ برنگ پہلو ہیں۔ اب مجھ
سے شعر سنئے! ایک شوخ محبوب کے بارے میں فرماتے
ہیں ۔ ع خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
شعلہ۔۔۔ خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
طلعت آپ کیوں جان مری کھاتے ہیں "پان" تو ہیں
شعلہ۔ بہت خوب یعنی محبوب نے کہا آپ اس قدر بولتے ہیں
جیسے نواب کبھی پٹاخے وغیرہ ہے ہیں۔
طلعت۔ باتیں کرتے ہیں تو لگتا ہے میری جان کھانے کے لئے
ارادے سے تشریف لائے ہیں۔
رنگین۔ آپ آدمی ہیں کہ جھینگر؟
شگوفہ۔ انسان ہیں کہ دیمک؟
رنگین۔ دیمک ہیں کہ دیمکوں کے بادشاہ؟
طلعت۔ اور محبوب نے خاصدان آگے بڑھا کر کہا ع
آپ کیوں جان مری کھاتے ہیں پان تو ہیں۔
رنگین۔ یعنی سیر آدھ سیر پان کھا لیجئے۔
شگوفہ۔ پھر نہ میری جان کھانے کی ضرورت ہوگی۔
طلعت۔ نہ دوپہر کا کھانا کھانے کی زحمت۔
شعلہ۔ (ہنستے ہوئے) بہت خوب کہا مس طلعت۔
رنگین۔ خوب کہا
قہقہے
شگوفہ۔ اور ایک دن یہی محبوب فرمانے لگیں کہ
ع تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور وغوغا پر
شعلہ۔۔۔ تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور وغوغا پر
شگوفہ۔۔۔ کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوب صورت ہے
رنگین۔ بہت خوب یعنی محبوب بولیں کہ مجھے شاعروں کے غل
غپاڑے پر حیرت ہوتی ہے۔
طلعت۔ کہ اگر کوئی خوبصورت ہے تو آپ کیوں خوبصورتوں
کی تعریف میں دفتر سیاہ کئے ڈال رہے ہیں۔
شعلہ۔ آپ کیوں خوبصورتوں کے لئے دیوان کے دیوان لکھے
چلے ڈال رہے ہیں؟
شگوفہ۔ اجی لکھنے کے لئے بڑے موضوع ہیں دنیا میں۔
رنگین۔ مجائب گھر پر شاعری کیجئے۔

شعلہ - نکو دیر کیجئے

طلعت - عجب نثری پر شعر فرما دیجئے۔

شگوفہ - لکھنؤ مجھے پر شعر کہیے۔

رنگین - گدھے کے آگے ہیں پر قصیدہ کہہ نا لیے

شگوفہ - یہ کیا کہ کوئی حسین ہو۔ اور آپ لگ گئے عین کے پیچھے۔

شعلہ - (طنزاً) ہوئی صبح اور اپنے کان پکڑ کر قلم نکلے

رنگین - ہنستے ہوئے بہت خوب

شگوفہ - اکبر کی ظرافت کا جواب نہیں

(قہقہے)

رنگین - اپنی صورت کے مارے ہیں اکبر کا خیال یہ تھا شگوفہ صاحب اکر قدرت کے کارخانے سے جو عام صورتیں بنا کر دنیا میں بھیجی جاتی ہیں میں اسی شکل و صورت کا آدمی ہوں یعنی معمولی شکل و صورت کا آدمی ہوں۔ مگر میری محبوب۔ اس قدر حسین ہے اتنی زبردست پری پیکر ہے یہ مجھے پہلے معلوم نہیں تھا شعر کہتے ہیں۔

ما ہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں

شعلہ.... ما ہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں

رنگین.... مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا

شعلہ (ہنس کر) بہت خوب یعنی میں نے جو اسے دیکھا تو حیران رہ گیا۔

شگوفہ یہ محبوب ہے کہ پری

رنگین اور اس نے جو مجھے دیکھا

طلعت - تو چیخ مار کے کہا "بھوت"

(قہقہے)

رنگین - ما ہم شب وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہ ہوا ان کو بھوت کا

شگوفہ - اور حضور اکبر کی نظر خاندانی منصوبہ بندی پر بھی تھی - وہ چاہتے تھے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان بچے ہوں تو صرف دو حد ہے تین فرماتے ہیں۔

تھا پہلے تھا اس بت کے گرد اب ساتھ ہے بچوں کی فوج

شعلہ.... پہلے تھا اس بت کے گرد اب ساتھ ہے بچوں کی فوج

شگوفہ.... مطلب یہ کہ پہلے میں اپنی ہونے والی بیوی کے گرد گھومتا تھا اور اب میں خود گھومتا ہوں اور ادھر بچوں کی فوج گھومتی ہے

یعنی عشق میں دیوانہ تھا اب گھر میں دیوانہ ہوں

طلعت - توبہ اتنے بچے

ایک بیوی ایک بیوی کی گود میں

شعلہ دوسرا شوہر کے کاندھے پہ

شگوفہ - تیسرا بیوی کی گردن میں لٹکا ہوا۔

رنگین - چوتھا شوہر کی پیٹھ پر لدا ہوا۔

شعلہ - پانچواں زمین پر۔

شگوفہ - چھٹا چار پائی پر

رنگین - غرض کہ الماری الماری بچے میز میز بچہ۔

شعلہ - اسٹول اسٹول بچہ کرسی کرسی بچہ۔

طلعت - اور طاق طاق بچہ

(قہقہے)

واسطے ایک بھیجا۔ اف خدا۔ اگر کسی نے سیما بھی تو میرے خیال
میں اس گھر میں قیامت ہی آجائے گی لیکن سیمیں میرا گھرانہ بھی تو
ماڈرن نہیں۔

ہاں میں جانتی ہوں لیکن تمہیں کیا۔ میری کلاس میں تمہارے
والدین جیسی ہمت کہاں کہ بزرگوں سے بغاوت کر کے لڑکیوں کو
اعلیٰ تعلیم دلوائیں۔ خود تو تم دیکھ ہی رہی ہو۔ پرائیوٹ بی اے
کر رہی ہوں۔ رخشی اس سال انٹر کر لے گی۔ آگے
پڑھنے کا شوق اسے بھی ہے۔ لیکن کیا پتہ پڑھنے کی اجازت ملے
کہ نہ ملے۔ بڑے بھیا ایم اے میں ہیں۔ خیر وہ تو لڑکے ہیں
پڑھنا چاہیں گے تو پڑھ ہی لیں گے۔

ارے ہاں۔ فرخ اچانک اٹھ بیٹھی۔ سیمیں۔ تم نے بہت
پہلے اپنے بھیا کی افسانہ نگاری کی بڑی تعریفیں کی تھیں۔
میں نے بھی ان کے افسانے چند رسائل میں پڑھے ہیں۔ سچ مچ
بہت اچھا لکھتے ہیں۔

اوہ اچھا۔ ہاں میں نے کہا تو تھا۔ لیکن یہ شوق تو چھوٹے
بھیا کو تھا۔ سیمیں نے عجیب سے سوگوار لہجے میں کہا تو فرخ
چونک پڑی۔

شوق تھا۔ تو کیا اب نہیں رہا۔

ہاں۔ بس یہی سمجھ لو۔ سیمیں نے مجبور ہو کر سر جھکا لیا۔

سیمیں بات کیا ہے۔ فرخ اس کے قریب سرک آئی۔
سب خیریت تو ہے۔ تم تو رونے کیوں لگیں۔ پلیز سیمیں
مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔

سیمیں آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے بولی۔ تمہیں نہ بتاؤں گی
فرخ تو کس سے اپنا دکھڑا کہوں گی۔ نہ بتایا تو یہ درد اب مجھ
سے برداشت نہ ہوگا۔ آج چار مہینے ہو گئے۔ بھیا کی ذہنی حالت
ٹھیک نہیں رہتی۔ پڑھائی بھی ادھوری پڑی ہے۔ اب آئی
ہو تو خود ہی دیکھ لینا۔

اس کا کوئی سبب تو ضرور ہوگا سیمیں۔ فرخ نے غمگین لہجے
میں پوچھا۔

ان سب کی وجہ ان کی افسانہ نگاری ہی ہے۔ انہیں
افسانے لکھنے کا شوق دیوانگی کی حد تک تھا۔ رات رات بھر
کمرے کی بتی جلا کرتی۔ کھانا رکھے رکھے ٹھنڈا ہو جاتا لیکن
انہیں اس شوق کے آگے کچھ سوجھتا ہی نہ تھا۔ اور جب خون
جلا جلا کر لکھا ہوا کوئی افسانہ شائع ہوتا تو ان کے چہرے پر خوشی
قابل دید ہوتی۔ امی ابا بھی منع کرتے رہتے مگر بھیا اور تندہی سے
کچھ لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔ انہوں دنوں بھیا نے ایک افسانہ
لکھا تھا۔ خوبصورت گناہ۔ میں ہی ان کے افسانوں کی کاتب
تھی۔ بہت ہی اچھا افسانہ تھا۔ شاید تم نے بھی پڑھا ہو۔ اس
کے بعد بھیا نے اسی افسانے کو ناول کی شکل میں لکھا۔ دوست
احباب کو بھی اکثر بھیا اپنے افسانے وغیرہ دکھاتے رہتے تھے
اور ایک دن انہیں دوستوں میں ایک نے اسی ناول کو اپنے
نام سے چھپوا لیا۔ خدا جانے۔ یہ سب کیسے ہوا۔ اسی ناول پر
اس کم بخت کو انعام بھی ملا۔ جب یہ کتاب مارکیٹ میں بجائے
بھیا کے نام کے کسی اور کے نام سے آئی اور وہ بھی انعام یافتہ
تو سوچ لو۔ فرخ کیا ہوا ہوگا اس وقت۔ سیمیں نے اشکبار
نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اور پھر سب کچھ برباد ہو گیا۔
سب ختم ہو گیا۔ بھیا یہ بار بار کہتے رہتے ہیں۔ وہ زندہ دلی
وہ شوخیاں سب گذرا ہوا لمحہ بن گئیں جو لوٹ کر کبھی نہیں آتا۔
خود ان کی زندگی ایک درد بھرے افسانے کی تعبیر بن کر رہ
گئی۔ علاج کروائیں تو کیسے کروائیں۔ اپنے قریب نہیں
آنے دیتے کسی کو۔ اب وہ ہیں اور ان کا پاگل پن۔ سیمیں
ایک ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔

سیمیں۔ فرخ نے کچھ دیر رک کر کہا۔ تم بھی انہیں پاگل
سمجھتی ہو۔ ارے پاگل اور نا سمجھ تو وہ ہیں۔ وہ ظالم جنہوں
نے ایک شخص سے اس کی زندگی چھین لی۔ خدا ان سے سمجھے
یکایک جیسے کوئی طوفان پھٹ پڑا۔ باہر سے چیخنے چلانے اور
کچھ ٹوٹنے پھوٹنے کی صدائیں آرہی تھیں۔ سیمیں گھبرا کر اٹھ
کھڑی ہوئی۔ اوہ۔ شاید چھوٹے بھیا آ گئے۔ دونوں بوکھلائی
ہوئی باہر نکلیں۔ دالان میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ دیواروں
پر لگے طغرے زمین پر چکنا چور پڑے تھے۔ قد آدم آئینہ
ایک اپنی ٹوٹی قسمت پر رو رہا تھا۔ ہر چیز تتر بتر تھی۔ اور
ان کے درمیان ایک۔۔۔ وحشت زدہ سا [illegible]

کی طرح چیخ رہا تھا۔ سرخ آنکھیں۔ بکھرے بال۔ غیظ میں بھرا ہوا چہرہ۔ سخ ہو کر رہ گیا تھا۔ بھیا۔ سیمیں چلائی۔ اور جواب میں اس نے زمین پہ پڑا ہوا گلاس اٹھا کر زور سے اس کی طرف پھینکا۔ فرخ نے جلدی سے سیمیں کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ لیکن شومئی قسمت وہ گلاس اس کے ہاتھ کو زخمی کرتا ہوا نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا۔ وہ آہ بھر کر سیمیں کو لیے ہوئے زمین پر آ رہی۔ اور ایک لمحے جیسے ساری فضا ساکت رہ گئی۔ پرویز کا اٹھا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے فرخ کے ہاتھ سے نکلتے خون کو دیکھ رہا تھا۔ معاً سب کو ہوش آیا امی اور دادی اماں دوڑ کر ان دونوں کے قریب جا پہنچیں اور فرخ کو سہارا دے کر اندر لے گئیں۔ پرویز وہیں خاموش کھڑا فضا کو ایک ٹک گھور رہا تھا۔ یکایک وہ ہنس پڑا۔ عجیب سی وحشیانہ ہنسی کہ در و دیوار کانپ اٹھے۔ سیمیں نے اٹھ کر کھڑکی اور دروازے بند کر دیے۔ فرخ کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ دھیرے سے کراہ کر اٹھ بیٹھی۔

ارے اٹھو نہیں بیٹیا۔ ذرا دوا تو اثر کرلے۔ دادی اماں نے اسے پھر لٹا دیا۔ خدا نے بال بال بچایا ورنہ اس ظالم نے مار ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ وہ غصہ میں بولیں۔ انھیں ظالم نہ کہیے دادی اماں۔ وہ بہ مشکل مسکرا کر بول سکی۔ جوش میں ہوش ہی کہاں رہ جاتا ہے۔

جیتی رہو بیٹی۔ دادی اماں نے اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔ گھر جاؤ گی تو کیا کہیں گے سب۔ وہ تاسف کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔ ارے کچھ نہیں دادی اماں۔ یہ ایسی معمولی چوٹیں لگتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی مر تھوڑی ہی جاتا ہے۔

مریں تمھارے دشمن۔ دادی نے اسے دوا کھلاتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر بعد اسے آرام کی تلقین کر کے چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد جب دونوں اکیلی ہوئیں تو سیمیں نے تاسف سے کہا۔ تم نے دیکھا ذرا بھیا کی دیوانگی اب تکیہ میں منھ چھپائے رو رہے ہوں گے بچوں کی طرح۔ ارے۔

فرخ ایک ہاتھ سے سر تھامے اٹھ کر بیٹھ گئی اور حیرت سے بولی۔ چوٹ تو مجھی کو لگی ہے۔ ارے یہی تو عادت ہے

ان کی۔ روئیں گے بھی ہنسیں گے۔ کبھی توڑ پھوڑ مچائیں گے۔ ناک میں دم آ گیا ہے۔ ایسا مت کہو سیمیں۔ فرخ افسردگی سے بولی۔ اس حالت میں ان سے نفرت نہیں محبت کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ دل کا وہ درد ہے جو اس طرح نکالا جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں اس حالت میں غیر تو ان سے دور ہی رہتے ہوں گے اور اب اگر وہ اپنوں کو بھی خود سے دور جاتے دیکھیں گے تو۔ تم ہی سوچو کیا حالت ہوگی ان کی۔

پھول توڑنے کے لیے ہاتھوں کو کانٹوں سے بھی الجھانا پڑتا ہے سیمیں۔ فرخ نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

گھر آ کر فرخ کئی دنوں تک اپنے ہی خیالوں میں کھوئی رہی۔ پرویز کا یہ رخ اس کے لیے نیا تھا اور بے حد تکلیف دہ بھی۔ وہ ایک اچھے افسانہ نگار کی حیثیت سے اس کے نزدیک عزت و احترام کا مرکز تھا اور اسے بخوبی احساس تھا کہ دنیائے ادب ایک اچھے افسانہ نگار سے محروم ہو گئی ہے۔ وہ خود بھی افسانے لکھتی تھی اور اس کی دلی آرزو تھی کہ پرویز اپنی پچھلی زندگی میں لوٹ جائے۔ وہی پہلا سا پرویز۔ جس کے سبق آموز افسانے وہ کئی کئی بار پڑھتی تھی۔ لیکن لیکن یہ کیسے ہو۔ یہ سوال اس کے ذہن کے پردوں سے بار بار ٹکراتا اور اسے بے چین کر دیتا۔

اس کے خیالات جان کر سیمیں حیرت زدہ رہ گئی۔ فرخ اپنی زندگی پر رحم کھاؤ۔ ہم تو ان کے قریب جاتے بھی ڈرتے ہیں۔ اور پھر کہیں تمھارا یہ قدم دشمنوں کو مشکوک نہ کر دے۔

اس کی مجھے فکر نہیں مری دوست۔ فرخ نے پرعزم لہجے میں کہا۔ تم تو بجائے میری ہمت بندھانے کے اور مجھے ڈرا رہی ہو۔ بھلا تم ساتھ نہ دو گی۔ میرا تو اور کون دے گا۔ میری تو جان بھی حاضر ہے تمھارے لیے۔ سیمیں نے اسے بڑھ کر لپٹا لیا اور جانے کیوں رو پڑی۔

چھوٹے بھیا۔ سیمیں نے بڑے پیار سے دروازے پر دستک دی۔ بھیا۔ اس نے پھر پکارا۔ کیا ہے۔ ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا۔ یہ بھیا۔ چیز کس کی کتاب۔ اگر ہم تو

دے دیکے سہمی سہمی سی بولی ۔ نرگس ۔ کون نرگس ۔ پرویز نے
دہرایا ۔ نہیں کیا ضرورت پڑی اس کتاب کی ۔ م ۔ مجھے نہیں [illegible]
[illegible] اپنے مجھے نظریں فرخ کی طرف کر دیا ۔ پرویز کی نگاہیں اس
کے چہرے پر جم گئیں ۔ وہ اس کے ماتھے کے زخم کو دیکھ رہا تھا ۔ بھیا
نہیں کیا اس کی ضرورت پڑی ۔ ہمیں اندر آنے کو نہیں کہیں گے ۔
اندر آئیے ۔ اچھا ۔ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولا اور ایک
طرف ہو گیا ۔ یہ رہی شیلف ۔

لیکن کتاب یہاں تو ہے نہیں ۔ سیمیں نے کتابیں الٹتے پلٹتے
ہوئے کہا ۔ شاید نکہت لے گئی ہوں ۔

نہیں ۔ نہیں بھیں بچوں کی سب ۔ وہ شرمندہ سا بکھری
کتابوں کو دیکھنے لگا ۔ کتنا فرق تھا اب اس چہرے میں ۔ کہاں
وہ وحشت وہ دیوانگی وہ غیظ و غضب اور کہاں یہ شرمسار
سا معصوم چہرہ ۔ سیمیں ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی ۔ اللہ بھیا کوئی چیز
جگہ پر چھوڑتے بھی ۔ لگتا ہے کمرے کی صفائی ہی نہیں ہوئی آج ۔
پرویز کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا ۔ معاف کیجئے گا ۔ وہ
اس سے مخاطب ہوا ۔ یہ سب ۔ برا تو لگ رہا ہوگا ۔ لیکن جب
زندگی ہی اجڑی ہوئی ہو تو ظاہری سجاوٹ کیا کرے گی ۔ کوئی
بات نہیں ۔

میں پھر آ کر کتاب لے لوں گی ۔ لیکن برا نہ مانئے گا ۔ پرویز بھائی
زندگی اجاڑنا اور بنانا تو انسان کے بس میں خود ہوتا ہے ۔ پھر اجڑی
زندگی کا غم کیا معنی ۔ بنانے کی کوشش تو کریں ۔ اور جو کسی اور نے
اجاڑی ہو تو ۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے تکنے لگا ۔

تو کسی اور کو کسی کی زندگی میں اتنا دخل کیسے فرخ نے نظریں
بچا لیں ۔ بھلا وہ جان کا دشمن کون ہوگا ۔ وہ بھی آپ کا ۔

آپ بھی کیا کہیں گی ۔ حادثے جن پر گزرتے ہیں وہی جانتا
ہے ۔ دوسرے صرف خالی باتیں کرتے ہیں ۔ نہیں ایسا تو نہیں
[illegible] یہاں کے لوگ اپنے دکھ کو خود تک ہی محدود
رکھنا چاہتے ہیں ۔ جبکہ انہیں جاننا چاہئے کہ ان کے گھر والے
بھی ہیں جو ان کے دکھ کو ان سے زیادہ محسوس کرتے ہیں ۔ والدین
کے چہرے [illegible] ہوتے ہیں [illegible] سمجھنا خودداری نہیں میرے
خیال میں نادانی ہے ۔

خوب ۔ وہ زخمی سا مسکرایا ۔ ایسے لوگ جینے کتنے ہیں کیا
کبھی کوئی جانتے ہیں ۔ نہیں میں تو یہ نہیں مانتا ۔ غور کیجئے
اچھا خدا حافظ ۔ اگر کتاب مل جائے تو ہماری مہربانی سیمیں
کو دیجئے گا میں لے لوں گی ۔

پرویز نے سیمیں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا ۔
بھیا ۔ فرخ میری سہیلی ہے ۔ سیمیں نے اس کی بات کا جواب
دیا اور پھر دونوں باہر نکل آئیں ۔ سیمیں فرخ کی دلیری اور
پرویز کی سنجیدگی پر حیران تھی اور فرخ کسی اور ہی خیال
میں کھوئی ہوئی تھی ۔

دوسرے دن جب وہ پہنچی تو سیمیں نے اسے کتاب
تھما دی ۔ پرویز گھر پر نہیں تھا ۔ دونوں اس کے کمرے میں
جا گھسیں ۔ دونوں نے مل کر کمرے کی صفائی کی ۔ فرخ نے
جب ایک کونے میں رکھی الماری کھولی تو اسے دیکھ کر حیرانی
ہوئی ۔ کمرے کے برعکس یہاں ہر چیز محفوظ تھی ۔ افسانوں کے
تراشے ۔ خطوط اور رسالے سب ایک متاع حیات کی طرح
سنبھال کر رکھے گئے تھے ۔ اس نے سیمیں کو بلا کر دکھایا ۔ دیکھو
، ایسی چیزوں کو سنوار کر رکھنے والا شخص بھلا کبھی ان سے نفرت
کر سکتا ہے ۔ غم اور غصے نے ان کے خیالات ضرور بدل دیے
ہوں ۔ جذبات نہیں بدلے ہیں ۔

شاید تم ٹھیک کہتی ہو فرخ ۔ لیکن یہ خیالات اب
کیسے واپس لوٹیں گے ۔ سیمیں نے پر امید لہجے میں پوچھا ۔ دھیرے
دھیرے ہی تو ۔ فرخ نے اسی لہجے میں جواب دیا ۔ اچھا یہ
بتاؤ یہ آخر باہر کہاں جاتے ہیں ؟

باہر کہاں ۔ آدم بیزار تو ہیں ۔ یہیں قریب ایک سنسان
سا پارک ہے وہیں اکثر جا بیٹھتے ہیں ۔ دونوں باتیں کرتے
ہوئے باہر نکل آئیں ۔ پرویز گھر میں داخل ہو رہا تھا ۔
فرخ کو دیکھ کر ٹھٹک گیا ۔ فرخ نے آداب کے لیے ہاتھ اٹھا
دیئے اور سیمیں کے کمرے میں چلی گئی ۔ اسی کی آواز سن
کر پرویز کی محویت ٹوٹی اور وہ دھیمے قدموں سے کمرے
کی طرف بڑھ گیا ۔ کمرے کی بدلی ہوئی حالت زبان حال سے
کوئی افسانہ کہہ رہی تھی ۔ ایسے ہی [illegible]

حریمی دسترخوان

آلو انڈے

دالوں میں چنے کی دال اور ترکاریوں میں آلو ایسی چیزیں ہیں جن سے لاتعداد قسم کی کھانے والی چیزیں بنائی جاسکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ترکیب بہت سی بہنیں جانتی ہوں، لیکن ایسی بہنیں بھی ہوں گی جو نہ جانتی ہوں گی، اس لیے انہیں اس سے فائدہ پہونچے گا۔

آدھا کیلو آلو لے کر چھیلئے۔ قدرے موٹے قتلے بنا کر انہیں چھوٹے کر لیجیے پھر آلو کی معمولی بھجیا کی طرح تیل یا گھی میں پکا لیں۔ تیار ہونے پر دو انڈے توڑ کر مع زردی اور سفیدی کے ڈال کر تیزی سے کفگیر سے چلائیں اور نوش فرمائیں۔ کافی لذیذ معلوم ہوں گے۔

آلو کے میٹھے چاول

بڑے آلو چھیل کر ایسے کدوکش پر ان کے بیں بنائیں جو باریک باریک تقریباً چاولوں کی شکل کے ہو جاتے ہیں۔

آدھا کیلو آلو۔ آدھا کیلو شکر ۱۰۰ گرام گھی۔ میٹھا یعنی کیوڑہ کا عطر اگر عمدہ ہو تو دو تین قطرے۔ جبازملد کیا دی رنگ چائے کا ایک چمچہ۔

کدوکش کیے ہوئے آلوؤں کو کھولتے پانی میں ایک منٹ کے لیے ڈال کر ان کو چھان لیں۔ شکر میں چائے کی تین پیالیاں پانی۔ میٹھا عطر اور رنگ ملا کر تیز آنچ پر اتنا پکائیں کہ نصف پانی جل جائے۔ آلو کے چاولوں کو کسی بھگونے میں پھیلا کر قوام ڈالیں اور گھی الائچی دو رنگ سے داغ کر شامل کر دیں۔ بالکل ہلکی آنچ پر [illegible] ایک طرح بند کر کے کچھ دیر رکھیں اور جب [illegible] آلو کے چاولوں میں جذب ہو جائے تو اتار لیں۔ اگر میٹھا عطر [illegible] عمدہ قسم کا عرق یا عمدہ کیوڑہ تھوڑا سا ڈال دیں۔ یا دیگچی کو دم کے ساتھ پکنے کے لیے میٹھا عطر ہی ڈالا جاتا ہے۔ کیوڑہ کا عرق ڈالیں تو تیاری پر ڈالیں۔

آلو کی پھلکیاں

بیسن کے بجائے آلو کو ابال کر پیس لیں اور پیاز باریک باریک کاٹ کر نمک مرچ، ہرا دھنیا، کھٹائی اور ہری مرچ و ادرک کی ہوائیاں شامل کر کے چھوٹی چھوٹی گولیوں کی طرح بنا لیں۔ پھر گھی یا تیل کسی کڑھائی میں کڑکڑائیں اور تھوڑا بیسن پھینٹ کر نمک مرچ ملا کر ان گولیوں کو اس میں لت پت کر کے تل لیں۔ نہایت لذیذ ہوں گی۔

آلو کی روٹی

آلو آدھا کیلو۔ میدہ یا سفید باریک آٹا ۲۰۰ گرام۔ نمک اندازے سے۔

آلو ابال کر چھیلیں اور سل پر پیس کر اسے اور نمک کو آٹے میں ملا کر چھوٹی چھوٹی لوئیاں بنا لیں اور بیلن پٹرے پر ذرا سا گھی لگا کر پتلی پتلی بیلیں اور توے پر دونوں طرف پکا کر نوش فرمائیں۔

بروز اتوار بمقام جسّل کٹ ... بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• مرزا احمد ملک صاحب (لندن) کی صاحبزادی عذرا پروین ملک سلمہا کی شادی خالد رضوان سلمہٗ (فرزند جناب شمشیر اللہ اعوان۔ لندن) سے ۳ اپریل [illegible] بروز اتوار بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک ہماری بہن عذرا پروین سلمہا کی زندگی کو ہمیشہ شاد کام رکھے۔ (نسیم انہونوی)

• عارف الٰہی صاحب (ہمزہ نث ڈیرہ پیپی۔ آگرہ) کی لخت جگر بشریٰ سلمہا کی شادی کلام الٰہی سلمہٗ (خلف جناب ارشاد الٰہی منوہرہ والے) سے ۲۶ اپریل [illegible] بروز اتوار بعد نماز مغرب بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• رابعہ قادر (موتی پور) "میرے چھوٹے بھیا محمد صدیق الیاس سیٹھ کی شادی خانہ آبادی ثریا بی کے ساتھ ۱۵ مارچ [illegible] کو بمقام جگلور بحسن و خوبی انجام پائی خدا سے دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم زندگی گذاریں۔

• فہملا مرزانی (بھٹکل) "میرے ماموں عبد الرحمٰن مرزانی (ابن عبد الغفور مرزانی) کا عقد سیدہ عفت النسا سلمہا (بنت عبد القادر شیخ) کے ساتھ بمقام سنکری کار وار ۲۳ اپریل [illegible] بروز اتوار بوقت ۹ بجے شب بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک ماموں و ممانی صاحبہ کی زندگی کو ہمیشہ پر بہار بنائے۔

• نی عظمت ترنم (آسمبور) "میرے بھیا عبد الکریم بی کام کی شادی نازنین انجم (دختر بیگ۔ اختر محمد ابراہیم) کے ساتھ ۲۶ مارچ [illegible] بروز اتوار بوقت صبح ۱۱ بجے بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ بھیا اور بھابھی ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• محمد شمیم بی۔ اے، ایل ایل بی (لکھنؤ) "میرے دوست اقبال احمد بی کام کی شادی نسیم آرا کے ساتھ ۹ مارچ [illegible] کو بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میرے دوست اور بھابھی کے دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رکھے۔

• شفیع اللہ خاں (ردولی) کی پارہ جگر سارہ تنویر کی شادی شاہد بیگ سلمہٗ (پسر احمد بیگ صاحب۔ لکھنؤ) کے ساتھ ۱۵ اپریل [illegible] بروز جمعہ بمقام ردولی بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• سیدہ صالحہ یاسمین (بھاگلپور) میری پیاری آپا یاسمین شاہین (دختر بیگ اختر جناب سید محمد یونس بھاگلپور) کی شادی حسین احمد بی۔ ایس سی (فرزند جناب حلیم الدین) کے ساتھ ۲۴ جون [illegible] بروز جمعہ بمقام بھاگلپور بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ آپی دولہا بھائی ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• ریحانہ تاج (آمبور) میری پیاری بھابھی فرزانہ پروین سلمہا (بنت جناب کے محمد یعقوب مرحوم) کی شادی یسین احمد باشاہ سلمہٗ (پسر عبد الرحیم صاحب) کے ساتھ بخیر و خوبی انجام پائی۔ خدا سے دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم رہیں (تاریخ نہیں لکھی شادی کی)

• کوثر خانم (کلکتہ) "میری چھوٹی بہن کشور خانم سلمہا۔ (دختر جناب رحمان خاں) کی شادی ایوب علی (فرزند معشوق علی صاحب) کے ساتھ ۱۴ دسمبر [illegible] کو بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک ان کی جوڑی کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے۔

• ۹۶۸۹۔ اپنی خبر پورے ردانا کریں۔ کیا دونوں شادیاں ایک ہی دن ہوئیں اور ایک ہی جگہ۔ اس کا حوالہ ضرور دیں۔

انتقال پُرملال کی خبریں

• بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری والدہ کی پھوپھی کے لڑکے جمیل احمد فیاض جوان عمری ہی میں مدراس سے آتے ہوئے راستہ میں کار اور لاری کے ایکسیڈنٹ سے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ کار بالکل چکنا چور ہو گئی۔ گھر والوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ ان کا حال ناقابل بیان ہے اللہ ہی انہیں صبر عطا فرمائے اور مرحوم کو بخشے۔

• جنت پروین تحسین صباد آنولہ "ہمارے تایا زاد بھائی عقیدت خاں بعمر ۲۸ سال ۱۴ مارچ [illegible] بروز ... بوقت ۱۰ بجے شب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی ناگہانی موت

اب میں خود ہی گھر سے چلی جاؤں گی۔ مجھے تمھاری چچی جان بلا رہی ہیں۔ تم جانو تمھارا کام جانے۔ روز روز کے جھگڑے مجھ سے نہیں نپٹتے۔ راحت بیٹی خان صاحب سے کہہ دے۔ گاڑی نکالیں۔"

"آپ نے سارا قصہ سنا ہی نہیں۔ خواہ مخواہ خفا ہونے لگیں۔" مصطفیٰ نے کہا۔

"کیا قصہ ہے۔" وہ بگڑنے لگیں تھیں۔

"یہ آپ کی صاحبزادی بضد ہیں کہ یہ بے تکے گملے اس جگہ رکھ کر شو خراب کریں گی۔ میں ملازموں کو بلا کر لایا تھا کہ اس جگہ سے اٹھوا کر دوسری طرف رکھوا دوں تو یہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئیں۔" مصطفیٰ نے کہا۔ جینی نے سر پیٹ لیا دانت پیس کر بولی "حضور ان کا کیا پانی ہوگا چھڑکا یا کتنے کہ پر جیسا سفید جھوٹ بول کر رہے۔ خبردار۔ میں بری طرح پیٹوں گی۔ موہو۔ اگر تم نے میری بچی کی کوئی بات ٹالی اگر میری بٹیا کہتی ہے کہ گملے یہیں رہیں گے تو یہیں رہیں گے!" پھوپھی اماں نے کہا اور اسے تسلی دی "اسی جگہ رکھ بیٹی یہ سب۔ اور اب تم اس نکھٹو کی بات پر کان نہ دھرا کرو۔"

جینی کچھ نہ کہہ سکی۔ پھوپھی اماں مصطفیٰ کو قہر آلود نظروں سے گھور کر گئیں اپنے ساتھ ذکیہ کو بھی لیتی گئیں۔

"میں بہت پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ یہاں میرا رہنا آپ کو گوارا نہیں ہے۔ مجھے سے کہہ دیجئے۔ یونہی میں چلی جاؤں گی۔"

"کون الو کا پٹھا ایسا سمجھتا ہے۔" وہ گرج کر بولا۔

"آپ!" وہ پھر ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں گلابی ہو گئی۔

"کیوں سمجھتا ہوں میں ایسا؟"

"مجھے کیا پتہ۔؟"

ممی نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ تمھاری سالگرہ کی شام تم سے روحی کی منگنی کا اعلان کر دیں گی۔"

"نہیں؟" مصطفیٰ نے بڑی وحشت سے کہا۔

مگر ابرار اتنا سیدھا تھا کہ اس نے اس کی وحشت محسوس نہیں کی۔ اپنی کہے گیا: "پپا اس لیے پریشان ہیں کہ پرسوں تمھاری سالگرہ ہے اور۔ وہ۔ پلیز موہو۔ مجھے معاف کر دو۔ پپا کو بھی معاف کر دو کہ۔ وہ اب عہد شکنی پر مجبور ہیں وہ اس خرسندگی سے سالگرہ میں بھی شامل ہونا نہیں چاہتے۔ کیونکہ۔ وہ۔ وہ اب بڑے ابا کے بیٹے عرفان کی درخواست پر غور کرنے لگے ہیں۔ مجھے تو نہیں معلوم مگر پپا کہہ رہے تھے کہ دادا حضور کے مرنے کے بعد بڑے ابا نے پپا کی بہت مدد کی تھی اور ان کا کلینک اپنے خرچ سے کھلوایا تھا۔ اگر وہ عرفان بھائی کے سلسلہ میں زور دیں گے تو۔ پپا۔ بڑے ابا کے احسانوں کے خیال سے انکار میں جواب نہیں دے سکتے!"

فرط مسرت سے مصطفیٰ کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے کہتے ہیں۔ ہر لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے۔ اس نے اپنی مسرت چہرے سے ظاہر نہ ہونے دی۔ ابرار اس کا ہاتھ دبا کر بولا:

"مجھے پپا نے اسی لیے بھیجا تھا کہ میں مناسب الفاظ میں ساری الجھن تمھارے سامنے رکھ دوں۔ تم تعلیم یافتہ، روشن خیال اور وسیع الظرف ہو۔ آدمی کی مجبوریوں کو سمجھتے ہو۔ خود ہی ممی سے کہہ سکو گے ورنہ وہ پرانے زمانے کی خاتون ہیں۔ نہ بات پر جان دینے والی۔ کہیں کچھ دور رائے قائم نہ کر لیں۔ ادھر پپا بھی اتنے ترقی پسند، اور بے حس نہیں کہ زبان دے کر مکر جائیں۔ وہ ممی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے!"

ہو چکا تھا گردہ ڈرامہ کلائمکس پر پہونچنے سے پہلے ہی بڑے افسوس ناک
پوائنٹ پر ختم ہو گیا۔ وہی بات تھی کہ۔ دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا۔ وہ میری
محبت کا جواب دینے ہی والی تھی کہ اس کا بڑا بھائی آ گیا۔ اور پھر وفا کیسی کہاں
کا عشق۔ ہم تھے کہ اڑ گئے دمِ صف حشر لیے ہوئے۔ اس بدتمیز نے بڑا سا ڈنڈا ہاتھ میں
سنبھال رکھا تھا۔"

"پھر لڑائی نہیں کی؟"

"تمہارا کیا مطلب ہے۔ میں مار کھاتا!"

"عاشقی میں عزت سادات تو جاتی ہی ہے۔ لیلیٰ کا دیوانہ جب تک پتھر سے نہ
مارا جائے اسے مجنوں کون کہے گا!" مصطفیٰ نے کہا۔ "یار مشورہ یہ ہے کہ سیکھے
جاؤ عشق مرے دوستو!"

"یہ بدپرہیزی کیسی! اشعار میں گفتگو کر رہے ہو؟" ابرار نے آنکھیں نکالیں
"تمہاری صحبت میں خراب ہو رہا ہوں!"

"اچھا موسو۔ مذاق برطرف۔ میں ایک بات بے حد سنجیدگی سے کہنا چاہتا ہوں"
"تم اور سنجیدگی؟" موسو ہنسا "خوشی سے مر نہ جاؤں اگر اعتبار کروں۔ پلیز
موسو، تم بھی سنجیدگی سے سنو" وہ گھگھیایا۔

"اچھا سنوں گا۔ سناؤ"

"شاید تمہیں نہیں معلوم کہ۔ کوئی سال چھ ماہ قبل ممی نے [illegible] کے سلسلے
میں تمہارا نام لیا تھا۔"

بات کاٹ کر مصطفیٰ نے کہا۔ "یہ تو پرانی بات ہو گئی ہے"
"وہ پھر سے نئی ہو گئی ہے۔ پپا آج کل بہت پریشان ہیں۔"

"تو پھر آپ کیوں دھمکاتی ہیں کہ پٹھان بیگم سے میری شادی کر دیں گی۔؟"

"واہ یہ بھی کوئی بات ہے؟"

"اگر دھمکی دینا بھی چھوڑ دیجئے تو میں بھی خاموش احتجاج نہ کروں گا!"

"میں کیا جانوں! پھوپھی اماں سے کہئے۔ لیکن روفی بہت اچھی بچی ہے"
"بہت زیادہ اچھائیاں میں اپنی ذات پر منڈھنا نہیں چاہتا"

"ایسے بے حد اچھے بھی ہیں آپ!"

"بس۔ اپنی ہی سی کچھ کم اچھی میں اپنے لیے چاہتا ہوں۔ سمجھیں۔"

"ارے بابا!" انتہا پسند گردہ بولی "تو یہ سب مجھ سے کہنے سے کیا حاصل۔ اپنی
ممی سے کہئے۔ میں کیا آپ کی قاصد ہوں۔؟"

روفی اپنی پھلدار اور خوشنما میکسی لے کر آئی۔ اور اپنے جسم سے لگا کر بولی
"اچھی لگ رہی نا۔ جینی۔؟ یا پھر نیچے ایک جھالر اور لگا لوں؟"

"لاحول ولا قوۃ۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مردہ کفن پہنے بنفس نفیس دفن
ہونے کے لیے تشریف لے جا رہا ہے۔ میرا بس چلے تو میں۔" مصطفیٰ نے
کہا۔ روفی بات کاٹ کر چیخی "آپ سے نہیں پوچھا میں نے"

"کیا یہ لبادہ میری سالگرہ میں پہن کر حاجی بغلول بننا ہے آپ کو" مصطفیٰ
دہشت سے تلملا کر بولا۔

"آپ خود دس مرتبہ حاجی بغلول" روفی بگڑ گئی۔ اور جینی کا ہاتھ پکڑ کر
چل دی۔ دونوں الگ تھلگ بیٹھ کر مصطفیٰ کی برائیاں کرنے لگیں۔

"کیسے رہتی ہو اس بن مانس کے ساتھ" روفی متحیر تھی "میرے تو دماغ
کی چولیں ہل جاتی ہیں!"

"اسے مستقل طور پر بلا کریں گی" جینی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"خدانخواستہ"

"پھوپھی اماں نے پپا سے کہہ دیا ہے۔ نومو کے ساتھ تمھاری شادی۔!"

"چھو۔گپ بازکہیں کی۔ ارے تم سے کیا چھپانا۔ پپا نے تو بڑی اماں سے میرے سلسلے میں بات چیت کی تھی۔!" روزی بولی۔

"کیا!"

"بڑی ماں پپا کے بڑے بھائی کی بیوی ہیں۔ ان کا لڑکا ہے نعو فان وہ پپا کے ہسپتال ہی میں کام کرتا ہے۔ اس کے لیے پپا نے بڑی ماں سے کہلایا تھا۔ اور شاید" وہ کچھ جھینپ کر چپ ہو گئی۔

"اور کیا؟" جینی نے پوچھا۔

"بڑے ابا کے کینیڈا سے آنے کے بعد پپا نے کہا تھا کہ رسم کر دیں گے۔" وہ شرماتی ہوئی بولی۔

"تمھیں پسند نہیں ہیں عرفان صاحب۔!"

"پسند وسند کیا۔ نومو کے جیسے شریر اور چلبلے نہیں ہیں۔ بے حد سیریس اور کم گو آدمی ہیں۔"

"تو پھوپھی اماں کو اس بات کی خبر نہیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"اچھا جینی یہ تو بتاؤ۔ ممی نے تمھارے سلسلے میں کیا ابھی تک کچھ نہیں سوچا۔؟"

"ہشت۔ میں شادی بیاہ سے دلچسپی نہیں رکھتی!۔ شادی کے بعد شوہر کی تابعداری کرنا پڑتی ہے۔ بچے ہوتے ہیں۔ ان کی الجھن الگ۔ ایک بیمار ہو گیا دوسرا لڑ گیا۔ یہ کہاں کی مصیبت۔ اب دیکھو کہ ڈیڈی نے شادی کی۔ بچے ہوئے!

دوست دار دشمن ہے اعتماد دل معلوم
آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

مصطفےٰ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

کچھ دیر بعد دونوں صحن چمن میں بیٹھے چاندنی کا لطف اٹھا رہے تھے۔ ابے تو عین وقت پر کالے دیو کی طرح ٹپکا اور اشعار کی بیماری پھیلانے لگا۔ مصطفےٰ دانت کچکچا کر بولا۔ "دراصل آج تو میں قطعی سوچ چکا تھا کہ اس سے کچھ درد دل کہہ ہی دوں گا۔"

"مبتلا ہو گیا ہے۔ دل کے درد میں؟" ابرار نے حیرت سے اچھل کر پوچھا۔

"اسے خبر ہے کہ نہیں!"

"تم منحوس نہ آجاتے تو واقف کرا دیتا!" مصطفےٰ ابھی تک ناراض تھا۔

"میں سفارش کرا دونگا۔" ابرار بولا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ تم اپنے بے تکی باتوں سے اسے اس قدر بیزار کر چکے ہو کہ وہ تمھاری طرف ملتفت نہیں ہو سکتی!"

"کالی زبان مت نکالو۔ میں نے سب طرف سے ناکہ بندی کر کے سوچا تھا کہ اسے اس راہ پر لے ہی آؤں گا۔" "خیر پھر سہی۔ تم اس سے کوئی بکواس نہ کرنا۔"

"اچھا سنو۔ یہ سالگرہ، گلپوشی یا ایسے ہی رومانی مواقع ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی جذبات سے اور لوڈ ہوتا ہے۔ اس وقت اچھا سا لباس پہن کر، چہرے پر رنگ طاری کر کے اور کسی عمدہ ہیرو کا کوئی عمدہ سا رومانی ڈائیلاگ رٹ کے اس کے پاس جانا اور کوئی سا رومانی ڈائیلاگ دینا۔ نتیجہ خلاف توقع نہیں نکلے گا۔"

ابرار نے مشورہ دیا۔

"کبھی ایسی سچویشن سے دوچار ہو چکے ہو کیا؟" مصطفےٰ نے حیرت سے کہا۔

خدا بخش دو ۔ یار " مصطفٰے نے ہاتھ جوڑ دیے " اتنے زیادہ گناہ میں نے نہیں کیے جو سزا میں اشعار بھگتنا پڑیں ۔ تم مجتبٰی ہو زینت کو سناؤ ۔ میں چلا "

ایمان سے ۔ موموٗ تو بالکل بھینس کی طرح ٹھس ہے " ابرار نے تڑپ کر کہا ۔

اب تو ہرگز جانے نہ دوں گا ۔ اچھا تو سنو ۔

کیسی بیمار منسم کی حالت ہے کیوں کھڑے ہیں بیچارہ گرفتار شی

مصطفٰے نے کچھ کہے بغیر ایک طرف دوڑ لگائی ۔ اس کے پیچھے ابرار دوڑا ۔ دونوں میں ریس شروع ہو گئی ۔ ایسی دھما چوکڑی مچی کہ پھوپھی اماں کمرے سے نکل آئیں ۔ جینی ہکا بکا کھڑی تھی ۔

یہ کیا آفت آئی ہے ۔ ابرار ۔ موموٗ ۔ یہ کیا ہو رہا ہے ! "

ممی یہ میرے اشعار نہیں سنتا ! " ابرار ہنستا ہوا بولا ۔

ممی اس سے کہیے میری جان بخشے " مصطفٰے بھی ہانپتا ہوا بولا ۔

نگوڑی کوئی بات ہے " پھوپھی اماں بگڑیں " آدھی رات کو گھر کو دوڑ بنا رکھی ہے ۔ میں کہتی ہوں تم لوگ بڑے بھی ہو گے کہ نہیں ؟ "

یہ تو ایسا ہی قصہ ہو گیا ممی کہ ایک دفعہ " ابرار نے کہنا چاہا ۔

قصہ یہ ہو گا کہ میں تمھاری گردن دبا کر مار ڈالوں گا " مصطفٰے اس سے لپٹ پڑا ۔ ابرار چیخنے لگا " ارے ڈالتا ہے " " ارے کوئی آئے بچائے مجھے "

چلو بیٹی جینی " پھوپھی اماں نے دونوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور جینی کا ہاتھ پکڑ کر چلی گئیں ۔

کس بری طرح لڑتے ہیں پھوپھی اماں یہ دونوں " جینی ہنس رہی تھی ۔

ان کا ایک دوسرے کے سوا اور کوئی دوست نہیں ہے " وہ پیار سے مسکرائیں ۔

ابرار مقدم نکلنے کے دوران میں ایک شعر عرض کر دیا ۔

بھیا جوان ہو کے مر گئے ۔ مجھے تنہا چھوڑ کے ڈیڈی گزر گئے ۔ کتنی پریشانی اور کیسے صدمے کی باتیں ہیں ۔ اکیلے آدمی کو یہ کوئی روگ نہیں ۔ تنہا آئے تنہا گئے ۔ نہ اولاد کا غم خود کو ہوتا ہے نہ اولاد کو ہم کوئی غم دیتے ہیں ! "

ہے تو سچی یہ بات ۔ لیکن شادی نہ کرنے سے بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۔ اگر لڑکی کی شادی نہ کی جائے اور لڑکی دنیا میں اکیلی رہ جائے تو پھر یہ دنیا کے کتے اسے مفت کی ہڈی سمجھ کر اس وقت تک چباتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ ایک ایک کے دانتوں تلے پِس کر ریزہ ریزہ نہ ہو جائے ۔ خدا کے تشکیل کردہ قانون اپنے اندر بڑی سنجیدگی اور معنویت رکھتے ہیں ۔ میری مانو تو تم بھی شادی کر لو "

ابھی مجھے بالکل فرصت نہیں " جینی نے اعلان کر دیا " اس صنف سے مجھے بالکل محبت نہیں جس کے ہونٹوں پر چڑیا کی چونچ بنی ہو ! "

ڈیڈی کے بھی تو ہو گی ایسی چونچ ؟ " روبی ہنس پڑی ۔

بہت زبردست تھی ۔ مگر وہ میرے باپ تھے ۔ بس انہی کی برداشت کی تھی میں نے "

خود غرض ۔ لیکن اس شیطان موموٗ کے ہونٹوں پر بڑی عمدہ لکیر ہے ۔ وہاں تو بیٹے کا گھونسلہ نہیں ہے "

احمق ۔ موموٗ کا یہاں کیا تذکرہ ہے ؟ " جینی نے رنگ پریدہ ہو کے کہا ۔

روبی نے اس کے دل میں خلش جگا دی تھی ۔ رات کو جب وہ پھوپھی اماں کے پاس گئی تو ان سے تذکرہ کیا ۔ وہ بہت خوش تھیں ۔ پاس ڈاکٹر صاحب اور منشی صاحب اور دو تین کارکن بیٹھے تھے ۔ پرسوں سالگرہ تھی ۔ منشی صاحب بڑے سرد لہجے میں کہہ رہے تھے ۔

"اب کی صاحبزادے کا پاس میں تمیا کراؤں گا۔ میں نے ایمان کی قسم۔ ایسا فرشتہ صفت بچہ عمر بھر نہیں دیکھا ہے۔"

"آؤ بی بی آؤ" ڈاکٹر صاحب نے جینی کو دیکھ کر کہا! اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھال لیا۔ پھر آواز بڑھا کر بولے "سب سے قابل تعریف اگر کوئی ہے تو وہ میری بیٹی ہے۔ میں نے کبھی صاحبہ ایسی سنجیدہ، صابر اور رکھ رکھاؤ والی بچی عمر بھر نہیں دیکھی۔ ایسی خاموش اور متانت اس عمر میں ناممکن ہے!"

پھوپھی اماں بے حد پیار سے اسے دیکھنے لگیں "بالکل اپنے باپ پر پڑی ہے۔ وہ بھی اللہ بخشے ایسی ہی تھے۔ سمندر کے سے عظیم، آسمان کی طرح خاموش اور حلیم۔ آہ۔ آج کے دن وہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔!"

ڈاکٹر صاحب نے رنجیدہ موضوع بدل دیا "پرسوں کتنے مہمان آرہے ہیں؟ غالباً تیاریاں تو سب مکمل ہو چکی ہوں گی۔"

"درزی کے پاس سے ملبوسات آجائیں بس اور کوئی تیاری نہیں رہ گئی"

"راحت بڑی خوش ہے پھوپھی اماں اسے آپ نے جو ریشم کا کتا ہوا لباس دیا ہے اسے پہن کر آئینے کے سامنے کتنی دیر تک کھڑی خوش ہو رہی تھی۔" جینی بولی۔

[illegible] کی۔ جب اس کے ابا ہادی کے حادثے میں گزرے تین سال کی تھی [illegible]

[illegible] دیر تک خوش گپیاں کر کے ڈاکٹر صاحب سدھارے اور پھوپھی اماں کے کمرے چلے گئے تب آہستہ سے جینی نے کہا: پھوپھی اماں نے آپ کی سالگرہ کا اتنا اچھا جشن منانے کا اہتمام کیا ہے۔ مجھے یہ گہما گہمی چہل پہل بڑی اچھی لگتی ہے" جینی بولی۔

"مجھے صرف ایک ایٹم اچھا لگتا ہے۔"

"کیا؟"

"یہ جو غریب اور یتیم بچے کھانا کھانے آتے ہیں۔ کتنے شوق سے پیٹ بھر کے۔ بس یہی پسند ہے مجھے"

جینی متاثر ہو گئی۔ اس کے دل میں غریبوں کا اتنا درد ہے۔ اس کی سمجھ میں آتا ہی نہیں تھا کہ وہ اسے کیا سمجھے۔ شریر لاابالی یا سنجیدہ سوچنے والا۔ کبھی اس کے دل میں اس کی بے پایاں محبت جاگنے لگتی اور کبھی ایسی شدید بیزاری کہ شکل تک دیکھنے کا دل نہ چاہتا۔

"آئیے باغ میں چل کر بیٹھیں۔ بارہ بجے تک چاند نکلے گا" مصطفیٰ نے کہا۔ "اور رات پر چاندی کا ملمع ہو جائے گا۔ آپ کو ایسی راتیں پسند نہیں؟"

"کیوں نہیں۔!" وہ متذبذب تھی۔

"مرنے کے بعد بھلا جنت میں چاندنی رات، گرد گرما کافی اور کم از کم شہسواری کے سوا تو نصیب نہیں ہوں گے۔ جنت کی شرکون [illegible] اگر میں ڈریم کوئن کو دعا دوں گا تو اللہ میاں کان پکڑ کے نکال باہر کریں گے۔ ارے خدا کی پناہ۔ یہ آرا ہے۔ ذہانت گو شاعر گئی چاندنی رات جہنم میں"

ابرار اوہر آیا "کیا ہو رہا ہے۔ موسیا۔ تو نے میری نئی بیاض نہیں دیکھی۔ آج سارا دن بیٹھا اشعار لکھتا رہا ہوں۔ پرسوں جب مہمانوں کو گیت بھی سناؤں گا۔!"

"آپ اپنی بیاض مجھے ضرور دکھیئے بھائی جان" جینی بولی "پرانے اشعار بھی کہہ دیئے۔" ابرار خوش ہو گیا "لے چلئے۔ ایک آدھ سنا دوں"

طرح دل ہی دل میں آنسو بہا رہی ہے۔

اس کی پلکوں پر ستارے بکھرنے لگے! ۔ اتنی بے خبر تھی کہ اس نے اُپنے پیچھے کھڑے ہوئے مصطفےٰ [illegible] ہی نہیں دیکھا! ۔ چند لمحے وہ اسے بے قصد دیکھتا رہا پھر کچھ کہے بغیر ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے ۔ جینی چونک کر پلٹی ۔! اور اپنی بے ضبطی پر شرمسار سی نظر آئی ۔

"آنسو بے وجہ نہیں نکلتے! کیا بات ہے؟" مصطفےٰ نے پوچھا ۔

"خوشی کے موقعہ پر مجھے امی اور ڈیڈی یاد آجاتے ہیں!" اس نے غیر محسوس سسکی لے کر کہا ۔

"مجھے خود بھی اپنے ابا اس قدر یاد آرہے ہیں کہ جی چاہتا ہے چیخ چیخ کر رونے لگوں ۔ لیکن میں صبر کرتا ہوں ۔ مردوں کی یاد میں آنسو بہا کر زندہ چاہنے والوں کو دکھ پہونچانا اور انھیں یہ احساس دلانا کہ ہم ان کی محبت و شفقت سے مطمئن نہیں ہیں ۔ میری دانست میں کوئی اچھا فعل نہیں ہے ۔ بوڑھی خوشیاں بہت کم ملتی ہیں ۔ زینت! ۔ آپ کو اور مجھے کیا خبر کہ ممی کو اپنے شوہر اور بھائی یاد نہیں آرہے ہیں ان کے دل پر تو خنجر چلتے ہوں گے ۔ لیکن جب وہ ہماری خاطر اپنے آنسوؤں کو تبسم میں بدلنے کی طاقت رکھتی ہیں تو کیوں نہیں ہم ان کی خوشی کی خاطر اپنے آنسوؤں کو مسکراہٹ میں تبدیل کر دینا چاہیئے کسی کی دلداری کرنا بھی بہت بڑا کام ہے اس لیے میں اپنی پرانی خواہشوں کا گلا گھونٹ کر ممی کی صرف ایک ہی خواہش کو پورا کر کے اپنا مذہب بنا لیا ہے اور اپنی زندگی کا اصل بنا لیا ہوں ۔ زینت کیا وہ آپ کی ماں سے کچھ کم ہیں؟"

"نہیں بالکل نہیں ۔ حاشا کلا میں نے آج تک کبھی ایسا نہیں سوچا!" اس نے بڑے خلوص سے کہا اور یہ سوچ کر اسے خوشی ہوئی کہ مصطفےٰ اس انداز سے بھی باتیں کر سکتا ہے ۔؟

"ایک دن آپ نے کہا تھا کہ روفی سے مومو کی شادی کر دیں گی"

وہ مستفسرانہ انداز سے اسے دیکھنے لگیں ۔

"آج مجھے پتہ چلا کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بھائی کے لڑکے عرفان صاحب کو اس کے لیے پسند کر لیا ہے ان کے امریکہ سے آنے کے بعد منگنی بھی ہو جائیگی"

"کیسے پتہ چلا بیٹی؟" پھوپھی اماں نے پوچھا ۔

"روفی کہہ رہی تھی ۔ مگر آپ اس سے کہیئے گا نہیں ۔ پھوپھی اماں ۔ میں نے سوچا کہ اس خبر سے آپ کو کتنی تکلیف ہوگی ۔ اس لیے آپ کو بتا دی ۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے ضرور کہیئے کہ انھوں نے آپ سے وعدہ کر کے یہ کام کچھ اچھا نہیں کیا"

"ارے میرے مولا ۔ نثار میں تیری شان کریمی پر" پھوپھی اماں رنجیدہ ہونے کی بجائے یک بیک زیادہ خوش ہو گئیں تو جینی کو بہت تعجب ہوا ۔

یقیناً وہ آدمی کی فطرت شناس نہیں بن سکتی! ۔ آخر اس میں خوش ہونے کی کیا بات تھی ۔ انھیں تو ڈاکٹر صاحب سے ان کی بدعہدی پر سخت باز پرس کرنی چاہیئے تھی ۔!!

وہ سوچا کی ۔

"تمھاری کوئی سہیلی نہیں بیٹی جو آسکے!" پھوپھی اماں نے پوچھا ۔

"اب تو صرف روفی ہے ۔ اور کہیں کوئی نہیں"

"بیٹی تم نے اپنا لباس دیکھا ۔"

"اللہ پھوپھی اماں ۔ اتنا بھاری لباس ہے ۔ وہ تو مجھ سے اٹھایا بھی نہیں میں پہنوں گی کیسے ۔ آپ نے گیارہ ہاروں کا چندن ہار بھی رکھ دیا ہے ۔ یہ سب میں نہیں پہن سکتی پھوپھی اماں ۔ میں اپنے کپڑوں میں سے کوئی اچھا سا

حفاظت..
آسٹریلوی کنگارو کی مادہ بھی
اپنے بچوں کی حفاظت کا طریقہ
خوب جانتی ہے۔ اِس لحاظ
سے یہ انسان کی ہم پلہ بھی کہی
جاسکتی ہے۔
مگر
اِنسان بہر حال اشرف المخلوقات
ہے، وہ قدرت کے بخشے ہوئے
وسائل کو زیادہ بہتر طریقہ سے
اپنانا جانتا ہے۔ زمانہ حمل میں
حاملہ و بچہ کی حفاظت اور آسان
وضع حمل کے لئے بخشی کی
تیار کردہ دوا
محافظِ حمل
استعمال کیجے
محافظِ حمل
ٹکیاں • معجون
BAKHSHI
SABB
بخشی کمپنی
ایس، اے، بی بخشی کمپنی کلکتہ
شوکت علی اسٹریٹ پوسٹ بکس کلکتہ

ایک حریمی بہن نے خاندانی منصوبہ بندی پر مجھ سے اظہار خیال کرنے کے لئے لکھا ہے۔ موصوفہ نے خط میں یہ بھی لکھا ہے ...... کہ میں عوام کے اس عقیدے سے کہاں تک متفق ہوں کہ رازق اللہ ہے۔ وہ جس کو بھی پیدا کرتا ہے اس کا رزق پہلے ہی سے اس کے نام لکھ دیتا ہے۔"

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو میں یہ کہوں گا کہ بیشک خدا رزاق ہے، رزاق ہی نہیں خالق ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ رزق کی تقسیم خدائے پاک کے یہاں سے یکساں نہیں ہوتی۔ لاکھوں عمدہ سے عمدہ اور سیر ہو کر کھاتے ہیں۔ بہت سے پیٹ بھر کر کھاتے ہیں، لیکن عمدہ قسم کی غذائیں نہیں پاتے، اور بہت سے ایک وقت موٹا جھوٹا کھاتے ہیں ایک وقت فاقہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کھانا نہیں مل پاتا۔ یہ وہ حقائق ہیں جن سے کوئی بھی صاحب بصیرت انکار نہیں کر سکتا۔

اس لئے یہ بات قابل غور ہو جاتی ہے کہ رازق خدا سب کو ایک سا رزق کیوں نہیں دیتا۔ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں اس لئے اپنی مخلوق کے ساتھ یہ غیر متناسب تقسیم کیوں ہے۔ خدا پر ہم یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ وہ نا منصف ہے اور اسے کچھ بندوں کو تو بہتر سے بہتر کھلاتا ہے اور کچھ کو موٹا جھوٹا دیتا اور کچھ کو فاقے کراتا ہے۔ دونوں ہی باتیں قابل تسلیم نہیں اس لئے میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ خدا نے رزق پیدا کر دیا ہے اور ہمیں عقل و طاقت عطا کر دی ہے کہ ہم اسے حاصل کریں۔ اگر ہم اچھا کھانا نہیں حاصل کر پاتے تو اس کا ذمہ دار ذات باری کو نہیں بنا سکتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھی غذا کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے۔ بات صاف ہے اس کے لیے محنت کرنا ہوگی، عقل، سمجھ اور دانشمندی سے کام لینا ہوگا جو ایسا کریں گے یقیناً اچھی زندگی گذاریں گے جو ایسا نہ کر سکیں گے محروم رہیں گے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں ایک واقعہ بیان کر دینا ہی مکمل جواب ہو سکتا ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ پہلے بھی تو لوگوں کے درجن درجن بھر اولادیں ہوتی تھیں، کسی کو بھی کھانے کپڑے کی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ لوگ فراغت سے رہتے تھے اس لئے اب کیوں اس سے ڈرا جا رہا ہے کہ بچے زیادہ ہونے تو مشکلات بڑھیں گی۔ اس کا جواب اس واقعہ میں مضمر ہے جو شطرنج کے موجد کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شطرنج کے موجد سے شاہ وقت نے خوش ہو کر کہا کہ میں تمہاری اس ایجاد سے بہت خوش ہوا۔ مانگو کیا انعام مانگتے ہو۔ موجد نے عرض کیا کہ حضور مجھے شطرنج کے خانوں میں گیہوں کے دانے اس طرح رکھ کر دلا دیجئے کہ پہلے خانے میں پانچ دوسرے میں دس تیسرے میں بیس چوتھے میں چالیس۔ اسی طرح دوچند کرتے ہوئے ۶۴ خانوں میں جتنے گیہوں آسکیں مرحمت فرما دیئے جائیں۔

بادشاہ نے قدرے برہم ہو کر کہا تم ایک بادشاہ سے انعام طلب کر رہے ہو اس کا خیال رکھ کر مانگو۔

موجد نے سر ادب سے جھکا کر کہا اگر حضور نے میرا مطلوبہ انعام ہی عطا فرما دیں تو یہ میرے لئے بہت ہوگا۔

آخر بادشاہ نے اپنے وزیر سے کہا، موجد کو اس کی منشا

خلق خدا کی خدمت عموماً
اور
یتیموں، بیواؤں اور بیکسوں کی مدد خصوصاً، عبادت الٰہی کا درجہ رکھتی ہے۔
نسیم انہولوی

مطابق گیہوں دیئے جائیں۔
وزیر نے داروغہ مطبخ کو بلا کر حکم دیا کہ اس حساب سے گیہوں شمار کرکے دے دیئے جائیں۔

داروغہ مطبخ واپس چلا گیا۔ وہ بھی حیران تھا۔ اس طرح کا انعام کبھی کسی نے طلب نہیں کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد داروغہ مطبخ حیرت زدہ و پریشان واپس آیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ حضور اتنا گیہوں تمام ملک کا گیہوں اکٹھا کیا جائے تب بھی پیدا نہ ہوگا۔ وزیر اور بادشاہ کے لئے داروغہ کا جواب عجیب سا لگا۔ وزیر نے غصہ سے کہا یہ تم کیا بک رہے ہو۔

داروغہ نے کہا، حضور حساب لگا کر دیکھیں تو سمجھ میں آجائے گا اور اسی وقت میر منشی نے حساب لگانا شروع کیا۔ ابتدا میں تو کچھ معلوم نہ ہوا۔ ۱۰ ویں خانے تک تو دو لاکھ چھپن ہزار بائیس گیہوں ہوئے، لیکن جب حساب آگے بڑھا تو کروڑ، ارب، کھرب، سنکھ، پدم سنکھ سے بھی اتنا آگے نکلتا چلا گیا کہ اسے ہندسوں میں لکھا جاسکتا تھا مگر شمار نہیں کیا جاسکتا تھا آپ بھی ۶۴ خانوں میں اسی حساب سے دوچند کرتے ہوئے جوڑ کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ تعداد کس رفتار سے بڑھتی ہے۔ بالکل یہی صورت افزائش نسل کی بھی ہے اگر آج سے ۶۴ نسل پہلے دو انسان رہے ہوں تو صرف دوچند ہونے سے ان کی تعداد ۶۴ ویں نسل میں اتنی ہوجائے گی جس کا شمار بھی ممکن نہ ہوگا۔

لیکن زمین کی وسعت وہی ہے جو ابتدا میں تھی اس لئے پہلے لوگ فراغت سے رہتے تھے، آبادیاں دور دور ہوتی تھیں۔ مکان کشادہ ہوادار اور روشن ہوتے تھے رفتہ رفتہ آبادی بڑھی تو مکانات بھی سمٹتے گئے۔ پہلے ایک منزل کے مکان ہوتے تھے پھر دو منزلے، تین منزلے بنے اور اب بیسیوں منزل کے بھی بننے لگے ہیں۔ کبھی چھتیں ۲۰-۲۵ فٹ اونچی ہوتی تھیں۔ اب ۸-۱۰ فٹ بلند ہونے لگی ہیں۔ صحن کا رواج ختم ہو رہا ہے۔ سڑک پر لوگ پہلے سکون و اطمینان سے آنکھیں بند کرکے بھی چلا کرتے تھے۔ اب آنکھیں کھول کر بھی چلنا دشوار ہوگیا ہے۔ قدم قدم پر خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ روزانہ ہزاروں ایکسیڈنٹ ہوتے ہیں اور ان میں قیمتی زندگیاں ختم ہوجاتی ہیں۔

یہ کتنی انسانی پشت ہے میں نہیں بتاسکتی، لیکن ہر پشت پر آبادی دوچند ہوتی جاتی ہے، اس سے غذائی مسائل دشوار تر ہوتے جاتے ہیں۔

پہلے جو بچہ پیدا ہوتا تھا کمانے کے لئے دو ہاتھ [illegible] لے کر آتا تھا [illegible] کے لئے [illegible] کرتے ہوئے [illegible] لیکن جس رفتار سے آبادی بڑھ رہی ہے کھیت نہیں بڑھ سکتے پیداوار نہیں بڑھ سکتی۔ ضرورت زندگی کی اشیا نہیں بڑھ سکتیں۔ کمیابی یقینی بات ہے۔ ایک نسل اور بڑھنے پر کروڑوں انسان بڑھ جائیں گے۔ سڑکوں پر راستہ چلنا آج بھی دوبھر ہو رہا ہے، آبادی اور بڑھ گئی تو نہ جانے کیا صورت ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں سب ہی اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دلانا چاہتے ہیں۔ اچھے لباس پہنانا چاہتے ہیں۔ گھر کو نئی ایجادات سے سجانا چاہتے ہیں۔ فرج۔ کولر۔ پنکھے، ٹیلیویژن، ریڈیو اور اسی طرح کی اور مختلف چیزوں کو حاصل کرنا [illegible] اخراجات وغیرہ کو برداشت کرنا کتنا دشوار مسئلہ ہے۔ [illegible] ایسی صورت میں اگر دو بچے ہوں تو ان کی تعلیم و تربیت اچھے طریقے پر ہوسکتی ہے، لیکن اگر بچے ۶-۸-دس ہوئے تو خود ہی سوچئے کیسی حالت ہوگی۔ ان حقائق کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ خود ہی کیا جاسکتا ہے۔ میں کوئی مشورہ نہیں دے سکتی مبادا مولوی صاحبان ناراض ہوجائیں۔

اللہ پاک جزائے خیر دے

مئی کے حریم میں ایک پریشان حال بہن کی امداد کے لئے میں نے اپیل کی تھی۔ چند بہنوں نے اس سلسلے میں رقوم عطا فرماتے ہوئے یہ بھی تاکید فرمائی ہے کہ اس کو صیغہ راز میں رکھا جائے۔

اللہ پاک ہماری ان بہنوں کو جزائے خیر دے۔ امداد اصلی وہی ہوتی ہے جو شہرت و ناموری کے لئے نہ کی جائے۔

نسیمہ [illegible]

کچھ ٹھیک نہیں

مئی ۱۹۷۸ء کا حریم ۱۰ کے بجائے ۱۷ کو روانہ کیا [illegible] نہیں کہہ سکتا کہ یہ حریم کس روز جاسکے گا [illegible] ٹھیک نہیں خصوصیت سے [illegible] جس پریس میں حریم چھپتا ہے، بجلی کی سپلائی کا کوئی تعین نہیں۔ [illegible] پریس بند رہتے ہیں۔ اس حالت میں پرچے کا وقت مقررہ پر شائع [illegible]

تبصرہ

مثنوی مولانا روم (دفتر پنجم)

سائز ۲۲×۱۸ صفحات ۴۲۴۔ قیمت بائیس روپیہ مجلد بکس رنگین اور پائیدار۔ ناشر سب رنگ کتاب گھر دہلی نمبر ۶

اس ادارے نے مثنوی مولانا روم کی پہلی چار جلدیں اس شان و اہتمام سے شائع کی ہیں۔ ان کا ذکر حریم میں آچکا ہے۔ مثنوی مولانا روم فارسی شاعری کی ایک ایسی اہم دستاویز ہے جس کا مطالعہ انسان کو بہت کچھ سکھاتا ہے۔ اس دور میں فارسی کتب کا مطالعہ کرنے والے اب انگلیوں پر شمار کیے جاسکتے ہیں اس لئے قاضی سجاد حسین صاحب نے یہ التزام کیا ہے کہ فارسی کے ساتھ ہی ساتھ اس کا ترجمہ بھی ہر شعر کے ساتھ شائع کیا ہے تاکہ عام قاری اس سے مستفیض ہو سکے۔

کتاب اتنی خوبصورت دلکش اور صحیح چھپی ہے کہ اس دور میں کمتر ہی کتب اردو کی اس طرح شائع ہوسکتی ہیں ہر گھر میں مثنوی کی یہ تمام جلدیں موجود ہونا صاحب خانہ کے علمی مذاق کا ثبوت ہوگا۔ آپ بھی اسے منگائیں، پڑھیں، پڑھائیں اور اپنی گھریلو لائبریری کی زینت میں اضافہ فرمائیں۔

چشم نم

مجموعہ کلام قمر زاہدی۔ سائز ۲۲×۱۴ صفحات ۱۴۴۔ پبلشر قمر زاہدی پی۔ ڈبلو ڈی پٹنہ ڈویژن نارتھ تھانہ میدان پٹنہ نمبر۔ ملنے کے پتے کتاب منزل سبزی باغ پٹنہ، بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ۔۔

قیمت دس روپیہ غیر مجلد

یہ مجموعہ کلام اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں کہ کلام قابل اشاعت ہوگا۔

کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر سید اعجاز حسین (مرحوم) نے لکھا تھا۔ غالباً اس وقت کتاب شائع نہ ہوسکی ہوگی اس لئے کہ شعرا کی داد واہ لوگ بس مشاعروں تک ہی کرتے ہیں ان کا کلام خریدنے کی طرف توجہ نہیں کرتے اس لئے پبلشران بھی اشاعت سے گریز کرتے ہیں۔ البتہ اکیڈمیوں کے قیام نے شعرا کی یہ مشکل حل کردی اور چند سال کے اندر کافی شعری مجموعے زیور طباعت سے آراستہ ہوکر بازار میں آگئے ہیں۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے۔

شکست جام پر دل یاد آیا
کہاں کی بات پہنچی ہے کہاں تک

دل میں مفلس کے یوں خوشی کا خیال
دھوپ میں جیسے گھاس پر شبنم

کہتے ہو وفا ہے تو وفا ہی کہی لیکن
یہ ندرت انداز وفا یاد رہے گی

معاشرتی اور سرکاری انصاف پانے کے لئے

ہریجنوں کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

اتر پردیش کی عوامی سرکار نے
قانون میں ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے

اور

انھیں نئے حقوق دلوانے کے لئے ٹھوس قدم اٹھائے ہیں۔ اب شہری حقوق قانون پر بڑی سختی سے عمل کیا جا رہا ہے

قانون کو توڑنے والے اب نہ تو صوبائی اور نہ مرکزی قانون ساز اسمبلیوں کے انتخاب میں حصہ لے سکیں گے۔

کسی بھی طرح کی تکلیف کے لئے ضلع مجسٹریٹ اور کپتان پولیس براہ راست ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہیں مظالم کے شکار پچھڑی ذات کے لوگوں کے نقصان کی تلافی کرنے کے لئے معاشی امداد کا پوری طرح انتظام ہے جس کے لئے موجودہ مالی سال میں ۱۰ لاکھ روپیہ منظور رہے، ان لوگوں کی تعلیمی ترقی کے لئے نئے سال میں ۱۷ کروڑ ۲۳ لاکھ سے زیادہ روپیہ خرچ کیے جائیں گے۔

سوچیت ذات، جن ذات اور بھکت ذات کے طالب علموں کے لئے آشرم کے ۲۳ اسکول چلائے جا رہے ہیں، جہاں تعلیمی خرچ، رہنے اور کھانے پینے کی سہولت کے ساتھ کپڑے اور کتابیں وغیرہ بھی مفت دی جاتی ہیں۔ گھریلو صنعتوں، زراعت یا باغبانی میں لگے انوسوچیت ذات کے لوگوں کو امداد کی سہولت دی گئی ہے۔ نئے سال میں گھریلو صنعتوں کے لئے ۲۵ لاکھ روپیہ رکھے گئے ہیں۔ ہریجن اور کمزور طبقہ کے لئے مکانوں کے متعلق قانون میں ان طبقوں کی رہائشی مشکلات کو دور کرنے کے لئے نئے سال میں ۲۰۔۵۰ لاکھ روپیہ کا انتظام ہے۔

ہریجنوں کی ترقی سے ہی ملکی ترقی کا تصور حقیقی شکل میں نظر آ سکتا ہے۔

محکمۂ اطلاعات عامہ اتر پردیش نے شائع کیا

کیا گیا میرے کمرے سے ایڈیٹر صاحب کے کمرے تک بالکل ایک
سامنے ہی تھا۔ میں اکثر یہ سوچ کر ان کی طرف دیکھا کرتی تھی کہ یہ
شخص کتنا قابل اور صحیح ہے۔ ایسے شخص کے ذریعے ملک و قوم کے
لئے کتنے مفید خیالات پہنچتا ہے۔ سماج کی کمزوریوں سے ایسے کتنا
بیر ہے اور دوسروں کے لئے دل میں اتنا درد رکھنے والے انسان کس
قدر صدیوں میں تو مشکل ہی سے ملیں گے ملک و قوم کا بیڑا
کرنے والے اگر ایسے ہی دس بیس آدمی اللہ پیدا ہو جائیں تو معلوم
نہیں دنیا کا کیا حال ہو جائے۔

مجھے سب سے زیادہ مہاشے گوکل جی سے اس لئے عقیدت
تھی کہ میں نے ان کا ایک افسانہ "کھوٹا مرد" کے نام سے پڑھا تھا
جس میں انھوں نے ایک بدصورت عورت کی زندگی کا نقشہ کھینچ
کر پڑھنے والوں کو خوب تڑپایا تھا۔ ظاہر حسن سے حسن باطن کا مقابلہ گوکل
جی نے ایسے موثر الفاظ میں کیا تھا کہ پڑھنے والا سر دھننے لگتا۔ اس
کہانی کو پڑھ کر مجھے یقین ہو گیا تھا کہ گوکل ہی دنیا میں ایسے مہاپرش
ہیں جو انسانی بدصورتی کو فطرت کا گناہ سمجھتے ہیں۔

گوکل مہاراج کا ایک افسانہ اور بھی میں نے بہت پسند کیا
تھا جس کا عنوان تھا "حرامی بچہ" اس میں انھوں نے دکھایا تھا
کہ حرامی بچہ خود نہایت پاک اور قابل احترام ہوتا ہے اس سے
نفرت کرنے والے ناسمجھ ہیں۔ ایسے اچھے خیالات رکھنے
والے انسان کی عظمت بھلا کس کے دل میں نہ ہوگی میں تو ہاتھ
تو ان کی پوجا کیا کرتی مگر میرے ایسے بھاگ کہاں جس کو دنیا کے
معمولی آدمیوں نے بھی کبھی نگاہ بھر کر نہ دیکھا وہ ایسی قابل ہستی کی
پجارن کیسے بن سکتی تھی۔ لیکن آرزو اور تمنا پیدا کرنے سے کسی
کو کون روک سکتا ہے۔ خیال میں ہر آدمی معلوم نہیں اپنے متعلق
کیا کیا سوچا کرتا ہے میں بھی اکثر سوچتی تھی کہ دن رات گوکل کے
خیال میں مست رہا کرتی تھی [illegible] ان کی شکل
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تھوڑے دن بعد میں نے محسوس کیا کہ گوکل مہاراج کسی
وقت میری طرف دیکھا کرتے ہیں۔ مجھے حیرت تھی کہ آخر میری
طرف کیوں دیکھتے ہیں اور اس بات کا فکر لگانے لگے
میں اور بھی زیادہ اپنے کمرے میں بیٹھی انھیں کی طرف دیکھا کرتی
کچھ روز بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ اب کام کم کرتے ہیں
مجھے دیکھا زیادہ کرتے ہیں۔ گوکل جیسے مہاپرش کے متعلق
یہ سوچنا کہ وہ مجھ سے مذاق کرتے ہوں گے آسان بات نہ تھی
پھر آخر وہ کیوں ہر وقت مجھے گھورا کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ وہ صرف
مجھے دیکھا کرتے ہوں بلکہ اب وہ دفتر بہت جلد آ جاتے اور
رات میں بھی دیر تک بیٹھے رہتے۔ آنے جانے والوں سے بھی
کم ہی ملتے تھے اس لئے کہ پہلے ان کا کمرہ مشکل ہی سے کسی
وقت خالی رہتا تھا لیکن اب وہ تقریباً ہر وقت کسی گہری سوچ
میں بیٹھے رہا کرتے جیسے کسی افسانہ کا پلاٹ سوچ رہے ہوں
ان کے چہرے کی شگفتگی روز بروز کم ہوتی جاتی تھی اور ایسا معلوم
ہوتا تھا جیسے کسی بڑی بھاری مشکل میں گرفتار ہو گئے ہوں۔
ایک دن معلوم نہیں کیوں مجھے خیال آیا کہ کہیں گوکل جی مجھ سے
پریم تو نہیں کرنے لگے میں نے اٹھ کر آئینہ دیکھا اور مجھے خود
اپنے خیال پر ہنسی آگئی۔ میں نے کہا پگلی خواب تو نہیں دیکھ رہی
ہے یہ منہ اور مسور کی دال، بھلا کیا کوئی تجھ سے ایسا قابل اور
بلند تعلیم یافتہ انسان پریم کر سکتا ہے، کہیں ایسی صورتوں سے پریم
کیا جاتا ہے۔

کچھ عرصہ اور اسی طرح گزر گیا، گوکل کی بے تابیاں بڑھتی
رہیں اور مجھے یقین کرنے میں پھر شبہ باقی نہ رہا کہ انھیں مجھ سے
پریم ہو گیا ہے اور دل کے سمجھانے کے لئے یہ قول مشہور ہے
[illegible] پریم اندھا ہوتا ہے لیکن [illegible] یقین
کرنے کے باوجود میری ہمت نہیں ہوتی تھی [illegible]
بیٹھے اپنے کمرے ہی سے ایڈیٹر صاحب کی طرف دیکھا کرتی
تھی۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہیں ہم ان کا تفصیلی ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں سمجھتے البتہ عبارت
کے اس جز سے ہمیں اختلاف ہے کہ عورتوں کے صنفی جذبات
کو دبانے کے لئے ان کے کان چھیدے جاتے تھے کیونکہ جس
ملک میں ہم رہتے ہیں وہاں تو مردوں کے کان بھی چھیدے جاتے
ہیں۔ اتنے بڑے بڑے سوراخ ہم نے مردوں کے کانوں میں دیکھے
ہیں کہ اگر اس سوراخ میں سے جھانک کر کوئی تاج محل کو دیکھنا
چاہے تو پورا تاج محل بیک نظر آجاتا تھا بلکہ آس پاس کے
کچھ سا قریبی چیزیں بھی جزوی طور پر نظر آتے تھے۔ صنفی جذبات کو
دبانے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے کان چھیدنے
میں کچھ معقولیت نظر آتی ہے جو مرد۔ دو۔ دو چار۔ چار
بیویاں رکھتے ہیں ان کے تو چن چن کر کان چھید ڈالنا چاہیے
تاکہ ان کے صنفی جذبات کو قابو میں رکھا جا سکے۔

"کان" کی افادیت اور استعمال کے سلسلے میں کئی باتیں
قابل ذکر ہیں۔ مثلاً شوہر سے کوئی غلطی ہو جائے تو بیوی اس
وقت تک معاف نہیں کر سکتی جب تک کہ شوہر کان پکڑ کر معافی
نہ مانگے یا کان پکڑ کر توبہ نہ کرے۔ ویسے اس ضمن میں ناک کا
بھی ذکر آجاتا ہے یعنی ناک رگڑ کر معافی مانگنی پڑتی ہے۔ لیکن
ہم ناک کی تفصیل میں اس لئے نہیں جاتے کہ یہاں بات کان
کی ہو رہی ہے جس میں ہم ناک اڑانا نہیں چاہتے۔ ورنہ کوئی
شاعر فوراً یہ اعتراض کر دے گا۔ ؎

پوچھی جو کان کی تو کہی تم نے ناک کی۔

مختصر یہ کہ نہ صرف ہم بلکہ پورا ملک اس غلط فہمی میں مبتلا
تھا کہ کان ریڈیو سیلون کی ریکارڈنگ یا مشاعروں میں
ترنم سے پڑھنے والے شاعر کا کلام سننے کے ہی کام آتے ہیں۔
اب مولف صاحب "تیرہ کا کان" کے بارے میں کئی جدید
اور قدیم انکشافات کا علم ہوا۔ اور یہ بات تو معلوم ہو گئی
کہ عورتوں کے کان ایک خاص مقصد کے تحت چھیدے
جاتے تھے لیکن اب ہم یہ جاننے کے لئے بے چین ہیں کہ
مردوں کی ناک کس مقصد کے تحت چھیدی جاتی ہیں۔
کان کے چھید کا مقصد تو معلوم ہو گیا اب ناک کے چھید کا مقصد معلوم ہو جائے
تو [illegible] اور [illegible] معلومات کے اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔

حریمی دسترخوان

فرانسیسی فرنی۔

اس کا فرانسیسی نام "بلینک مینج" ہے اور یہ ہماری فرنی ہی
جیسی ہوتی ہے۔ اس میں چاول کے بجائے کارن فلور یعنی بڑی
جوار کا آٹا ملایا جاتا ہے۔

اشیاء۔ دودھ عمدہ قسم کا ۰۰۵ گرام۔ کارن فلور تین بڑے چمچے
(ٹیبل اسپون) شکر ۲۵۰ گرام۔ کوئی موسمی پھل۔ جیسے آم خربوزہ
میٹھا سنگترہ۔ لیچی۔ سیب جو بھی پسند ہو یا مل سکے بس اتنا خیال رہے
کہ ترش نہ ہو۔

ترکیب۔ دودھ میں کارن فلور کو اچھی طرح حل کر لیں۔ تھوڑی شکر
ملا کر ہلکی آنچ پر پکائیں اور تیزی سے کسی کفگیر سے چلاتی رہیں تاکہ
گٹھلیاں نہ پڑیں چند ہی منٹ میں سخت ہو جائے گا۔ اتار کر کسی
کیک بنانے والے بڑے سانچے میں ڈالکر ٹھنڈا ہونے دیں۔
بقیہ شکر میں تھوڑا پانی ملا کر پکائیں تاکہ قوام بن جائے۔
اسی قوام میں پھل کی قاشیں کاٹ کر ڈالدیں تاکہ وہ قدرے گل
جائیں۔ اگر سیب ڈالیں تو پہلے قوام میں ہی ڈالدیں اس لئے کہ
اس کی قاشیں دیر میں گلتی ہیں۔ آم خربوزہ وغیرہ کو شیرہ میں زیادہ
پکانے کی ضرورت نہیں۔ اب پکے ہوئے کارن فلور کو کسی قاب
میں الٹ دیں اور اسے چھری سے تراش لیں۔ جس طرح کیک کرتے
ہیں اور اسی حالت میں اس پر شیرے میں پکے ہوئے پھلوں کو جمے
ہوئے کارن فلور پر ڈالدیں۔ آم قاشیں تو رنگ کی ضرورت نہیں
دوسرے پھلوں کے ساتھ اگر کھانے والا زرد رنگ تھوڑا سا
شیرے میں آمیز کر لیں تو دیکھنے میں بھلا معلوم ہوگا۔ چھری سے
قتلوں کی شکل میں کاٹ کر استعمال کریں۔ لذیذ معلوم ہوگا۔

مرسلہ سلمہ ذیشان (دہلی)

چھوارے کا حلوہ

چھوارے بڑے [illegible] گرام۔ دودھ ½ کلو گھی ۲۵۰ گرام
شکر۔ ۵ گرام بادام [illegible] ایک چٹکی نمک [illegible]

عائد ہوتی ہے۔ مثلاً اگر شوہر کسی جلسہ یا پارٹی میں جاتا ہے اور وہاں بیوی کا جانا غیر مناسب نہیں تو اسے ضرور ساتھ لے جانا چاہئے وقت بے وقت یا کبھی کبھی ساتھ لے جانے سے بیوی کی شخصیت میں حق ہوتی ہے اور خود اعتمادی آتی ہے ۔

"یہ ان لوگوں کے لئے جو گھر کے اندر قید رہتی ہیں۔ ہم تم جیسی عورتوں کے لئے یہ فرمودہ نہیں ہے۔ ہم تو شوہر کے بغیر گھر اور گھر کے باہر کا کام اعتماد سے کرتی ہیں۔ شاپنگ سے لے کر بچوں کو اسکول پہنچانے تک کی ذمہ داری آج ہم پر ہے۔ کیا یہ خود اعتمادی کے بغیر ممکن ہے ؟ !

"خیر جانے دو۔ یہ بتاؤ، بچے کہاں گئے۔ آج تو اسکول بند ہے ؟"

"سینما گئے ہیں۔ بچوں کے انکل لے گئے ہیں"

"تم نہیں گئیں ؟ ؟

"جانی ضرور مگر شہلا کی طبیعت خراب ہے۔ پچھلے اٹھارہ بیس روز سے اسے بخار ہے۔ اترتا ہی نہیں۔ ۹۹ ڈگری سے کم ہی نہیں ہو رہا ہے۔ دوپہر کے بعد اور بڑھ جاتا ہے۔ پانچویں بار وہ تبدیل کر چکی ہے۔ اسے چھوڑ کر سینما کیسے جاتی"

"کہاں ہے شہلا ؟"

"اندر کمرے میں ہے۔ آؤ، کچھ دیر اس سے بھی باتیں کر لو"

"ہاں چلو"

انمول اقوال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا۔ (۱) کونسی چیز آسمان سے زیادہ بھاری ہے۔ (۲) اور کونسی چیز زمین سے زیادہ فراخ اور کشادہ ہے (۳) دریا سے زیادہ تونگر...... اور غنی کون ہے۔ ؟ (۴) کیا چیز پتھر سے زیادہ سخت ہوتی ہے؟ (۵) کیا چیز آگ سے زیادہ گرم ہے ؟ (۶) زہر سے زیادہ کڑوا کیا چیز ہے۔ ؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ؟ (۱) کسی آدمی پر بہتان باندھنا آسمان سے زیادہ بھاری ہے (۲) حق اور سچائی زمین سے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے (۳) قناعت کرنے والے آدمی کا دل دریا سے زیادہ تونگر اور غنی ہے (۴) منافق آدمی کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے (۵) ظالم بادشاہ آگ سے زیادہ گرم ہے (۶) صبر کرنا زہر سے زیادہ کڑوا ہے۔

مرسلہ۔ قمر نگار جلیلی۔ آمبور

"کام کی باتیں"

(۱) حرکت میں برکت
(۲) محنت میں دولت
(۳) شجاعت میں عزت
(۴) سخاوت میں شہرت
(۵) جہالت میں مصیبت
(۶) اطاعت میں راحت
(۷) عبادت میں جنت
(۸) مشقت میں لذت
(۹) تلاوت میں عظمت

مرسلہ آفرین بلاری

خالی گود

(راحیلہ بٹ)

کل تک تو اس کا یہی خیال تھا کہ وہ ڈاکٹری رپورٹ وسیم کو دکھا دے گی۔ اسے اندازہ تھا کہ طوفان اٹھے گا۔ لیکن یہ بھی احساس تھا کہ طوفان اتنی ہی تندہی سے مات کھا کر جھاگ کی طرح بیٹھ بھی جائے گا۔ جو کچھ بھی ہونا تھا، اس نے اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ و تیار کر لیا تھا۔ آئی بلا ٹالنے کو اس کے پاس یہی آخری اور مؤثر ہتھیار تھا۔ بے شک اس نے عہد کر رکھا تھا کہ اس راز سے وہ زندگی بھر پردہ نہیں ہٹائے گی۔ لیکن شکست عہد اس کے ہاتھوں نہیں وسیم کی وجہ سے ہو رہی تھی کل اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن آج اس نے یہ ارادہ بالکل ترک کر دیا تھا۔۔۔ بہت خونخوار ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی۔ ایسی آگ جو نشیمن جلا دیتی ہے۔

وہ سعدیہ سے مل کر آئی تھی۔ اسے اس کے ارادے سے باز رہنے کا کہنے گئی تھی۔ اپنی ازدواجی زندگی کی مسرتوں کی بھیک مانگنے گئی تھی۔ ہر طریق سے اس نے سعدیہ کو باز رکھنا چاہا تھا لیکن وہ ــــ ماننے پر آمادہ نہ تھی۔ وسیم کی سحر کاری اپنا پورا پورا اثر کر چکی تھی۔ اس کی محبت میں تو وہ جیسے پاگل سی ہو رہی تھی۔

"سعدیہ میری بات مان جاؤ، اس محبت کو بھول جاؤ۔ یہ مرد معصوم لڑکیوں کو اپنے چنگل میں پھنسانے کے لئے ایسے سنہری جال پھیلایا ہی کرتے ہیں۔ یہی دعوے وسیم میری محبت کے بھی کیا کرتے تھے۔ بلکہ اب بھی کرتا ہے۔ لیکن دیکھ لو انجام"

سعدیہ نے اس کی باتیں ایک نگاہ تمسخر میں اڑا دی تھیں: "مجھے نصیحت کرنے کی ضرورت نہیں عابدہ، میں اپنا برا بھلا خوب سمجھتی ہوں"

اور پھر باتوں باتوں میں اتنی گرما گرمی ہو گئی تھی کہ پیمانہ زہر بھر چکا تھا کہ سعدیہ نے اسے جھٹکارتے ہوئے نفرت سے دھتکارتے ہوئے کہا تھا۔

"وسیم کو بچے کی ضرورت ہے اور دس سالوں میں تم چڑیا کا بچہ بھی اسے نہ دے سکیں۔ خود غرض"

سعدیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور اسے اپنے چاروں طرف آتشیں شعلوں کا سیلاب سا امڈتا محسوس ہوا تھا۔ یہی وہ آتشیں لمحہ تھا۔ جب اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ کل کا ارادہ بدل رہا تھا۔ بیوی سے وہ عورت رہ گئی تھی جس کی قربانی کو خود غرضی کہہ کر روند ڈالا گیا تھا۔ جس کی اداؤں کو کچوکے لگائے گئے تھے۔ جس کی نسوانیت کی توہین کی گئی تھی۔ پھنکارتے ہوئے وہ اٹھی تھی۔ اور صرف یہی کہا تھا۔

"پچھتاؤ گی کسی دن"

اور سعدیہ نے ایک اور طنزیہ قہقہہ لگایا تھا۔ یہ قہقہہ گھر آنے تک اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ اس کی روح کے اندر کھول رہا تھا۔ وسیم کو سمجھاتے سمجھاتے وہ عاجز آ گئی تھی۔ آخر چارہ یہی تھا کہ وہ سعدیہ کے پاس گئی تھی۔ ایک عورت کو اپنا مجروح دل دکھا کر بھیک مانگنے گئی تھی۔ لیکن وہ اب تلملا رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ اپنی ذلت اور رسوائی سے مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی۔

"یہ شادی ہوگی اور ضرور ہوگی" اس نے میز پر مکا مارتے ہوئے دانت پیس کر کہا: "سعدیہ اور وسیم کی شادی ضرور ہوگی!"

"شادی! شادی!! شادی!!!" ـــ اسے اپنی شادی یاد آ گئی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور میز پر بازوؤں کے حلقے میں سر رکھ کر کھو گئی۔

دس سال پہلے کا وہ چمکتا ہوا حسین دن اس کی نظروں میں گھوم گیا۔ جب وہ بڑے چاؤ سے عروسی جوڑا پہنے سنہری گٹھڑی سی بنی وسیم کی خوبصورت سی خواب گاہ میں پھولوں سے لدی سیج پر بیٹھی

کھلاتے تھے۔ وسیم کا وقار مجروح ہوا تھا۔ اور کچھ کتنے طرح اعتماد سے اس نے کہا تھا۔

"میں اچھا بھلا تندرست آدمی ہوں۔"

اور اب! اب! اس کا سر چکرانے لگا۔

وسیم کتنا سبک ہو گا۔ اس کی باتیں، اس کا وقار، سب کا وقار کرچیاں چور بکھر جائے گا۔ نہیں نہیں، وہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دے گی۔ اس محرومی کو اپنے سینے میں راز بنا کر دفن کرے گی۔ لیکن وسیم کی محبت میں وہ بہت بڑا فیصلہ کر بیٹھی۔

میمونہ نے آہستگی سے فائل سے دونوں کی میڈیکل رپورٹ نکالی اور خاموشی سے کاغذ اس کے حوالے کر دیئے۔

"میمونہ!" اس نے کانپتے ہاتھوں سے کاغذ تھام لیا۔ میمونہ اس کی طرف خاموشی سے دیکھنے لگی۔ "میمونہ" اس نے مجسم التجا بن کر کہا۔ میمونہ نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"وعدہ کرو میمونہ وسیم کے بارے میں کسی کو کچھ پتہ نہ چلے گا۔ وسیم کو بھی نہیں۔ وسیم نے اگر کبھی پوچھا بھی تو کہہ دینا کہ میں ہی ماں بننے کے قابل نہیں۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئیں۔" میمونہ نے جلدی سے کہا۔ "وسیم کیا، وسیم کی ماں کو بھی معلوم ہو جانا چاہئے جو بیٹے کی دوسری شادی پر تلی بیٹھی ہیں۔"

"نہیں میمونہ، وعدہ کرو، میں کبھی یہ رپورٹ وسیم کو نہیں دکھاؤں گی۔ دوسری شادی کی بات چھوڑو۔ وسیم یہ خیال بھی برداشت نہیں کر سکتے۔" اس نے میمونہ کے سمجھانے بجھانے کے باوجود اس سے رپورٹ کو سینے میں راز رکھنے کا وعدہ لے لیا۔

گھر آئی تو وسیم گھر ہی میں تھا۔ اسے اتنا اعتماد تھا اپنے پر کہ رپورٹ کے متعلق پوچھا ہی نہیں۔ وہ خود ہی بے اختیاری سے رو دی اور وسیم سہم گیا۔

"میں کبھی ماں نہ بن سکوں گی وسیم، کبھی میری گود ہری نہ ہو سکے گی۔" وہ روتی رہی اور وسیم کہتا رہا۔

"تم میری زندگی ہو ساجدہ، میں تمہیں کبھی بھی نہیں دکھ دوں گا۔ آج سے [illegible] سارے [illegible] خواہ مخواہ صحت برباد کر لی ہے۔ [illegible]"

اس نے [illegible] وسیم کا چہرہ دیکھا تھا۔ کتنے اعتماد کیسے [illegible] تبدیل ہو رہا تھا۔ محرومی، مایوسی اور حرماں نصیبی کے

باوجود اس کے من کے اندر سکون کی لہریں پھیل گئیں۔

پھر تین چار سال کتنے سکون سے گزر گئے تھے۔ ساس خفا ہو گئی تھیں اب دوسری شادی کا کوئی ڈھکے چھپے بھی نام نہ لیتا تھا۔ [illegible] خود وسیم کو بھی کبھی اکساتے ضرور تھے۔ لیکن وہ جیسے پتھر کی سل ہو چکا تھا۔ لیکن شادی کا دسواں سال اس کے لئے پریشان کن تھا۔ وہ دیکھ رہی تھی وسیم بچے کے لئے بری طرح بے تاب ہے۔ جب وہ پڑوسی کا کالا کلوٹا بچہ اٹھا کر ہوا میں اچھال دیا کرتا، اس بچے کے لئے بسکٹ، ٹافیاں اور کھلونے لے آیا کرتا تو اس کے دل سے ہوک سی اٹھتی۔ وہ وسیم کی آنکھوں میں تڑپتی مچلتی خواہش دیکھ کر بے تاب ہو جاتی۔

ایک دن اسی خواہش کے احترام میں اس نے وسیم سے کہا: "ہم یتیم خانے سے بچہ گود کیوں نہ لے لیں۔"

"نہیں۔" وسیم نے دو ٹوک جواب دیدیا۔ "میں کرائے کے بچوں کا قائل نہیں، بچہ اپنے ہی گوشت پوست کا ہونا چاہئے۔"

"لیکن وہ کیسے ہو گا؟" اس نے مایوس نظروں سے وسیم کو دیکھا۔

"تم چاہو تو ہو بھی سکتا ہے۔" وسیم نے گمبھیر سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

وہ کچھ نہیں سمجھی تھی۔ لیکن اگلے چند دنوں ہی میں حالات اتنی تیزی سے بدلے کہ وہ بکھر کر رہ گئی۔

سعدیہ وسیم کے دفتر کی ٹائپسٹ تھی۔ چھبیس ستائیس سالہ سعدیہ جانے کب اور کیونکر وسیم کی زندگی میں داخل ہوئی۔ اور کیونکر اسے موٹے تازے صحت مند گول گوتھنے سے بچوں کا شدت سے احساس دلایا۔ اور زندگی کی روکھی پھیکی یکسانیت سے اکتا کر کب وسیم اسے اپنانے کا وعدہ کر بیٹھا۔ اسے تو علم اس دن ہوا۔ جب وسیم نے اس کے گلے میں پیارے بانہیں ڈال کر دوسری شادی کے لئے اس کی اجازت چاہی۔

"تمہاری حیثیت یہی رہے گی۔ مجھے صرف بچوں کی ضرورت ہے۔ سعدیہ ہماری روکھی پھیکی زندگی میں بہار بن کے آئے گی۔ تم بھی تو بچوں کی دیوانی ہو نا۔"

وسیم جانے کیا کیا کہتا رہا تھا۔ لیکن وہ پتھرا کر اس کا منہ تکے گئی تھی۔ اس کا دماغ ریل کے پہیئے کی طرح گھوم گیا تھا۔

"تمہیں احساس ہونا چاہئے ساجدہ، دس سال بیت گئے، ہماری [illegible] زندگی [illegible] ہو گئی [illegible] سننا چاہتا

ہوں۔ میرے بازو ننھے منے بچے کو دبوچنے کے لیے تڑپ رہے ہیں۔ تم میری راہ کی رکاوٹ بنیں تو یہ بہت زیادتی ہوگی۔ خود غرضی ہوگی۔"

وہ اسے ہکا بکا سا چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ کتنی ہی دیر تو وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی۔ کہ یہ سب کیا ہوا۔؟ ہوش میں بے ہوش کھڑی پھٹی پھٹی نظروں سے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

جب وہ کچھ حواس میں آئی تو اُسے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ نئی صورت حال پر وہ رو دے یا قہقہے لگائے۔ اس اعتماد کو توڑ پھوڑ ڈالے جو وسیم کو دوسری شادی پر اکسا رہا تھا۔ اس وقار کو درہم برہم کر دے جس کے سہارے وسیم کی ضدیں زندہ تھیں۔ یا خود غرضی کا جلتا ہوا طعنہ سینے سے لگا کر وسیم کی راہ میں پوری جرأت سے آجائے۔

وہ عجیب کشمکش میں پڑ گئی۔ پانچ سال پہلے کی ڈاکٹری رپورٹ اس کے بکس میں بڑی احتیاط سے رکھی تھی۔ لیکن اُسے وسیم کو دکھانے کی ہمت نہ پڑ رہی تھی۔ اس کے اعتماد اور وقار کے ٹکڑے کرتے ہوئے اُسے خوف سا آتا تھا۔

اس نے وسیم کو ہر ممکن طریق سے سمجھایا۔ رو رو کر منت سماجت کر کے اس کے ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن اس کے اعصاب پر سعدیہ اس بُری طرح سوار تھی۔ بچے اس طرح مسلط تھے۔ کہ وہ کچھ سننے پر آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔

پانی جب سر سے گذرنے کو ہوا تو اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ ڈاکٹری رپورٹ وسیم کو دکھا دے گی۔ نتیجہ جو کچھ بھی ہوگا۔ وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس سے نپٹنے کے لئے تیار کر چکی تھی۔

کل تو اس کا ارادہ یہی تھا۔ لیکن آج صبح اسے سعدیہ سے مل کر آخری چارہ جوئی کا خیال آیا۔ وہ خود اس کو ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے سمجھایا بجھایا۔ لیکن وہ تو آہنی دیوار تھی۔ ڈانواڈول نہ ہوئی۔ وہ دل برداشتہ ہو گئی تو سعدیہ نے اس کا تمسخر اُڑایا۔ اسے خود غرضی کا طعنہ دیا۔ اسے وسیم کی زندگی تشنہ رکھنے کا قصور وار ٹھہرایا۔ اس کی نسوانیت سعدیہ کی چوٹ سے تڑپ اٹھی۔ وہ بپھر گئی۔ اس نے رپورٹ وسیم کو دکھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ سعدیہ کو نیچا دکھانے کے لئے تل گئی۔

"یہ شادی ضرور ہوگی" وہ کمرے میں دیوانہ وار ٹہلتے ہوئے بار بار کہہ رہی تھی۔ اس کا انداز جوش کھائی ناگن کا سا تھا۔ وہ لپک جھپک کر اپنے اسٹور میں گئی۔ سب سے نچلے بکس میں کپڑوں کی تہہ میں وہ رپورٹ والا لفافہ چھپا پڑا تھا۔ اس نے جلدی جلدی سوٹ کیس ادھر ادھر ہٹائے، بکس کھولا۔ کپڑوں کی تہیں الٹ پلٹ کر وہ لفافہ نکال لیا۔

کھڑکی کے قریب آکر اس نے وہ رپورٹ نکالی جس میں وسیم کی ابدی محرومی کی مہر ثبت تھی۔ اور جسے اس نے نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اپنا سر یوں جھکا دیا تھا کہ وسیم کا وقار برقرار رہا تھا۔ لفافہ ہاتھ میں سختی سے پکڑے وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔

یہ لفافہ وہ وسیم کی دلہن سعدیہ کو شادی کے تحفے کے طور پر دے گی۔ رونمائی ــــ اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ اور پھر اس کے قہقہے بکھرتے چلے گئے۔ سعدیہ کا تصور اسے قہقہہ لگانے پر مجبور کرتا رہا۔ کتنی ہی دیر وہ مجنونانہ سی حرکتیں کرتی رہی۔

رات جب وہ سونے کو لیٹی تو بڑے والہانہ طریق سے اس نے وسیم سے کہا: "وسیم جلدی سے سعدیہ کو لے آؤ۔ ہمارے سونے آنگن میں بہار آنی ہی چاہیئے۔ پھول ایسے پیارے پیارے بچے، سعدیہ ہی دے سکتی ہے نا!"

وسیم اس کے والہانہ پن سے کچھ شرمندہ سا بھی ہوا تھا۔ پھر اس سے آنکھیں ملائے بغیر اسی ماہ کے آخر میں نکاح کر لینے کی حامی بھر لی تھی۔ وہ اتنا ہنسی تھی کہ وسیم کو اس کی دماغی صحت پر شک ہونے لگا تھا۔ لیکن اس نے جلد ہی بات بنالی تھی۔ "وسیم بچے کتنی بڑی نعمت ہیں۔ اور میرے خیال میں اس عورت سے زیادہ بدقسمت کوئی نہیں جو اس نعمت سے محروم رہے۔ اب یہ محرومیت ختم ہو جائے گی۔ سعدیہ کے بچے میرے بھی تو ہوں گے۔" گول مٹول بچوں کا تصور اسے پاگل بنا رہا تھا۔

رات گذر گئی۔ صبح وہ دیر تک پڑی سوتی رہی۔ وسیم دفتر چلا گیا۔ جب ملازمہ نے اسے جگایا تو دس بجنے والے تھے۔ کھڑکی کھڑکی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہوا میں تازہ پھولوں کی مہک رچی بسی تھی۔ غصہ اچھی طرح نکال لینے سے اس کا ذہنی تناؤ ختم ہو چکا تھا۔ اس کی سوچیں صحت مند ہو گئی تھیں۔ وہ سکون اور اطمینان سے اپنے آخری فیصلے کا جائزہ لینے لگی۔ چائے کی پیالی ہونٹوں سے

آؤ پڑوسن گلے ملیں

مس مسرت فاطمہ مسرت یزدی

"واہ بھئی یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ عید کے دن بھی تم میرے یہاں گلے ملنے نہیں آئیں" شمونہ نے یہ کہتے ہوئے زینی کو گلے لگا لیا۔

"نہیں بہن ایسا نہ کہو میں خود ہی تم سے ملنے کے لیے بیقرار تھی۔ لیکن تمھیں معلوم تو ہوگا ہی کہ آج تقریباً پندرہ روز سے امی کی طبیعت علیل ہے۔ انھیں اس حالت میں چھوڑ کر کس طرح کہیں جاتی۔ آؤ چلو بہن پہلے امی سے مل لو" زینی شمونہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اپنی ساس کے کمرے کی طرف چل پڑی۔

"آداب چچی اماں" شمونہ نے بڑے ادب سے جھک کر کہا۔

"کون بیٹی شمونہ ہے؟"

"جی"

"خوش رہو دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔"

"چچی اماں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ارے بیٹی میرا کیا۔ پکا آم ہوں جو دن گزر رہے ہیں خدا کا شکر ہے"

"نہیں چچی جان ایسا نہ کہیے خدا آپ کا سایہ ہمیشہ ہم لوگوں پر رکھے۔ میں تو صبح سے زینی کا انتظار کرتے کرتے تھک گئی تھی"

"بیٹی ہم نے بھی دلہن سے کئی بار کہا کہ پڑوس میں جاکر مل آؤ لیکن کیا بتاؤں میری وجہ سے وہ کہیں نہیں گئیں۔ ساس بہو کی حسد اور جلن تو مشہور ہے لیکن اللہ پاک نے مجھ کو ایسی بہو دی کہ بیٹی کی کمی پوری ہو گئی۔ خدا سب کو ایسی بہو دے"

"ہوں" شمونہ ہوں کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"اچھا دلہن اب تم شمونہ بی کو لے کر اپنے کمرے میں جاؤ۔ کام تو ہوتا ہی رہے گا۔ کچھ دیر بیٹھ کر اپنی بہن سے باتیں وتیں کر لو۔ اب تو شیراز بھی کچھ گھنٹے میں آ ہی جائیں گے۔ تو پھر تمھیں فرصت نہ ہوگی۔"

زینی اپنی ساس کو پان دے کر شمونہ کو لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس وقت ملازم سوئیوں وغیرہ سے سجی ہوئی ٹرے لے کر اندر داخل ہوا۔ زینی کے اصرار کرنے پر شمونہ نے تھوڑا سا کھایا اور پھر دونوں گپ کرنے میں مشغول ہو گئیں۔

"ایک بات بتاؤ زینی کہ ایسی ساڑی تم نے عید میں کیوں پہنی۔ اتنے حسین مخمل جیسے جسم پر یہ معمولی ساڑی ذرا بھی بھلی نہیں لگتی" شمونہ نے کہا "پتہ نہیں شیراز بھائی کیسے انسان ہیں۔ کہ کبھی انھیں یہ توفیق نہیں ہوئی کہ کوئی قیمتی چیز تمھیں لاکر دیتے کم سے کم عید کے موقعہ پر تو دینا ہی چاہیے تم یہ سب کیسے گوارہ کر لیتی ہو مجھ سے تو یہ ظلم برداشت نہ ہوتا۔ دیکھو یہ جو ساڑی میں پہنے ہوں نا۔ یہ ساڑی پانچ سو روپیہ کی ہے۔ صرف ایک ساڑی۔ اور یہ جو میرے ہاتھ میں سونے کا جڑاؤ کنگن ہے نا یہ بھی میرے شوہر نے نیا ہی بنوایا ہے۔ اور ایک تم ہو کہ کبھی شیراز بھائی کوئی قیمتی چیز لاکر تمھیں نہیں دیتے مجھے تو تمھاری قسمت پر رونا آتا ہے۔ اتنے امیر گھر کی ناز و نعم کی پلی ہونے کے باوجود تم اتنی تکلیف اٹھا رہی ہو۔ کیوں نہیں اپنے میکے چلی جاتیں۔"

"شمونہ خدا کے لئے ایسی بات نہ کہو میری نادان بہن۔ ہر شوہر اپنی بیوی کو اچھی طرح رکھنا اچھا پہنانا اور خوش رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن ہمارے حالات ہی کچھ ایسے ہیں کہ ان کے دیے پیسوں میں سونے کا کنگن بہت پسند کروں گی اور یہ بھی تم نے ٹھیک ہی کہا کہ میں بہت امیر گھر کی بیٹی ہوں لیکن اسلئے گھر کی دولت شادی کے بعد لڑکیوں کے لئے کچھ نہیں ہوتی۔

شادی کے بعد تو لڑکی کا اپنا گھر سسرال ہی ہوتا ہے۔ لڑکیوں کا فرض ہے کہ وہ شادی کے بعد جب اپنی سسرال جائیں تو جلد ہی خود کو اسی ماحول میں فٹ کرلیں۔ وہ لاکھ تکلیفیں اٹھائیں مصیبتیں جھیلیں لیکن سسرال ہی میں رہیں۔ اسی میں اچھائی ہے۔۔۔۔ بلندی ہے۔۔۔۔ عزت ہے۔ شادی کے بعد وہ عزت لڑکیوں کو میکے میں نہیں مل سکتی۔ لاکھ ماں باپ عزت کریں پیار سے رکھیں لیکن سماج کی نظروں میں اس کی کوئی قدر نہیں کوئی عزت نہیں۔ اس لئے میں بہت خوش ہوں کہ چاہے جس طرح بھی رہوں لیکن اپنے شوہر اور ساس وغیرہ کے ساتھ اپنی سسرال میں ہوں۔ یہ کوئی کم بات نہیں ہے۔ مجھے کنگن کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے شوہر ساس نندوں اور دیور کے پیار کی ضرورت ہے۔ عزت کی تمنا ہے ۔۔۔ اپنے پڑوسیوں کی خوشی اور سماجی بہتری کی ضرورت ہے ۔۔۔ اور ۔۔۔ اور اگر مجھے یہ سب کچھ مل جاتا ہے تو پھر کسی چیز کی کوئی آرزو نہیں۔ یہی میرے لئے سب کچھ ہے۔

"بس تم تو لکچر دینے لگیں۔ اچھا چلو مانے لیتی ہوں کہ تم حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کنگن نہیں بنوا سکتیں۔ تو نہ سہی لیکن دولہا بھائی اب اتنے بھی گئے گزرے نہیں۔ کہ عید کے موقعہ پر کوئی اچھی سی ساڑی ہی لادیتے"

"میری بھولی بھالی شمونہ! وہ بھی میرے لئے بہت ہی قیمتی قیمتی ساڑی لائے تھے۔ مجھے پسند کرانے کے لئے لیکن ان کے اصرار کرنے پر بھی میں نے ان قیمتی ساڑیوں کو ناپسند کردیا اور سو روپیہ کی ساڑی لے لی جو میں پہنے ہوں۔"

"مگر بات تم نے کیوں کیا۔؟"

"کیا کروگی جان کر۔"

"نہیں تمہیں بتانا ہی ہوگا۔"

"شمونہ میری اس سو روپیہ کی ساڑی میں ایک راز پوشیدہ ہے اور میں بہت خوش ہوں یہ ساڑی پہن کر اس طرح میں نے اپنے گھر والوں اور پڑوسیوں کی خوشیوں کا سامان مہیا کردیا ہے۔ کیا یہ مناسب ہوتا کہ میں تو پانچ سو کی ساڑی پہنتی اور دوسرے متعلقین معمولی لباس میں ہوتے۔

زینی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"زینی یہ کیا؟ تم رو کیوں رہی ہو میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔"

"بہن! صرف اپنی خوشی کوئی چیز نہیں۔ اگر میں خوش ہوں۔۔۔ اور ہمارے پڑوس میں کوئی غمزدہ ہے تو میرا خوش رہنا غداری ہے ۔۔۔ ظلم ہے۔۔۔۔ گناہ ہے۔ شمونہ میں تو پانچ سو روپیہ کی ساڑی لے سکتی تھی لیکن اپنے پڑوس میں وہ جو راشد کی بیوہ ماں ہیں نا۔ ان کے بچوں کے پاس کپڑا نہ تھا۔ بیچارے ننھے منے بچے دوسرے بچوں کے کپڑے سلتے دیکھ کر ماں سے جاکر کہتے۔ امی مجھے بھی کپڑا بنا دو نا۔ دیکھو تو اسلم کی امی نے اسلم کو کتنا اچھا کپڑا بنا دیا۔ تم میرے لئے کیوں نہیں بناتیں۔ اور جب مجھے معلوم ہوا کہ ان کے بچوں کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ تو میں نے خود سو روپیہ کی ساڑی لی اور کچھ روپیوں سے ان کے بچوں کا اور ان کا کپڑا منگا کر بھیج دیا۔ جسے پاکر وہ بہت خوش ہوئیں۔ بے شمار دعائیں دیں انھوں نے اور بچے تو بہت خوش ہوئے۔ آج جب میں یہ ساڑی پہن کر گھر سے نکلی اور ان کے بچے کو نئے کپڑے میں ملبوس اپنے آنگن میں خوش خوش آتے دیکھا تو میرا یہ دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ اس لئے میں یہ معمولی ساڑی پہن کر بہت خوش ہوں۔"

شمونہ حیرت سے زینی کی باتیں سنتی رہی۔ اس کے تو خواب و خیال میں بھی ایسے تصورات نہ آئے تھے۔ اس کے تو پڑوس میں مردہ پڑا ہوتا تب بھی وہ میک اپ کر کے گھومنے چلی جاتی۔ وہ صرف اپنی خوشیوں ہی کو خوشی سمجھتی تھی۔ دوسروں کے غم اور دوسروں کی خوشیاں، وہ سمجھتی تھی کہ دوسروں ہی سے متعلق ہوتی ہیں۔ گھر میں شوہر کے سوا کوئی تھا ہی نہیں کہ ان کے متعلق اسے سوچنا پڑتا۔ جبکہ زینی کی ساس بیمار تھی۔ دیور پڑھ رہا تھا۔ نندیں بعض شادی شدہ تھیں۔ بعض شادی کے قابل۔ اور کمائی صرف اس کے شوہر کی تھی۔ اگر وہ شمونہ کی طرح بن جاتی۔ تو گھر کا نہ جانے کیا حال ہوتا۔

شمونہ زینی کی باتیں سنکر متاثر ہوئی اور بولی معاف کرنا زینی مجھے یہ سب کچھ معلوم نہ تھا۔ اور معلوم بھی ہوتا میرے تو بس

(بقیہ صفحہ ۳۱ پر)

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریم میں — صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی یا غمی سے متعلق ہو۔ خبر مختصر سے مختصر الفاظ میں صاف صاف لکھی جائے اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ و نمبر خریداری کے ساتھ بھیجی جائے۔ خبر کی اشاعت میں کتابت کی اتفاقیہ غلطی کا ذمہ دار آفس نہ ہوگا البتہ اطلاع ملنے پر اس کی صحت شائع کر دی جائے گی۔ ۱۰ تاریخ تک وصول ہو جانے والی خبریں ہی شائع کی جاتی ہیں۔ بعد میں آنے والی خبریں ایک ماہ کے بعد حریم میں جگہ پاتی ہیں۔ ادارہ

ولادت اطفال کی خبریں

• رحمت پروین (دیوبند) میرے بڑے بھیا محمد عبداللہ اور بھابی عشرت جہاں بیگم کے چمن حیات میں ۲۶ر فروری ۸۰ء بروز منگل سوا چار بجے دن پہلی بار ایک پھول کھلا۔ نام عبید الرحمٰن قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ میرا پیارا بھتیجہ دیندار بہترین عالم اور فخر خاندان بنے۔

• انجم افشاں (رانچی) میری بڑی بہن رضوانہ رفعت صاحبہ اور دولہا بھائی اعجاز احمد صاحب انجینئر کے گلشن حیات میں ۷ر مارچ ۸۰ء بمقام کراچی اللہ پاک نے تیسرا پھول کھلایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ نومولود عمر خضر پائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے

• زینب (مدراس) میری بہن زہرہ اور بہنوئی صدیق کے گلشن حیات میں پہلی بار اللہ تعالیٰ نے ۳۰ر اپریل ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے صبح بمقام بنگلور ایک خوبصورت پھول کھلایا۔ نام محمد زبیر قرار پایا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور فخر خاندان بنے۔

• فریدہ واجد (بنسور) میری بہن فہمیدہ صداقت کے گلشن حیات کو پُر بہار بنانے کے لئے خدا نے پہلی دفعہ ایک بے حد پیاری اور معصوم کلی عنایت فرمائی۔ دعا ہے کہ خدا اسے عمر خضر عطا فرمائے اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• مس نبیلہ نیلم (مدراس) میرے ڈیڈی امین الرحمٰن صاحب اور ممی محمدی بیگم صاحبہ کو اللہ پاک نے ۱۰ر اپریل ۸۰ء بروز جمعہ بوقت ۳ بجے سہ پہر ایک فرزند عطا فرمایا۔ میرے اس منے بھیا کا نام احسان احمد قرار پایا۔ خدا اسے عمر طویل بخشے اور فخر ملت و خاندان بنائے۔

• ساجدہ بانو (مدراس) میری بہن شاہینہ پروین اور بھائی عبدالصمد کے گلشن حیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ۲۲ر اپریل ۸۰ء بروز ہفتہ بوقت ۱۱ بجے دن ایک چاند سا منا عطا فرمایا۔ دعا ہے کہ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے اور بلند اقبال ہو۔

خریداری نمبر ۶۸۶۱ آپ نے ٹکٹ بجائے پچاس پیسے کے تیس پیسے کے بھیجے ہیں جب قاعدہ پچاس پیسے کے آنا چاہئیں اس لئے خبر شائع نہ ہو سکی۔

• مہرالنساء (کولار) میری — نسیم النساء اور — حیدر علی کے گلشن حیات میں پہلی بار بروز جمعرات بتاریخ ۹ر مارچ ۸۰ء بوقت ۵ بجے شام اللہ تعالیٰ نے ایک گڑیا عطا فرمائی نام .... عرشیہ حیدر رکھا گیا۔ اللہ سے دعا ہے بچی صاحب نصیب ہو اور والدین و بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

پیغامات نشاط

• میرے محترم بھائی یوسف ایم پاریکھ کے نواسے اور داؤد پاریکھ صاحب (— منگلم) کے فرزند ارجمند عزیزی محمد سلم کی شادی یاسمین سلمہا دختر نیک اختر جناب یوسف دادا بھائی کے ساتھ ۵ر مئی ۸۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر جامع مسجد قرب گول مارکیٹ ...... ناظم آباد کراچی بحسن و خوبی انجام پائی میں خصوصیت سے بھائی پاریکھ صاحب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ پاک انھیں ایسی لاتعداد خوشیاں دیکھنا نصیب کرے

نسیم انبونوی

• عبداللہ بھائی محمد علی (ڈونگری بمبئی) کی دختر نیک اختر ریحانہ سلمہا ایم۔ ایس۔ سی کی شادی مسٹر زعیب ایم - ای فرزند مرحوم احمد علی لوٹ والا کے ساتھ ۔ مئی ۸۰ء بروز — بمقام

بخیر وخوبی بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔

نسیم انہونوی

● رفعت صفی (مظفر پور) میری ماموں زاد بہن سیما مظہر ایم ۔اے (بنت بیگم و پیر مناظر الحق صاحب) کی شادی ظفر حمید (لندن) حال مقیم دوبئی ابن مرحوم عبدالحمید صدیقی مرحوم سے ۲۸ اپریل بروز جمعرات بمقام کراچی پاکستان انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔

● عزیز شبیہ زہرا سلمہا (دختر نیک اختر جناب سید افتخار حسین رضوی، شاعر تاز فون انسپکٹر) کی شادی سید محمد احسن زیدی سلمہ (فرزند ارجمند جناب سید احتشام حسین مرحوم ساکن سندرہ۔ بارہ بنکی) تاریخ ۲۸ اپریل ۸۸ء بروز پنجشنبہ بوقت شب بمقام لکھنؤ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی۔

● فریدہ سقاف ۔ میرے بھائی سید رفیق احمد سقاف کی شادی خانہ آبادی احمدی بیگم (دختر سید اختر حسن نظیری۔ جنجرہ مرشد) کے ساتھ ۱۹ اپریل ۸۸ء بروز بدھ بوقت شب بمقام شری وردھن بخیر وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میرے بھیا اور بھابھی کے دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رکھے۔

● نصرت علی صاحب (پیغمبر پور۔ بارہ بنکی) کی دختر نیک اختر عفرا خاتون سلمہا کا عقد نکاح سہیل اختر ابن مصطفیٰ حسین مرحوم ساکن موضع مہنڈ۔ بارہ بنکی) کے ساتھ ۷ مئی ۸۸ء یوم یکشنبہ بمقام پیغمبر پور بحسن وخوبی انجام پائی اللہ مبارک کرے

نسیم انہونوی

● فیض اللہ صاحب لکھنؤ کی بیٹی شاہجہاں سلمہا کی شادی ڈاکٹر محمد ارشاد (خلف ڈاکٹر محمد حبیب صاحب وبیکٹ نگر ضلع شیو حل) کے ساتھ بمقام لکھنؤ بتاریخ ۱۲ مئی ۸۸ء بروز جمعہ بوقت شب بخیر وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی۔

● ارشاد احمد شمسی (آنولہ) میرے مخلص بھائی ڈاکٹر دلشاد کا عقد نکاح "درخشاں بیگم" دختر نیک اختر جناب مظفر امیں عرف اچھے میاں (علی گڑھ) کے ساتھ ۱ مارچ ۸۸ء کی شام کو بخیر وخوبی انجام پایا۔ اللہ بھائی اور بھابھی کو ہمیشہ شاد وخرم رکھے۔

● درخشندہ صدیقی (ا۔ اندور) میرے دیور محمد سلیم کی شادی (بیوہ دختر محمد عصاب والا۔ عمان) کے ساتھ اور چھوٹے دیور شاد احمد کی شادی عزیزہ (دختر شجاع الدین پیش امام) کے ساتھ ۲۳ اکتوبر کو صابو صدیقی ہال بمبئی میں بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک دونوں جوڑیوں کو شاد وخرم رکھے۔

انتقال پر ملال کی خبریں

● قمر آرا (کانپور) افسوس صد افسوس کہ میرے حقیقی خالہ زاد بھائی محمد زماں صاحب مورخہ ۱۳ اپریل ۸۸ء بروز جمعہ بوقت ۱ بجے دن ہم سب کو گریہ کناں چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ مرحوم بڑے خدا ترس، نیک، ملنسار اور خوش اخلاق تھے۔ مجھے اپنی حقیقی بہن کی طرح چاہتے تھے۔ اللہ پاک ہماری بھابی ان کے بچوں اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

● ملی عظمت ترنم (آمبور) نہایت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری خالہ عائشہ بیگم صاحبہ ۱۵ مئی ۸۸ء بروز چہارشنبہ بوقت شب اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ اپنی یادگار دو لڑکیاں اور تین چھوٹے چھوٹے لڑکے چھوڑ گئیں۔ مرحومہ بڑی نیک پارسا اور پابند صوم وصلوٰۃ تھیں اللہ پاک ان کی روح کو بخشے اور ان کے بچوں کو صبر جمیل عطا کرے۔

● چیا مسیحا ترنم (آمبور) افسوس کہ میرے دادا عبد الغنی ایک معمولی علالت کے بعد صحت یاب ہو کر اچانک ۲۵ اپریل ۸۸ء بروز منگل کو کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے رحلت فرما گئے۔ مرحوم نیک و پارسا تھے اللہ پاک انھیں جنت الفردوس عطا فرما اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

● ایس ایم۔ زیب النساء (آمبور) افسوس ہے کہ ہماری آپا جان کے۔ ایس عائشہ ۱۰ مئی ۸۸ء بروز چہارشنبہ بوقت ۱ بج کر ۱ منٹ پر اپنے پانچ معصوم بچوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ پابند صوم وصلوٰۃ اور بڑی ہی نیک بی بی تھیں۔ اللہ پاک انھیں جنت میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• شکیلہ پروین (کلکتہ) یہ لکھتے ہوئے کلیجہ خون ہوا جا رہا ہے کہ میری چھوٹی بہن فاطمہ بیگم (اہلیہ محمد حسن صاحب) [illegible] اسپتال میں بے ہوشی رہنے کے بعد عالم بے ہوشی ہی میں [illegible] بروز اتوار [illegible] جون میں رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ خلیق، ملنسار اور پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو غریق رحمت کرے۔ مرحومہ نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔

بقیہ آؤ پڑوسن گلے ملیں صفحہ ۲۰ کا

شوہر ہی سب کچھ ہیں۔ انھیں کی اپنی دنیا میں ہی نظر آتی ہوں لیکن تم ٹھیک ہی کہتی ہو زینی! ہمیں پاس پڑوس کی خبر رکھنا چاہیئے تم قابل فخر ہو زینی۔ کوشش کروں گی کہ میں بھی تمھاری ہی جیسی بن جاؤں۔

ثمونہ" زینی نے گلوگرفتہ لہجے میں کہا۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر تم میں کچھ انقلاب آسکا۔ پیاری ثمونہ اصل زندگی وہی ہے جو دوسروں کے دکھ درد کو اپنا سمجھ سکے۔ یقین مانو، میں تکلیفیں اٹھا کر بھی صرف اس خیال سے خوش رہی ہوں کہ میرے تکلیف اٹھانے سے کسی اور کو آرام ملا ہے۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ شعر ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو موزوں اور اچھا ہو ساتھ ہی نمبر خریداری کے ساتھ بھیجا گیا ہو جولائی کے لئے عنوان ہے "خار" اور اگست کیلئے "قیامت"

ادارہ

ایک حریمی بہن صبیحہ سلطانہ نے چھپرا سے لکھا ہے کہ پسندیدہ اشعار کے سلسلے میں یہ قید لگا دی جائے کہ شعر کے ساتھ شاعر کا نام بھی لکھا جائے۔ بات بہت معقول ہے لیکن اس پر عمل بہت دشوار ہے۔ اشعار اکثر لوگوں کو یاد رہتے ہیں لیکن شاعر کے نام بہت کم یاد ہوتے ہیں۔ اگر کسی بہن نے غلط نام شاعر کا لکھ دیا تو ہمارے لئے بھی دشوار ہو جائے گا کہ اصل شاعر کا نام معلوم کریں۔ ورنہ ذمہ داری ہماری ہو گی اس لئے افسوس کہ اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

(ادارہ)

الوداع اے رنگ وحشت الوداع اے فرط شوق
رخصت اے جوش جنوں اے سیر صحرا الوداع

مرسلہ نسرین لاری (کانپور)

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد
سرخرو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد

مرسلہ:- دل آویز سعید خاں و محمد شارث الاعظم بہار شریف

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

مرسلہ: عائشہ صدیقہ احمدی نازا میوی و زہرہ بہار شریف، ڈاکٹر ... (حیدرآباد)

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی میں سوز دروں

مرسلہ:- زینب اللہ داس

رنگ لایا ان کی نظروں کا تصور اے عرشی
دل سے ہم بیگانہ ہیں اظہار سے بیگانہ ہوا

مرسلہ: صبیحہ سلطانہ صبا (چھپرہ)

کانپتی پرچھائیاں، ماضی کے دھندلے سے نقوش
دل کے خاکے میں بہت سے رنگ بھر جاتی ہے یاد

مرسلہ: سیدہ سلا احمدی نازا (امیوں)

وہ اگر برا نہ مانیں تو جہان رنگ و بو میں
میں سکون دل کے خاطر کوئی ڈھونڈ لوں سہارا

مرسلہ صوفیہ مظفر (جمشید پور)

آ اس خاکہ ہستی میں رنگ بھرنا ہے
ستم کی آگ میں تپ کر ابھی نکھرنا ہے

مرسلہ:- تابندہ مصباح جاجمؤ کانپور

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

مرسلہ: نکہت تنویر پالامئو (بہار)

رسمِ جہیز لعنت

ڈاکٹر سلام سندیلوی

ہمارے واسطے رسمِ جہیز ہے لعنت — معاشرے کے لئے ہے یہ باعثِ نکبت
جہیز کا ہے طریقہ عذاب کی صورت

یہ رسم رکھتی ہے انساں پہ مفلسی کا بار — یہ نشہ وہ ہے، اترتا نہیں ہے جس کا خمار
فنا یہ کرتی ہے ہم کو شراب کی صورت

ملول رہتا ہے فکرِ جہیز سے انساں — یہ رسم کرتی ہے لوگوں کو بے سر و ساماں
جگر ہے سوختہ ان کا کباب کی صورت

جہیز کے لئے لائیں کہاں سے سیم و زر — ہمارا قلب اسی غم سے رہتا ہے مضطر
ہمارا دل ہے شکستہ رباب کی صورت

نہیں نکلتی ہے کوئی جہیز کی تدبیر — نگار خانہ میں بے رنگ ہے ہر اک تصویر
ہر اک امید نظر میں ہے خواب کی صورت

گھروں میں بیٹھی ہیں بے بیاہی لڑکیاں معصوم — شباب ان کا مسرت کی ضو سے ہے محروم
ہیں ان کے چہرے فسردہ گلاب کی صورت

ہوئی ہے قلب میں بیدار ان کے موجِ سرشک — نہ لب پہ ان کے ہنسی ہے نہ چشم ہے بے اشک
جبیں ہے ڈھلتے ہوئے آفتاب کی صورت

اتر پردیش حکومت کے چند اہم اقدامات

- انتظامیہ کو صاف ستھرا بنانے کے لیے عوامی کمیشن قانون، جن کے نفاذ سے وزیروں سمیت سبھی اعلیٰ عہدیداروں کی بدعنوانیوں کے خلاف کارروائی ممکن۔
- انتظامیہ اور پولیس میں اصلاح کے لیے عملی قدم۔
- عوامی مرکزوں میں بنائے گئے کارپوریشن کی فضول خرچیوں پر روک
- ہریجنوں اور کمزور طبقوں کے لئے رہائشی زمینوں، پینے کے پانی کی سہولتوں اور دوسرے بہبودی کے منصوبوں کو جلد سے جلد نافذ کرنے کا فیصلہ۔
- [illegible] میں ۱۱۰۱ لوگوں کو تقسیم کی گئی زمینوں پر حقیقی قبضہ دلایا گیا۔
- تقسیم شدہ زمینوں کو دوبارہ چھین لینے والے لوگوں کو تین سال تک کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دئیے جانے کا فیصلہ سب سے پہلے اتر پردیش ہی میں ہوا۔
- بجلی کی مجموعی پیداواری صلاحیت میں ۳۰۰ میگا واٹ کا اضافہ جس سے [illegible] میں کل صلاحیت ۲۹۵۵ میگاواٹ ہوئی۔

اوبرا میں ۲۰۰ میگا واٹ کے واحدے کا چالو ہونا۔ ۴۰۰ کیلو واٹ ٹرانسمشن لائن کی تعمیر کرنے اور ۴۰۰ کیلو واٹ کے سلطان پور، لکھنؤ کے معاملے بجلی گھر تیار کرنے میں بھی اتر پردیش دوسری ریاستوں کے بہ نسبت پیش پیش ہے۔

- پچھڑے علاقوں میں صنعتوں کو بڑھاوا دینے والے مرکزوں کا قیام۔ ایسے سات مرکزوں میں سے ہر ایک میں چالیس اکائیوں کا قیام۔
- [illegible] میں ۱۰۰۰ نئی چھوٹی صنعتوں کی اکائیوں کا قیام اور سال رواں میں ۳۰۰۰ نئی اکائیوں کے قیام کی تجویز جس سے لگ بھگ ۶۰ ہزار لوگوں کو روزگار ملے گا۔
- پس ماندہ طبقوں کے افراد کے لئے سرکاری ملازمت اور میڈیکل و انجینیرنگ کالجوں میں کافی حد تک جگہیں محفوظ۔

اتر پردیش مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے

ہمارا نصب العین — انتودیہ

جاری کردہ:- محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ — اتر پردیش

رہا ہو اور جھیل [illegible] قدرت کے اعتبار سے اس
مقام کو [illegible] دی حیثیت ہے جو دوسرے شہروں کا ہو سکتا ہے
یہاں مکانات تو زیادہ تعمیر نہیں ہوئے اس لئے کہ مستقل
آبادی میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا البتہ ہوٹلوں کی بہتات
ہے۔ بیسیوں نئے ہوٹل بن گئے ہیں اور بیشتر پرانے ہوٹلوں
نے زینے کی طرح اپنی منزلیں تعمیر کرا کے وسعت پیدا کر لی ہے
پہلے میں مال روڈ پر چند ہی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ بقیہ
حصہ عمارتوں سے خالی تھا مگر اب وائی۔ ایم۔ سی۔ اے
کی زمین کے علاوہ کوئی حصہ تعمیر سے خالی نہیں۔ اس کے
باوجود سیاح حیران و پریشان پھر رہے تھے۔ کسی ہوٹل میں
کوئی کمرہ خالی نہ تھا اور کرایہ معمولی ہوٹلوں میں بھی پچاس سے
سو روپیہ روز تک لیا جا رہا تھا۔

انگریزی دور میں مال روڈ سے صرف گورنر ہی کی موٹر جا سکتی
تھی باقی لوگ یا پیدل چلتے تھے یا ان تانگے نما کشتیوں
پر جو پہاڑی لیجایا کرتے تھے۔ آزادی ہند کے بعد ایک
ٹیکس ادا کر کے اکا دکا کاریں مال روڈ پر سے گزرتی رہتی
تھیں، لیکن اب تو یہ عالم ہے کہ آپ کی نظروں کے سامنے
ہر وقت ہی موٹریں، اسکوٹر اور کاریں گزرتی نظر آئیں گی۔
صرف شام کو تھوڑے وقفہ کے لئے سائیکل رکشا اور کاروں
کی آمد و رفت پر پابندی ہو جاتی ہے۔

انگریزی دور میں فلیٹ پر پولو ہوا کرتا تھا۔ پھر ہاکی
اور فٹ بال ہونے لگا۔ صرف جھیل کے کنارے پچھلے
کمیں والے حصے کے پاس چند چاٹ والے بیٹھتے تھے
اب فلیٹ کے اس حصہ میں جو ٹھنڈی سڑک کے قریب
ہے چاٹ کا ایک پورا بازار لگنے لگا ہے۔ یہی نہیں بلکہ
اس سے متصل ایک چائے خانہ بھی اس طرح کا کھل گیا
ہے جیسے پہلے کارنیول کے ساتھ لگا کرتے تھے۔ اور
اس مرتبہ تو یہاں لاٹری کا [illegible] مرکز وہیں ہو گیا تھا۔
اس لئے تلی تال اور فلیٹ کے پاس [illegible]
[illegible] لگنے [illegible]
[illegible] رہتے تھے۔ خدا

کی پناہ۔ یہ تفریح گاہ ایک میلے کی طرح [illegible]
تھا۔ میں نے نینی تال میں دن گزارے ہیں۔ جب سکون اور
خاموشی کی انتہا تھی۔ عورتیں مرد اور بچے اطمینان کے
ساتھ ہر طرف آ جا سکتے تھے۔ نہ بدنگاہی نہ دھکے کا
کوئی خطرہ۔ مگر اب تو لڑکے بچوں کو ان کے والدین بھی
اپنی پناہ میں رکھتے ہیں۔ لڑکیوں کی ٹولیاں نظر بازی میں
مصروف نظر آتی ہیں۔ اکے دکے ناگفتہ بہ واقعات بھی
ہو جاتے ہیں۔

گرانی کا شکوہ خیر عبث ہے۔ گرانی کہاں نہیں ہے
یہ تو تفریح گاہ۔ لوگ جیبیں بھر بھر کر آتے ہیں اور دولت
لٹاتے ہیں۔ جس کشتی کا کرایہ ملی تال سے تلی تال کا [illegible] پیسے
ہوتا تھا اب دو روپیہ ہے۔ گھوڑے والے جو چاہیں لے
لیتے ہیں۔ ڈانڈی والوں کا تو خیر کام بھی مشکل ہے جو بھی
لیں کم ہے۔ اب لوگ ڈانڈیاں استعمال بھی کم کرتے
ہیں۔ اس لئے شاید دو چار ہی رہ گئی ہیں۔ انھیں حاصل
کرنے کے لئے کافی زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔ گھوڑے البتہ
افراط ہیں اور ٹفن ٹاپ، چائنا پیک اور [illegible] جانے
والے اکثر گھوڑوں ہی پر جاتے ہیں۔

میری آمد و رفت قیام گاہ سے ماڈرن بک ڈپو فلیٹ
تلی تال یا بڑا بازار تک ہی ہوتی۔ بڑا بازار میں میرے کرم فرما
رئیس صاحب مالک رئیس برادرس سے دیرینہ تعلقات
ہیں جب بھی ادھر سے گزرا۔ موصوف سے ضرور ملا۔ بڑے
خلیق ملنسار اور متواضع ہیں کافی پلائے بغیر کبھی آنے نہ دیا
جنرل مرچنٹ کی سب سے بڑی دوکان نینی تال میں انہیں کی
ہی لگی ہے جو ہول سیل اور ریٹیل دونوں طرح کا کام [illegible]
یہیں جناب ہدایت نبی صاحب منیجر [illegible] ہوٹل سے [illegible]
ہوئی۔ [illegible] زیادہ ہونے کے باعث [illegible]
انھیں [illegible] پایا اور ملا۔ نبی صاحب بھی پرانی وضع کے [illegible]
انسان ہیں جیسے پہلے تھے ویسے ہی آج بھی ہیں۔
[illegible]
[illegible]

[illegible] سے ہم بھوپال میں بابو جی کی مفارقت سے ۔ بہرحال بھوپال جی دوکان سے باہر آکر ہم سے گلے ملے اور ہمیں الوداع کہا۔

۳ بجے کی بس سے ہم نے اپنے اس محبوب مقام پر الوداعی نظر ڈالی۔ ہماری بس چلی۔ جھیل میں رواں دواں کشتیاں و رتلی تال کا ہنگامہ خیز چہرہ آہستہ آہستہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا اور سوا گھنٹے بعد ہم کاٹھ گودام کے اسٹیشن میں پہونچ گئے اور ۳۱ مئی کی صبح ہم اپنے مکان پر تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم لطیف خواب دیکھتے دیکھتے بیدار ہو گئے ہیں۔

مساوات جس کا سبق اسلام نے دیا ۔ مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے اسے فراموش کر دیا ہے۔

نسیم انہونوی

کا ناول

مہ پارہ

اس بحث پر ایک ایسا ناول ہے جسے پڑھ کر آپ برسوں اس کی کہانی کو یاد رکھیں گے۔ جذبات کی اتھل پتھل سے بھرپور یہ ناول اتنا اصلاحی اور سبق آموز ہے کہ اسے شروع کر کے آپ ختم کیے بغیر چین نہیں پا سکتے۔

قیمت مجلد گیارہ روپیہ

یہ ناول عرصہ سے نایاب تھا۔ اب شائع ہو گیا ہے آج ہی طلب فرمائیں۔ خود پڑھیں اور دوسروں کو پڑھائیں۔

ٹینٹ ہاؤس ۔ تقریبات، نمائشوں، محفلوں و مجالس میں [illegible] کے لئے سب سے قدیم اور مشہور ادارہ ہے جس کا ہر قسم کا سامان مناسب قیمت پر دستیاب ہوتا ہے۔

کیا آپ کو علم ہے کہ

لکھنؤ کس لئے مشہور ہے

اگر نہیں تو ہم آپ کو بتاتے ہیں

لکھنؤ اپنی مخصوص تہذیب اور مشرقی تمدن کے لئے مشہور ہے جس کا کہیں جواب نہیں۔ گو یہ تہذیب اب زمانے کے ہاتھوں رفتہ رفتہ مٹ گئی ہے پھر بھی ہاتھی لاکھ گھٹے تب بھی سوا لاکھ ٹکے کا اگری حالت میں بھی ایک نمونہ ہے۔

لکھنؤ کے مٹی کے کھلونے اور پھل و میوہ جو دیکھنے والوں کو متحیر کر دیتے ہیں۔ اصل اور نقل میں فرق نہیں محسوس ہوتا۔

آصف الدولہ جن کے متعلق مشہور تھا، جس کو نہ دے مولا اسے دے آصف الدولہ) کا مشہور تاریخی امام باڑہ۔ چھوٹا امام باڑہ۔ ریزیڈنسی۔ مارٹین صاحب کی کوٹھی۔ بوٹانیکل گارڈن۔ بنارسی باغ اور زندہ عجائب گھر۔ چھتر منزل قیصر باغ ریوڑیاں جسے کھٹیاں بھی کہتے ہیں۔ عطریات اور چکن کا کام اور ان سب سے زیادہ زردوزی۔ کامدانی۔ اور بادلہ وغیرہ کے کاریگر جن کا کام سارے ہندوستان میں مشہور ہے اور ان کاریگروں کا بہترین کام

درشنو لال آتما رام اینڈ سنس۔ گوٹے والے

راج محل ہوٹل بلڈنگ امین آباد و لکھنؤ میں ہوتا ہے

صدہا حریری بہنیں اب تک اس فرم کی خدمات حاصل کر چکی ہیں۔ اپنی ضروریات کے لئے خط و کتابت کیجئے یا فون نمبر ۲۳۲۲۲ پر بات کیجئے۔

ایمانداری خوش معاملگی اور وقت کی پابندی خصوصیات ہیں۔

عفت موہانی

اس روز ناشتہ پر پھر دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ آج محنت سے صبح کو اٹھی تھی۔ نہادھو کر بال بھی نہیں سکھائے۔ گیلے بالوں کا جوڑا باندھ کر کچن میں جا گھسی۔ بے حد خوش تھی کہ رات سے ہمایوں کا موڈ درست تھا۔ اس نے مجلس سازشی کی خاص طور سے فرمائش کی تھی۔ وہ بھی ہمایوں رات کو لے آئے تھے۔ تب روحی نے سوچا کہ کبھی ان کا کہا بھی کر دینا چاہیئے۔ کب سے کہہ رہے ہیں کہ بہت سارے انڈوں کی خوب سی پڈنگ بناؤ۔ تاکہ جی بھر کے کھائیں۔ انڈوں کی پڈنگ کے ساتھ تو یہ شامت تھی کہ ادھر پڈنگ پکی اور کوئی ڈکٹائی ٹیک پڑا۔۔۔ اس نے بیس انڈوں کی نہایت عمدہ زرد رنگ کی معطر پڈنگ تیار کی۔ آلو کا بھرتہ بنایا۔ پراٹھے تلے اور سارا ناشتہ میز پر سجا دیا۔ پھر خوشبودار چائے کی کیتلی [illegible] بولے پر دم کر کے میز پر آگئی تھی۔

ہمایوں نے خوش ہو کر سب چیزوں پر نظر ڈالی۔ اور کرسی کھینچ کے بیٹھ گئے۔ روحی بھی خوش تھی۔ مارے دلار کے اس نے پڈنگ کی پوری ڈش ہمایوں کے آگے رکھ دی۔ کچھ دیر بعد ہمایوں نے کہا "واہ میں تم سے کہنا بھول گیا۔" انھوں نے ڈالا سے کر پڈنگ کی ڈش اپنے سامنے سرکالی۔ "آج اماں اور نشی آرہی ہیں۔ مجھے کل دوپہر کو ان کا خط ملا تھا۔"

روحی کو نشی سے خاص چڑھ تھی۔ وہ بڑی تیز تھی۔ جب تک رہتی۔ روحی کو گھر کے کاموں میں ہاتھ لگانے نہ دیتی۔ اور اماں بھی بالکل ساس کی طرح رہا کرتی تھیں۔ انھیں دونوں سے تو گھبرا کر روحی نے اپنا گھر الگ بسایا تھا۔ اس خبر کے سنتے ہی اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"کب تک رہیں گی؟" اس نے بیزار لہجے میں پوچھا۔

"ابھی وہ کہاں آئی ہیں۔ تمہیں ان کے جانے کی فکر پڑ گئی؟"

ہمایوں نے کہا "ادھر برآمدے والا کمرہ صاف کرا دو۔"

"آج کل تو ادھر میں رہ رہی ہوں" روحی بولی۔ ان دنوں اس کا جی مندا مندا رہتا۔ پہلی مرتبہ تھی۔ سو وہ جی کو سکون دینے کے لئے برآمدے والے کمرے میں رہنے لگی تھی۔ وہاں سامنے والے میدان کی صاف ہوا عجب فرحت دار آتی تھی حالانکہ یہ بات ہمایوں کو بھی معلوم تھی۔ مگر اس وقت ان کی لاپرواہی نے اسے صدمہ پہنچایا۔ اماں اور بہن کے سامنے اس کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے!

"وہاں میں رہیں گی اماں" اس نے صاف صاف کہہ دیا۔ "نشی اپنے لئے کمرہ صاف کرے گی میں اپنا کمرہ تو کسی کو بھی نہیں دوں گی۔"

"یہ کیا بداخلاقی ہے۔؟" ہمایوں نے کہا "اپنی اماں آرہی تھیں تو تم پورا گھر ان کے لئے صاف کر دیتیں۔ میرے سر پر سوار ہو کر اپنی باتیں منوا لیتیں۔ اور اب جو میری اماں آرہی ہیں تو تمہاری ناک بھوں پر بل پڑ گئے ہیں۔"

"امی تو برسوں میں ایک بار آتی ہیں۔ ان کی خاطر کرنی ہی پڑتی ہے۔"

"اماں کون سا روز روز آتی ہیں۔ پچھلی بقرعید پر آئی تھیں۔ سال ہونے کو آیا ہے۔"

"سنئے جی۔ مجھے بار بار اس کا طعنہ مت دیا کیجئے۔"

"آتی ہیں رہتی ہیں۔ حکومت چلاتی ہیں۔ وہ سالا تمہارا چھوٹا بھائی نیرو آتا ہے۔ بندر ہے بالکل بندر، جب تک گھر میں رہتا ہے۔ الو کا پٹھا گھر میں ایک حشر برپا رکھتا ہے۔ میں اس کی زیادتیوں کو شربت کے گھونٹ کی طرح پی جاتا ہوں۔ اف تک نہیں کرتا۔ مگر میری اماں یہاں آتی ہیں تو تم جل بھن کر ناچنے لگتی ہو۔"

میں چلے گئے۔ روحی بھول سوچتی اپنے کمرے میں آگئی۔ دونوں کے
دماغ پک رہے تھے۔ شادی ہوئے بمشکل ایک برس ہوا تھا۔ شروع
شروع میں خوب عمدہ گزری۔ دن عید رات دیوالی۔ پھر چھوٹی چھوٹی
باتوں پر جھگڑے شروع ہو گئے۔ کبھی ناشتہ پر کبھی قمیص کے بٹن ٹوٹے
ملنے پر۔ ہمایوں نے اسے گھر کی خادمہ سمجھنا شروع کیا۔ روحی نے ہمایوں
کو محض کرایہ کا ٹٹو سمجھا جو دن بھر محنت کرے اور مہینے بھر بعد تنخواہ
اس کے آنچل میں جھونک دے۔ ویسے ان میں محبت ضرور تھی۔ جب
سے ہمایوں کو پتہ چلا تھا کہ روحی نے انہیں باپ بنانے کی تیاری کر دی
ہے۔ وہ اس پر جان چھڑکنے لگے تھے۔ طرح طرح کے ٹانک لاتے۔ اور ہر
ہفتہ بعد لیڈی ڈاکٹر کو دکھاتے۔ بس دونوں میں یہ خرابی تھی کہ بہت جلد
مشتعل ہو جاتے تھے۔ زبان پر قابو کسی کو نہیں تھا۔ روحی تو ہمایوں کی
پرستش کرتی تھی۔ مگر جہاں ان میں لڑائی شروع ہوئی۔ محبت اور پرستش
سب آداب عرض کر کے چمپت ہو جاتی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد روحی ہمایوں کے کمرے میں آئی۔ وہ بڑے طیش
میں سگریٹ پی رہے تھے۔ آہٹ سن کر بھی رُخ نہیں پھیرا۔ روحی نے
جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ تو اس طرح آرام کرنا سیکھ گئے ہیں۔ جیسے دوپہر کے لئے
کچھ لانا پکانا ہے ہی نہیں"

"وہ کمبخت کا بچہ نامعقول رمضانی آخر کب آنے کو کہہ گیا ہے۔
میں نہیں لاؤں گا سودا وغیرہ"

"نہ لائیے۔ مجھے کیا۔ اب کیں شال اوڑھ کر بازار جانے سے
رہی۔ رمضانی کا چچا مر گیا ہے وہ ابھی ہفتہ بھر اور نہیں آئے گا۔
آپ رات کو اپنی اماں اور بہن کے ساتھ واپس آ کر کھانے کا لُچہ نہ
مچائیے گا۔ کہے دیتی ہوں"

"پھر وہی اماں بہن۔ یہ بازاری لفنگے پن کا لب و لہجہ مجھے ذرا
پسند نہیں۔ سمجھیں!"

"ہونہہ کیا۔ باقاعدہ اٹھا کے لائے تھے مجھے۔ ایک آپ ہی شریف
نجیب الطرفین سارے دنیا میں"

"مجھے معلوم ہے کہ تم اماں اور منی سے جلتی ہو۔!"

"وہ اپنے دو نوالے زیادہ کھائیں۔ جلیں میرے دشمن۔!"

"روحی۔ [illegible] اب میرا اور تمہارا نباہ ممکن نہیں ہے"

"کیا کہا؟۔ ذرا پھر سے تو کہئے"

"تم اپنی جگہ خوش میں اپنی جگہ خوش۔!"

"کس لئے آخر؟۔ یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے۔؟"

"مجھے سودا ہو گیا ہے۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔
تنک مزاجی حد سے بڑھ گئی ہے!۔"

"تنک مزاجی۔؟ تم بدتمیزیاں کرو۔ میں خاموش دیکھتا
رہوں۔ تم بدزبانی کرو۔ میں برداشت کیا کروں۔ تم میری ماں
اور بہن کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکو اور میں خندہ پیشانی سے گوارہ
کر لوں۔ کیوں۔ یہی تمہارا منشا ہے نا؟"

روحی نے اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ لئے اور لڑنے کے
انداز میں بولی: "اب دیکھئے کہ اپنی بات کیسی بُری لگتی ہے اس
دن بس ذرا پھوپھی اماں آ کر رہ گئی تھیں تو کتنا بُرا لگا تھا۔ منہ پھلا کے
پھر رہے تھے۔ کھانے میں نمک تیز ہونے کا بہانہ کر کے دسترخوان
الٹ دیا تھا۔ ان کے لئے پان تمباکو نہیں لائے تھے۔ آخر بیچاری
اسی شام کو بے کھائے چلی گئیں کہ اب نہ رہوں گی۔ تیرے میاں
غصہ ہوتے ہیں"

"چچا جان کی کوئی بہن ہی نہیں ہیں تو آخر وہ کون دھوکے
باز عورت تھی جو تمہاری پھوپھی اماں بن کر آئی تھی"

"آپ رشتے ناطے یاد رکھیں تب نا" روحی چیخی "ارے وہ
منّن چچا کی خالہ زاد بڑی بہن کی سگی چھوٹی سالی نما بہن ہیں۔ منّن
چچا اور ابا میں ہمزلفی کا رشتہ تھا۔ یہ آپ کے ابا کی خالہ کی نواسی
کی سوتیلی بہن ہیں۔ سوچئے ذرا جی لگا کے وہ ہماری آپ کی پھوپھی
ہی ہوئیں کہ نہیں ہوئیں"

"دماغ گھوم جائے گا اگر ایسے اوٹ پٹانگ رشتے سوچنے
بیٹھوں گا۔ خدا کی مار۔ تمہی کو کیسے یاد رہتے ہیں یہ منحوس چکردار
رشتے ناطے۔ بہرحال مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ابا، تمہارے باپ کی کوئی
سگی سوتیلی چھوٹی بہن نہیں تھی۔ لہٰذا کوئی پھوپھی بھی نہیں ہے۔ اب کی
وہ چغل دھونس گھنیک گنبد عورت میرے گھر میں آئی تو اسی وقت نکال
باہر کروں گا"

"یہ زبردستی آپ کی نہیں چلے گی۔ ہاں۔
گھر میرا ہے۔ سمجھیں۔"

میرا کچھ ہے۔ میں کسی کا ہاتھ بچکے نہیں آئی۔ خوشامد سے لائی گئی ہوں۔

"آخ خاہ۔ یہ منہ مسور کی دال۔ ان کی کس نے خوشامد کی تھی۔ جیسے لڑکیوں کا کال پڑ گیا تھا میرے لئے۔"

"میں کیا جانوں۔ امی نے دو سال تک لٹکائے رکھا تھا۔ لٹکے رہے تھے۔ تب ڈھونڈ کیوں نہ لی اچھی لڑکی:

"میں اپنی ملازمت کے مستقل ہونے کے انتظار میں تھا"

بعد میں یونہی کہنا پڑتا ہے۔

تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں

یہ آپ جانیں۔!

تمہارے نزدیک میں جھوٹا ہوں۔ لفنگا ہوں۔ اور کچھ جو کہنے کی حسرت دل میں ہے؟۔

"میں کیوں کہوں گی۔ یہ تو بڑے بھیا آکے امی کے پاس رونا روتے تھے آپ کا بیٹا کام میں دل نہیں لگاتا۔ راتوں کو دیر سے گھر پہونچتا ہے۔ ہوٹلوں میں بیٹھا رہتا ہے۔ روحی بی بی سے جلدی شادی کر دیجئے تاکہ وہی کچھ سدھار لے جائے۔"

کون سدھار لے جائے؟۔ روحی بی بی؟؟ استغفر اللہ۔ میں کیا کوڑکام ہوا ہے" ہمایوں نے پھنکار کر کہا" میں بڑے بھیا سے آج ہی جا کر پوچھوں گا کہ انھوں نے چچی جان کے سامنے میرا رونا کیوں رویا تھا؟ کون سی بدمعاشی میں کر رہا تھا؟؟"

"پوچھ لیجئے گا۔۔ گڑے مردے اکھاڑنا آپ کو اچھا لگتا ہے۔ مجھے سودا لا دیجئے۔ میں باورچی خانے میں جا کر سر جلاؤں۔ آپ کا کیا ہے۔ ایک بجے دن کو چپراسی بھیج دیں گے ٹفن کے لیے۔ یہاں ابھی میں نے آٹا تک نہیں پسوایا ہے۔ چاول یونہی لگن میں پڑے بھیگ رہے ہیں۔

آج فاقہ ہے۔

کس خوشی میں فاقہ ہے؟

تمہاری باتوں سے میرا پیٹ بھر گیا۔ اب میں مزید کھانا نہیں کھاؤں گا۔

مجھے کرا دیجئے فاقہ۔ مجبوری ہے آپ کے اوپر آکر پڑ گئی ہوں۔ آپ کیوں کرنے لگے فاقہ۔ اللہ کے لال بہت سے ایسے ہیں آپ کے

لگے سکے۔ جو منت سماجت کر کے آپ کو کھلا دیں گے۔ کیفوں میں ہوٹلوں میں۔ میرا کون ہے؟"

"روحی!"

ہاں ہاں۔ اٹھائیے۔ اب ہاتھ بھی اٹھائیے۔ کیوں ہاتھ روک لیا" رونے لگی۔

ہمایوں نے مٹھی بھینچ لی" یہ اور عذاب ہے۔ خداوندا۔ کیا میرے نصیب میں سکھ کی ایک سانس بھی نہیں ہے"

روحی نے نہایت دلدوز انداز میں سسکتے ہوئے کہا:

پھنکوا دیجئے مجھے میکے میں۔ اور۔ لے آئیے۔ کوئی تمیزدار سلیقہ مند سکھ کی سانسیں بخش دے۔ کہہ دوں گی امی سے اور چچی اماں سے۔ مجھ پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ پھر دیکھیے گا اپنا حشر"

چلی جاؤ" حلق پھاڑ کر ہمایوں نے کہا۔

چلی جاؤں" روحی نے للکارا۔

بالکل!

"اچھی بات ہے!۔ جا رہی ہوں۔ لعنت آپ کے گھر بار پر۔ بڑے کہیں سے آئے چنگیز خاں بن کر"

دوپہر کو صورت نہ دکھائی دے۔!" ہمایوں نے کہا۔

"عمر بھر دکھائی دے گی" روحی نے کہا۔

ہمایوں نے کپڑے بدلے۔ اور غصے کے مارے گھر سے نکل گئے۔

روحی کے تن بدن میں آگ پھنک رہی تھی۔ وہ بھلا کیوں ٹکتی؟ وہ بھی گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ صدر دروازے کی کنجی پڑوس میں کمال صاحب کی بیوی کو بھجوا دی۔!

شام تک ہمایوں کا دل آفس میں اچاٹ اچاٹ رہا۔ ان سے کام میں غلطیاں ہوئیں۔ افسر نے بلا کر ڈانٹا۔ اور پھر ان کا رہا سہا غصہ روحی پر اترا۔ وہ اپنے بڑے پن میں اتنی نہ بڑھ جاتی تو بھلا انھیں خواہ مخواہ کیوں غصہ آتا؟۔ اچھا ہے۔ بھگتے گی۔!

وہ شام کو آفس سے نکلے۔ ریسٹوران میں پھیکی بدمزہ چائے پی۔ جس نے خالی پیٹ میں آگ لگا دی۔ چلتے چلتے گھر پہونچے تو صدر دروازے میں پڑا ہوا قفل منہ چڑانے لگا۔ کنجی کا پتہ نہ تھا کہ ہمسائے میں ہے ——— [illegible] قفل کھول اندر گئے تو سارا سناٹا پڑا تھا۔ دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ [illegible]

اور اس کے ساتھ اچھی اچھی چیزیں تیار کر کے ان کا انتظار کیا کرتی تھی۔ مگر آج۔ کچن پہونچے۔ یہاں خالی برتن قرینہ سے طاقوں میں سجے تھے۔ نہ ایک دانہ چاول کا بکا رکھا تھا۔ نہ ایک [illegible] روٹی۔ اور نہ بوند بھر سالن ـــ تو سچ مچ چلی گئی۔ یہ کھٹ پٹ تو چلتی ہی رہتی تھی آج اس نے سنجیدگی سے بُرا مانا ہے۔ اُف۔ اپنی امی سے نجانے کیا کیا جھوٹی سچی جوڑے گی۔ وہ ابا اور اماں سے کہیں گی۔ غضب ہوجائے گا۔ اماں اس کے مقابلہ میں ہمایوں کو سچا نہیں سمجھتیں۔ فرض کرلیتی ہیں کہ جھگڑا ہمایوں ہی کھڑا کرتا ہے۔ روحی بہت اچھی بچی ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ بچی۔ ارے ہاں۔ پتہ نہیں۔ بچی ہوگی کہ بچہ۔ ؟! ایسے غلط موقعہ پر وہ گھر بھاگی ہے اور وہ نامعقول ضدی بھی اتنی ہے کہ اگر یونہی ٹھنی رہے تو شائد بچے کو بھی دیکھنے نہ دے۔ مگر اچھا ہے۔ اسے کچھ سزا تو ملے۔!"

وہ آرام کرسی پر گر پڑے۔ بڑی مشکل سے جوتے اتارے۔ بھوک تھکن اور جھنجلاہٹ یکبارگی بہت سے جذبے حملہ آور ہوئے تھے پھر سوچا کہ بھوک برداشت ہونے والی نہیں ہے۔ قریبی ہوٹل جاکر کچھ کھا پی لیں۔ اس کے بعد ٹھنڈے دماغ سے سوچیں گے کہ اب کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔

پیسے کافی نہیں تھے اٹھ کے الماری کھولی۔ دھک سے رہ گئے۔ الماری بالکل خالی تھی۔ نہ تو اس میں ملبوسات کا پتہ تھا نہ تجوری والے خانے میں پیسوں کا۔ بھاگ کر روحی کے کمرے میں پہونچے۔ اس کی سب چیزیں جوں کی توں رکھی تھیں۔ ہمایوں نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

اچھا۔ تو یہ سزا دی ہے اس نے۔ میرے تمام کپڑے بٹور لے گئی۔ حتیٰ کہ سلیپنگ سوٹ بھی نہیں چھوڑے۔ ایک پیسہ تک نہیں باقی رکھا۔! کس سے مانگوں۔ کمال بھائی سے۔ وہ مسکرائیں گے کہ صاحب یہ دو روپیے چائے پانی کے اُدھار مانگنے آئے ہیں۔ نہایت شرم کی بات ہے۔ ؟

وہ پھر اپنے کمرے میں واپس آگئے۔ اور دیوانوں کی طرح پکارا۔

روحی۔

روحی۔

مگر ان کی آواز قہقہے لگاتی ان کے پاس واپس آگئی۔

شام کے جھٹپٹے میں انہوں نے روحی کے دروازے پر انگوٹھا بجایا۔

وہ اس طرح دروازے پر آئی جیسے پٹ سے لگی ان کا انتظار کررہی تھی۔ دھیمے دھیمے مسکرا رہی تھی۔

کیا بالکل ہی بھٹکا ماروگی۔ منہ پھراؤگی۔ کیوں ؟۔

امی نے چائے وائے تیار کررکھی ہے۔ اندر تو آئیے۔!

" اپنے گھر چل کر پیوں گا۔ چلو میرے ساتھ۔ اماں اور نشی اب نہیں آئیں گی۔ وہ شاید گھر پر تالا پڑا دیکھ کر بڑے بھیا کے یہاں چلی گئیں۔!"

اماں اور نشی کو جب تک نہ لے چلیے گا۔ میں بھی نہیں چلوں گی۔

" تو پھر چلو۔ پہلے بڑے بھیا کے یہاں چلیں۔ اماں کو جب معلوم ہوگا کہ تم انھیں لینے آئی ہو تو وہ بے انتہا خوش ہوجائیں گی۔"

" سنیئے۔"

" کیوں۔"

اب میں کبھی آپ سے نہیں لڑوں گی۔

تم بڑی پیاری ہو۔ جھگڑا تو میں کرتا ہوں۔

آٹو رکشا کرلیجئے۔

اچھا اچھا

ہمایوں نے کپڑوں کو نہیں پوچھا۔ مگر انھیں یقین تھا۔ یہ بڑا سا سوٹ کیس جو اس نے آٹو رکشے میں رکھ دیا تھا اس میں ان کے کپڑے ہی تھے!!!

درون خانہ سے بیرون خانہ تک

از خان خانہ

ملک کے ایک انگریزی روزنامے میں یہ خبر ہماری نظر سے گذری کہ ڈاکٹر کلیرا جو "دن سینا" کے زوالاجیکل پارک کی ماہر تربیت حیوانات ہیں اور علم حیوانات کی ڈاکٹر بھی ہیں انھوں نے اپنے دس سالہ تجربہ کے بعد یہ رپورٹ پیش کی ہے کہ نوالس کے مرد خصوصاً شوہروں کی عمریں قابل لحاظ مدت تک طویل ہو سکتی ہیں اگر ان کی بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ اس برتاؤ کا نصف بھی روا رکھیں جو ڈاکٹر صاحبہ موصوفہ اپنے زو کے جانوروں کے ساتھ کرتی ہیں۔ ان کا بیان ہے .... کہ انھوں نے شیروں اور ببروں اور بندروں سے ان کی زبان میں بات کرنا سیکھ لیا ہے۔ وہ روزانہ ان جانوروں کی تکالیف اور ضروریات کو تین مرتبہ سنتی ہیں اور تکمیل کرکے انھیں مسرور و شادماں کر دیتی ہیں۔ زو کے جانوروں کو جو غذا دی جاتی ہے۔ اس کو ماہر تربیت حیوانات پہلے بہ ذات خود چکھ کر دیکھ لیتی ہیں کہ وہ بہتر طریقہ سے تیار کی گئی ہے یا نہیں اور یہ کہ کوئی غذا بد ذائقہ تو نہیں ہے۔ اس طرح مکمل طور پر اطمینان کر لینے کے بعد جانوروں کو ان کی غذا دی جاتی ہے جو وہ بڑے مزے لے کر کھاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کوئی جانور زو سے فرار ہو کر جنگل کو چلا جائے تو چند گھنٹوں کے اندر وہ خود ہی واپس آ کر اپنے پنجروں میں بند ہو جاتا ہے۔ آخر میں محترمہ موصوفہ نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ یہ برتاؤ کم از کم نصف کی حد تک ہی سہی بیویوں کو اپنے شوہروں کے ساتھ کرنا چاہیئے۔

یہاں تک تو ہم نے ڈاکٹر کلیرا کے تجربات جو انھوں نے جانوروں کے ساتھ دس سال گزار کر حاصل کیے ہیں اور وہ تجویز جو انھوں نے بیویوں کو اپنے شوہروں پر ان تجربات کو آزمانے کی پیش کی ہے من و عن بیان کر دی ہے۔

اس کے بعد اس خبر کو پڑھ کر ہم نے جو نتائج اخذ کیے ہیں وہ پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ اگر وہ برتاؤ جو ڈاکٹر صاحبہ جانوروں کے ساتھ کرتی ہیں اگر اس کا نصف بھی ممکن ہو تو.. بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ اختیار کریں انھوں نے شیروں اور ببروں کی زبان میں بات کرنا اور ان کی بات کو سمجھنا سیکھ لیا ہے۔ چنانچہ ان کے مشورے کے مطابق بیویوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی زبان کو سمجھنا اور ان کی زبان میں بولنا سیکھ لیں۔ مثال کے طور پر عید الفطر کے موقع پر شوہر اگر بیوی سے یہ کہے کہ تمھارے پاس ایک درجن سے زیادہ نئی ساڑیاں موجود ہیں۔ اس لیے اب کوئی نئی ساڑی خریدنے کی کیا ضرورت ہے۔ تو بیوی شوہر کی اس زبان کو سمجھ نہیں سکتی چنانچہ وہ اپنی زبان میں کہتی ہے کہ جب اسکی تمام سہیلیوں کے شوہروں کے لیے نئی نئی ساڑیاں خریدنا ممکن ہے تو اس کے شوہر کے لیے یہ کیوں ممکن نہیں۔ جب شوہر ضروریات زندگی کے اخراجات کی فہرست اور خسارے کا بجٹ پیش کرکے پھر ایک بار کہتا ہے کہ نئی ساڑی خریدنے کی گنجائش نہیں ہے تو بیوی کو شوہر کی یہ زبان سمجھ میں نہیں آتی اور پھر اپنی زبان میں وہی بات دہراتی ہے۔ کہ اس کی سہیلیوں کے بجٹ میں کس طرح گنجائش نکل آتی ہے غرض بیوی شوہر کی زبان اس وقت تک نہیں سمجھ سکتی جب تک کہ شوہر اس کے لیے نئی ساڑی خرید کر نہ لا دے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ڈاکٹر کلیرا صاحبہ کہتی ہیں کہ بیویاں شوہروں کی زبان کو سمجھنے اور ان کی زبان میں بولنا سیکھ لیں یعنی شوہر کی بات سنتے ہی فوراً یہ کہہ دیں کہ اگر بجٹ میں گنجائش نہیں ہے۔ تو یونہی سہی۔ میرے پاس جو ساڑیاں ہیں ان میں کی ایک پہن لوں گی۔ تو بیچارے شوہر ان جانوروں کی طرح مطمئن اور مسرور ہو سکتے ہیں جو زو میں ڈاکٹر کلیرا کی نگرانی

میں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ماہر تربیت حیوانات اس غذا کو جو جانوروں کے لئے تیار کی جاتی ہے پہلے خود چکھ کر دیکھ لیتے ہیں کہ اچھی طرح تیار کی گئی ہے اور ذائقہ دار ہے۔ چنانچہ بیویوں کو بھی چاہئے کہ شوہروں کے لئے جو غذا تیار کریں پہلے خود چکھ کر دیکھ لیں کہ کہیں آلو کے سالن کے بجائے نمک کا سالن تو نہیں پک گیا ہے جس میں ذائقہ کے لئے تھوڑے سے آلو شریک کر دئے گئے ہیں۔ یا پھر گوبھی کے بجائے صرف مرچ کا سالن تو نہیں پک گیا ہے جس میں کہیں کہیں گوبھی شامل نظر آجائے۔ یا یہ کہ پسندوں میں نمک بالکل نہیں ڈالا گیا اس لئے کہ خود گوشت ایک نمکین غذا ہے۔ بہرحال بیویاں اپنے ہاتھ سے پکائی ہوئی غذائیں شوہروں کو کھلانے سے پہلے خود چکھ کر دیکھ لیں تو معلوم ہوجائے گا کہ غذائیں اچھی پکی ہیں یا نہیں اور بد ذائقہ تو نہیں۔ جیسے زو کے جانوروں کی غذا کو خود ماہر تربیت حیوانات خود چکھ کر دیکھ لیتے ہیں۔ یہاں ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ شیر اور ببر کو جو غذا دی جاتی ہے وہ ہماری معلومات کی حد تک عموماً بالکل کچا گوشت ہوتا ہے۔ تو اس کو یہ ماہرین کس طرح چکھتے ہوں گے۔ اس کی تیاری یا ذائقہ کے سوال کو کس طرح چکھ کر حل کیا جاتا ہوگا۔ خیر بات کچھ بھی ہو۔ جب انھوں نے بیان کیا ہے کہ چکھ کر دیکھ لیا جاتا ہے تو ہمیں یہ بات مان لینی چاہئے کہ گوشت بھی چکھ کر دیکھ لیا جاتا ہوگا۔ ان کے بیان پر کسی قسم کا شبہ کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔

بہرحال ڈاکٹر کلیرا کے جانوروں کے ساتھ دس سالہ تجربات کے بعد شوہروں کے بارے میں بیویوں کو جو مفید اور کارآمد مشورے دئے گئے ہیں وہ ہمیں بے حد پسند آئے چنانچہ ہم تمام بیویوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کرتے ہیں کہ وہ ڈاکٹر کلیرا کے طویل تجربے اور مفید مشوروں سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔ جس کے نتیجہ میں ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ اگر کوئی شوہر خواہ ہماری طرح نرا جانور ہی کیوں نہ ہو بیوی کے مذکرہ بالا برتاؤ سے اس طرح راضی برضا اور خوش و خرم رہے گا کہ وہ زندگی میں کبھی اپنی بیوی سے ناراض ہوکر اپنے ماں باپ کے گھر فرار ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اگر کسی اتفاق سے کوئی ناہنجار شوہر اپنے بیوی کے گھر سے فرار ہو بھی جائے تو چند گھنٹوں کے اندر واپس آکر اپنی بیوی کے قدموں پر جانوروں کی طرح لوٹنے لگے گا اور ہنسی خوشی گھر کے پنجرے میں بند ہوجائے گا۔ بات یہیں تک ختم نہیں ہوجاتی بلکہ ڈاکٹر کلیرا کے خیال کے مطابق بیویوں کے اس برتاؤ سے شوہروں کی عمروں میں نصف کی حد تک اضافہ بھی ہوگا مثال کے طور پر اگر کسی خاتون کا شوہر کاتب تقدیر سے اپنی عمر ساٹھ سال لکھوا کر لایا ہے تو اس کی عمر میں نصف کی حد تک اضافہ ہوکر وہ نوے سال تک زندہ رہے گا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ اس عمر کو پہونچ کر نہ صرف بیوی بلکہ بیٹوں پوتوں بیٹیوں، نواسیوں کے لئے ایک مستقل دردسر بلکہ عذاب جان ہوجائے گا۔ بلکہ یہ سب مل کر اپنی اس ماں کو کوسنے لگیں گے جس نے ڈاکٹر کلیرا کے تجاویز پر عمل کرکے اپنے شوہر کی عمر میں خواہ مخواہ اضافہ کردیا۔ حتیٰ کہ یہ سب مل کر رات دن اس نوے سالہ شخص کی "وفات حسرت آیات" کے لئے رب العزت سے گڑگڑا کر دعا مانگیں گے۔ اور جب ان کی دعا بارگاہ ایزدی میں قبول ہوگی تو وہ سب "یوم نجات" منائیں گے۔

آؤ پڑوسن باتیں کریں۔ ۸

(مناظر عاشق ہرگانوی)

" او ہو۔ عفت اور مسرت دونوں آئی ہو" نورجہاں نے دونوں کا استقبال کیا۔

"کیا ہم الگ الگ آیا کریں ؟" مسرت نے مسکرا کر پوچھا۔

" نہیں، میں ایسا کب کہہ رہی ہوں —— ہاں، عفت! بورڈ کے امتحانات ختم ہوگئے؟ پچھلے دنوں تم بےحد مصروف رہیں"

امتحانات تو ختم ہوگئے مگر کاپیاں ابھی نہیں جانچ سکی ہوں۔ مصروفیت ابھی تک ہے۔ آج مسرت باجی ادھر آ رہی تھیں اس لئے میں بھی چلی آئی"

اچھا ہی کیا۔ ہاں تمہارے پاپا اب کیسے ہیں۔ کئی دنوں سے میں انھیں دیکھنے نہیں گئی۔ آپریشن کے بعد انھیں یقیناً راحت محسوس ہو رہی ہوگی۔ بعض مرض ایسے ہی ہوتے ہیں جن کا واحد علاج آپریشن ہوتا ہے"

" ہاں۔ اب پاپا بہتر ہیں۔ خدا انھیں سلامت رکھے۔ والدین کا سایہ بڑا غنیمت ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے تقویت رہتی ہے"

" یہ تو ہوتا ہی ہے۔ خیر اور سناؤ۔ راشدہ کیسی ہیں ؟ اور زہرہ ؟"

" سب ٹھیک ہی ہیں۔ نئی بات تم ہی سناؤ۔ میں تو اپنے کاموں میں اس قدر الجھی رہی کہ دنیا کی خبر ہی نہیں ملی"

" وہ خالد والی بات سنائیے نا" شہلا بیچ میں بول اٹھی۔

" کیسی بات ؟ خالد تو خیریت سے ہے نا؟"

" ہاں، خیریت ہی ہے۔ یہ شہلا پیٹ کی بڑی ہلکی ہے۔ کوئی بات ہضم نہیں کر سکتی۔ اگل دیتی ہے"

" لیکن بات کیا ہے ؟"

" خالد کی نسبت چل رہی ہے ان دنوں"

" اچھا، یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے" مسرت بولی " شہلا نے اچھا کیا۔ کتنی سمجھدار ہے۔ خوشی کی بات بھی کہیں چھپائی جاتی ہے"

" یہ بتاؤ۔ نسبت آئی کہاں سے ہے" عفت نے بےچینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

" انکم ٹیکس کے سپرنٹنڈنٹ ہیں ایک صاحب۔ ان ہی کی لڑکی ہے"

" پڑھتی ہے کیا ؟"

" ہاں بی اے میں پڑھ رہی ہے۔ اسی سال امتحان دے گی"

" خالد کے لئے بالکل مناسب ہے۔ خالد کا میڈیکل کا یہ تیسرا سال ہے نا ؟"

" ہاں۔ مگر میں ابھی خالد کی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ جب تک وہ ڈاکٹری پاس نہیں کر لیتا۔ میں اچھا نہیں سمجھتی"

" نکاح کر دینے میں کیا حرج ہے ؟"

" خالد کے پاپا بھی یہی کہہ رہے ہیں۔ لیکن میں نکاح اور رخصتی دو بار کا جھمیلا نہیں چاہتی۔ گرانی اتنی ہے کہ دو بار کے خرچ کے تصور سے گھبراہٹ ہوتی ہے"

" لڑکی تم نے دیکھی ؟"

ابھی کہاں۔ ویسے میں لڑکی دیکھ پرکھ کر ہی بیاہ کروں گی۔ بہو کے مزاج، اس کی فطرت اور شخصیت کا اثر پورے خاندان پر پڑتا ہے۔ بہو بن کر جو لڑکی گھر میں آتی ہے وہ گھر کو خوشی اور خوشحالی سے بھر سکتی ہے"

" ہاں بہو کے انتخاب میں ہوشیاری ضروری ہے" مسرت نے نورجہاں کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

" کیا روپیہ کا آفر بھی آیا ہے ؟" عفت نے پوچھا۔

" ہاں پچاس ہزار نقد اور بائیس بھر سونا کا آفر انکم ٹیکس سپرنٹنڈنٹ کے گھر سے آیا ہے۔ مگر میں روپیہ کے سخت خلاف ہوں۔ روپیہ اور بہو کو ہم پلہ رکھ کر انتخاب کرنے سے ایک پوری نسل، ایک پورا گھرانا متاثر ہو سکتا ہے"

روپیہ کا لین دین یقیناً بُرا ہوتا ہے۔ جو روپیہ سے بڑھ کر

زبان کی تعلیم و تربیت دیکھنی چاہیئے۔"

"میں بھی ایسی لڑکی چاہتی ہوں جو کفایت شعار ہو، فضول خرچ نہ ہو، محنتی ہو" باسلیقہ ہو اور مسکراتی رہتی ہو۔"

"ہمارے یہاں ان صفات کی لڑکیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جاتی ہے۔ جیوں جیوں انگریزی تعلیم بڑھتی جا رہی ہے، غیر ملکی فیشن کا دور بڑھتا جاتا ہے اس کے ساتھ بے راہ روی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ لڑکیاں اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریوں کو بھولتی جا رہی ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتیں کہ گرہستی کی زندگی کا سارا دارومدار ان ہی پر ہوتا ہے۔"

"لیکن ایسی بھی اچھی لڑکیاں اور اچھے گھرانے ہیں۔" عفت نے بتایا "آپا زہرہ باجی کی مثال سامنے ہے۔ ان کا شوہر کتنا کم پڑھا لکھا اور کتنی بری صحبتوں کا مالک تھا، مگر زہرہ باجی نے اپنے پیار، محبت خدمت اور ایثار سے اپنے شوہر کو ایسا بدل کر رکھ دیا کہ اب وہ تعلیم یافتہ اور محنتی و کاروباری ہے۔"

"مگر ایسی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں۔"

"لیکن تم اپنی بہو ٹھونک بجا کر اور دیکھ بھال کر لاؤ گی۔"

"ضرور۔"

"اچھا، اب ہم دونوں کو اجازت دو۔ پھر آؤں گی۔" مسرت نے اجازت چاہی۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں ہلکے پھلکے سے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو نہیں بھاتی لیکن سونے چاندی کی گرانی سے کپڑوں کو چمکانے بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خرید نا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکہ بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

چاقوزن لڑکیاں

عبدالمجیب سہالوی

اب تک ہمیں شبہ تھا کہ ہندستان اور پاکستان کی خواتین مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنے لگی ہیں کہ نہیں کیوں کہ انھوں نے ساڑھی غرارہ اور دوپٹہ چھوڑ کر لڑکوں کی طرح پتلون اور بش شرٹ پہن کر سینہ تانے ہوئے چلنا تو سیکھ لیا ہے لیکن میدان محبت میں مردانگی کے سلسلہ میں وہ ابھی کافی پیچھے نظر آرہی تھیں۔ کتنے دن ہم اخبارات میں یہی خبریں پڑھتے پڑھتے اکتا گئے تھے کہ دو نوجوان لڑکے اپنے ساتھ کی ایک لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوکر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے اور آخرکار ایک دن دونوں طرف سے قرولی اور چاقو نکل آئے کھل کر جنگ ہوئی اور دونوں زخمی ہوکر اسپتال پہنچا دیے گئے۔

آنکھیں یہ خبر پڑھنے کو ترس گئی تھیں کہ دو لڑکیاں جوش رقابت میں ایک دوسرے پر چاقو سے حملہ آور ہوگئیں۔ اس قسم کے واقعات نہ ہونے سے ہمارے دل میں یہ شبہ پیدا ہو رہا تھا کہ ابھی عورتیں کم سے کم اس میدان میں مردوں سے فروتر ہیں۔ مگر خوشی کی بات ہے کہ لاہور کی دو لڑکیوں نے ہمارے اس شبہ کو بالکل دور کردیا اور ہمیں یقین ہوگیا کہ ہمارے ہندستان اور پاکستان کی خواتین اس میدان میں بھی مردوں سے کسی طرح پیچھے نہیں ہیں۔ اللہ نظر بد سے بچائے اگر وہ اسی طرح ترقی کرتی رہیں تو وہ دن دور نہیں کہ خواتین مردوں کے شانہ بہ شانہ چلنے کے بجائے مردوں کے سر پر چلنے لگیں گی۔

لاہور کی خبر فرحت اثر ہے کہ دو لڑکیاں جو سہیلی تھیں اور دونوں میں اتنا گہرا یارانہ تھا کہ ایک دوسرے کو دیکھے بغیر چین نہ ملتا تھا، قسمت کی کرنی ایسی کہ دونوں ایک ساتھ ایک ہی نوجوان سے عاشق ہوگئیں۔ دلوں میں آتش محبت کے ساتھ رقابت کی آگ بھی سلگنے لگی اور گہرا یارانہ جلن میں تبدیل ہوگیا۔ دکھاوے کے لئے ایک دوسرے سے ملتیں لیکن دل ہی دل میں یہی سوچتی تھیں کہ یہ کانٹا کسی طرح مرے تاکہ راستہ صاف ہو۔ دل کی آگ کا اظہار اگر زبان سے نہ ہوسکے تو وہ آگ ایسے بم کی صورت اختیار کرلیتی ہے جس کے پھٹنے کے لئے دیا سلائی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ کسی وقت بھی کسی بات پر پھوٹ سکتا ہے چنانچہ باتوں میں بم پھوٹ گیا۔ دونوں سہیلیاں چاقو نکال کر اس طرح جھپٹیں کہ چاقو باز بھی کھڑے ہوکر تماشا دیکھنے لگے دونوں نے خوب ہاتھ دکھائے اور یہ چاقوزنی اس وقت تک ختم نہیں ہوئی جب تک دونوں لہولہان ہوکر گر نہیں پڑیں۔

سنا ہے کہ جب اس چاقوزنی کی اطلاع ان کے مشترکہ محبوب کو ملی تو وہ چاہنے والی چاقوزن لڑکیوں سے اتنا خوف زدہ ہوگیا کہ شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ رقابت کی ماری زخمی لڑکیاں اسپتال میں لیٹی کروٹیں بدل رہی ہیں اور انتظار کررہی ہیں کہ شاید وہ عیادت کے لئے آئے۔

سوغاتِ غم

انجم بہار

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ لکھوں کیا تم کو
کب سے کاغذ پہ تحریر لئے بیٹھی ہوں

انجم آپو ..... ہدیہ خلوص و گلہائے عقیدت

آپ میرے طرز تخاطب پہ حیران تو ضرور ہوں گی کیونکہ میں تو آپ کے ذہن سے شاید حرف غلط کی مانند مٹ چکی ہوں گی ...

مگر "آپو" اس لفظ سے شاید آپ کے ذہن کے دریچوں میں میرا دھندلا سا عکس اجاگر ہو گیا ہے ..... کیونکہ پیار سے آپو کہنے والی تو میں تنہا ہی ہستی تھی نا؟ ..... اب تو آپ ماضی میں گم ہو گئی ہوں گی۔

ہاں آپو ماضی ہی تو سب کچھ ہے ..... خوشگوار بھی اور تلخ بھی ..... آپ سوچ رہی ہوں گی آج اتنے طویل عرصے کے بعد میں نے آپ کو کیوں مخاطب کیا ...

آپو آپ نے مجھے بھلے ہی فراموش کر دیا ہو لیکن میں ..... میں کس طرح اپنی اتنی اچھی پرخلوص بہن اور محسن کو فراموش کر سکتی تھی جس نے مجھے ایک بہن بنا کر غم کی سوغات بخشیں اور مجھ پر عظیم احسان کیا۔

آج تو میری طبیعت چاہ رہی ہے کہ آپ سے خوب باتیں کروں کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اور اب تو میں ایک خزاں رسیدہ پتے کی مانند ہوں جس کو باد سموم کا ایک ہی جھونکا نابود کر سکتا ہے۔

یہی سوچ کر آج پہلی اور آخری بار اپنے غم کی شراب کو صفحۂ قرطاس پر انڈیل کر آپ کو بھیجنا چاہتی ہوں ..... کیونکہ آپ بھی تو میری ہی طرح ایک عورت ہیں نا؟ ..... اور میری بھابھی بھی۔

عورت جس کو صنف نازک کہا جاتا ہے اس کا دل موم کی طرح نرم بھی ہے اور چٹان کی طرح سخت بھی .....

جانے کیوں میری اس طویل علالت میں مجھے آپ بہت یاد آ رہی ہیں میرا ماضی میرے سامنے پردۂ فلم کی مانند سین بدل رہا ہے آپو آپ میرے کالج کی کتنی اچھی اور قابل تعریف ٹیچر تھیں آپ پہ کالج کو بھی ناز تھا نا؟ آپ کے خداداد نفاست سے اپنا فن دوسروں کے دماغ میں پہنچاتی تھیں نا! آپ کے ہاتھ کے بنے ہوئے قابل تعریف آرٹ کے شاہکار آج بھی آرٹ روم میں موجود ہوں گے آپ کی ہی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ میں بھی بہت اچھا آرٹ بنانے لگی تھی اور آپ نے اسی لیے تو مجھے بہن بنایا تھا نا؟۔

سارے کالج میں آپ کی اور میری دوستی مشہور تھی۔

آپو آپ مجھ سے جس قدر محبت اور خلوص سے پیش آتی تھیں مجھے اپنی قسمت پر ناز ہوتا تھا نا؟ کہ آپ جیسی بلند پایہ اور پراثر شخصیت مجھ ناچیز پر نظر التفات کرتی ہے ..... میں بھی تو اس گراں قدر سرمایہ کی قدر کرتی تھی ..... اور آپ کی محبت کے حسین تحفہ کو بڑے سنبھال کر رکھتی تھی۔

وقت کا پنچھی تو پر لگا کر اڑ جاتا ہے نا؟ اب جی چاہتا ہے ان خوشگوار دنوں کو کسی پنچھی کی طرح پنجرے میں قید کر لیا جاتا۔

وہ دن جب ہمارے کالج کا مقابلہ تھا آرٹ میں دوسرے کالجوں سے۔ آپ نے مجھ سے اصرار کیا تھا کہ یہ میری خواہش ہے کہ تم میرا اور کالج کا نام بلند کر دو دیکھو کوئی اچھا سا شاہکار ہو ..... اور پھر آپو میں نے جو تصویر بنائی تھی ..... نہ جانے کون سا جذبہ تھا جو اس قدر عمدہ تصویر بنی تھی میں خود بھی اپنے شاہکار پر حیران تھی بہت سے پیڑوں کے درمیان میں ایک حسین دوشیزہ پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑی تھی دنیا و مافیہا سے بے خبر نہ جانے کس سوچ میں ..... آپو میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ تصویر مجھے اس قدر اعزاز بخشے گی اف وہ حسین لمحات مجھے کس قدر خوشی ہوئی تھی جب مجھے فرسٹ پرائز ملا تھا ..... اور آپ بھی تو مجھ سے بہت خوش تھیں نا؟ ..... آپو کس کس بات کو یاد کروں

آج تو سب کچھ یاد آ رہا ہے......

آپو یاد ہے نا! وہ حسین لمحات جب آپ نے میرے جلتے ماتھے پر چومتے ہوئے گھونگریالے بالوں کو اپنی نرم و نازک انگلی سے بکھیر کر کہا تھا۔ سیمی میری کوئی بھی بہن نہیں ہے تم مجھے چھوڑ مت دینا مجھے ان لفظوں کی زنجیر میں باندھ لو...... ہاں آپو کس کو علم ہوتا ہے وہ انسان جو کبھی جس کے ساتھ شہد بنتا ہے اسی کے ساتھ ایلوا بھی بنتا ہے بہر حال یہ تو وقت کی بات ہے

آپو یاد ہے میں ہمیشہ کلاس میں اردو میں تیز رہی اور بہت اچھے مارکس حاصل کرتی تھی۔ آپ ہی نے تو ایک روز کہا تھا کہ سیمی تم کوشش کرو بہت اچھی افسانہ نگار بن سکتی ہو...... اور پھر میں نے کہا تھا "آپو" جب کوئی افسانہ بنے جب ہی تو لکھا جائے...... لیکن آج جب موت قریب ہے اپنا افسانہ خود ہی لکھنے کو طبیعت چاہ رہی ہے۔

ہاں تو "آپو" آپ میرے دور کے رشتے کے بھائی نعیم کو پسند کرتی تھیں نا، اور آپ نے مجھے بتایا بھی تھا کہ شاید نعیم کے گھر والے راضی نہ ہوں۔ لیکن "آپو" میں نے اپنی کوشش سے نعیم بھائی کی امی کو آپ کی ڈھیروں تعریفیں کر کے آپ کے در تک پہنچا ہی دیا تھا...... سچ آپ کس قدر خوش تھیں جب آپ کی منگنی ہوئی اور آپ کو معلوم ہوا کہ میری کوشش تھی تو آپ نے وفور مسرت سے مجھ کو لپٹاتے ہوئے کہا تھا "سیمی" تم نے مجھے خوشیاں بخشی ہیں۔ خدا تمہارا دامن بھی خوشیوں سے بھر دے...... لیکن "آپو" آپ نے غلط کہا تھا میرے نصیب میں تو غم ہی غم تھے نا! بہر حال ؎

غم تو اللہ کی بڑی دین ہے
حوصلہ چاہیے ضبط غم کے لئے

میں منگنی سے آپ ہی کی بخشی ہوئی غم کی سوغات کی دھیمی دھیمی آنچ میں آپ اپنی دنیا میں مگن رہیں --- آپو میں نے صرف آپ کا اتنا ہی قصور کیا تھا نا؟ کہ آپ کے بدچلن بھائی سے اپنا دامن بچایا تھا۔ آپ چاہتی تھیں نا؟ کہ میں آپ کے بدچلن و بدکردار بھائی سے راہ و رسم بڑھاؤں اور پھر ان سے اپنا دامن ہمیشہ کے لئے باندھ لوں...... آپ نے میری خوشی کی ماں کو بھی راضی کر لیا تھا...... مگر میرے انکار سے گھر میں کہرام مچ گیا تھا...... آپ الگ مجھ سے خائف تھیں...... "آپو" آپ تو عورت ہیں نا؟ آپ نے ہی عورت کے درد کو نہیں پہچانا اور پھر میرے اور آپ کے بیچ ایک ایسی خلیج حائل ہوئی جس کو پاٹنا مشکل تھا۔

اور جب شادی کے بعد آپ پر ایک نیا انکشاف ہوا...... آپ کے دیور نوید جو کہ رشتہ میں میرا بھی بھائی ہوتا ہے مجھ سے شادی کے خواہشمند ہیں اور مجھے پسند کرتے ہیں...... بس آپ کو انتقام کا موقعہ ہاتھ آ گیا تھا آپ نے کبھی بھی نوید کو مجھ سے بات کرنے کا موقعہ نہیں دیا...... حالانکہ نوید عام لڑکوں سے الگ ایک نہایت شریف اور بلند کردار شخصیت کے مالک تھے انھوں نے کبھی بھی بازاری لڑکوں کی طرح مجھ سے کھلے عام عشق بازی نہیں کی اور نہ ہی مجھے دیکھ کر آہیں بھریں مگر "آپو" کیا آنکھوں کا پیغام بھی جھٹلایا جا سکتا ہے ان کی نگاہوں میں بھی ساری بات پوشیدہ ہوتی تھی...... اور مجھے ان کی ڈائری پڑھنے کا موقعہ مل گیا تھا جس میں جگہ جگہ میں نے اپنا نام لکھا دیکھا تھا جس سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ نوید مجھے کس قدر چاہتے ہیں اور آپو پھر اس کا میرے دل پر اثر ہونا بھی ایک قدرتی بات تھی نا؟ ۔آہ...... آپو آپ ہمارا درد جانتے ہوئے بھی بے درد بنی رہیں...... ان کی چاہت کا آپ کو علم تھا مگر پھر بھی انتقام کی آگ آپ کے سینے میں بھڑک رہی تھی میں جب کبھی بھی آپ کے گھر جاتی آپ دونوں کو یعنی مجھ کو اور نوید کو معنی خیز نظروں سے دیکھتی تھیں جن میں طنز اور مضحکہ صاف جھلکتا تھا کبھی بھی آپ...... ہم دونوں کو بات کرنے کا موقعہ نہیں دیتی تھیں اور مجھے جلانے کے لئے سب کے سامنے نوید کے لئے لڑکیوں کا تذکرہ چھیڑتی تھیں...... ہاں آپو آپ نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ دل جیسی نازک شے پر اس وقت کیا گزرتی ہے جب وہ توڑا جاتا ہے......

آپ خصوصاً مجھ سے سب کے سامنے مخاطب ہوتیں...... سیمی نوید کے لئے لڑکیاں نہ بتاؤں...... مجھے وہ دن تو خوب

یاد ہے جب کھانے کی میز پر آپ نے بیہ تذکرہ چھیڑا تھا نوید نے سب کی نظر بچا کر چپکے سے میری طرف اشارہ کیا تھا...... اور آپ مجھ سے پوچھ رہی تھیں سیمیں فلاں لڑکی ٹھیک رہے گی فلاں کیسی رہے گی میرا دل اپنے قابو میں نہیں تھا میں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا سب میری طرف متوجہ تھے مگر میں نے بہانا بنایا تھا کہ مجھے خواہش نہیں ہے میں کھانا کھا کر آئی ہوں......

ہاں آپو آپ نے اپنی دل توڑنے والی باتوں سے بھی شادی کی تھی نا؟...... یہ نوید کی مجبوری ہی تو تھی نا؟ کیونکہ نوید اپنے والدین کے بے قرار فرمانبردار بیٹے تھے انھیں اپنی امی سے بے انتہا محبت تھی۔ اور پاس ادب سے وہ کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کرتے تھے...... اور یہ تو مجھے ان کی ڈائری سے معلوم ہوا کہ وہ بارہا اپنی امی سے میرے بارے میں کہنا چاہتے ہیں مگر زبان ان کا ساتھ نہیں دیتی اور پھر ایسا ہوا "آپو" کہ نوید نے آپ کا سہارا لیا آپ سے اپنا مدعا بیان کیا...... ایک ہمدرد...... ایک بہن...... ایک مخلص بھابی سے اپنی خوشیوں کی بھیک مانگی...... مگر بنت حوا جو کہ رحم وکرم میں ثانی نہیں رکھتی وہ انتقام پر آئی ہوئی تھیں...... اور اس نے کس بے دردی سے دل توڑا تھا "آپو" آپ نے کہا تھا نوید ہمارے دل میں ارمان ہے گھر اپنے سکی لڑکی لانے کا ارمان ہے آہ نوید جنھوں نے کئی منصوبے اور کئی تصویریں اپنے دل کے کورے کاغذ پر سجائی تھیں شام سے پہلے ہی وہ خواب بے تعبیر ہو گئے...... منصوبے بے کفن ہو گئے اور تصویریں بے زبان ہو کر رہ گئیں........

اور آپو آپ نے بہت جلد ان کی امی کو راضی کر کے کافی امیر گھرانے میں بات چیت شروع کر دی........

اور پھر شہنائی بجی سہرے گائے گئے مگر خوشیوں کی ان گنت پریاں ڈھولک کی تھاپ پر مستانہ وار رقص کریں...... نوید مجھ رو رہے تھے لیکن دولہا بنے بے نام خوابوں کی بارات سجائے پھولوں سے سجی کار میں بیٹھ کر کسی کو ہمسفر بنانے چلے گئے...... میں بہت دور سے انجانی سی دل پر بھاری پتھر رکھے اس خوبصورت منظر کو جاتے ہوئے دیکھتی رہی......

حسرت بھری نگاہوں سے حد نگاہ تک تکتی رہی...... بارات کا کارواں گزر گیا میں خوبصورت دائروں میں الجھ گئی۔

ایک بار پھر بنت حوا کا شیشۂ دل ریزہ ریزہ ہو گیا وہ بھی ہم جنس کے ہاتھوں...... ایک بار پھر چاند قطرہ قطرہ ہو کر پگھل گیا...... ایک بار پھر امارت جیت گئی...... مفلسی ہار گئی...... جیسا کہ ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا...... ہم مشرقی لڑکیاں بھی کس قدر مجبور و بے بس ہوتی ہیں دل کو ہر درد بھی تو نہیں کر سکتیں نا؟۔ مگر پھر بھی یک بیک میری روح کی گہرائیوں میں اندھیرے اتر گئے...... میں اداسیوں کے اتھاہ ساگر میں ڈوب گئی اور ان ہی گہری تاریکیوں کو تقدیر سمجھ کر سمجھوتہ کر بیٹھی........

اور پھر گھر کے خراب ماحول اور سوتیلی ماں کے دن رات کے طعنوں سے گھبرا کر اپنے بھائی کے جہنوں سے دور ایک اجنبی شہر میں سروس کی غرض سے چلی آئی ہوں یہاں پر آرٹ کی ٹیچر کی ضرورت تھی میں یہاں پر ایک وارڈن کے فرائض بھی انجام دیتی ہوں اور یہ فن دوسروں کو سکھا کر ذہنی سکون حاصل کرتی ہوں مگر قسمت میں وہ سکون کہاں میسر ہے...... اکثر مجھے جارج ہربرٹ...... کی وہ خوبصورت نظم دی پلی یاد آجاتی ہے کس قدر خوبصورت نظم ہے...... خالق حقیقی نے بنی نوع انسان کو ساری نعمتیں عطا کیں مگر ایک سکون جیسی نعمت نہیں دی...... میرے زندگی کے گلاس میں تھوڑا سا بھی چین و سکون عطا نہیں کیا........

ہزار ہا لڑکیوں کو قہقہوں کی موسیقی بکھیرتے ہنستے مسکراتے...... خوشیوں کے جھولوں میں جھولتے دیکھ کر سوچتی ہوں کہ ان کی خوشیاں خدا ان کو مبارک کرے انھیں قہقہوں کی موسیقی میں غم کا سنگیت نہیں ملے......

مجھے تو غم جاناں اور غم دوراں دونوں طرح کی سوغات ملی ہیں۔

بچپن میں ہی ماں جیسی شفیق ہستی سے محروم ہو گئی رفتہ رفتہ باپ کی شفقت بھی سوتیلی ماں کے آنے سے کم ہوتی گئی اور پھر غم کے علاوہ بہت بڑی نعمت کی شکل میں میرے پاس محفوظ ہے

جب دوبارہ میں بھی اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں...... آپا میں سوچتی ہوں کہ محبت میں نامرادی ہونا کامیابی ہی تو محبت کی معراج ہے........ اگر جادۂ عشق میں آسانی منزل پالی جائے تو میرے نزدیک ایک تشنگی باقی رہ جاتی ہے.......

مجھے تو پیغم کی سوغات اپنی ہی ہم جنس کے ہاتھوں ملی نا؟.... آپ جیسے اپنے انتقام کی خاطر مجھ سے میری خوشیاں لوٹ لیں... اور میری امی نے بھی جو کہ میری ہم جنس تھیں اپنے مفاد کی خاطر میرے ابو کی آنکھوں پر پٹی باندھی...... آپا مجھے تقریباً چھ سال سے پیٹ کے درد کی بیماری ہے وہ بیماری کیا ہے یہ حقیقت تو سوائے میرے اور کسی کو نہیں معلوم ہے....... اگر معلوم ہو جائے تو سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی نہیں ملے

سچ آپا میں کسی سے اپنی تکلیف نہیں کہتی ہوں جب بہت زبردست درد اٹھتا ہے تو دروازوں کی زنجیریں پکڑ کر جھول جاتی ہوں درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہوں.... میں اپنے گھر بھی اپنی تکلیف کا حال نہیں لکھتی اور "آپا" اب تو دو روز سے میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہے میں گھر آنے والی ہوں...... "آپا" مجھے دیکھنے آئیں گی نا؟۔

مجھے لگتا ہے شاید اب میں نہیں بچوں گی۔ ایک التجا ہے آپ نوید کو بھی اپنے ہمراہ لیکر آنا......

"آپا" اپنا کان لائیے ایک بات بتاؤں ڈاکٹر لوگ میرے پیٹ کا آپریشن بتاتے ہیں...... بھلا بتائیے "آپا" کینسر کا بھی کوئی علاج ہے

سوائے موت کے... بس موت لمحہ لمحہ بڑھتی ہوئی مجھ تک آرہی ہے اچھا.... آپا اب درد بہت بڑھنے لگا ہے...... شاید میں کل آجاؤں نہیں تو پرسوں.... آپ بھی میرے لئے دعائے خیر کیجیے گا۔

اچھا خدا حافظ... آپکی حرماں نصیب... سیمیں ناز۔

اخبار کی خبر۔

کل بتاریخ ۸ فروری یونیورسٹی کی وارڈن اور آرٹس کی لیکچرر سیمیں ناز... سہ سالہ کینسر کے مہلک مرض میں مبتلا رہنے کے بعد اپنے والدین کے پاس کانپور پہنچنے کے چھ گھنٹے بعد انتقال کر گئیں خدا مرحومہ کی مغفرت کرے......

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر ہر ماہ شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی یا انتقال سے متعلق ہو اور نمبر خریداری و پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ بھیجی گئی ہو۔ خبر مختصر سے مختصر ہو اور ۱۲ر تاریخ تک دفتر میں وصول ہو جائے۔

ولادت اطفال کی خبریں

● نہایت مسرت کے ساتھ یہ خبر شائع کر رہا ہوں کہ اللہ پاک نے ۴ر جون [illegible]ء بروز اتوار بوقت ساڑھے دس بجے شب ہمارے عزیز ترین دوست مسٹر یوسف ایم پاریکھ (برمنگھم۔ انگلینڈ) کو ایک پوتا عطا فرما کر دادا بنا دیا۔ جولائی [illegible]ء میں موصوف کے فرزند ارجمند عزیزی احمد سلمہ کی شادی رشیدہ سلمہا کے ساتھ کراچی میں ہوئی تھی اور اب اللہ پاک نے انھیں ایک فرزند سے نوازا ہے۔ نام صمیم قرار پایا۔ اللہ پاک اسے عمر خضر عطا فرمائے اور ہمارے بھائی پاریکھ صاحب کو اس وقت تک باحیات رکھے کہ وہ پردادا بن جائیں۔ آمین نسیم انہونوی

● وقار احمد صاحب لائبریرین نکہت لائبریری (ملہور) اللہ پاک نے ۲۹ر اپریل [illegible]ء بروز جمعہ بوقت ۶ بجے شام پہلی بار مجھے ایک فرزند عطا فرمایا۔ نام تعظیم احمد قرار پایا۔ اللہ پاک اس کی عمر میں برکت دے اور ہونہار بنائے۔

● حسنہ کلیم (دینہ بازی) میری پیاری آپا انجم آرا اور بہنوئی حبیب الرحمٰن کے گلشن حیات میں ۲۰ر مئی [illegible]ء کو ۴ بجکر ۲۰ منٹ پر صبح ایک گڑیا نے جنم لیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ بچی صاحب نصیب ہو اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

● نکہت تنویر (دھنگ۔ بالا سر) میری منجھلی آپی عذرا رحمٰی اور [illegible] بھائی کے گلشن حیات میں ایک بچی کے بعد ۷ر اپریل [illegible]ء کو ایک گل کھلا نام [illegible] مصطفےٰ قرار پایا۔ خدا کرے میرا بھانجہ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے اور فخر خاندان بنے۔

● [illegible] (رضو پوری) میری پیاری باجی ناہید [illegible] اور [illegible] مشتاق احمد صاحب کے گلشن حیات میں ۸ر مئی [illegible]ء کو اللہ پاک نے تیسرا پھول کھلایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور فخر خاندان بنے۔

● نصیر اقبال (آبور) میری پیاری بہن شمہ بانو اور بہنوئی صدیق [illegible] کے گلشن حیات میں ۹ر مئی [illegible]ء بروز منگل بوقت ۳ بجے دن پیارا گڈا اللہ پاک نے عطا فرمایا۔ نام فردوس احمد رکھا گیا۔ دعا ہے کہ والدین اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

● قمر النساء (چورما) میری بھانجی شکیلہ اظہر کے گلشن حیات میں ۱۲ر فروری [illegible]ء بوقت ۵ بجے شام پہلی بار دو کلیوں کا ظہور ہوا۔ ایک کا نام روحی دوسری کا جوہی رکھا گیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ دونوں عمر طویل پائیں اور [illegible] نصیب ہوں۔

مسز شمیم آغا۔ علی گڈھ) میرے بھائی سید شکیل عباس زیدی (مقیم سعودی عربیہ۔ ساکن پہانی) کے گلشن حیات میں پروردگار عالم نے پہلی بار ۲۰ر مئی [illegible]ء بروز ہفتہ بوقت شب ایک بجکر ۴۰ منٹ پر علیگڈھ میڈیکل کالج میں ایک بچی عطا فرمائی نام سیفی شکیل رکھا گیا۔ دعا ہے کہ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ عمر طویل پائے اور صاحب نصیب ہو۔

● مس لبنیٰ مریم (مدراس) میرے خالہ زاد بھائی عزیز اختر اور بھابی رخسانہ کے گلشن حیات میں پہلی بار بروز جمعہ بتاریخ ۲۱ر اپریل [illegible]ء بوقت ۷ بجے صبح اللہ تعالیٰ نے ایک گڈا عطا فرمایا۔ نام آفتاب احمد رکھا گیا۔ دعا ہے کہ اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

پیغامات نشاط

● طلیبہ خاتون (آنول) میری بہن سیدہ خاتون (بنت حاجی [illegible] صاحب) کی شادی الطاف حسین نگسی (فرزند ارجمند جناب تصور حسین صاحب بیلی بھیت) کے ساتھ ۲۳ر مئی [illegible]ء بروز منگل بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میری بہن اور بہنوئی کو شاد و خرم رکھے۔

● عائشہ اقبال صدیقی (دیوبند) میری بہن [illegible] صدیقی صاحبہ [illegible] رحمت پروین (دختر نیک اختر مولانا قاری قمر الدین صاحب صدر انجمن خدام الشیوخ) کے ہمراہ ۱۰ر اکتوبر [illegible]ء بروز دوشنبہ بعد نماز عصر حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنی بیٹھک میں پڑھایا۔ اللہ پاک میرے بھائی اور بھابی کے دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رکھے۔

ہوں سید علی الدین صاحب کی دختر نیک اختر صادقہ سلمہا کا نکاح میری والدہ صاحبہ کے خالہ زاد بھائی سید عبد القادر کے فرزند سید عبد الحق سلمہ (یہ نام شیک پڑھنے میں نہیں آ رہا) کے ساتھ ۱۸ مئی کی شب میں میرے دولت کدہ میں بخیر و خوبی انجام پایا اور ۱۹ مئی کو سید محمد جعفر مولانا حسل ہیں۔

• رضیہ سلطانہ العدروس (جنجیرہ روڈ) میں نہایت مسرت سے یہ لکھتی ہوں کہ میرے بھائی سید فضل الحق العیدروس کی شادی خانہ آبادی رضیہ سلطانہ کے ساتھ ۱۸ مئی بروز سنیچر نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پائی۔ اللہ تعالیٰ دونوں دولہا دولھن کے دامن ہمیشہ خوشیوں سے بھرے رکھے۔ آمین ثم آمین۔

انتقال پر ملال کی خبریں

• بڑے رنج و افسوس کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میری چچی محترمہ بیگم چودھری سید ہاشم علی صاحب مرحوم (سیلما پور، سیجہ) ۲۹ مئی ۱۹۸۶ء کی شب میں دو بجے اس جہان فانی سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ میرے خاندان کی سب سے عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ مرحومہ نے اپنی نشانی دو فرزند سید کاظم علی اور سید احترام علی اور ایک صاحبزادی کے ساتھ کئی متعدد پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں چھوڑی ہیں۔ اللہ پاک مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نسیم انہونوی

• افسوس صد افسوس کہ میرے والد بزرگوار حاجی کے عبد العظیم صاحب (راکس) ایک طویل علالت کے بعد صحت یاب ہو کر اچانک ۲۵ مئی ۱۹۸۶ء بروز جمعرات بوقت شام ۵ بجکر ۲۰ منٹ پر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے خدا ترس، نیک اور خوش اخلاق تھے۔ اپنی یادگار تین لڑکیاں (شادی شدہ) چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ پاک ہم کو اور کل متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ (حاجی آفتاب ... بیٹی)

• بھائی عطاء الرحمن صاحب (ریلیم روڈ، اگرہ، یکمو ...) یہ افسوسناک خبر پہنچائی کہ جناب سراج الدین صاحب ایم۔ ڈی۔ ایم پٹنہ کی خوشدامن صاحبہ اچانک دورۂ قلب پڑنے سے کراچی میں انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ اپنے فرزند کی شادی کے سلسلے میں پاکستان گئی تھیں۔ سراج صاحب کی اہلیہ کے

نے یہ صدمہ صبر آزما ہے کہ وقت آخر ماں کا دیدار بھی نہ کر سکیں۔ اللہ پاک انہیں اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ نسیم انہونوی

• آمنہ خاتون زیدی (دہلی) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے بڑے ابا الحاج سید راحت حسین کربلائی نے موضع ارتیھو فیض آباد میں ۲۴ مئی ۱۹۸۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ اللہ پاک انہیں جنت فردوس میں جگہ دے اور اعزا و اقربا کو صبر جمیل عطا فرمائے

• کاپی پریس جا رہی تھی کہ ۲۶ جون کی منحوس صبح مجھے میرے سب سے عزیز نادیدہ دوست یوسف ایم پاریکھ صاحب (مقیم لندن) کے انتقال کی خبر ان کے بیٹے احمد پاریکھ کے کیبل سے ملی اور ایک بجلی سی مجھ پر گر پڑی۔ یوسف محمد پاریکھ صاحب میرے نادیدہ دوست تھے اور مرحوم کی دوستی مثالی دوستی تھی۔ میری ۵۰ سالہ زندگی میں پاریکھ صاحب جیسا نادیدہ کوئی ایسا انسان نہیں آیا جو ان جیسا مخلص اور محبت کرنے والا ہوتا۔ آئندہ حریم میں اپنے اس دوست کے سلسلے میں تفصیل سے لکھوں گا۔ ان شاء اللہ۔ سردست میں بیگم یوسف محمد پاریکھ، ان کے فرزندان احمد اور اقبال اور صاحبزادی عائشہ سلمہا سے یہ عرض کروں گا کہ وہ مجھے اپنا شریک غم تصور کریں۔ اللہ پاک انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ نسیم انہونوی

اچھے اچھے ناول

- گودڑ کا لال ۔۔ والدہ افضال علی ۔۔ 20/-
- جینے کی آرزو ۔۔ فریدہ حق ۔۔ 9/-
- آبگینہ ۔۔ ۔۔ 9/-
- دل کا شہر ۔۔ حمیدہ جبیں ۔۔ 14/-
- کشمکش ۔۔ ۔۔ 14/-
- گل بانو ۔۔ رضیہ بٹ ۔۔ 20/-
- کرن ۔۔ سلمیٰ کنول ۔۔ 16/-
- نقش ۔۔ رضیہ بٹ ۔۔ 20/-
- طلاق ۔۔ ۔۔ 10/-
- آئیڈیل ۔۔ رضیہ بٹ (افسانے) ۔۔ 15/-

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کا ایک ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ شعر مقررہ عنوان پر ہو۔ سنجیدہ اور موزوں ہو، پکیزہ اور معیاری ہو۔ ساتھ میں نمبر خریداری کے ساتھ اس طرح بھیجا گیا ہو کہ ہر ماہ کی ۲۰ تک ہمارے دفتر میں پہنچ جائے۔ اگست کے لئے مقررہ عنوان ہے "قیامت" اور ستمبر کے لئے "آہ"

میں پھول چننے آیا تھا باغ حیات میں
دامن کو خار زار میں الجھا کے رہ گیا

مرسلہ۔ مس نیلوفر گورے (بلاپور)

یوں تری یاد ہے دل میں غم ایام کے ساتھ
دشت پرخار میں اک آبلہ پا ہو جیسے

مرسلہ کہکشاں اختر (موگولی۔ چمپارن)

کون سا گل ہے باغ ہستی میں
جس کے پہلو میں کوئی خار نہیں

مرسلہ۔ مس تبسم بہار (ادر بھنگہ)

اک پھول سے رکھتے ہیں خار ہزاروں
اک ہے فقط اور خریدار ہزاروں

مرسلہ مس اسما عزیزی خان (ملیح آباد)

اگر خوشی کی کھوج میں ہم کو ملے ہیں غم!
خاروں سے زخم کھاتے ہیں پھولوں کی چاہ میں

مرسلہ۔ مس فرحانہ شریف (آگرہ)

مرسلہ نسیمہ بیگم بھولی (بر بورہ۔ بھاگلپور)

حسینوں سے رقیب اچھے جو جل کر نام لیتے ہیں
گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

مرسلہ۔ ابرار احمد باپوڑ والے (آگرہ)

مرسلہ۔ نزہت نجیب (جتوارپور)

وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے
الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں

مرسلہ ڈاکٹر نسیمہ اختر (سیوہ)

نہ گھبرا شدت غم سے حصول کامرانی میں
کہ گل آنے سے پہلے شاخ گل پر خار لگتے ہیں

مرسلہ۔ غزالہ پروین (لکھنؤ)

مرسلہ۔ زینب (مدراس)

بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی خار وہی خار مغیلاں ہوں گے

مرسلہ۔ اسرا احمدی ناز اور دیگر (بانور آبہور)

بہت دل بھایا دل آزار ہو کر
ملے پھول بن کر چبھے خار ہو کر

مرسلہ۔ زینب حبیب (گورکھپور)

پھول کو سب گلے لگاتے ہیں
خار کو پوچھتا نہیں کوئی!

مرسلہ۔ آفریں (ملاڑی)

حسرت کے خار، یاد کی کلیاں، امنگ کے پھول
بزم خیال صحن گلستاں سے کم نہیں

مرسلہ۔ شاذیہ بخاری (احمد آباد)

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

مرسلہ۔ مسز فیروزی قسیم (لکھنؤ)

اس وقت اٹھا دو نہ گل و خار کے جھگڑے
تہذیب چمن کیا ہے بہار آئی تو کہیں گے

مرسلہ۔ صابرہ عثمان (منگلور)

غم ہے باقی تو کبھی روز خوشی بھی ہوگی
پھول بھی خار کے پہلو میں جواں ہوتے ہیں

مرسلہ۔ نجم النساء یوسف ملا۔ (کرلا۔ بمبئی)

تیز خار دگل سے آشکارا نسیم صبح کی روشن ضمیری!
حفاظت پھول کی ممکن نہیں ہے۔ اگر کانٹے میں ہو خوئے حریری

مرسلہ۔ نور جہاں۔ (مین پوری)

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا آہ کس گلشن میں ہم نے آشیاں اپنا!

مرسلہ۔ رضیہ یاسین (مدھیہ پردیش)

یہ سب کچھ نہایت آسانی سے تمہارے آنے کے بعد طے ہو جائے گا۔ بے بی
ہر سال ایسے طلبا سرکاری وظیفے پر جاتے رہتے ہیں۔ وہاں انہیں قیام و طعام
کی ہر سہولت دی جاتی ہے اور اخراجات اگر تم کرنا چاہو تو ذاتی طور پر کرو۔
تعلیمی خرچ بھی کے لیے سرکار وظیفہ دے رہی ہے۔"
وہ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مصطفےٰ اپنے ساتھی کو رخصت کر کے ان سے
پھر ملا۔ اور ان سے تشریف آوری کی وجہ بڑے ادب سے دریافت کی۔ چنانچہ
بھٹناگر نے اس سے بھی وہ ساری باتیں کہہ دیں جو جینی سے کہی تھیں۔!
جینی کا خیال تھا کہ وہ مخالفت کرے گا۔ لیکن اس کے بخلاف وہ بہت
خوش ہوا اور نہایت گرمجوشی سے بھٹناگر صاحب سے مصافحہ کر کے بولا: "صاحب
یہ ہماری بڑی خوش قسمتی اور آپ کی ذرہ نوازی ہے کہ ہمارے خاندان کی
ایک لڑکی اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جائے گی۔ یہ تو آپ نہایت عمدہ نوید لے کر
تشریف لائے ہیں۔!"
وہ ہنسنے لگے۔ "آپ کی کزن بڑی ذہین ہے۔ مسٹر مصطفےٰ!"
"یس فادر۔ آپ کا خیال صحیح ہے۔"
اس نے بھٹناگر صاحب کو یونہی نہیں جانے دیا۔ ان کی اتنی خاطر تواضع
کی کہ وہ حیران رہ گئے۔ ادھر جینی کا عجیب حال تھا۔ کشمکش۔ تذبذب۔
حیرت۔ وہ بہت کچھ سوچنے لگی تھی۔ جب سکنڈ چانسلر صاحب چلے گئے تو دونوں
اندر آئے۔ پھوپھی اماں نے استفسار کیا۔ باہر کون آیا تھا۔ مصطفےٰ نے خوش
ہو کر کہا: "ممی ایک تو ہمارے ٹھیکے دار صاحب تھے۔ جبرئیل کے آئے تھے کہ جس
ٹھیکے کے لیے میں کوشش کر رہا تھا۔ وہ مجھے مل گیا ہے۔ پورے ڈھائی لاکھ

رہ رہ کر ابرار اور مصطفےٰ قہقہے لگاتے۔ عرفان صرف بے آواز ہنسنے پہ
اکتفا کر رہے تھے اس سے پتہ چلتا تھا کہ دونوں ان بے چارے کو بنا رہے تھے
جینی کو بڑا غصہ آیا۔ اگر یہ مومو اتنا کھلنڈرا نہ ہوتا تو کتنا بے پایاں اچھا ہوتا۔
وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گئی
"ابھی سے آ گئے تمہارے عرفان صاحب۔!" جینی نے پوچھا۔
"پیا سے ملنے آئے تھے۔ بھائی جان کھینچ لائے تھے۔!"
"اچھا روبی سنو۔ میرا ایک پرابلم ہے۔"
"کیا؟"
"تحفے خریدنے کا مجھے کبھی سلیقہ نہ آیا۔ اور پھر مومو کے پاس تو سب ہی کچھ ہے
کل میں اسے کیا تحفہ دوں گی؟"
"بالکل کچھ نہیں۔ کارڈ پر جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے۔ نو گفٹ پلیز!!"
"کیا؟" جینی نے جھپٹ کر ایک کارڈ میز پر سے اٹھایا۔ سچ مچ ایسا ہی لکھا
ہوا تھا۔ "تو تم کچھ نہیں لا رہیں؟" اس نے روبی سے پوچھا۔
"میں تو لا رہی ہوں۔ پرسٹیشن نرسری سے مجھے سبز و سنہرے گلاب کے پودے
ملے ہیں۔ ایک درجن خرید لائی ہوں۔ مومو کے لیے یہی بہترین اس کا من چاہا
تحفہ ہے۔ اور وہ شاید پلاٹینم کی ٹائی پن بھی خوشی سے نہ قبول کرے!"
روبی ہنس پڑی: "مومو مجھے بے حد پسند ہے۔ بے حد گولڈن ہارٹ مومو۔!"
"ارے سنو۔ جینی۔ یونیورسٹی کی بیسیوں لڑکیاں فدا ہوتی تھیں اس پر۔ کوئی کوئی
تو آتی بھی تھیں اس سے ملنے۔ لیکن تمہارے آنے کے بعد ممی نے سب کو بھگا دیا۔!"
"سچ؟" جینی نے پوچھا۔
"ہاں۔ ان میں ایک لڑکی بہت اچھی تھی۔ کسی پروفیسر کی لڑکی۔ خوبصورت

تعلیم یافتہ تھی۔ مگر موم کسی عجیب شے سے بنا ہے۔ رتی بھر سے دھاڑتا نہیں۔
بے چارے کا نے آنا جانا چھوڑ دیا۔"
"کیا نام تھا؟" جینی نے ہنس کر پوچھا۔
"حمزہ یا فراز کچھ ایسا ہی نام تھا۔ یاد نہیں۔!"
"تمہیں موم پسند تھے تو پھر انہیں کیوں نہیں قبول کر لیا۔"
"چھوڑو یار کسی اور کے لیے۔" روفی خوش دلی سے ہنس پڑی۔ "مجھے کیا
اپنا سر گنجا کروانا تھا۔ دس منٹ کے لیے ملتے ہیں تو رلا دیتے ہیں۔ عمر بھر کون
روئے گا!"
"آج انہوں نے کیا حرکت کی۔ معلوم ہے۔"
"کیا کیا؟ جیسے تمہارے ساتھ بھی اب حرکتیں کرنے لگے۔"
جینی نے حادثے کی تفصیل سنائی۔ روفی ہنستے ہنستے سرخ ہو گئی۔ "خدا کا
شکر ہے کہ جیسے جی گھر پہونچا گئے۔ ممی کو پتہ چلا صاحبزادے کے کرتوت کا۔"
"مجھے شرم آتی ہے کہتے ہوئے۔"
"ان کا منشا ہو گا کہ پارک میں لے جا کے تمہیں سبز باغ دکھائیں۔"
"سبز باغ تو دکھائے بغیر نظر آ رہا تھا۔" جینی بولی۔
"اور پھر۔ محبت کے ڈائلاگ بکتے! تم نے ان کا رومانی موڈ چوپٹ کر دیا۔"
"غصہ سے ایسا غصہ آ رہا تھا۔ کہ بس جی چاہتا تھا۔ بوٹیاں بھنبھوڑ ڈالوں۔"
"اچھا جینی۔ مجھے پوچھنا یاد ہی نہ رہا۔ ہاں اس ہیرے کے بارے میں کچھ کہا ہو رنے
کہ پھر بھی نہیں۔ چھپائے پھر رہے ہیں۔ کیا پتہ سیفٹی لاکر میں رکھوا دیا"
"بہت بڑا قیمتی ہیرو ہو گا؟" روفی نے پلکیں جھپکائیں۔
"میں نے تو زندگی کے پاس کبھی کوئی ہیرو دیکھا نہیں دیکھا۔" جواب ملا جینی

ٹھاکر صاحب نے بڑے پرمسرت لہجے میں کہا: "کانگریچولیشن مس
زینت! سرکاری سکالرشپ پر اسٹوڈنٹس کی جو ٹیم امریکہ جا رہی ہے اس
میں آپ کا نام بھی ہے۔ آج سے تیسرے ہفتے یعنی اگست کی ... کو روانگی
ہے۔ یہی اطلاع دینے میں یہاں آیا ہوں۔ مسٹر جونز نے بھی آپ کو مبارکباد
بھیجی ہے۔ روانگی کی تیاری کریجیے۔"
"جی۔" بے پناہ مسرتوں نے اسے مغلوب کر دیا۔ چہرہ گلابی ہو گیا۔ دل
کی دھڑکنیں ارغنوں بجانے لگیں۔
"وہاں جا کر آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گی۔"
"لیکن میں نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی۔ فادر!"
"مسٹر جونز نے کی تھی۔ بے بی" وہ مسکرائے۔ "آپ کے نمبر بہت اچھے
آپ ہمیشہ سے نہایت اچھا پڑھنے والی طالبِ علم رہی ہے۔ ایسے طلبا کو آگے
پڑھنے۔ ان کے لیے بہترین مواقع فراہم کرنے میں ہم بڑی کوشش کرتے ہیں۔
امریکہ یونیورسٹی اپنے مختلف موضوعات آپ کو دے گی۔ یہ فیصلہ آپ کو خود کر
پڑے گا کہ ان میں سے آپ کو کس موضوع سے دلچسپی ہے!"
"جی۔"
"اچھا اب چلتا ہوں۔ ہمیں تم بذریعہ ٹیلیگرام اپنے آنے کی اطلاع دے
دینا۔ اور ۱۰ اگست کو تمہارا جہاز ... یاد میں رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ تم
اپنے ساتھیوں سے بھی متعارف ہونا ہے۔"
اس سلسلے میں اور بھی بہت سی تفصیلات تھیں۔ فادر۔ وہاں کا قیام
وہاں سے واپسی۔ اور اخراجات کا سوال۔ جینی زبردست مسرت سے مخمور ہو
تھی۔ یہ تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔

تے تھے!

مصطفےٰ بے پناہ خوش ہو گیا۔ بہت بہت شکریہ روفی۔ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی تمہیں پٹھان خانم نہیں کہوں گا۔ اُف کیسے حسین پھول ہیں۔ کہاں سے لائی ہو؟

میں پتہ نہیں بتاتی۔ تم ادھر لے آؤ گے تو پھر ان میں کیا چارم باقی رہے گا" روفی بولی۔

"پلیز"

بالکل نہیں" روفی نے اکڑ کر منہ پھیر لیا۔

جینی مصطفےٰ کے چہرے پر رات والی گفتگو کا ردِ عمل دیکھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ تو ہمیشہ کی طرح نظر آ رہا تھا۔ سیدھا سادا متبسم لاابالی۔ کیسے منجھے ہوئے اداکار ہوتے ہیں یہ مرد بھی۔ جینی نے دل ہی دل میں کھولتے ہوئے سوچا اور اس سے کوئی بات نہ کی۔!

میز پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ دفعتہً ملازم نے نقرئی ٹرے میں رکھ کر دو کارڈ پیش کیے! مصطفےٰ نے خوش ہو کر کہا۔ ہمارے کنٹریکٹر صاحب ہیں۔ شاید کچھ کہنے کے لیے آئے ہوں گے۔ اور۔ یہ دوسرے۔ جناب ایس اے بھٹناگر صاحب۔ یہ کوئی نئے صاحب ہیں"

جینی اچھل پڑی "یہ تو میرے پرنسپل صاحب کے مددگار ہیں۔ پتہ نہیں کیوں آئے ہیں"

مصطفےٰ اور جینی ساتھ ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ وہ بے تپاک اور ادب سے بھٹناگر صاحب سے ملا۔ اور اپنے کنٹریکٹر سے باتیں کرنے لگا!

نے بھی جھالر ایسی پلکیں جلد جلد جھپکائیں۔ پھر بے کسی سے گردن ڈھلکا کر بولی یا پھر اللہ جانے۔ ہوگا۔ مجھی کو خبر نہ ہوگی"

"یہ تو میں نے بھی سنا ہے کہ ہیرے سے بھی اچھی بری ساعتیں وابستہ ہوتی ہیں" روفی بولی۔ "اب تو مجھے بھی ضد آگئی ہے" جینی نے کہا "وہ مجھے ہاتھ پاؤں پڑ کے دکھائے تو دیکھوں گی۔ ورنہ نہیں۔

"توبہ کرو۔ وہ بھلا دکھائے گا؟!

اچھا جینی میں اب چلوں۔ کچھ تیاری کرنی ہے کل کے لیے۔ سویرے سے آ جاؤں گی۔ یہ بھی کے کتنے رشتہ دار ہو حق مچا رہے ہیں؟!"

خدا جانے۔ میں کسی کی صورت آشنا نہیں!

روفی کے جانے کے بعد جینی نے دروازہ بند کر دیا اور پھر کھڑکی کی دراز سے آنکھ چپکا دی۔

عرفان صاحب اور ابرار جا چکے تھے۔ تنہا مصطفےٰ ایک آرام کرسی پر نیم دراز بے معنی انداز میں خلا میں دیکھ رہا تھا! بے خبری میں اس کی نظریں مصطفےٰ کے چہرے پر سے سرکنے لگیں۔ کچھ دیر اونچی شفاف پیشانی پر رکیں پھر بلند و شتا ناک سے ٹکرائیں۔ لمبی لمبی خمدار سیاہ پلکوں سے الجھیں اور پھر خوبصورت ہونٹوں پر آ کر چپک گئیں۔!

ان ہونٹوں سے محبت کے نغمے سننا کتنا دلکش ہوتا۔

لیکن کیا وہ لاپرواہ اور لاابالی آدمی بھی جانتا ہے۔ محبت کیا چیز ہے کیا وہ دل کی بات کہے بغیر سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے؟۔

کیا کہنا چاہتا تھا۔ مجھ سے؟

اگر وہ کچھ کہہ دے تب۔ کیا میں اس کی پذیرائی کر سکوں گی۔؟

میں تو اتنی جھینپو کمزور اور خود کو لیے دیے رکھنے والی لڑکی ہوں۔ میرے منہ سے تو کچھ بھی نہ نکل سکے گا۔ کچھ بھی نہیں!

وہ وہیں کھڑی رہی۔ اسے خبر بھی نہیں لگی۔ مصطفیٰ کرسی سے اٹھ کر کب چلا گیا دوسرے دن سویرے ہی سے گڑبڑ شروع ہو گئی۔ فجر کی نماز کے بعد سے پھولوں میں چھپی روشن چوکی جینے لگی۔ عجیب مبارک سماں تھا۔ خوامخواہ فرط طرب سے دل پہلو میں جلا جا رہا تھا! صبح کی نماز کے بعد جینی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ لیکن بس وہ ہاتھ اٹھائے اور سر جھکائے اللہ میاں کے سامنے بیٹھی رہی۔ ان سے کچھ مانگ نہ سکی۔ جذبات کے ہجوم میں یہی ہوتا ہے۔ جذبے جاگتے ہیں زبان بند ہو جاتی ہے!

باہر بچوں کا غل شور تھا۔ کل منوبیاں جو دیوار پر لٹکے ہوئے تھے۔ آج بچوں میں گھلے ملے اچھل پھاند رہے تھے۔ مصطفیٰ اوپر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بے ساختہ اسے ہنسی آ گئی۔ آج اس نے جینی کے ساتھ تنہا ناشتہ کیا۔ پھوپھی اماں کو اپنے سسرالی عزیزوں سے فرصت نہ تھی۔

فرمائیے۔ مجھے آج کیا تحفہ دے رہی ہیں آپ؟" مصطفیٰ نے پوچھا۔

نو گفٹ پلیز" جینی بولی۔

آپ کے لیے نہیں ہے۔ وہ تاکید"

واہ۔ زبردستی ہے آپ کی۔ کہیں نہیں دیکھا کہ جس کی سالگرہ ہوتی ہے وہ مانگ مانگ کے تحفے لیتا ہے۔

میں تو لیتا ہوں"

سوچوں گی۔ کیا دوں؟

ایسی چیز نہ ہو کہ بس طاق پر سجا کر رکھ دی جائے۔

کیوں نہ ہم اس بے چاری کی محبت اسے واپس کر دیں۔ تم مجھے مازینہ کے پاس لے چلو۔ میں اسے تسلیاں دوں گی۔ اور مصطفیٰ بدھو ماسٹا کو بھی سمجھاؤں گی کہ ایسی اچھی لڑکی ہے اس سے شادی کر لے"

احمق ہو گئی ہو" روفی نے اسے ڈانٹا "یہ ممی اور مصطفیٰ کا اپنا معاملہ ہے کیا تم مصطفیٰ سے زبردستی کی محبت کراؤ گی۔ وہ مرد ہے۔ جینی۔ لاکھ لاابالی، فیور اور سکّی ہو مگر مرد کی فطرت رکھتا ہے۔ اور بقول تمہارے وہ اپنے قول و فعل کا مختار ہے۔ کوئی تیز بات .... تم سے کہہ نکلے تو پھر صدمہ ہوگا۔

جینی نے تامل ہوتے ہوئے کہا "لیکن مصطفیٰ نے اس سے یہ کیسے کہہ دیا صرف میری وجہ سے وہ ان سبھوں سے نہیں مل رہا۔!"

کہہ دے۔ تم پر کیا اثر پڑا ہے؟

لڑکیاں مجھے کوسیں گی۔

فضول بات۔ تمہیں کسی کے رازوں کا امین تھوڑی بننا ہے۔

مجھے رہ رہ کر اس بے چاری سازینہ کی ہچکیاں پریشان کر رہی ہیں مصطفیٰ کی بے رحمی پر دل خون ہو رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ وہ ایسے سنگ انسان ہیں"

میں اوروں کو انسان نہیں سمجھتی!" روفی بولی۔

پھر کیا سمجھتی ہو؟"

دریا یہ درندہ۔ جو بڑے سلیقے سے درندگی کرتا ہے!

صبح کو ناشتہ کی میز پر گھر کے افراد رہ گئے۔ تب روفی نے مصطفیٰ کو حسین و خوشنما گملوں کا نادر و نایاب تحفہ دیا۔ عجیب گلاب تھے۔ جن میں مائل سرخی و زردی تھی۔ چمکیلے روشن برآمدے میں وہ اپنی دلفریب بہار

خود کیا ہیں۔ سمندر سے بدتر کوئی الجھی ہوئی چیز۔ یہ خود اپنے آپ کو پوری طرح کہاں سمجھتے ہیں!؟ ان کا مسلک اور مشرب ہی اور ہے۔ اگر وہ کسی سے محبت کریں گے تو ہرگز اظہار سے باز نہیں رہتے!۔ روتے چلاتے آہیں بھرتے اور گریبان چاک کرتے ہیں۔ اور اگر یہی صورت حال کسی بے چاری ستم نصیب لڑکی کو درپیش ہو تو ہرگز اس کے جذبات و احساسات کا یقین نہیں کرتے!! پتہ نہیں کون سی عجیب مٹی سے اللہ میاں نے یہ مخلوق بنائی ہے جیسے اپنا بھی ہوش نہیں۔!

وہ ڈرتے ڈرتے راہداری میں آئی۔ اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ پتہ نہیں کون لڑکی تھی کہاں گئی۔ البتہ اس نے منڈیر پر ایک بڑا حسین گلاب کا سرخ سرخ پھول دیکھا۔ شاید وہ اپنی محبت کا خراج پیش کرنے آئی تھی۔ جسے مرد کی نخوت نے قبول نہیں کیا۔

یک بیک جبینی کو مصطفٰے پر بڑا شدید طیش آیا۔ آخر اسے کس چیز کا غرور ہے صورت شکل کا ایسا اپالو نہیں ہے۔ دولت میں قارون نہیں ہے قسمت کا سکندر نہیں ہے۔ بس ہزاروں لاکھوں مردوں کا سا ایک مرد ہے۔ کیوں اکڑتا ہے اس قدر۔؟

اس نے اکیلے میں روفی کو سارا قصہ سنایا۔

روفی نے چکر کر دیئے بتلائے "اللہ قسم۔ یہی لڑکی تھی۔ پروفیسر عزیز احمد صاحب کی اکلوتی بیٹی ہے۔ سازینہ۔ اسے بہت پہلے ہی مصطفٰے نے جواب دے دیا تھا۔

بہت حسین ہے کیا؟"

ہے تو۔ تم سے کم"

تو پھر
ایسی ہو کہ میں اسے نظروں میں سمو لوں۔ دل میں رکھ لوں۔ سمجھیں آپ۔

ایسی کیا چیز ہے؟" جبینی نے حیرت سے پوچھا۔

یہ تو آپ کے سوچنے کی بات ہے" اس نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ اچھا اب میں چلا۔ مجھے آج فرصت نہیں کہ آپ سے جھک جھک کر کے دماغ خالی کروں"

اسے پھر غصہ آگیا۔ جاؤ بلا سے۔ مجھے کیا غرض ہے کہ تم سے اپنا سہرا لکھواؤں دیکھتے ہی دیکھتے ظہر کا وقت آگیا۔ اب تو ایک قیامت مچی تھی ہر طرف۔ سارا کوٹھی خواتین سے اور باہر کا حال مہمانوں سے لبریز ہو گیا تھا۔ تبھی منشی صاحب نے لڑکے کو بھیج کر مصطفٰے کو بلوا بھیجا۔ وہ اپنے بے شمار دوستوں میں بیٹھا تھا ان کی طلبی پر فوراً چلا آیا۔

کہیے منشی چچا۔ کسی چیز کی ضرورت ہے؟" وہ ہنسا۔

نہیں بیٹے۔ سب اللہ کا فضل ہے" وہ ہاتھ ملتے ہوئے بولے "ایک بات کہنی تھی تم سے"

فرمائیے۔ فرمائیے۔

انھوں نے آگے بڑھ کر میز پوش الٹا۔ میز پر ایک خوان رکھا تھا۔ وہ پہلے مصطفٰے کو اور پھر خوان کو دیکھ کر رہ گئے۔ مصطفٰے قریب آیا۔

"بیٹے۔ میں غریب آدمی ہوں۔ میری یہ کیا مجال کہ میں اپنے دینے والوں کو کچھ دے سکوں۔ چھوٹی حیثیت ہے جسارت بڑی۔ مگر میرے بچے۔ میرا دل چاہتا تھا۔ میں نے تمھارے لیے اس موقع پر پہننے کے لیے یہ کپڑے سلوا بنائے ہیں۔ بیٹے میں جانتا ہوں کہ بیگم صاحبہ نے تمھارے لیے بڑا اچھا اور

"اگر اس وقت کوئی آجائے تو ہماری کیا پوزیشن ہوگی؟" مصطفےٰ نے پوچھا
"کیا تم اسی لیے ڈرتے ہو۔؟"
"میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن میں بدنامی رسوائی اور الزام تراشی کو بھی
پسند نہیں کرتا۔"
"میرے سوا اور بھی لڑکیاں تمہاری شناسا ہیں۔ تم ان سب سے کیوں نہیں ملتے!
زخندہ کہہ رہی تھی کہ تم نے اسے یہ کہہ کر اپنے گھر سے نکال دیا کوئی تمہاری کزن
یہاں آکر رہی ہیں۔ کیا وہ کوئی ایسی سخت گیر لڑکی ہے کہ اس کی موجودگی میں
تم ہم سب سے ملنا پسند نہیں کرتے؟"
"وہم ہے تمہارا۔"
اس کے بعد جینی نے مصطفےٰ کی آواز نہیں سنی۔!
اس کا بدن سنسنا رہا تھا!۔ شاید یہی وہ بے چاری لڑکی تھی جس کا تذکرہ
روفی نے کیا تھا کہ وہ مصطفےٰ سے بہت محبت کرتی تھی۔ لیکن بھلا اس کے اپنے معاملات
میں جینی کی شخصیت کی دخل اندازی کیا معنے رکھتی ہے۔ اس نے یہ کیوں مشہور
کیا ہے کہ اس کی کزن کے آنے کی وجہ سے اس نے سب سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے
یہ کیا حماقت ہے۔ تم کو اپنی محبت اور ان گنت گرل فرینڈز مبارک ہوں۔ میں کب
تمہارے گھر میں قیامت تک رہنے کے لیے آئی ہوں۔ جینی سوچتی رہی۔ اسے
غریب لڑکی سازینہ کے التجا بھرے لہجے پر ترس آرہا تھا۔ وہ کتنا الفت بھی
ہی مجبور ہوئی ہوگی تبھی تو رو رو کر اس سنگدل سے محبت چاہ رہی ہوگی۔
لیکن مصطفےٰ نے کیسے بے رحم روکھے پھیکے لہجے میں اسے ٹھکرا دیا۔ کتنا انا پرست
ہے۔ مرد کتنا سخت گیر سنگدل اور بے رحم کا نمونہ۔ یہ مرد کیا سمجھتا ہے عورت کو
اور پہیلی کا نام دیتے ہیں۔ لیکن اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے

شاندار لباس ۔۔۔!"
مصطفےٰ نے آگے بڑھ کر اپنا لباس دیکھا۔ پھر حیرت سے منشی صاحب کو
دیکھنے لگا۔ مگر دوسرے لمحے وہ ہنس پڑا۔ "واہ منشی چچا۔ بہت اچھے آپ
نے میرے کپڑے بنائے ہیں۔ یہ تو بہت اچھے بہت عمدہ ہیں۔ آپ انہیں
غریبانہ کہتے ہیں۔ آج تو میں یہی پہنوں گا۔ میں لے جاؤں یہ سب۔؟"
"بیٹے میں ڈرتا ہوں۔ بیگم نرجس کیا کہیں گی۔"
"کچھ نہیں۔ آپ نے ان کا مزاج نہیں پہچانا منشی چچا۔ لیکن آپ نے یہ
زحمت کیوں کی؟ یہ تو بہت قیمتی ہیں۔"
منشی صاحب مارے خوشی کے ہنس دیئے۔
مصطفےٰ اپنے کپڑے لے کے چلا گیا۔ اور اپنے کمرے میں بند ہو کے سوچنے
لگا۔ یہ چھوٹے غریب آدمی دل کے کتنے بڑے ہوتے ہیں۔!
اس کا اپنا ملبوس مسہری پر پڑا تھا۔ اس کی اکیلی شیروانی ہی ستر و سو کی
تھی۔ قیمتی سلک کا قمیص، عمدہ پاجامہ۔ نہایت قیمتی جوتے اور نئے نکور رومال
لیکن یہ جو کپڑے منشی صاحب نے بنائے تھے۔ یہ بڑی محبت بے حد خلوص
سے بنائے گئے تھے۔ ان کی قیمت کا اندازہ کوئی نہیں لگا سکتا تھا۔ معمولی
کھدر کی شیروانی، معمولی پاجامہ۔ رنگوایا ہوا صافہ اور سلیم شاہی جوتے۔
لیکن مصطفےٰ کے لیے یہ ملبوس شاہی ملبوس سے زیادہ قیمتی تھے۔!
غسل کر کے وہ وقت پر نکل آیا۔ جب اسے لباس پہن کر بڑے ہال میں
پایا تو [illegible] اس نے وہی کپڑے پہنے جو منشی صاحب نے بنوائے تھے۔ اور ان کی
[illegible] اور بہت سے لوگ تھے۔
[illegible] صدیقی بھائی باہر [illegible] ہیں۔

پہنا دیا ہے ۔

مصطفےٰ کو پھولوں سے لاد دیا گیا۔ اس کے شانہ پر زرنگار ہار پڑے
تھے۔ سب سے پہلا گجرا اسے ڈاکٹر صاحب نے پہنایا اور لان پر آرکسٹرا نے
ہیپی برتھ ڈے کی زمزمہ بار دھن چھیڑ دی۔ تالیاں بجنے لگیں۔ روشن چوکی
کا تیز زرالا تھا۔ لوگ اسے مبارکباد دینے لگے!!

اور ڈنر کے بعد جب ملازم مشروب اٹھائے پھر رہے تھے۔ ابرار نے پیانو پر
گانا چھیڑ دیا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ اس کے دوست کہیں سے پورے
باجے اٹھا لائے تھے۔ اچھی خاصی محفل موسیقی تھی۔ ایک ساتھ سب ساز بج
اٹھے۔ سماں سا بندھ گیا۔ ابرار جھوم جھوم کر گانے لگا ـــ

ہماری زندگی میں بارہا ایسے مقام آئے
قدم چومے ہیں منزل نے بہاروں کے سلام آئے

لبوں پہ جان اٹکی ہے نگاہیں جانب در ہیں
کہ شاید نامہ بر آئے سلام آئے پیام آئے

مری ویران دنیا میں بہاریں رقص فرما ہیں
اگر تو تھام لے مینا مرے ہاتھوں میں جام آئے

بڑے خوددار تھے پروانہ دیکھی تھی بڑی روشن
بھا گیا آج کچھ دامن کی خاطر زیر دام آئے
([illegible])

بڑی واہ واہ ہوئی۔ اس کے بعد چند اور دوستوں نے اپنے کمال فن
کی داد حاصل کی۔ اور تقریباً ساری رات محفل موسیقی برپا رہی!
جینی اور روفی [illegible] کے ساتھ [illegible]

جینی کو پھوپھی اماں نے بلایا۔ جب وہ پہونچی تو اسے بڑے پیار سے دیکھنے لگیں
چشم بد دور۔ بالکل مغل شہزادی لگ رہی ہے میری بٹیا!
وہ شرمائی: آپ نے بلایا تھا پھوپھی اماں۔
بیٹی میں کہہ رہی تھی۔ یہ جو تم ساری رات رہے گی۔ تم کچھ دیر سو
رہو۔ صبح سے پھر رہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہیں اللہ نہ کرے کچھ مزاج خراب ہو جائے!
میں تو بالکل نہیں تھکی پھوپھی اماں۔ مگر آپ کی مرضی ہے تو سو جاتی ہوں۔
اس کی سعادت مندی سے وہ باغ باغ ہو گئیں۔ لیکن انھوں نے اسے
پھر مجبور نہیں کیا۔ بولیں۔
اچھا تو پھر جاؤ... یہی کہنے کے لیے بلایا تھا:
انھوں نے اس پر کچھ پڑھ کر دم کیا اور وہ وہاں سے ہنستی ہوئی چلی۔
تقریباً سارے مہمان باہر تھے اور کل خواتین بڑے ہال کی چلمنوں سے لگی بیٹھی
ساز و سنگیت میں گم تھیں۔ راہداری سنسان تھی۔ کسی دو آدمیوں کی باتوں کی آواز
سن کر جینی کچھ ٹھٹھک گئی۔ اس نے مصطفےٰ کی بھاری آواز تو پہچان لی مگر دوسری
آواز۔ وہ کس کی تھی۔ روفی تو ہرگز نہیں تھی۔ پھر یہ آنسو بھری جلتی سی آواز۔
تمہارا کارڈ نہ بھی ملتا تو میں آج ضرور آتی۔ میں کبھی تمہاری سالگرہ کی
تاریخ نہیں بھولتی۔ میرے دل و دماغ میں بہت کشمکش ہوئی۔ مصطفےٰ۔ دل
بیقرار۔ دماغ پتھر۔ تم جب میری اتنی سی بھی پرواہ نہیں کرتے تو میں کس
لیے آتی۔ کس کے پاس آتی۔ مگر میں رہ بھی نہ سکی۔ تم نے تو میرا پریزنٹ بھی
نہیں دیکھا۔ اس کی کیا حقیقت ہوگی تمہارے نزدیک۔ لیکن اسے مسکرا کر
مصطفےٰ تمہارے لیے وہ کچھ بھی نہ سہی۔ مگر میرے تو دل کے ٹکڑے [illegible]
کچھ بولو نا۔ مصطفےٰ کیا تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے!

ٹیلی فون نمبر
۴۵۳۳۴

ٹیلی فون نمبر آفس
۴۴۵۵۹

بانیان حریم:
سید محمد سلیم انہونوی
و
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

ایڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم عزالہ
جانی بیگم ردولوی

حریم

ماہنامہ لکھنؤ

گذشتہ ۵۶ سال سے پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع
ہو رہا ہے اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۶ | فہرست مضامین ماہ اگست ۱۹۸۷ء | نمبر ۸

سالانہ قیمت

اعزازی ..	منی آرڈر سے .. اکیس روپیہ
مخصوص خریداری	انیس روپیہ
معمولی خریداری	سولہ روپیہ
دی پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ	زائد فی پرچہ ایک روپیہ

غیر ممالک سے بقدر ۳۰ روپیہ یا دو پونڈ ... ہوائی ڈاک کے لیے مختلف شرحیں

آفس اور ترسیل زر کا پتہ: نسیم بک ڈپو۔ ۲۵ لاٹوش روڈ، لکھنؤ

- حریم میں شائع ہونے والے تمام ناول اور افسانے فرضی ہوتے ہیں۔ کسی کے نام یا مقام اور حالات سے اتفاقیہ مطابقت ہو جائے تو حریم ذمہ دار نہ ہوگا۔
- حریم ہر انگریزی ماہ کی ۱۵ تاریخ کو تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں ... تاریخ سے پہلے کی گئی شکایتوں پر غور نہ کیا جائے گا۔
- پتے کی تبدیلی کی اطلاع ۲۰ تاریخ سے پہلے دفتر میں موصول ہو جانا ضروری ہے۔ ورنہ دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔
- خط و کتابت کے لیے جوابی کارڈ یا ٹکٹ بھیجیں اور نمبر خریداری ضرور لکھیں۔

نسیم انہونوی ۔ مالک و ناشر ۔ پرنٹر ۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

... پہنچنے کے لیے ہے۔ اس لیے مردوں کا
جوش و خروش صرف دید پر ہی ختم ہو جانا تقاضائے فطرت کے
خلاف ہے۔ ہاں اگر یہ جوش و خروش [illegible] ہو سکتا ہے تو اسی
طرح کہ عورت بالکل بے حجابانہ باہر نکلے اور بلا تکلف مردوں
کے تصرف میں آئے۔ حالانکہ یہ صورت [illegible]
جنس کے لیے ختم ہو جائے اس لیے کہ [illegible] بھوک
ہی کی طرح انسان کی فطرت میں شامل ہے اور جس طرح یہ ممکن
نہیں کہ کسی انسان کے سامنے ہر قسم کے کھانے چن کر اسے کھانے کی
اجازت دے دی جائے اور پھر وہ کبھی کھانے کی خواہش نہ کرے
اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ عورتیں مردوں کے تصرف میں بلا
روک ٹوک آ کر ان کی جنسی خواہشات کو ہمیشہ کے لیے سرد کر
دیں اور وہ پھر کبھی ندیدہ پن کا اظہار نہ کریں۔

بھابھی صاحبہ کا یہ کہنا کہ برقعہ پوش عورتوں کو کھلی عورتوں
کے مقابلہ میں زیادہ گھور کر دیکھا جاتا ہے جو بے پردہ ہوتی
ہیں ایک لاطائل دلیل ہے۔ دیکھا تو صرف اس لیے جاتا ہے کہ
لوگوں کو علم نہیں ہوتا کہ کس کا چہرہ اور کیسا جسم برقعہ میں چھپا ہوا
ہے لیکن گھورنے کے باوجود انہیں کچھ نظر نہیں آتا تو اپنا سا منہ
لے کر رہ جاتے ہیں۔ میں اس دلیل کو اس لیے بھی غلط سمجھتا
ہوں کہ اکثر میں نے دیکھا ہے کہ جو عورت اپنے لباس سے جتنی
زیادہ عریاں نظر آتی ہے اتنا ہی زیادہ اس کا تعاقب کیا جاتا
ہے۔ نگاہوں کی نظروں کی سیری جلد نہیں ہوتی اس لیے کہ
کسی عورت کو دیکھنا، اسے حاصل کرنے کی ابتدا ہوتی ہے۔ انتہا
یہ ہے کہ اسے حاصل کر لیا جائے۔

مغربی ممالک میں بلاشبہ اس طرح عورت کو نہ گھورا جاتا
نہ اس کا تعاقب کیا جاتا ہے، لیکن اس لیے نہیں کہ وہاں کا مرد
عورتوں سے سیر ہو چکا ہے۔ نہیں یہ صرف اس لیے ہے کہ وہاں
عصمت و عفت کا تصور ذہنوں میں نہیں رہ گیا ہے۔ وہاں
آزادی کے طفیل ہر جس کے ساتھ راضی ہو جا سکتا ہے۔ مل سکتا
ہے۔ بیوی شوہر کے دوستوں سے بھی مل سکتی ہے، ان کے ساتھ
گھوم پھر سکتی ہے۔ چاہے تو داد عیش دے سکتی ہے۔ لڑکیاں
جہاں چاہیں جا سکتی ہیں، اپنے بوائے فرینڈس کو گھر لا سکتی ہیں

کوئی ان کی نگرانی نہیں کرتا، کسی کے دل میں کسی طرح کا شک پیدا
نہیں ہوتا اور ہو بھی کیوں جبکہ عفت و عصمت کا وہ تصور جو [illegible]
میں ہے مغرب میں نہیں ہے۔

پیاری بھابھی۔ ذرا سوچو کہ دولت مند لوگ اپنی دولت
کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ چور ڈاکو اسے اڑانے کی فکر میں سرگرداں
رہتے ہیں۔ کیا اس سے یہ تصور کر لیا جائے کہ دولت کا چھپا کر
رکھنا چوروں کی دولت حاصل کرنے کی رغبت کو بڑھاتا ہے۔
اور کیا دولت مندوں کو چاہیے کہ وہ اپنی دولت سر راہ پھیلا
دیں۔ کیا اس طرح چوروں اور ڈاکوؤں کے دولت حاصل کرنے
کے ارادے پست ہو جائیں گے۔ میں ہی نہیں ہر عقل سلیم رکھنے
والا یہی فیصلہ کرے گا کہ اس طرح چوروں اور ڈاکوؤں کے جذبات
سرد نہ ہوں گے دولت سمیٹ کر بھاگیں گے اور منتظر رہیں گے کہ
پھر اسی طرح کا مال انہیں مل جائے کیا اس طریقہ کار سے چور
اچکوں کی فطرت بدلی جا سکتی ہے۔ آئے دن دنیا میں جرائم ہوتے
ہیں اور انہیں روکنے کے لیے ہر ملک میں پولیس کے محکمے قائم ہیں،
جن پر اربوں روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اگر اس کلیہ پر عمل کیا جائے
جو بھابھی صاحبہ نے لکھا ہے تو ان تمام جرائم پیشہ لوگوں کو چھوٹ
دے دی جائے تاکہ وہ دل بھر کر جرائم کریں، یہاں تک کہ ان
کے دل جرائم سے سیر ہو جائیں اور جرائم کرنا چھوڑ دیں۔ میری
معصوم بھابھی۔ جب غذا کی روز خواہش ہوتی ہے وہ اگر ہر جگہ
پھیلا دی جائے اور اس کے کھانے پر کوئی روک ٹوک نہ ہو، تب بھی انسان
اس سے سیر نہیں ہو سکتا۔ ہم روز کھانا کھانے پر مجبور ہیں۔ ہماری یہ بھوک مرتے
دم تک قائم رہتی ہے۔ اسے ختم کرنے کا کوئی طریقہ کامیاب نہیں
ہو سکتا۔ جنسی بھوک کا بھی یہی عالم ہے۔ ابتدائے آفرینش سے مرد
کا شیوہ عورت کے ساتھ یہی رہا ہے۔ اب شکار [illegible] اور مرد
میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ عورت کے سلسلہ میں مرد کا یہ حال ہے کہ
اگر تمام دنیا کی عورتیں بھی کسی مرد کو مل جائیں تب بھی وہ سیر نہ ہوگا
اس سے بڑا نادانی کا کوئی مشورہ ہو ہی نہیں سکتا کہ مردوں کی [illegible]
عورتوں کو بے محابہ چھوڑ دیا جائے اس طرح نظری سیری تو کیا ہوگی۔
جنسی جذبات البتہ زیادہ ابھریں گے اور معاشرہ اتنا ہی گھناؤنا ہو جائے
گا جتنا ان ممالک میں ہو گیا ہے جہاں عورت کو [illegible] ہے

فرشتہ بشکل انسان

نسیم انہونوی

فرشتے انسانی پیکر میں پیدا نہیں ہوا کرتے لیکن کچھ ایسے انسان اس دنیا میں کبھی کبھی ضرور پیدا ہو جاتے ہیں جنھیں ہم فرشتوں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ میرے نادیدہ دوست مرحوم محمد یوسف پاریکھ صاحب (لندن) جن کے انتقال پر ملال کی خبر گذشتہ حریم میں شائع کر چکا ہوں ایک ایسے ہی انسان تھے جنھیں فرشتہ بشکل انسان کہا جا سکتا ہے۔

پاریکھ صاحب سے میری خط و کتابت ۱۸ سال قبل ۱۹۵۸ء میں شروع ہوئی تھی۔ مرحوم اس وقت عدن میں قیام فرماتے اور برٹش ایمبیسی سے متعلق تھے میری چند تصانیف پڑھ کر نادیدہ میرے شیدا بنے اور مجھے خط لکھ کر چند کتابیں منگائیں۔ ان کی قیمت برٹش پوسٹل آرڈرس کے ذریعہ پیشگی بھیجدی تھی کتابیں روانہ کر دی گئیں دفتر میں ایسے آرڈر آتے ہی رہا کرتے ہیں۔ لیکن پاریکھ صاحب مرحوم کے خط میں کچھ ایسی کشش تھی کہ میں اس سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے نجی طور پر خط کا جواب لکھا۔ پاریکھ صاحب مرحوم اردو پڑھ سکتے تھے، لیکن لکھتے انگریزی میں تھے چند خطوط کی آمدورفت سے ہمارے کاروباری یا ایک قاری اور ایک مصنف کے تعلقات دوستی میں تبدیل ہو گئے۔ میں محترم کے القاب سے خط لکھتا تھا۔ آخر میں آپ کا خیر خواہ یا آپ کا نادیدہ شیدا وغیرہ لکھ دیتا تھا۔ پاریکھ صاحب نے لکھا کہ آپ مجھے بھائی لکھا کریں۔ پھر وہ مجھے "ڈیر برادر" لکھنے لگے اور میں محترم بھائی لکھنے لگا اور ایک خریدار و کاروباری کے تعلقات خالص برادرانہ ہو گئے اور ہفتہ وار خطوط کا تانتا بندھنے لگا۔ پاریکھ صاحب نے اپنے سوانح حیات لکھ کر بھیجے جن کی اشاعت ضروری نہیں سمجھتا بہرحال اپنی زندگی میں مرحوم نے سخت ترین دن بھی گزارے تھے اور اپنوں سے تلخ تجربات بھی ہوئے تھے لیکن مرحوم ان انسانوں میں سے تھے جو کبھی کسی بات سے گھبراتے نہیں، جدوجہد ہی کرتے رہتے ہیں اپنی ایمانداری، اپنے خلوص اور اپنی سادہ لوحی کے تحت انھیں عدن میں کچھ ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا کہ مرحوم نے عدن چھوڑ کر لندن کی راہ لی۔ عدن کی خوشگوار زندگی ایک بار پھر ناخوشگوار ہوئی اور حکومت عدن سے بڑے ناروا سلوک مرحوم کی جائداد وغیرہ کے سلسلے میں ہوئے، لیکن لندن پہنچ کر پاریکھ صاحب نے اپنی نئی زندگی شروع کی اور اللہ تبارک نے انھیں اس قابل بنا دیا کہ وہاں انھوں نے ایک اچھا مکان خریدا اور پر مسرت زندگی بسر کرنے لگے۔

عدن سے کوئی بھی ہندوستان آنے والا ہوتا تو مرحوم اس کے ذریعہ کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور روانہ فرماتے خصوصیت سے ایک ایسا قالین بھی پاریکھ صاحب نے مجھے بھیجا تھا جو میرے ڈرائنگ روم میں دیوار پر لگا ہوا ہے۔ اس میں خانہ کعبہ کی تصویر اس طرح بنی ہوئی ہے کہ جو بھی میرے گھر آتا ہے اس متبرک قالین کو ضرور دیکھتا ہے۔

سب سے پہلے پاریکھ صاحب نے میری پیاری بیٹی نجم السحر سلمہا کے لئے ایک نہایت خوبصورت اور کافی بڑی گڑیا بھیجی تھی جو اب تک موجود ہے بعد ازاں نجم السحر سلمہا کی لخت جگر اسما سلمہا کو دیدی

[illegible] ہے۔ لڑکوں کے [illegible]
[illegible] ٹیپ ریکارڈ [illegible]
غالباً مجھ کو کبھی قیمتی [illegible]
کیا کیا بھیجتے رہے۔ تفصیل [illegible]
خالی نہیں۔ اتنا لکھ [illegible]
ہے۔ پاریکھ صاحب مرحوم کی یاد [illegible]
آجاتی ہیں جب کبھی کسی دوا کی ضرورت پڑی پاریکھ
صاحب کو لکھا جاتا۔ اور دوا آجاتی۔ مجھے نفس
کی شکایت ہوئی تو "ان ہیلر" کی ضرورت پڑی — یہ
ہندوستان میں نہیں ملتے۔ پاریکھ صاحب کو لکھا
تو فوراً ہی آگئے۔ لندن جانے کے بعد "ان ہیلر" نہ
آسکتے تھے اس لئے وہاں جب تک ڈاکٹر تجویز نہ
کرے کوئی "ان ہیلر" خرید نہیں سکتا۔ ہر کوشش کے
باوجود پاریکھ صاحب ناکامیاب رہے تو انھوں نے
اپنے دوست مسٹر عمر عبدالعزیز صاحب مالک ہلال
فارمیسی عدن کو لکھ کر بھجوائے اور ایک بار نہیں کئی
بار ایسا ہی ہوا۔ آج کی دنیا میں کون اتنا خیال کرسکتا
ہے کسی کا۔ میں تو مرتے دم تک پاریکھ صاحب کو بھول
نہیں سکتا۔

عدن سے پاریکھ صاحب نے اپنی اور اپنے
بچوں کی آواز ٹیپ ریکارڈ کرکے مجھے بھیجی اور خواہش
ظاہر کی کہ میں بھی اپنے متعلقین سمیت اپنی آواز کا ٹیپ
ریکارڈ کرکے انھیں بھجوا دوں۔ میں نے ایسا ہی کیا
اور مجھے معلوم ہوا کہ ہر شب اس ٹیپ کو سنے بغیر مرحوم
سوتے نہ تھے۔ ایسا والہانہ عشق کسی کو بلا دیکھے سنے
کسی سے کب ہوسکتا ہے۔

عدن سے ہر آنے والے سے میں پاریکھ صاحب
کے متعلق دریافت کیا کرتا تھا اس لئے کہ میں ان کی
شخصیت سے بے حد متاثر تھا اور ان دوسروں کی
زبانی سننا چاہتا تھا کہ وہ کیسے انسان ہیں۔ مجھے
وہاں بھی [illegible] ملیں جنھیں مرحوم سے ملنے کا اتفاق
ہوتا اور انھوں نے بتایا کہ پاریکھ صاحب جیسا
[illegible] اور مہمان نواز انسان ان کی نظر سے نہیں
گزرا۔ انھوں نے بتایا کہ حج کرنے والے سیکڑوں حضرات
کی وہ دعوت کیا کرتے ہیں، اور روزانہ جب تک کوئی
ساتھ کھانے والا نہ مل جاتا وہ رات کا کھانا نہ کھاتے
تھے۔

پاریکھ صاحب بہت ہی باضابطہ انسان تھے
ان کے خطوط ہی اس وصف کے شاہد ہیں۔ ۷۸۶
کے بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ سے ہر خط شروع
ہوتا اور خدا حافظ پر ختم ہوتا۔ اپنے حالات پوری
تفصیل سے لکھتے۔ کسی کی آمد کا ذکر فرماتے تو اس
طرح کہ اتنے بجکر اتنے منٹ پر پلین آیا۔ اتنے وقت
گھر پہونچے۔ تمام خط انگریزی میں ٹائپ ہوتے اور
اور شاید ہی کوئی خط ایسا ہو جو ۳۰۔ ۴۰ لائنوں سے
کم کا ہوتا۔ تندرستی کے عالم میں کبھی ایسا نہ ہوتا کہ
آٹھویں روز مجھے خط نہ لکھتے۔ علیل ہو جاتے تو
اپنے بیٹوں سے لکھاتے۔ میرے خط اگر زیادہ عرصے
تک نہ ملتے تو بے قرار ہوکر جوابی کیبل دیتے۔

پاریکھ صاحب انسانوں سے ہی اتنی محبت نہیں
کرتے تھے اللہ اس کے رسول اور بزرگان دین کے
بھی سچے عقیدت مند تھے۔ ایسے مسلمان کم از کم آجکل
بہت ہی کم نظر آتے ہیں بڑے پابند صوم و صلوٰۃ جس
کا علم ان کی تحریروں سے تو ہوتا ہی تھا، ان حضرات
سے بھی معلوم ہوا جن کو مرحوم سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا
حضرت شاہ مینا ولی رحمۃ اللہ علیہ کے جن کا مزار
اقدس لکھنؤ میں ہے، بڑے معتقد تھے۔ ہر سال کچھ
رقم اس لئے مجھے روانہ کرتے تھے کہ نذر و نیاز پر
صرف کی جائے۔ چنانچہ میں جاکر چادر چڑھاتا اور شیرینی
یا کھانا تقسیم کرایا کرتا۔

فرنگی محل کی مقدس اور بزرگ شخصیت جناب
مولانا ناصر میاں صاحب کا ذکر مرحوم میں پڑھا تھا

[illegible] ہو گئے۔ مرحوم کی صاحبزادی عائشہ سلمہا اور ان کے شوہر داؤد پاریکھ جب لکھنؤ آئے تو ناصر میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے بہت سے تعویذ لے گئے۔ بار ہا پاریکھ صاحب مجھے لکھکر ضرورت کے لئے تعویذ منگا یا کرتے تھے۔ مجھ سے ملنے کی مرحوم کو بھی تمنا تھی اور مجھے بھی، بارہا اس سلسلے میں اس خواہش کا طرفین کی جانب سے والہانہ اظہار ہوا تھی بار پاریکھ صاحب نے تشریف لانے کا پروگرام بنایا، لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ نہ آسکے لیکن یہ اظہار برابر کرتے رہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان آکر آپ سے ملوں گا۔ ہر بات کے شروع میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور لکھا کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ پہلے یہ خوش خبری دی تھی کہ اب مکان خرید لیا ہے۔ احمد سلمہ کو سروس مل گئی ہے اور زندگی با فراغت گزر رہی ہے اس لئے بچوں کا اصرار ہے کہ ہندوستان چلا جاؤں — میں بہت خوش تھا اور خیال تھا کہ اب میری یہ دلی تمنا پوری ہو جائے گی کہ یوسف ایم پاریکھ صاحب سے میری ملاقات ہو گی۔ اس انسان سے ملنے کا مجھے شرف حاصل ہوگا جو انسانی ہیولیٰ میں فرشتہ خصلت ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ تمنا ہمیشہ کے لئے سو گئی۔ ملنا اور دیکھنا تو درکنار اب تو پاریکھ صاحب کی تازہ تحریر بھی نہ دیکھ سکوں گا

پاریکھ صاحب کا فوٹو میرے گھر خواب میں لگا ہوا ہے اور ان کے تمام متعلقین کے فوٹو میرے البم کی زینت ہیں۔ ان کا ٹیپ ریکارڈ میرے بکس میں محفوظ ہے۔ میں بھی پہلے کبھی کبھی اسے سنا کرتا تھا اس لئے کہ میرے پاس وقت کی کمی ہے لیکن اب اسے روز سنتا ہوں اور بس کر یقین نہیں آتا کہ پاریکھ صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں

پاریکھ صاحب کے دو بیٹے ہیں احمد پاریکھ اور اقبال پاریکھ احمد سلمہ نے ٹیلی ویژن کا ڈپلوما...

حاصل کر کے سروس کر لی ہے اور کافی تنخواہ پاتے ہیں۔ گذشتہ سال رشیدہ سلمہا کے ساتھ ان کی شادی کراچی میں ہوئی تھی جس کی ایک ایک تفصیل مجھے لکھی ہے [illegible]۔ پاریکھ صاحب کے انتقال کے [illegible] اللہ پاک نے انھیں پوتا عطا فرمایا [illegible] کی خبر ان کے حرم میں بھیجی — انھیں نے اللہ سے دعا کی تھی وہ پاریکھ صاحب کو اس وقت تک بقید حیات رکھے کہ وہ پردادا بن سکیں میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اسی حرم میں مجھے پاریکھ صاحب کے انتقال کی خبر بھی شائع کرنا پڑے گی

انا للہ وانا الیہ راجعون

پاریکھ صاحب کی ایک بیٹی بھی ہے عائشہ سلمہ جس کی شادی داؤد پاریکھ سے ہوئی ہے — اور ماشاء اللہ کئی بچوں کی ماں ہے۔ اپنا ایک عزیزہ لڑکی صابرہ کی بھی مرحوم نے بیٹی ہی کی طرح پرورش کی تھی جس کی شادی افریقہ میں ہوئی تھی میں سوچتا ہوں کہ ان کی بیٹیوں بیوی اور بہن کا کیا حال ہوگا۔ ان کی جدائی میں احمد و اقبال کس طرح تڑپتے ہوں گے جب وہ ان سے ہمیشہ کے لئے روٹھ گئے ہوں گے اپنے پرستار خسر کی جدائی رشیدہ سلمہا پر کس طرح بجلی بن کر گری ہوگی۔ میری شریک حیات غزالہ نے تار کی خبر پڑھی تو بے ساختہ رو پڑیں۔ ان کی اس دنیا میں صرف ایک ہی بہن رہ گئی ہیں۔ بس نا امید بھائی بنانے کا انھیں بڑا شوق ہمیشہ سے رہا اس لئے انھوں نے اب تک چار لوگوں کو بھائی بنا یا تھا۔ ایک میرے بچپن کے دوست عبدالحق خاں صاحب، دوسرے میرے بہت ہی شفیق دوست اور دست [illegible] صاحب افسوس کہ یہ دونوں ہی ہستیاں اب اس دنیا میں نہیں رہ گئیں۔ تیسرے منہ بولے بھائی [illegible] حق صاحب ہیں جو مجھ [illegible] سلمہا کے خسر ہیں۔ اللہ پاک ان کی عمر میں برکت دے اور وہ واقعی میرے

بعونہ اللہ کے بے تک بھائی ہی ثابت ہوں۔ مجھے بھائی پاریکھ صاحب سے جب سے میری صحت خراب ہوئی میں نے پاریکھ صاحب کو لکھا تھا کہ میرے بعد فرزانہ کا خیال رکھئے گا۔ مرحوم نے مجھے تسلی دیتے ہوئے لکھا تھا کہ فرزانہ کو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ آپ اطمینان رکھیں اور واللہ مجھے یقین تھا کہ اگر میں مر گیا تو پاریکھ صاحب کوئی دقیقہ فرزانہ کو آرام پہنچانے کا اٹھا نہ رکھیں گے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ پاریکھ صاحب مجھ سے پہلے ہی اس دنیا کو رخصت ہو گئے۔ اللہ پاک انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کے پس ماندگان کو نہ صرف صبر جمیل عطا کرے بلکہ انھیں مرحوم کے ہی نقش قدم پر چلنے کی بھی توفیق عطا کرے۔ خصوصیت سے احمد ذاقبال سلمہ اللہ تعالیٰ اور عائشہ سلمہا سے یہ کہوں گا کہ وہ اس رشتے کو قائم رکھنے کی ضرور کوشش کریں جو ان کے ایسے مقدس اور فرشتہ صفت باپ نے قائم کیا تھا مجھے چچا ہی سمجھیں اور اپنی خیریت سے برابر آگاہ کرتے رہیں۔

پاریکھ صاحب پر لکھنے کو تو نہ جانے کتنا لکھ سکتا تھا مگر میں نے اس لئے اختصار سے کام لیا کہ مضمون کا تعلق صرف میری اور مرحوم کی ذات سے ہی ہے۔ عام حرمی بہنوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں نے جو کچھ لکھا اسے پڑھ کر سب کو سوچنا چاہیے کہ سچے مسلمان اور صحیح معنوں میں کہلائے جانے والے انسان ابھی بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جن میں سے میں صرف ایک ہی سے متعارف ہو سکا تھا۔ افسوس کہ اللہ پاک نے اس وقت سے پہلے اپنے پاس بلا لیا جب میں اپنی خرابی صحت سے ہر وقت اس بلاوے کا منتظر رہا کرتا ہوں۔

مضمون لکھنے کے بعد ہی بیٹی عائشہ سلمہا کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ مرحوم ۲۴-۲۵ جون کی درمیانی شب میں ایک بجے اچانک شدید قلبی دورے سے جاں بحق ہو گئے۔ اتوار کو تمام لندن بند رہتا ہے۔ کفن دفن کا سامان بھی نہیں ملتا اس لیے دو شنبہ ۲۶ جون کو کاغذات کی خانہ پری ہوئی۔ سفر آخرت کا سامان اکٹھا کیا گیا اور منگل ۲۷ جون کو دن کے گیارہ بجے کہرام کے درمیان اس انسان کی میت اٹھی، جو اپنے اہل و عیال پر کتنا مہربان رہتا ہوگا، جو مجھ نادیدہ دوست کے لئے بے چین رہا کرتا تھا۔ اللہ مغفرت کرے اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔

خواہ مخواہ

عفت موہانی

ان کی شادی کو پورے چھ ہفتے ہو چکے تھے۔ لیکن ابھی تک ان میں ایسی دوری تھی جیسے ندی کے دو کنارے۔ متوازی مگر علیحدہ۔ اماں بی نے سینکڑوں میں چھانٹ کر بہو پسند کی تھی۔ اکلوتا بیٹا تھا۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، خوبرو۔ سرکاری عہدہ دار۔ خوش مزاج سنجیدہ، اس کے لئے بہو بھی ایسی ہی ہونی چاہئے تھی۔ اماں بی کی سچ مچ جوتیاں گھسی تھیں تب کہیں جاکر ریٹائرڈ صوبیدار صاحب کی نواسی سے رشتہ لگا تھا۔ لڑکی کیا تھی۔ مشرقی تہذیب و تربیت کا پیکر تھی۔ صورت اگر خدا نے سنواری تھی تو سیرت ماں نے سنواری۔ تعلیم کا اس نے غلط فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ شرم و حیا کا مجسمہ بنی سسرال آئی۔ تو اماں بی نے اس کی چاندی پیشانی چوم چوم لی برسوں کی محنت پھل لائی تھی۔ اللہ کا ہزار ہزار احسان مانا تھا۔ وہ بہت خوش تھیں۔

لیکن شوکت کی زندگی میں ایک عجیب انقلاب آگیا تھا۔

. . . . ایسا انقلاب کہ نہ کسی سے کہتے بنتا تھا نہ خود کو سمجھائے بنتا تھا۔ ان کی ذہنی زندگی میں زہر گھل گیا تھا۔ اور وہ زہر ان چھ ہفتوں کے طویل ترین عرصہ میں ان کے جسم کی ایک ایک رگ میں پھیل کر انھیں آہستہ آہستہ، زندگی سے دور، اپنوں سے دور، مصروفیات اور خوشیوں سے بڑی دور لئے جا رہا تھا۔ وہ ایک عضو معطل بن کر رہ گئے تھے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ بھول رہے تھے۔ انھیں صرف یہ یاد تھا کہ حجلۂ عروسی میں داخل ہونے سے قبل انھوں نے دو اجنبی آوازیں سنی تھیں۔ ایک آواز نرم و نازک تھی گھبرائی شرمائی اور آنسوؤں میں گھلی ہوئی۔ دوسری آواز مردانہ تھی۔ ٹھہری ہوئی مضبوط۔ مسرور اور لاپرواہ —

"بھول کے بیٹھ نہ جانا" نسائی آواز۔ جو یقیناً ان کی دلہن کی تھی: "دل پر ہاتھ رکھ کے دیکھو۔ کیسا دھڑک رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔۔۔ تمہاری صورت دیکھ کر ذرا تسلی ہو رہی ہے۔ تمہارے چلے جانے کے بعد کیا ہوگا۔ اللہ"

"اتنی پریشان نہ ہو۔ عنیزہ" مردانہ آواز "میں تو تم سے بہت پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اس جھنجھٹ میں نہ پڑو۔ میں آج آزاد ہوں۔ اپنی مرضی کا مالک۔ لیکن تم نے اپنے ہاتھوں اپنے گلے میں طوق و سلاسل ڈالے ہیں۔ آج ہی تو مجھے بھی اندازہ ہوا کہ یہ نکاح کی عربی آیتیں اتنی مضبوط زنجیریں ہوتی ہیں جو بڑی مشکل سے ٹوٹتی ہیں۔ لیکن اب ہمت سے حالات کا مقابلہ کرو۔ دل کو سنبھالو۔ شوکت صاحب آرہے ہوں گے۔"

"میں کل تمہارا انتظار کروں گی۔"

"میں ضرور آؤں گا۔ اچھا۔ عنیزہ۔ میری جان۔ خدا حافظ"

شوکت کے قدموں کی نیچے سے زمین سرکنے لگی۔ اور سر چکرانے لگا۔ یہ انھوں نے کیا سنا تھا۔ یہ خواب تھا یا بیداری؟ ان میں یہ بھی سکت نہ رہ گئی کہ وہ کمرے میں گھستے اور اس بدمعاش کا گریبان پکڑ کر اسے پھاڑ دیتے۔ دفعتاً پیروں سے جان سی نکل گئی تھی ......

اور اب اگر وہ چاہتے تب بھی کمرے میں نہ جاسکتے۔ وہاں تو ایک زہریلی ناگن ان کے بستر میں موجود تھی۔ ناگن سے بدتر۔ وہ تو صرف ڈستی ہے۔ لیکن یہ صورت۔ جو سیکڑوں میں انتخاب تھی۔ اس کی ماں کی پسند اُف۔ خداوندا۔ انھوں نے تاریک برآمدے میں کھڑے کھڑے سویرا کردیا۔ صبح کو اماں بی نے یہ ماجرا دیکھا۔ بہت خاموش طبیعت کی سنجیدہ اور شریف خاتون تھیں۔ وہ بیٹے سے پوچھنے کی ہمت نہ کرسکیں۔ بہو کے پاس گئیں دیکھا کہ بے چاری دلہن بنی جوں کی توں مسہری پر بیٹھی تھی۔ انھیں دیکھ کر اور سمٹ گئی۔ ان کے دل پر دھکا سا لگا آخر شوکت کو ہوا کیا تھا وہ شرمیلی بہو سے کیسے پوچھیں کہ شوکت اس کے پاس آئے تھے کہ نہیں!

شوکت صبح سے پاگل بنے پھر رہے تھے! آج تک انھوں نے کسی کو الٹ کر جواب نہیں دیا تھا۔ مگر اس روز تو سیدھے منھ سے بات نہیں کی۔ ناشتہ پڑا پڑا پالا ہوگیا۔ اور وہ باہر برآمدے میں آکر کھڑے ہوگئے۔ جہاں سے اب بھی لوگ آجا رہے تھے۔ بعض بڑے

ایڈوڈیٹ تھے۔ انھوں نے خواہ مخواہ ان سب سے باتیں کیں جن کا کوئی مفہوم نہ تھا۔ وہ تو اس آواز کو سننا چاہتے تھے جو ان کے دماغ میں محفوظ تھی۔ لیکن وہ آواز سنائی نہیں دی۔

دلہن کے بھائی بہنیں اسے لے گئے۔ رات چوتھی کی دعوت تھی۔ مگر شوکت اس میں شریک نہ ہوئے۔ اماں بی نے تنہائی میں پوچھا تھا۔ نہایت برہم لہجے میں انھوں نے جواب دیا۔

"میں نے تو اس بے حیا عورت کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ اور نہ اب دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کو اور مجھے سخت دھوکا دیا گیا ہے۔ میں اس بیہودگی کا بدلہ لے کر رہوں گا۔ اب وہ ناپاک عورت میرے گھر نہیں آسکتی۔ آپ نے اگر میری بات نہ مانی تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔"

لیکن ہوا کیا ہے۔ شوکت میاں: اماں بی تو حیرت کے مارے بولائی ہو رہی تھیں۔

میں کیا بتاؤں۔ کیا ہوا ہے، شوکت نے کہا: "نہ میری زبان سے وہ بات نکلے گی نہ آپ کے کان اس کے سننے کے متحمل ہوں گے۔ بس۔ ہم نے بھر پایا۔ آپ صوبیدار صاحب دھوکے باز جعلیئے سے کہلوا دیجئے کہ وہ بستر جسے مجھ سے قبل کوئی روند چکا ہے۔ میرے کمرے سے نکلوالیں۔ اور اب۔ ان کی نواسی محترمہ۔ اس گھر میں قدم نہ رکھیں۔ ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ ایک آدھ کا خون ضرور ہو جائے گا۔"

میاں ہوش کی دوا کرو۔ اماں بی نے کہا: "تم ایک معصوم بے گناہ لڑکی پر ان شرمناک بہتان رکھ رہے ہو۔ توبہ کرو۔ اللہ سے پناہ مانگو۔ ان تک یہ بات پہونچ گئی تو سچ مچ ایک آدھ کا خون اللہ نہ کرے ہو گا۔"

معصوم بے گناہ لڑکی" شوکت نے طنزیہ اور حقارت آمیز لہجے میں کہا: "اماں بی آپ کو کیا معلوم کہ پاکیزہ برتن میں کتا کب منہ ڈال گیا ہے۔ اسے اب گھورے پر پھنکوا دیجئے۔ وہ ہمارے استعمال کے قابل نہیں رہا۔"

"خاموش رہو۔ کیسی باتیں کر رہے ہو"

وہ تو خاموش ہو گئے۔ مگر ان کے درمیان کی خاموشی ملن بیاں بھاڑ کر چیخنے لگی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ نئی دلہن کو اس نے میاں نے پہلی رات ہی کو ٹھکرا دیا تھا۔ منہ در منہ زنجیر در زنجیر بات پھیلی۔ اور بالآخر عنبرہ تک آ پہونچی۔ وہ بے چاری اول دن ہی سے پریشان تھی۔ شرمیلی کم سن اور تمیز دار لڑکی تھی۔ اندر اندر ہی سوچتی رہی کہ اس کی وجہ کیا تھی؟ لیکن وہ کسی نتیجے پر نہیں پہونچی۔ اس کی سہیلیاں متعجب تھیں۔ باپ حیران تھے۔ ماں کی زندگی اجیرن تھی؟ عنبرہ ایک چور کی طرح جو اپنے کمرے میں چھپی تو پھر کسی کے سامنے نہیں نکلی:

شوکت کا بھی حال تباہ تھا۔ وہ اپنے آفس بہانے نام جاتے تھے۔ ہر وقت ان کے دماغ میں آندھیاں سی چلا کرتیں۔ کیا ان کی بیوی ایسی دیدہ دلیر اور نڈر تھی کہ پہلی رات کو حجلۂ عروسی میں اپنے عاشق کو گھسا لائی تھی اور وہ مردود ایسا بے جگر تھا کہ گھسا چلا بھی آیا تھا۔؟؟

شوکت یہ سوچ سوچ کر باؤلے ہوئے جا رہے تھے کہ اب میکے میں عنبرہ خوب رنگ رلیاں منا رہی ہوگی وہ متعجب بھی تھے کہ آخر کون سی ایسی رکاوٹ تھی کہ اسی سے عنبرہ نے شادی نہ کر لی۔ اور خواہ مخواہ ان کی اور اپنی زندگی اجیرن کی؟؟

اماں بی صحیح معنوں میں زندہ درگور تھیں۔ ان کے سامنے شوکت کی زندگی آئینہ تھی۔ انہی نے باپ کے بعد باپ بھی بن کر تربیت کی تھی۔ اور اپنے اکلوتے بیٹے کو ایک مثالی آدمی بنایا تھا۔ مگر اب کیا اس مثالی آدمی کو شیطان نے انگلی دکھائی کہ وہ ایسا بھوت بن گیا تھا بے چاری سوچتے سوچتے پاگل ہونے لگیں۔ شوکت نے کبھی پوری بات نہیں بتائی۔ بس ہر استفسار کے جواب میں عنبرہ پر ایک نیا بہتان رکھ دیتے۔ اماں بی کو اندیشہ تھا کہ کہیں عنبرہ کے والدین خاموشی سے برہم ہو کر ان پر چڑھ نہ دوڑیں۔ اس فکر میں ان کی نیندیں اڑنے لگیں جاگا کرتیں اور دیکھا کرتیں کہ خواب و خور سے محروم شوکت بھی اپنے کمرے کے سامنے ٹہل رہے ہیں۔ دلہن کا سارا ساز و سامان انھوں نے بہت پہلے ہی ملازموں کے ہاتھ اندر پھنکوا دیا تھا۔

بالآخر عنبرہ کے والد کا پیمانۂ صبر و قرار چھلک گیا۔ صوبیدار صاحب بھی کچھ متحیر کچھ برہم گفتگو میں شریک تھے۔ عنبرہ کے بڑے بھائی بڑے طیش کے عالم میں یہ تجویز پیش کر رہے تھے کہ شوکت جیسے نامعقول اور نالائق آدمی کو گولی سے اڑا کر پھانسی پر چڑھ جانا چاہیئے۔ وہ اس

کے لیے آمادہ تھے۔ حالانکہ ان کے پاس وہ بندوق نہیں تھی جس سے گولی نکل کر آدمی کو اڑا دیتی ہے۔

عینزہ کے والد کی رائے تھی کہ شوکت کے نام ایک تفصیلی خط لکھ کر اس اجتناب کا سبب پوچھنا چاہیئے۔ والدہ نے مشورہ دیا کہ وہ سب ایک قافلہ کی صورت میں چلیں اور شوکت سے وجہ دریافت کریں۔ لیکن صوبیدار صاحب نے یہ رائے دی کہ وہ شوکت کے دادا کے دوست ہیں۔ شوکت اس کے سامنے کھیل کود کر بڑا ہوا ہے۔ اس سے کچھ کہنے سننے کی بجائے اس کی والدہ سے استفسار کرنا چاہیئے جنھوں نے براہ راست ان سے رشتہ طے کیا تھا۔ بہرکیف ایک دن صبح کو اپنے آمد کی اطلاع دے کر یہ سب شوکت کے گھر جا پہونچے۔ شام کا وقت اس لیے چنا تھا کہ شوکت بھی دفتر سے واپسی پر موجود ملتے مگر شوکت کو اطلاع ملی اور وہ اپنے کمرے میں غائب ہو کر گویا گھر سے فرار ہوگئے اور دروازے سے کان لگا کر سب کی گفتگو کرتے سننے لگے۔!

بہت جلد ان کے غصے کا پارہ چڑھ گیا۔ کیونکہ وہ سننے کے ساتھ ساتھ دراز سے دیکھ بھی رہے تھے کہ ایک طرف پانچ آدمی تھے صوبیدار صاحب! عینزہ کے والدین۔ اس کے بڑے بھائی اور بہنوئی۔ اور دوسری طرف اماں بھی محاذ پر تنہا تھیں۔ پہلو انہی کا کمزور تھا۔ بے چاری کے پاس اپنے بچاؤ کے لیے کوئی معقول ہتھیار بھی نہ تھا۔ کیونکہ قصور سراسر ان کا تھا ان کے بیٹے کا تھا۔!

پھر بھی ان لوگوں نے نہایت شرافت برتی۔ رہ رہ کر ان کی آوازیں بلند ہوئیں جنھیں وہ فوراً نیچی کر لیتے۔ اماں بی جب مکمل طور پر ہارنے لگیں تو صوبیدار صاحب کو ان پر ترس آگیا۔ وہ گویا سپہ سالار تھے اپنی فوج کو خاموش رہنے کا حکم دے کر اماں بی سے باتیں کرنے لگے اماں بی پر چاروں طرف کی یورش بند ہوئی تو حواس درست ہوئے اور وہ صوبیدار صاحب کی معقول باتوں کے جواب دینے لگیں!

"اگر شوکت میاں کسی وجہ سے ناراض ہیں تو وہ وجہ بتائیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کریں گے"

"مجھ سے بھی وہ کچھ نہیں کہتے" اماں بی بولیں "ہزار ان سے پوچھا مگر وہ خاموش ہیں۔ بس وہ ایک آگ میں پھنکے جاتے ہیں"!

"لیکن بیٹی تم خود سوچو کہ یہ طریقہ کتنا نامناسب ہے" صوبیدار صاحب بولے "ہماری تمھاری بچی برابر ہے۔ اگر آج یہ صورت حال تمھاری بیٹی کے ساتھ درپیش ہوتی تو تم کیا کرتیں؟"

"چچا میاں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے یہ سب اچھا لگ رہا ہے؟" اماں بی نے احتجاج کیا "کیا اسی لئے میں بہو لائی تھی کہ آپ سے شرمندہ ہوں"

"ان سے کہیئے۔ عینزہ کو طلاق دے دیں" ان کی بات کاٹ کر عینزہ کے بڑے بھائی نے کہا۔ "مہر پر ہم لعنت بھیج دیں گے جہیز واپس کر دیجئے۔ بس قصہ ختم ہو جائے۔"

"شریفوں میں طلاق نہیں ہوتی" اماں بی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ شوکت میاں کو" صوبیدار صاحب نے کہا "بہرکیف ان سے ملنا اور پوچھنا بہت ضروری ہے وہ کہاں ہیں۔ کب تک آجائیں گے"

"پتہ نہیں۔ خدا جانے۔ میں تو بیمار ہو رہی ہوں" اماں بی نے کہا۔

"ادھر وہ بدنصیب بیمار ہے" عینزہ کی والدہ نے کہا "آج دس دن ہو گئے ہیں۔ پل بھر کے لیے بخار نہیں اترا۔ کھانا پینا بند ہے اس کی جان پر بنی ہے۔ آپ کا کیا۔ آپ کا بیٹا دوسری بیاہ لائے گا۔ مگر میری بچی کا رونگٹا بھی دکھا تو مجھے چلی بلائی بچی پھر کہاں ملے گی" یہ کہہ کر وہ رونے لگیں۔

"ایسی بچی کا جلد سے جلد مر جانا اچھا" شوکت استکراہ سے لب سکوڑ کر بولے۔

"بہن۔ حوصلہ رکھو۔ اللہ سب اچھا ہی اچھا کرے گا" اماں بی نے کہا۔

پھر وہ سب بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ مگر کسی نتیجہ پر نہیں پہونچے انہیں شوکت کا انتظار تھا۔ مگر شوکت گئے کہاں تھے جو واپس آتے بڑے کمرے اور برہم وہ سب گئے۔ اماں بی نے ہزاروں خوشامدیں کیں کہ چائے تو پی لیں لیکن کسی نے منظور نہ کیا۔!

جب وہ سب چلے گئے تو اماں بی آنچل سے چہرہ چھپا کر رونے لگیں۔ شوکت دروازہ کھول کر ان کے پاس آئے۔ بے حد برہم ہو رہے تھے۔!

"آپ نے ان کم بختوں کی خوشامد کیوں کی۔ صاف کہہ دیتیں کہ آپ کی لڑکی اس قابل نہیں ہے جو شریف گھر کی بہو بن سکے"

ہاں ایسا کہ کے مجھے سچ مچ کسی کا خون کرا دیا تھا؟ اماں بی بھڑک اٹھیں یہ آج تم مجھے صاف جواب دو کہ آخر یہ کیا کیڑا رینگا ہے تمہارے دماغ میں خلل تمہارا ہے۔ تم کسی دھوکے میں مبتلا ہو۔ رہنا نہیں چاہتے ڈھنگ سے۔ اور مجھے بھی ان لوگوں میں شرمندہ کر رکھا ہے۔ ورنہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ لڑکی ہزاروں میں ایک ہے۔ پڑھی لکھی۔ تمیز دار۔ خوبصورت۔ خوب سیرت۔ بڑا اخلاق کہتی تھیں کہ لڑکی مذہب کی اتنی پابند ہے کہ مجال نہیں کوئی نماز قضا ہو جائے۔ اس کی انگلی تک کسی نے باہر نہیں دیکھی آج تک "

شوکت اماں بی کی ان باتوں سے بدحواس ہو گئے۔ چپکے سے بولے:

"ہاں بی۔ آپ کو کیا معلوم کہ میں نے کیا سنا ہے؟"

"کیا سنا ہے۔ مجھے بھی سناؤ تاکہ میں ان لوگوں کو بھی سنا دوں ہمیشہ کا یہ خرخشہ دور ہو۔ کبھی بھی سکون ہو۔ انہیں بھی اور تم بھی سکھ کی نیند سوؤ"

"اماں بی۔ مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ آپ جسے مذہبی پرہیزگار کہہ رہی ہیں وہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ محترمہ ایسی نہیں ہیں۔"

"تہمت رکھتے ہو ایک لڑکی پر" اماں بی کو غصہ آگیا۔

"جی نہیں۔" شوکت نے کہا۔ "میں ثبوت دے سکتا ہوں۔"

"ثبوت"

"میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اماں بی۔ وہ اپنے ایک جان پہچان والے مرد کو اپنے ساتھ میرے کمرے میں لے آئی تھیں"

"خدا کے غضب سے ڈرو" اماں بی نے کانوں کو چھو کر کہا: "میں اور بیبو لے کر اسے تمہارے کمرے میں پہونچایا تھا اس کی دو تین سہیلیاں بے شک سسرال تک اس کے ساتھ چلی آئی تھیں اللہ خدا بچائے مردوا نگوڑا تو دس دس کوس تک کوئی نہ تھا۔ وہ آتا کہاں سے۔ بھلا بتلا تھا کوئی کہ دروازے گھس کے چلا آتا۔ تم اپنے وہم کا علاج کرو۔ ایسا گھور پاپ کسی پہ اٹھانا اچھی بات نہیں ہے"

"گھور پاپ میں تو میں پڑا ہوں اماں بی۔ نہ مجھے دن کو چین ہے نہ راتوں کو آرام۔ یہ سوچ کر کسی پل قرار نہیں ملتا کہ اب آخر میرا انجام کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں۔ یہ سب مجھے تمہاری شرارت لگتی ہے۔ پڑھتے پڑھتے تمہارا دماغ خشک ہو چکا ہے۔ شادی کا چرچا سن کر تم نے ناک بھوں سکوڑی تھیں۔ زبردستی میں نے شادی کر دی اس لیے اب اس بےچاری سے پیچھا چھڑانے کی یہ ترکیب نکالی ہے۔ مگر تم سوچ لو کہ یہ ساری غیر شریفانہ حرکتیں تمہارے شایان شان نہیں ہیں"

"اماں بی۔ ایسا نہ کہیئے" شوکت کراہنے لگے "میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ اماں بی۔ کیا میرا دل نہیں چاہتا کہ میں ایک پُرمسرت زندگی گزاروں۔ یہ سارے خلفشار میری زندگی سے لپٹے نہ ہوں۔ مجھے بھی دن رات کا قرار نصیب ہو۔ اماں بی۔ اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ آپ کل صبح ہی ان کے پاس جائیے اور میرا طلاق نامہ لیتی جائیے۔ یکسوئی ہو جائے مجھے بھی انہیں بھی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔ لڑکی کی عزت آبرو کانچ کا فانوس ہے۔ اس میں بال پڑ گیا تو پھر وہ کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ اس لڑکی کے ماں باپ ہیں۔ عزیز رشتے دار ہیں۔ تمہاری اس حرکت سے ان سب پر کیا اثر پڑے گا؟ فرض کرو کہ یہ حرکت ہماری لڑکی کے ساتھ ہوتی"

"اماں بی تو پھر میں ہی زہر کھا کر سو جاتا ہوں" شوکت نے کہا "نہ میں رہوں گا نہ میری ذات سے یہ ہنگامے ہوں گے۔ وہ لڑکی بیوہ ہو جائے گی۔ اور کوئی دوبارہ اس کا نام نہ لے گا"

"یہ اور حماقت ہے۔ میری سنو۔ اپنے وہم کو دماغ سے نکالو" اماں بی نے کہا۔ "معلوم نہیں تم نے کیا سنا ہے۔ سسرال جاؤ اور اپنی دلہن کو لے آؤ۔ اس میں بہتری ہے۔ ورنہ تم نہیں جانتے کہ آگے چل کر بہت خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لڑکی پر تہمت رکھ دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے"

"یہ ناممکن ہے۔ اماں بی"

شوکت کے اجتناب کی وجہ کسی کی سمجھ نہ آسکی۔ عنبرہ جو ایک بہت شریف، تعلیم یافتہ اور مہذب لڑکی تھی۔ اس تک یہ بات پہونچی کہ ایکے والدین اور عزیزوں سے شوکت نے ملنا بھی پسند نہ کیا۔ یہ داغ اس کے دل پر گہرا لگا تھا۔ وہ ہر روز اپنے شوہر کا انتظار کرتی تھی۔ شاید صبح کو آجائے۔ شاید شام کو آجائے۔ شاید کوئی باہر سے آئے اور اسے یہ پیغام سنا دے کہ وہ آرہے ہیں۔ لیکن بہت سے دن گزر چکے شوکت کی شکل تک دکھائی نہ دی۔ عنبرہ کا دل سرد ہونے لگا۔ جیتا جاگتا

رہنے لگا۔ اور وہ بس گوشہ نشین ہوکر رہ گئی۔ نہ تو کھاتی پیتی تھی نہ کسی سے ہنستی بولتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اس نے ایسا کون سا قصور کیا تھا جو اس کے شوہر نے اسے ایسی سخت سزا دی ہے۔ نہ صورت دیکھنے کا روادار ہے نہ صورت دکھانے کا وہ بستر پر آلیٹی اور بستر ہی کی ہوکر رہ گئی۔ اسے ہلکی ہلکی حرارت رہنے لگی اور پھر غم کے وفور نے بخار کا روپ اختیار کیا۔ سب پریشان ہوگئے تیمارداروں کی غمگساری اور چارہ گروں کی تدبیر بیکار محض ہوگئیں۔ تب ان سب نے فرطِ غضب سے مجبور ہوکر فیصلہ کیا کہ اب شوکت سے آخری باز پرس کی جائے۔!

لیکن عنیزہ نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ اسے بس ایک مرتبہ شوکت سے مل لینے دیا جائے۔ وہ اپنا فیصلہ آپ کرے گی۔

چونکہ اس کی حالت اچھی نہیں تھی۔ لہٰذا اس کی بات بے چوں وچرا مان لی گئی۔ عنیزہ نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اگر شوکت چلے آئیں تو ان سے کسی قسم کی بھی پرسش نہ کی جائے!۔

شوکت تک بیوی کی درخواست پہونچی۔ انھوں نے بُرا سا منھ بناکر رد کردی مگر اماں بی مصر ہوگئیں کہ انھیں چلنا چاہیئے۔ بہرحال اپنی آمد کی خبر کرکے دونوں ماں بیٹے بالآخر پہونچ ہی گئے ان کا خیال تھا کہ سب ان سے خفا ہوں گے لیکن ان کے تصور کے بخلاف صوبیدار صاحب کے گھر والوں نے دونوں کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا۔ صوبیدار صاحب اماں بی سے باتیں کرنے بیٹھ گئے۔ اماں بی کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ سب کو اندازہ ہوا کہ بیٹے کی ناخلفی اور سرکشی نے ماں کو بھی رنجیدہ کر رکھا ہے۔ اماں بی پر سب کو ترس آیا۔ مگر شوکت کے خلاف ان کے دلوں میں بغض و عناد کے طوفان مچل رہے تھے!۔

"تم پریشان مت ہو" صوبیدار صاحب نے اماں بی سے ہنس کر کہا: "جھگڑے ہر گھر میں ہوتے ہیں۔ اب وہ دونوں آپ اپنا انصاف کریں گے"۔

"مجھے معلوم ہوتا کہ شوکت مجھے ایسا شرمندہ کرے گا تو میں اس شادی کی بات ہی نہ چلاتی" اماں بی بولیں۔ شوکت خاموش بیٹھے رہے۔ اور دل ہی دل میں اماں بی کی طفلانہ ضد پر متاسف تھے اگر وہ نہ چاہتیں تو ہرگز وہ اس در پر قدم نہ رکھتے!۔

چائے کے بعد وہ جان بوجھ کر ادھر اُدھر ہوگئے۔ عنیزہ کی امی اماں بی کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ تب ایک چھوٹا سا بچہ شوکت کے پاس آیا اور بولا۔

"آپ کا کمرہ اُدھر ہے"

"اچھا"

بچہ چلا گیا۔ شوکت نے دیکھا کہ گھر میں معنی خیز سناٹا چھایا ہوا ہے۔ پھر انھوں نے سوچا کہ اچھا ہی ہے۔ اب وہ عنیزہ سے مل کر سب کچھ کہہ سکیں گے!۔

انھوں نے دروازے پر پڑا ہوا پھول دار پردہ سرکایا! ان کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اور دل دھڑک رہا تھا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے بہہ بہہ کر بھوؤں تک آرہے تھے!۔ انھوں نے دل کو قابو میں کیا اور پردہ ہٹاکر اندر قدم رکھے۔ ان کا اندازہ تھا کہ کوئی قابل گرفت یا ناقابل برداشت منظر دیکھنے کو ملے گا۔ لیکن انھیں مایوسی ہوئی۔ کیونکہ جو منظر انھوں نے دیکھا یہ تھا کہ ایک بڑی دلکش، پاکیزہ اور معصوم سی لڑکی مسہری پر بیٹھی تھی۔ سفید پھولدار کپڑوں میں ملبوس۔ ساڑی کا آنچل پیشانی تک ڈھکا ہوا تھا۔ جب شوکت نے کمرے میں قدم رکھے۔ اس نے لرزتا ہوا ہاتھ اٹھاکر پیشانی پر رکھ لیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تسلیم" شوکت نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا: "تسلیم" اور گم صم کھڑے ہوگئے۔ عنیزہ نے کرسی سرکائی۔ وہ ایک معمول کی طرح بیٹھ گئے اب بھی عنیزہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ شوکت نے پہلی بار وہ چہرہ دیکھا تھا۔! انھوں نے اس چہرے پر کوئی خطا، قصور اور پشیمانی کا احساس نہیں دیکھا۔ وہ چہرہ جو مضمحل تھا۔ مغموم اور رنجیدہ تھا مگر صبح کے تارے کی طرح جگمگا رہا تھا حیا و عصمت کے نور سے منور۔ صبیح و دلکش۔! شوکت کا دل دھڑکنے لگا۔ مگر پھر انھوں نے کیا سنا تھا؟۔

"میری خوش نصیبی ہے کہ آپ تشریف لے آئے۔ اب میں سکون سے مر سکوں گی۔ اگر مجھے آپ یہ بتادیجئے کہ مجھ سے آپ نے کون سے قصور کی اتنی کڑی سزا دے رکھی ہے" عنیزہ نے کہا۔

شوکت نے اپنے کو سنبھال لیا تھا۔ کیونکہ انہیں تو عنیزہ کو

اس کی فرد جرم سنا دی گئی۔ بڑے سرد لہجے میں بولے: "سزا میں نے آپ کو دے رکھی ہے۔ یا آپ نے مجھے دی ہے۔ بے خبری۔ لاعلمی کی کڑی سزا۔ آپ شادی سے پہلے کہہ سکتی تھیں کہ آپ کو نہ میں پسند تھا نہ میرا ساتھ اور نہ میرا گھرانہ"

"اگر خدا نخواستہ ایسا ہوتا بھی تب بھی میرے منہ سے یہ بات نہ نکل سکتی کہ مجھے آپ کا ساتھ اور آپ کا گھرانہ پسند نہیں ہے میں قرون وسطیٰ میں ہوں۔ میرے آقا۔ جو اپنے شوہر کی چتا پر زندہ جل مرتی ہیں"

شوکت کو تعجب تھا۔ دھاندلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ یہ شادی سے پہلے اس بد معاش مرد سے رنگ رلیاں منا چکی ہے شادی کے بعد بھی کوئی پابندی نہ رہی ہوگی۔ بعض چہرے جتنے معصوم اور بھولے بھالے ہوتے ہیں اتنے ہی مکار اور ظالم ہوتے ہیں۔! شوکت نے کہا۔

"آپ کی وفا شعاری برحق۔ ہو سکتا ہے کہ آپ اسی طرح بیوقوف بناتی ہوں۔ لیکن میں اپنے آپ کو تو نہیں جھٹلا سکتا!۔ میرے پاس زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔ آپ نے مجھے بلایا تھا میں آگیا ہوں۔ اب آپ کیجئے فیصلہ"

عنیزہ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے عجیب سنگدل آدمی ہے۔ نہ مزاج پرسی کی۔ نہ یہ پوچھا کہ اس کا یہ حال کیوں ہوا ہے۔ نہ اسے اپنے کئے پر پشیمانی ہے۔ آخر یہ کیا چاہتا ہے۔ اس کا دل پارہ پارہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ گھٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"فیصلہ۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔ آپ کیجئے"

"میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ۔"

دفعتاً پردے کے پیچھے سے ایک مردانہ آواز آئی۔

"عنیزہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

شوکت کے کان جل اٹھے۔ آگ بگولہ ہو گئے۔ وہ اس منحوس آواز کو کیسے نہ پہچانتے جو ابھی تک ان کے دماغ میں جونک کی طرح بسی ہوئی تھی۔ یہ مردود اپنی محبوبہ کی مزاج پرسی کو آپہونچا ہے۔ شوکت نے مٹھیاں کس لیں۔ بہت اچھا ہوا۔ اب اسی جگہ یا تو اس خبیث کی لاش گرے گی یا خود ان کی۔ انھوں نے قہرناک نظروں سے عنیزہ کو گھورا۔ شاید وہ اس آواز کو سن کر نیم جان

ہو گئی ہو۔ مگر وہ تو بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ البتہ اس کے چہرے پر ناگواری کے اثرات تھے۔

"بلا لیجئے انہیں" شوکت نے دہیمے لہجے میں کہا۔ اور اس بدمعاش سے دو دو ہاتھ کرنے کو تیار ہو گئے۔ عنیزہ نے بڑی ناگواری سے کہا۔

"آؤ شمیم تمھیں بھی اسی وقت مرنا تھا"

تو یہ حضرت شمیم ہیں۔ ٹھیک ہے انھیں اسی وقت یقیناً مرنا ہو دفعتاً پردہ ہٹا اور تین چار لڑکیاں کمرے میں آئیں۔ شوکت نے ان میں دیکھا کہ ایک قد آور اور نہایت تندرست لڑکی نے بڑے بڑے پائنچے کا بل باٹم پتلون اور شوخ کلر فل جرسی پہن رکھی ہے۔ کمر پر بڑا چوڑا سا بیلٹ کس ہوا ہے۔ جیسے مرد باندھ لیتے ہیں۔ دوپٹہ ندارد۔ اسکے بڑی بھاری مردانہ آواز میں کہا۔

"ہیلو شوکت صاحب۔ تو ہے نصیب کے آج آپ سے نیاز حاصل ہوئے۔۔۔۔ ہم لوگ تو"

وہ جانے کیا کچھ کہتی رہی۔ مگر شوکت کے حواس گم ہو چکے تھے وہ مردانہ آواز جس نے ان کا سکھ چین تباہ کر رکھا تھا اسی جسم اور قد آور لڑکی کے منہ سے نکل رہی تھی۔ وہ عنیزہ کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آج میں تمھیں صحت مند دیکھ رہا ہوں۔ کل تو میں بہت پریشان ہو گیا تھا۔ ساری رات سو نہ سکا۔! آج تو میں سوچ رہا تھا کہ اپنے فیملی سرجن کو ساتھ لے کر چلوں گا۔ مگر آج تو تم اچھی نظر آتی ہو۔" وہ بھاری آواز میں ہنسنے لگی: "اوہ۔ سمجھ گیا۔ یہ شوکت صاحب کی آمد آمد کا اثر ہے"

"خدا کے لیے اپنی یہ گھوں گھوں بند کرو۔ شمیم۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے" عنیزہ بولی: "تم ادھر دوسرے کمرے میں جا کر بیٹھو۔ میں پھر ملوں گی تم سے"

"ہاں ہاں اب شوکت بھائی کی موجودگی میں ہماری کیا قدر ہوگی" ایک دبلی پتلی لڑکی اپنی مترنم آواز میں ہنستی ہوئی بولی اور جیسے اس بھاری آواز کے بعد کانوں میں شہد ٹپک گیا۔

سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شمیم نے خالص مردانہ انداز میں جھک کر عنیزہ کی پیشانی چومی۔ پھر کھڑے ہو کر بیلٹ سمیت پتلون اوپر سرکایا اور بولی۔

"نہیں نہیں - میں اب چلتا ہوں - کل آؤں گا" اور مصافحہ کے لیے شوکت کی طرف ہاتھ بڑھا دیا ان سب کے جانے کے بعد دو منٹ تک کمرے میں خاموشی رہی - پھر شوکت نے حواس اکٹھا کرکے کہا:

"یہ حضرت شمیم - یہ تو عجیب لڑکی ہیں"

"جی ہاں" وہ منیزہ نے سر جھکا کر کہا: "میری سب سے زیادہ قریبی سہیلی ہے"

"لیکن ان کی آواز - لب و لہجہ - اور اسٹائل" شوکت ہکلایا

"بچپن میں غدود کا آپریشن غلط ہوگیا تھا - اس کا اثر آواز پر پڑا ہے کہ بھاری ہوگئی ہے" منیزہ موہوم سا مسکرائی "اور وہ ہمیشہ مردوں میں رہی ہے - بے چاری کی ماں نہیں ہے - باپ اور بھائیوں میں بڑھی ہے - مردانہ اسکول اور کالجوں میں پڑھتی رہی ہے لہٰذا وہ بھی مردوں ہی کے لب و لہجہ میں بولنے لگی - لیکن بے حد مخلص اور پُر محبت لڑکی ہے - مجھے بے حد چاہتی ہے"

"منیزہ" یکا یک شوکت احساس ندامت سے آبدیدہ ہوگئے "مجھے معاف کر دو - میں نے غلطی کی ہے"

اور یہ کہہ کر انھوں نے سارا قصہ سنا دیا۔

اور ایک برتر لڑکی نے انھیں لعن طعن کرنے ان سے بدلہ لینے کی بجائے انھیں معاف کر دیا۔

"چلو منیزہ - گھر چلیں" شوکت نے کہا "یہاں کسی اچھے ڈاکٹر سے تمہارا علاج"

"آپ آگئے - میں اچھی ہوگئی"

"چلو تحریر"

"مگر اماں جی"

"وہ بعد کو آتی رہیں گی ——" دونوں کی نظریں ملیں دونوں ہنس پڑے ہا ہا۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں تقریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے - شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں لچکے پٹھے سے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو نہیں بھاتی لیکن سونے چاندی کی گرانی سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا - ایک ذرا دوپٹے کے لیے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لیے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں لچکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں - سورتی بیلیں اور چمپا چٹکی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور ملمع نسبتاً بہت ہی کم - نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں - یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولے میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو

درون خانہ سے بیرون خانہ تک

خان خانہ

پچھلے کسی شمارے میں ہم نے کان چھیدنے کے بارے میں لکھا تھا کہ ایک دانشور نے کان چھیدنے کے اغراض ومقاصد اور فوائد پر روشنی ڈالی تھی اور ناک کو اندھیرے میں چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ ہم ناک چھیدنے کے بارے میں خود اپنے (مفید اور کارآمد اس لئے نہیں لکھتے کہ خودستائی ہوگی) اس کا تصفیہ ہم قارئیں پر چھوڑتے ہیں اگر مفید معلوم ہوں تو جلد از جلد ہمارے جنت سدھارنے کی دعا فرمائیں اور اگر مضر ہوں تو سو برس تک جیتے رہنے کی سزا بھگتنے کی بد دعا دیں، خیالات کا اظہار کریں گے۔

ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ناک چھید کر بھی کسی بیماری کا علاج کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر وہ محقق صاحب جنھوں نے یہ تحقیق فرمائی ہے کہ کان چھید کر دمے کا علاج کیا جاتا ہے ناک کے مسئلے پر بھی ریسرچ فرماتے تو بہتر ہوتا کہ ناک چھید کر کس مرض کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ یہ معلومات ہمارے لئے نہایت سودمند ہوتیں کیونکہ جس طرح ہم نے کان چھید کر دمے کا علاج شروع کر دیا ہے اسی طرح ناک چھید کر بھی دیگر امراض کا علاج شروع کر دیتے ہم اس بات کے لئے بھی تیار ہیں کہ ناک چھید کر علاج کرنے سے جو آمدنی ہوتی اس میں سے ففٹی ففٹی تقسیم کر لیتے۔ جس طرح کان چھید کر دمے کا علاج کیا جاتا ہے اسی طرح ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے موجودہ سماج میں ناک چھید کر بعض ایسی سماجی بیماریوں کا علاج کرنا ضروری ہو گیا ہے

جو سوسائٹی کے لئے ناسور کی حد تک خطرناک ہو گئی ہیں۔ ہمارے خیال میں کان اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنی کہ ناک خطرناک ہوتی ہے۔ ویسے تو صدیوں سے ناک نے انسان کی زندگی میں نہایت اہم رول ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر عرب دور جہالت میں صرف اپنی ناک کی خاطر اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے لیکن دور حاضر میں ناک صرف ناک نہیں رہی بلکہ انتہائی حد تک خطرناک ہو گئی ہے۔ ہماری سماجی زندگی میں ناک نے جو مسائل پیدا کر دئے ہیں۔ ان کی وجہ سے انسانی زندگی اندوہناک ہو گئی ہے مثال کے طور پر کسی کے گھر لڑکا تولد ہو تو اس کی پیدائش پر چھٹی چھلے سالگرہ اور بعد میں تسمیہ خوانی کی رسمیں ادا کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ برادری میں ناک نیچی ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کہ ناک کٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس ناک کو نیچی ہونے یا کٹ جانے سے بچانے کے لئے چھٹی چھلے اور سالگرہ وغیرہ جیسی رسمیں ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بات کسی بچے کی پیدائش کی حد تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اب تو لڑکے لڑکیوں کی شادی بیاہ کے معاملے میں ناک بری طرح اڑنے لگی ہے۔ اونچ نیچ اور چھوت اچھوت کا مسئلہ ہمیشہ شادی کے معاملہ میں "ناک" کی وجہ سے پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اور ناک اس میں اس طرح حائل ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایجی ٹیشن کے زمانے میں سڑکوں اور ریل کی پٹریوں پر احتجاجی رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ کئی اور مواقع

چناک آڑے آجاتی ہے۔ مثلاً شادی کے موقع پر شادیانے یعنی بینڈ باجے نہ ہوں تو دلہا والوں اور دلہن والوں دونوں کی ناکیں کٹ جاتی ہیں۔ چوتھی کی رسم ادا نہ ہو تو دلہن والوں کی ناک کٹ جاتی ہے اور ولیمہ کی دعوت نہ ہوئی تو لڑکے والوں کی ناک کٹ جاتی ہے۔

ناک ہر جاندار کے جسم کا نہایت ہی اہم عضو ہے۔ حواس خمسہ میں ایک حس یعنی حس شامہ ناک سے تعلق رکھتی ہے۔ حس شامہ یا قوت شامہ سونگھنے کی قوت کو کہتے ہیں۔ چنانچہ انسان اور جانور سبھی ناک سے سونگھنے کا کام لیتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ناک سے جانور جتنا کام لیتے ہیں انسان اتنا کام نہیں لیتے۔ بلی کی قوت شامہ مشہور ہے۔ آپ گھر کے کسی حصے میں دودھ یا گوشت رکھ دیجئے، بلی دور دور سے سونگھتی ہوئی سیدھے اس مقام پر پہنچ جاتی ہے

جانوروں میں ناک کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بھینسا بدمست ہو جاتا ہے تو نہ صرف اس کی ناک چھید ڈالی جاتی ہے بلکہ اس کی ناک میں رسی ڈال کر اس کو کسی کھونٹے سے باندھ دیا جاتا ہے۔ ناک چھیدنے کی یہ ترکیب نہایت کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ ہماری رائے میں اگر اس ترکیب کو انسانوں پر بھی آزمایا جائے تو امید ہے کہ نہایت مفید اور کارآمد نتائج برآمد ہوں گے۔ مثال کے طور پر کوئی بچہ شرارت کرے تو اس کی ناک چھید کر اس کو کسی کھونٹے سے باندھ دیا جائے۔ پھر دیکھئے وہ فوراً راہ راست پر آجائے گا۔ سیاسی میدان میں بھی یہ نسخہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ مثلاً ملک کے حصہ میں جب ہڑتال ہوتی ہے اور پر تشدد کارروائیوں کا آغاز ہو جاتا ہے تو پولیس اشک آور گیس استعمال کرتی ہے جب اس سے کام نہیں چلتا تو فائرنگ کر دی جاتی ہے۔ ہم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ آنسو گیس اور فائرنگ کے بجائے ہڑتالیوں کو گرفتار کر کے فرداً فرداً ہر ایک کی ناک چھید ڈالی جائے اور اس میں رسی ڈال کر کھونٹے سے باندھ دیا جائے تو بہتر نتائج برآمد ہوں گے۔ بھینسے کی ناک میں رسی ڈالنے کی وجہ سے ہی غالباً "ناک میں رسی" کا محاورہ اردو زبان میں وجود میں آیا۔

انسانوں کے لئے ناک سونگھنے اور چھینکنے کے بھی کام آتی ہے۔ اگر چھینک از خود نہ آئے تو ناس کی ایک چٹکی چڑھا کر چھینک لیا جاتا ہے

جس طرح سگریٹ کا دھواں منہ کے اندر کھینچا جاتا ہے اسی طرح ناس بھی ناک کے ذریعہ سے جانے کتنی دور تک چڑھائی جاتی ہے۔ البتہ ناس لینے والوں کا کہنا ہے ناس سونگھنے سے دماغ میں روشنی آجاتی ہے اس سے ہم قیاساً کہہ سکتے ہیں کہ ناس کی رسائی دماغ تک ہوتی ہے سگریٹ کا دھواں منہ کے علاوہ ناک سے بھی چھوڑا جاتا ہے۔ لیکن ناس لینے کے بعد جو غلیظ مادہ ہوتا ہے اس کو صرف ناک سے خارج کیا جاتا ہے۔ منہ کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ علاوہ ازیں ناک سے نزلہ کا بھی کام لیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ نزلہ کے مرض میں لوگ ناک کے ذریعہ مبتلا ہوتے ہیں۔ ناک کو دیکھ کر ڈاکٹر کے علاوہ ہم جیسا نیم حکیم بھی صاف بتا دے سکتا ہے کہ آپ نزلہ میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگوں کی ناک ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ نزلہ کے مریض معلوم ہوتے ہیں۔

ناکوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ لیکن آداب مزاح میں انسانی اعضا کے عیب بیان کر کے ہنسنا ہنسانا ممنوع ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے۔ علم قیافہ کے ماہرین ناک کی ساخت پر سے ناک کے مالک کی فطرت بلکہ بعض صورتوں میں قسمت کا حال بھی بتلا دیتے ہیں۔ اب ہم ناک کے قصہ کو ختم کرتے ہیں ورنہ خود ہماری ناک خطرے میں پڑ جائیگی۔ کیونکہ مثل مشہور ہے کہ کٹنے کو دیکھ کر ناک کھجانا خطرے سے خالی نہیں۔ ...

میرا ایک یادگار سفر

مس عارفہ تبسم اللہ خاں

کہتے ہیں کہ قوت ارادی بڑی چیز ہے اور انسان جب کسی نیک کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے پورا فرماتا ہے۔ آئیے آج میں آپ سے اسی قوت ارادی کی بدولت حاصل شدہ دولت دین کا ذکر کروں یعنی میرا سفر حج جو میں نے اپنے محترم والدین کے ساتھ دسمبر [illegible] میں کیا اور خدا کے فضل اور آپ سب کی دعاؤں کی بدولت ۳۰ جنوری ۱۹۷۴ء کو اس مقدس فریضہ سے سبکدوش ہوئی۔

سفر مجھے بچپن ہی سے پسند ہے لیکن حج کی آرزو میرے دل میں اس وقت سے تھی جب حج کے معنی بھی میں نہیں جانتی تھی۔ ہر سال لوگ جاتے تو یہ تمنا تازہ ہو جاتی خدا کے فضل سے یکایک اسباب بن گئے اور ہم لوگ بے حد مختصر وقت میں اچانک چلے گئے لیکن جب بھی ذکر آتا ہے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ کل ہی کی بات ہے۔ مجھے اس کی ذرا ذرا سی جزئیات بھی اچھی طرح یاد ہیں۔ ہم لوگ مغل لائن کے جہاز ایم۔ وی۔ اکبر سے گئے تھے مدت قیام و سفر کل چار ماہ تھی۔ تقریباً ایک مہینہ تو سفر ہی میں گزر گیا آخری جہاز تھا اور حج کی تاریخ قریب تھی اس لئے رفتار تیز کر دی گئی تھی۔ عام طور پر گیارہ دن میں بحری جہاز بمبئی سے جدہ پہونچتے ہیں لیکن ساڑھے چھ دن کی قلیل مدت میں ہم لوگ جدہ پہونچ گئے۔ عموماً مسافرین کی صحت خراب رہی لیکن بفضل خدا میں بصحت تھی۔ ایک تو مجھے پانی سے ڈر نہیں لگتا اس کے علاوہ سمندر سے بے حد دلچسپی بھی ہے دوسرے میں تیراکی سے واقف ہوں۔ جانوروں میں چڑیوں کے علاوہ مچھلیاں مجھے بہت پسند ہیں۔ گھنٹوں سمندر کو دیکھا کرتی تھی۔ اس سفر سے مجھے بہت سے تجربات حاصل ہوئے اور سفر کے متعلق وہ باتیں بہت اچھی طرح خود بخود سمجھ میں آ گئیں جو سمجھانے سے نہ آتی تھیں میں نے ایک انگریزی مقالہ میں پڑھا تھا کہ بحری سفر سے نفسیاتی کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اپنے متعلق تو خود کیا اندازہ کر سکتی ہوں البتہ اس کا مشاہدہ میں نے دوسروں پر کیا۔ بہت سی سمندری معلومات بھی حاصل ہوئیں۔ بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں اور بحری سفر کا پہلا تجربہ حاصل ہوا۔ پورے جہاز میں میری ہم عمر کوئی لڑکی نہ تھی لیکن پھر بھی بڑے بوڑھوں کے ساتھ میرا وقت اچھا گزر گیا بحری سفر کا۔ بالکل پہلا موقع تھا اس سے ایک سال پہلے میں نے وشاکھا پٹنم میں پہلی بار بحری جہاز صرف اچھی طرح گھوم پھر کر دیکھا تھا جس کا نام "سنگاپور فار چیون" تھا۔ وہاں بہت سے بیرونی مسافروں سے ملاقات ہوئی تھی۔ کافی بڑا جہاز تھا لیکن ایم۔ وی۔ اکبر اس سے بڑا جہاز ہے بمبئی میں سفر حج کی تکمیل میں چھ دن لگ گئے جو میں نے بڑی بے چینی سے کاٹے بمبئی جیسے شہر میں میرا دل مطلق نہیں لگا۔ ہر وقت جانے کی دھن لگی رہتی تھی۔ واپسی میں بحری سفر میں گیارہ دن لگے کیونکہ ہمارا جہاز اکبر جنوبی افریقہ سے ہوتا ہوا آیا۔ وہاں ایک فرانسیسی مقبوضہ بندرگاہ تھی "جبوتی" وہاں ایک دن ایک رات ٹھہرے بہت خوبصورت جگہ تھی۔ مزدور سوٹ پہنے کام کر رہے تھے۔ مجھے اپنے وطن کے غریب مزدور یاد آ گئے بہت دن بعد زمین سبزہ پھول اور درخت نظر آئے۔

سفر میں مختلف قسم کے لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر ان کے رہن سہن، بول چال، لباس اور رسم و رواج کا اندازہ ہوا۔ جہاز میں تو صرف ہندوستان کے مختلف مقامات کے لوگ ملے، جدہ پہونچنے کے بعد وہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تو دنیا کے ہر مقام کے باشندوں کو دیکھنے کا موقع ملا، جو ایک ساتھ کسی اور موقع پر ممکن نہ تھا۔ کعبہ شریف، مسجد حرام اور مسجد نبوی کی بہترین طرز تعمیر اور شاندار عمارتیں دیکھنے کو ملیں۔ ان کی اہمیت قدامت اور تاریخ سمجھ میں آئی۔ آب و ہوا کا فرق دیکھا مذہب سے لوگوں کی دیوانہ وار وابستگی، والہانہ عشق نظر آیا۔ مسلمان ہر چیز کو ٹھکرا کر صرف خدا کی طرف کیسے متوجہ ہوتا ہے کیسے اس کا ہو جاتا ہے یہ میں نے صرف وہاں دیکھا ہندوستان اور عربستان کے مسلمانوں کا زمین و آسمان کا فرق نظر آیا۔ ہمارے تین اہم مذہبی وابستگی رکھنے والے شہر جدہ، مکہ اور مدینہ بہت اچھی طرح دیکھنے کو ملے۔ قدیم فلک بوس عمارتیں، دولت کی فراوانی، خوشحالی، سائنسی ترقی کی کرامات، جدید طرز تعمیر، عصری سہولتیں، ترقی یافتہ ممالک کے باشندوں کا رہن سہن حکومت کی طرف سے دی جانے والی آسانیاں اور عائد کردہ سختیاں غرض ہر چیز کی غرض وغایت اچھی طرح سے جاننے سمجھنے کا موقع ملا۔ اور اندازہ ہوا کہ واقعی سفر بے حد اچھی اور ضروری چیز ہے اور علم بغیر سفر کے ادھورا ہوتا ہے۔ تجربے ہی بصارت اور بصیرت میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں۔ ان دنوں میں نے اپنے دل میں اپنے وطن عزیز ہندوستان کا دوسرے ملکوں سے موازنہ کیا تو بہت سی اچھی باتیں بھی پائیں اور کئی باتوں میں کمی بھی پائی "ہندوستان ایک غریب ملک ہے" کا بے حد احساس ہوا۔ دوسرے لوگ کیوں ہم سے آگے ہیں اور ہمارے پیچھے ترقی کرنے کے اسباب وعلل کا اچھی طرح اندازہ ہوا۔ اسی لیے اختیاری چاہتا تھا

کہ اے کاش وہاں کی ساری اچھی باتیں ہمارے وطن میں آ جائیں اور یہاں کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں ہمارا ملک کسی طرح کسی سے پیچھے نہ رہے۔ دوسرے ملکوں کے بچوں سے کئی بار تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ ان کی صحت مندی، ذہانت اور عمر سے زیادہ عقل پر بہت حیرت ہوئی۔ ان کی صفائی، پابندی اوقات وعدہ کی سچائی اور سیکھنے اور جاننے کا شوق قابل تقلید باتیں ہیں۔ اسلامی تعلیم کی رو سے ہر شخص دانتوں کی صفائی کا بہت خیال رکھتا ہے جس پر صحت کا سارا دارو مدار ہے۔

جدہ بہت خوبصورت لیکن مختصر سا شہر ہے۔ یہاں بھی بعض اہم مذہبی یادگاریں ہیں جن میں بی بی حوا کی قبر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ مکہ معظمہ بے حد قدیم شہر ہونے کے علاوہ بہت بڑا بھی ہے خانہ کعبہ کا حامل اور سرکارؐ کا وطن مبارک ہے۔ وہاں میں اسلام کے ابتدائی دور کی مشکلات کا تصور کرتی رہی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بی بی سارا اور بی بی ہاجرہ کی بہت زیادہ یاد آتی رہی۔ خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد وہ حجر اسود کے بوسے سے بہت خوشی ہوئی۔ حجر اسود کی سیاہی، اُن کی گہرائی، اس پر کے سفید دھبے، ٹھنڈک، چکناہٹ اور خوشبو ایسی چیزیں ہیں جن کو میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ خانہ کعبہ کا شاندار غلاف، سونے کا پرنالہ میزاب رحمت، چاہ زمزم صفا و مروہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی اور بہت دیرینہ تمنائیں پوری ہوئیں۔ ہم لوگ فجر کے بعد حج کے لئے گھر سے نکل گئے تھے جب پہونچے تو سورج طلوع ہو چکا تھا شاہ فیصل ہمارے سامنے اپنے مصاحبوں اور سپاہیوں کے ساتھ آئے۔ ہم لوگ ٹھیک در کعبہ کے سامنے تھے۔ ہمارے سامنے ہی دروازہ کعبہ شاہ فیصل نے کعبہ کی صفائی کی مصاحبین ہیں حجاز کی

تعلیمات قیم ہو گئیں۔ جن کعبے سے طفیل کعبہ ہوتا ہے
کعبہ کا دروازہ کھلتے ہی تازہ گلاب کی زوردار مہک آئی
پھر شاہ فیصل نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ طواف
کیا اور ان کے جانے کے بعد سب خاص و عام طواف
کرنے لگے۔ کعبہ کے طواف کے سات چکر جو آسانی سے
آدھے گھنٹے کے اندر پورے ہو جاتے ہیں، ہجوم کثیر کے
باعث ہم مشتے مشتے بہت دور ہو گئے اور یہی طواف
کے سات چکر ساڑھے تین گھنٹے میں پورے ہوئے
ایک عجیب وارفتگی کا عالم تھا سوائے خدا کے اور کچھ
بھی یاد نہ رہا تھا۔ جب کعبہ شریف پر پہلی نظر پڑی تو اس
وقت کی کیفیت کچھ نہ پوچھئے خدا کی عظمت، اس کا
پورا جاہ و جلال لرزہ بر اندام کئے ہوئے تھا۔ ایسا معلوم
ہوتا تھا کہ اللہ میاں سامنے ہیں اور دیکھ رہے ہیں
اپنے اس خیال پر ہنسی آتی ہے حالانکہ خدا ہر جگہ موجود
ہے اور ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ لیکن وہاں نہ جانے کیا
بات تھی کہ سمجھائی نہیں جا سکتی۔

مدینہ شریف جانے کی سب سے زیادہ خوشی تھی
کعبہ میں تو اللہ میاں سے ڈر لگتا تھا لیکن روضۂ مبارک
پر خوشی سے آنسو آ گئے کہ ہم کتنی آرزوؤں اور دعاؤں
کے بعد کتنے مراحل طے کر کے حضورؐ کے پاس آسکے ہیں
جی چاہتا تھا کہ دوڑ کر جالی مبارک سے لپٹ جائیں
اور زندگی بھر چھوڑ کر نہ جائیں۔ سوائے ضروریات
زندگی کے باقی سارا وقت مسجد نبوی میں گزرتا تھا۔
یہاں آٹھ دن رہ کر چالیس نمازیں باجماعت پوری کرنا
تھا۔ دسویں دن واپس ہوئے۔ سب سے زیادہ قریب
مدینہ کا ماحول تھا۔ یہاں اردو جاننے والے بہت ہیں
تاجر بھی اردو بولتے ہیں زیادہ لوگ ہندوستان اور
پاکستان کے ملے۔ وہ سب عزیز ہیں ہیں جو ہجرت
کر کے ہمیشہ کے لیے چلے گئے ہیں ان سے کبھی زندگی
میں دوبارہ ملنے کی توقع نہ تھی۔ قوالیوں اور نعتوں
میں جن مدینہ کی گلیوں کا ذکر تھا ان کا تصور کرتی رہی۔

ابھی تک سڑکوں کی تہوں کے نیچے چھپے ہوئے ان ریت
کے ذرات کو دیکھتی رہی جو کبھی سرکار دو عالمؐ کے قدم
مبارک سے مس ہوئے ہوں گے۔ یہاں کی ساری
زیارت گاہیں دیکھیں۔ یہاں رباط میں باوجود آرام کے
ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا تھا یا تو مسجد نبوی میں رہوں یا
پھر مدینہ شریف میں گھومتی پھروں تاکہ کوئی حصہ بغیر دیکھے
نہ رہ جائے۔ باوجود شدت آب و ہوا کے کس قدر سکون
تھا کہہ نہیں سکتی۔ مدینہ کے حدود میں داخل ہوتے ہی
یکایک ہوا کی تبدیلی کا خوشگوار احساس ہوا بعد میں پوچھنے
پر معلوم ہوا کہ مدینہ آگیا ہے۔ سب سے پہلے گنبد خضرا
کے مینار پر نظر پڑی جو واپسی کے وقت بھی حد نظر تک
نظر آتے رہے۔

مدینہ کا بازار ٹوٹ رہا تھا اور مسجد نبوی کی توسیع
کا کام سرعت سے دن رات جاری تھا۔ مشینیں زیادہ
تھیں اور کام کرنے والے کم۔ مسجد نبوی کی صفائی، روشنی
دلکشی، شاندار طرز تعمیر اور سرکارؐ کی تربت دل کو خوشی سے
بھر دیتی تھی۔ اذان کہیں کی بھی ہو قابل احترام ہے لیکن
جو بات مسجد نبوی کی اذان میں تھی اس کا صرف احساس
ہو سکتا ہے۔ اظہار ناممکن ہے شاید اس کی وجہ یہ
احساس بھی ہو کہ سرکار کونین بھی سماعت فرما رہے ہیں۔

وہاں کے عوام کا احساس خودداری قابل تحسین
ہے۔ وہاں کوئی بھیک نہیں مانگتا۔ معذور بھی اپنی گزر
اوقات کے لیے چھوٹی موٹی چیزوں مثلاً تسبیح، مسواک
کبوتروں کا دانہ، سرمہ، عطر وغیرہ کی تجارت کر لیتے
ہیں۔ سڑکوں پر مویشی گھومتے ہوئے نظر نہیں آتے۔
جس سے سواریوں اور لوگوں کو آمد و رفت میں دقت نہیں
ہوتی۔ اور سڑکوں پر غلاظت بھی نہیں ہوتی۔ صفائی کا جدہ
اور مکہ مدینہ میں بے حد اچھا انتظام ہے دن میں کئی کئی بار
مسلسل صفائی ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی
سڑک پر ایک چاکلیٹ کا کاغذ نہیں پھینکتے۔ برابر ردی
دان میں ڈال آتے ہیں جو جگہ جگہ لگے رہتے ہیں۔ تجارت

صبح فجر کی نماز کے بعد سے شروع ہوجاتی ہے۔ دکانیں مکمل جاتی ہیں۔ دکاندار ناقص چیزیں نہیں بیچتے۔ اگر ہم انجانے میں بغیر دیکھے پسند کرلیں تو وہ خود دیکھ کر دکھ لیتے ہیں۔ اور ہمارے اصرار پر کر دہی چاہئے نقص دکھا دیتے ہیں اور قیمت کم کر کے لیتے۔ بحث وتکرار نہیں ہوتی۔ پیک کرتے وقت وہی چیز رکھی جاتی ہے جو ہم نے پسند کی تھی۔ وہ لوگ آزاد ہیں جتنی چاہیں قیمت لے سکتے ہیں۔ ایک ہی چیز ایک ہی بازار میں دو مختلف دکانوں پر مختلف داموں میں ملتی ہو۔ ہم اس کی مثال نہیں دے سکتے۔ حکومت کی جانب سے قیمتوں پر کنٹرول نہیں ہے۔ سرکاری افسر مقرر ہیں جو دکانوں میں کھانے پینے کی پیک کی ہوئی اشیاء کی نگرانی کرتے ہیں کہ کہیں مدت استعمال کے گزر جانے کے بعد تو نہیں فروخت کی جارہی ہے۔ اسی لئے ہر جمعرات کو تاجر اپنی دکانوں سے ڈھیروں مال باہر پھینک دیتے ہیں۔ چاہے وہ کتنی ہی اچھی حالت میں کیوں نہ ہو۔ چوری بالکل نہیں ہوتی چور کی سزا ہاتھ کاٹ ڈالنا ہے۔ دکاندار اذان کے ساتھ ہی دکان کو اسی حالت میں چھوڑ کر نماز باجماعت کے لئے چلے جاتے ہیں۔ سپاہی جن کو وہاں عسکری کہتے ہیں نگرانی کرتے ہیں اور کسی کو بے نماز رہنے نہیں دیتے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی نماز پابندی سے پڑھتے ہیں۔ ٹرافک کا سپاہی اور چوکیدار اپنی اپنی نماز وہیں پڑھ لیتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ ڈیوٹی کو نماز کی وجہ سے نہیں چھوڑتے نہ نماز کو ڈیوٹی کی وجہ سے چھوڑتے ہیں۔ جدہ اور مکہ مدینہ کے بازار اور دکانیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بے حد خوبصورت اور نئی نئی قیمتی چیزیں ملتی ہیں جو دنیا کے ہر ملک سے آتی ہیں۔ جدہ میں ایک تحفوں کی بڑی شاندار دکان ہے جس پر "ہدایا و تحائف" لکھا ہوا ہے یہاں ایک ریال سے لے کر ایک لاکھ ریال تک کے تحفے ملتے ہیں۔ سجاوٹ کا سامان بھی بے حد قیمتی نادر اور خوبصورت ملتا ہے۔ اسی طرح ہم لوگوں نے قالینوں کی ایک شاندار عالمی نمائش بھی جدہ میں دیکھی جہاں دنیا کے ہر ملک سے آئے ہوئے قالین رکھے تھے۔ (۲۰۳) ہزار ریال اور ایک لاکھ ریال تک کے قالین تو میں نے دیکھے ہیں۔

عربی زبان کے علاوہ عام طور پر ہر جگہ انگریزی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اردو تھوڑی تھوڑی مروج ہے لیکن ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کے گھروں میں اردو ہی زیادہ تر استعمال ہوتی ہے۔

سونا بہت عمدہ ملتا ہے۔ سچے موتیوں کی بہتات ہے۔ لیکن زیورات باہر کے ممالک سے بن کر آتے ہیں وہاں کے بنے ہوئے زیور بہت بھدے ہوتے ہیں اب کچھ خوبصورت بننے لگے ہیں۔ چاندی کے زیورات کی بہت قدر ہے دولت مند بجائے سونے کے چاندی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ جوہری اپنا کیش باکس اور کاونٹر بند کئے بغیر بے کھٹکے نماز کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بڑی بڑی دکانوں پر اکثر ایک یا دو چھوٹے لڑکے بیٹھے نظر آتے ہیں یا صرف ایک تاجر۔ سلف سروس ہے خود ہی جائیے اپنی پسند سے چیزیں نکال کر لائیے بل ادا کیجئے اور لے جائیے۔ پیکنگ بہت خوبصورت اور نئی نئی وضع کی ہوتی ہے۔ سب سے خوبصورت دکانیں برتنوں اور کپڑوں کی ہیں۔ کپڑے پھر بھی اپنے ذوق کے مطابق رنگوں کے چنے جاسکتے ہیں لیکن برتن تو سب کے سب خرید لئے جانے کے قابل ہیں۔ وہ سارے برتن جو کبھی ہمارے بڑوں کے بچپن میں ملتے تھے وہیں دیکھنے میں آئے۔ سونے چاندی کے برتن بہت قیمتی اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ کھلونے بے حد اچھے اور حقیقی اشیاء سے قریب قریب ملتے ہوئے ملتے ہیں۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کے لئے دکانیں مال سے اس قدر بھر جاتی ہیں کہ رکھنے کو جگہ نہیں ملتی جدہ میں پکنک اسپاٹ بہت کم ہیں۔ لیکن

بمبئی میں ہر وقت سیاحوں سے بھرے رہتے ہیں۔
عام طور پر ساحل سمندر پر ہی تفریح کی جاتی ہے۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس میں بہت بڑے بڑے جانور ہیں بچوں کے لئے "لونا پارک" ہے جو بہت عمدہ اور بڑا ہے۔ سب ہی منفرد طرز کی چیزیں ہیں۔ بچوں کو یہاں بڑی آزادی ہے اسی لئے یہاں کے بچے جری، بے خوف دلیر اور نڈر ہوتے ہیں۔ والدین صرف ہدایات دیتے ہیں ان پر پابندیاں عائد نہیں کی جاتیں۔ البتہ شریر بچوں کو کار پارک کرکے کار میں لاک کرکے دکانوں میں جاتے ہیں ساتھ نہیں لے جاتے۔

گھر بے حد صاف ستھرے اور شاندار ہیں۔ متوسط طبقہ کا فقدان ہے بے حد دولت مند یا پھر غریب ملتے ہیں۔ غریبوں کی تعداد زیادہ نہیں۔ وہ بھی صاف ستھرے رہتے ہیں جوتے پہنتے ہیں اور نماز کے پابند ہیں۔ وہاں ہر شخص کے پاس اسی طرح کار ہوتی ہے جیسے یہاں سائیکل۔ نئی قیمتی موٹر سائیکلیں صرف جہل سیوں کے پاس نظر آتی ہیں

مغربی ممالک کی طرح یہاں بھی نوکر نہیں ملتے۔ لوگ اپنا کام خود کر لیتے ہیں۔ خانہ داری کے کاموں میں بہت سہولت ہے۔ ایک عورت گھر کا سارا کام آسانی سے اکیلی خود کر لیتی ہے۔ تقریباً ہر کام مشینوں سے ہوتا ہے نئی نئی آسانیاں دینے والی چیزیں ملتی ہیں جن سے کام کاج میں بہت مدد ملتی ہے اور کام جلد ہو جاتا ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں بہت صاف ستھری اور اصلی یعنی بغیر ملاوٹ کے ملتی ہیں ایسے ایسے ٹن اور پیکٹ ملتے ہیں جن سے کھانا تیار کرنے میں بہت آسانی ہوتی ہے اور وقت کم لگنے کے علاوہ مزیدار کھانا بنتا ہے۔

لوگ بیکار نہیں رہتے۔ دولت مند ضعیف عورتیں بھی وقت گزاری کے لئے قالین بناتی یا ٹوپیاں بنتی ہیں۔ مرد سے آدھے دن کے ہوتے ہیں۔ ذریعہ تعلیم عام طور پر عربی ہے لیکن انگریزی، اردو اور ہندی ذریعہ تعلیم کے مدارس بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ بے حد مصروف زندگی ہے۔ وہاں کوئی شخص مالی مشکلات سے پریشان نظر نہیں آتا۔

یہ وہ یادگار سفر ہے جسے میں شاید اپنی آخری سانس تک نہ بھول سکوں گی اور ہر ایک کو اس سفر کے نصیب ہونے کی دعا کروں گی۔

بشکریہ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد

مامون

رضیہ بٹ

اپنے تین سالہ بچے کی انگلی پکڑے وہ بس اسٹاپ پر کھڑی اسلام پورہ جانے والی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ سلے ہوئے کپڑوں کی گٹھری اس نے بس اسٹاپ کے پتھریلے بنچ پر ایک طرف کو رکھی ہوئی تھی۔

دو تین عورتیں اور مرد جو اس کے ساتھ ہی کھڑے تھے ابھی ابھی آگے پیچھے آنیوالی دونوں بسوں میں بھاگ دوڑ کر سوار ہوگئے تھے۔ وہ بھی لپکی تھی لیکن گٹھڑی اٹھانے اور بچے کو گھسیٹ کر سڑک تک لانے میں بسیں نکل گئی تھیں۔ دونوں بار اس نے جدوجہد کی تھی لیکن ناکام ہو کر لوٹ آئی تھی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔ اب وہ یہاں اکیلی کھڑی تھی۔ یہ شہر کا نسبتاً ویران حصہ تھا جہاں یہ چھوٹا سا بس اسٹاپ تھا۔ جس پر ارد گرد کی کچی بستیوں میں رہنے والے غریب اور مفلوک الحال لوگ ہی آیا کرتے تھے

اسے اس وقت پریشانی تنہائی کی نہ تھی۔ نہ ہی اسے سنسان سڑک سے خوف آرہا تھا۔ خائف تو وہ وقت کے احساس سے تھی۔ اسلام پورہ جانا اور پھر شام سے پہلے واپس آنا تھا وہ کئی بار سڑک پر آکر متوقع طرف دیکھ چکی تھی۔ لیکن ہر بار دو تین ٹیکسیاں ایک آدھ موٹر اور چھکڑا نما تانگے آئے تھے اور گزر رہے تھے۔

بس تھی کہ آنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ جھنجھلاہٹ اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ اسے تلخی حالات کی کڑواہٹ حلق میں اترتی شدت سے محسوس ہو رہی تھی کاش اس کا شوہر اسے یوں کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے آنکھیں نہ موند لیتا۔ زندگی تیرہ و تاریک تو جب بھی تھی لیکن پھر بھی گراں ذمہ داریوں کا بوجھ تو دونوں میں بٹا ہوا تھا۔ اب تو اس کے ناتواں کندھوں پر بوڑھی بیمار اور کراہتی ساس کا بوجھ تھا۔ اس معصوم بچے کی پرورش کی ذمہ داری تھی۔ مشین بھی نہ ہوتی تو دن گزارنا مشکل تھا

اسلام پورہ میں چند مخیر لوگوں کے ہاں اس کا آنا جانا تھا۔ جن کے کپڑے سی کر وہ گزر اوقات کر رہی تھی۔ اسی سلائی پر اس کے صبح و شام بیت رہے تھے۔ وہ بھی دن رات تندہی سے اس کام میں جٹی تھی۔ آبرو سے دن گزر رہے تھے۔ اس کی جوانی مشین کی گھر گھر میں بیتی جا رہی تھی۔ اسے یہ احساس ہی نہ رہا تھا کہ وہ گوشت پوست کی بنی عورت ہے جس میں قیامت خیز جوانی ڈھلی ہوئی ہے۔ اس کا وقت تو ساس کی کھوں کھوں سنتے یا بچے کی معصوم اور شگفتہ باتیں سنتے بیت رہا تھا۔ اب کی زندگی کا سہارا یہی معصوم بچہ تھا۔ یہی روشنی تھی جو تاریک راہوں کو جگمگائے تھی۔

یہ بچہ بھی نہ ہوتا تو زندگی اتنا بڑا عذاب ہوتی کہ اس سے نباہ کر لینا ممکن ہی نہ ہوتا۔

وقت گزرتا رہا۔ اور بس آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ کھڑے کھڑے اسکی ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ پتھریلے بنچ خالی تو تھے، لیکن ان پر بیٹھنے کو اس کا جی مطلقاً نہ چاہ رہا تھا۔ ایک بنچ پر کسی نے قے کی ہوئی تھی جس پر مکھیاں ٹوٹ پڑی تھیں دوسرے پر بھی کھائے ہوئے پھلوں کے چھلکے، سگریٹوں کے ادھ جلے ٹکڑے اور تڑے مڑے کاغذ پڑے تھے۔ ذرا سی جگہ صاف تھی۔ جہاں اس نے سلے ہوئے کپڑوں کی گٹھری ٹکا رکھی تھی

یہ گٹھری اسے آج ہی پہنچانا تھی۔

دو ٹیکسیاں اور ایک کالی موٹر آگے پیچھے گزریں۔ اس نے حسرت بھری نگاہ ان پر ڈالی۔ ایک ٹیکسی تو خالی بھی تھی۔ مگر ٹیکسی

ذرا فاصلے پر اسے منزل دیکھ کر رفتار دھیمی ہو گئی تھی۔ لیکن ٹیکسی کے لئے اس کے پاس پیسے کہاں تھے۔ اس کے پلو میں تو آخری چونی بندھی تھی جو اس نے ٹکٹ خریدنے کو احتیاطاً سے رکھی ہوئی تھی کاش اسکے پاس ٹیکسی کے لئے دو روپے ہوتے۔ اس کے ذہن میں یہ خواہش جاگی لیکن دوسرے لمحے اس کے سوکھے ہونٹوں پر زہر آلود تبسم کھل گیا۔ ٹیکسی میں جانے کی استطاعت ہوتی تو اس محنت مزدوری کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس نے تلخی سے سوچتے ہوئے تھوک نگلا اور اس کے ذہن میں اس کا غیر آسودہ ماضی اور غیر یقینی حال گھوم گیا۔ مستقبل کے بارے میں تو اسے سوچنے کی فرصت ہی نہ تھی۔ اتنی تلخیاں گھلی ہوئی ہوئی تھیں ان ایام میں کہ کسی اچھے دن کا تصور بھی ذہن میں نہیں آیا تھا۔

ایک گہری آہ بھرتے ہوئے اس نے گٹھری اٹھائی۔ بچے کی انگلی پکڑی اور آہستہ آہستہ چلتی سڑک کے اوپر آ گئی۔ دو فرلانگ کا راستہ چل کر پچھلے بس اسٹاپ پر پہنچا تو معطل نظر آیا لیکن تھوڑے سے آگے بڑا اسٹاپ تھا۔ وہاں سے بس ملنے کی توقع غالب تھی سڑک کی ویرانی اور بس اسٹاپ کا سناٹا اسے اب ڈسنے لگا تھا

وہی کالی موٹر جو کچھ دیر پہلے مخالف سمت کو گئی تھی، اب پھر زن سے اس کے قریب سے گزر گئی اس نے حسرت بھری نظروں سے اس موٹر کو دیکھا۔ لوگوں کے لئے زندگی کتنی سہل کتنی آسودہ اور کتنی دلفریب تھی۔

سرمئی سڑک کے کنارے لگے اونچے اونچے درختوں کے سائے تلے وہ تھکے تھکے بوجھل بوجھل قدم اٹھاتی چلی جا رہی تھی بچہ ماں کو ساتھ دیتے دیتے تھک گیا تھا وہ منہ بسور رہا تھا۔ کبھی بھوک کا بہانہ بنا رہا تھا، کبھی پیاس کا، وہ جھوٹے بہلاوے دے دے کر اسے قدم اٹھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

جھوٹی تسلیوں اور خوش کن بہلاوؤں کے سہارے بچہ بمشکل چند قدم اور چل سکا۔ پھر اس کی ہمت شاید جواب دے گئی آنکھوں میں نیند اتر رہی تھی اس نے ماں کا پلو پکڑ کر لجاجت سے اسے دیکھا۔

"مجھے اٹھا لو۔"

اس نے بچے کو پچکارا، "دیکھو اتنی بڑی گٹھری میں نے اٹھا رکھی ہے۔ بیس روپے ملیں گے۔ پھر میں تمہارے لئے خوبصورت کھلونے لاؤں گی۔ دادی اماں کے لئے دوائی لوں گی۔ رات کو کھانا پکاؤں گی۔ اور اپنے منے کو کھلاؤں گی۔

لیکن بچہ بگڑ کر رونے لگا مجبور ہو کر اسے اٹھانا پڑا۔ اسے کندھے سے لگایا اور دوسرے ہاتھ میں بوجھل گٹھری تھامے ہوئے اس نے آسمان کی طرف حسرت سے دیکھا لیکن حسرت پریشانی بن گئی شمال کی جانب سے آسمان مٹیالا ہو رہا تھا۔ خوفناک آندھی اٹھ رہی تھی۔ دور سرمئی سڑک پر بگولے سے بھی ناچ رہے تھے۔ طوفان گرد و باد کی آمد پر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ کاش وہ بس اسٹاپ پر ہی کھڑی رہتی۔ کچھ تو پناہ ملتی۔

فضا کی گھٹن اور اونچے لانبے درختوں کا سکوت بتا رہا تھا کہ طوفان امنڈ رہا ہے سوئے ہوئے بچے کو کندھے سے لگا کر اور ہاتھ میں گٹھری لٹکا کر چلنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ بھاگ کر بھاگ بھی جاتی تو طوفان جھکڑ اسے راستے میں آ لیتے۔ بے بسی سے وہ کھڑی ہو کر درختوں کے درمیان تا حال سے لیٹی سرمئی سڑک کو دیکھنے لگی۔ کوئی تانگہ کوئی گاڑی، کوئی انسان آتا دکھائی نہیں دیا۔

پیچھے سے آنے والی گاڑی کی آواز پر پلٹ کر اس نے دیکھا۔ وہی کالی گاڑی غالباً تیسری بار اسے نظر آئی۔ اس نے دل میں اسے ہاتھ دے کر روکنے کا سوچا۔ کم از کم یہ گاڑی اسے بس اسٹاپ تک تو پہنچا سکتی تھی۔ لیکن جرات و ہمت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ ہاتھ بڑھا کر گاڑی کو رکنے کا اشارہ نہ کر سکی۔ اور گاڑی قریب سے گزر گئی۔ لیکن گاڑی میں بیٹھے مرد نے شاید اس کے چہرے پر جلتے بجھتے تاثرات دیکھ لئے تھے۔ ذرا آگے جا کر گاڑی ایک چرچراہٹ سے رک گئی۔ ایک نوجوان مرد نے کھڑکی سے سر نکال کر اسے دیکھا اور پھر گاڑی موڑے بغیر اسے پیچھے دھکیل لایا۔ اس کے قریب آ کر رکتے ہوئے اس نے اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی۔

"تمھیں کہاں جانا ہے۔" اس نے شرافت سے پوچھا۔

وہ پہلے تو گھبرا گئی پھر جھجکی لیکن جب اس مرد نے شائستگی سے پوچھا۔

"کہاں جانا ہے؟ میں تمھیں پہنچا دوں گا۔ غالباً تم گھنٹہ بھر سے بس اسٹاپ پر کھڑی ہو۔"

"جی" اس کی گھبراہٹ بے بسی میں ڈھل گئی۔ "بس نہیں آ رہی اور اب یہ طوفان۔"

مرد نے گاڑی کا پچھلا دروازہ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے مڑ کر کھولا "میں تمھیں پہنچا دیتا ہوں، کہاں جانا ہے۔؟"

"اسلام پورے"

"میں ابھی ادھر ہی جا رہا ہوں۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔"

وہ تذبذب کے عالم میں کھڑی کبھی گاڑی کو دیکھتی رہی کبھی سرمئی سڑک کو جہاں سے بس آنے کی توقع تھی۔

"جانا ہے تو بیٹھ جاؤ۔ ورنہ میں چلا۔ بس شاید گھنٹہ بھر اور نہ آئے۔ آندھی طوفان امنڈ رہے ہیں" مرد نے لاپرواہی سے کہا۔ اور گاڑی کے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھ دئے جیسے "اب" وہ جا رہا تھا۔

آندھی کا ایک چیختا ہوا ریلا آیا۔ دھول فضا میں غبار بن کر پھیل گئی۔ درخت چیخنے لگے۔ سڑک کے کنارے پر ریت اور مٹی مل کر اکھاڑنے لگی۔ وہ ایکا ایکی گاڑی کی طرف لپکی۔ اور گٹھری اندر سیٹ پر پھینکتے ہوئے خود بھی پچھلی سیٹ گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس کا دل کانپ رہا تھا۔ بدن لرز رہا چہرے پر خوف و ہراس کی پرچھائیاں تھیں لیکن مرد کے شریفانہ انداز تخاطب اور شائستگی کے بھروسے وہ گاڑی میں جا بیٹھی تھی۔ بچے کو اس نے سیٹ پر لٹا دیا۔ اور اپنے تھکے ہوئے کندھے کو دوسرے ہاتھ سے سہلانے لگی۔

مرد نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کیا اور گاڑی چلا دی۔

طوفان گرد و بارہ امنڈ پڑا تھا۔ خوفناک آندھی پھیل چکی تھی۔ آسمان سنولا گیا تھا۔ اور مٹی کا غبار اتنا گہرا ہو گیا کہ مرد کو موٹر چلانا مشکل ہو گیا۔ انتہائی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اس نے رفتار دھیمی کر دی تھی۔

"بڑا خوفناک طوفان ہے" مرد نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

وہ سہمی سہمی بیٹھی رہی۔ اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکی۔ مرد کی نگاہ اچانک موٹر کے آئینے پر پڑی۔ پچھلی سیٹ پر ہراساں بیٹھی وہ آئینے میں صاف طور پر نظر آ رہی تھی۔ اس کا ململ کا دوپٹہ اس کے وجود سے چپکا ہوا تھا اور جسم کے نشیب و فراز دوپٹے کے چپکنے سے کچھ نمایاں کچھ چھپے ہوئے تھے۔

مرد کی نگاہ ان نشیبوں ان فرازوں میں الجھ گئی۔ ایک لمحے کو اسے موٹر چلانا جیسے بھول گیا۔ ایک دم پلٹ کر اس نے اس پر نگاہ ڈالی۔ گاڑی کے چلنے سے اس کا جسم دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔ یہ لرزش کتنی جذبات انگیز تھی۔ مرد نے اپنے سارے جسم میں سرور کی لہریں سی اٹھتی محسوس کیں۔

اس نے پھر آئینے پر نگاہ ڈالی اور چپکے چپکے لرزش کے جذبات انگیز عکس کو چرانے لگا۔ ایک جوان عورت کے قرب کا تلذذ وہ اپنے ذہن سے جدا نہ کر سکا۔ ایک ابلیسانہ خیال اس کے جسم کے اندر انگڑائیاں لینے لگا۔ اس لمحے وہ یکسر بدل گیا

طوفان خوفناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ اور اس سے بھیانک طوفان اس کے اندر جاگ اٹھا تھا۔ دھیمی رفتار سے چلتی موٹر کے آئینے پر اس نے پھر نگاہ ڈالی۔ اس میں ایک عورت کا وجود لہرا رہا تھا یہ وجود نشہ بن کر اس کے حواس پر چھا گیا۔ ایک جوان عورت اس کے قبضے میں تھی۔

عورت۔

جو صرف عورت تھی

جس کا نام کوئی نہ تھا۔ کوئی عمر نہ تھی۔ کوئی شکل کوئی صورت نہ تھی۔ وہ عورت تھی۔ جوان بھرے بھرے گدرائے گدرائے جسم کا نام عورت تھا۔ یہ جسم بھوک مٹا سکتا تھا پیاس بجھا سکتا تھا۔ تلذذ کی گھڑیاں فراہم کر سکتا تھا عیش کے لمحے بخش سکتا تھا۔ وہ اس آزمائش سے چند لمحے نبرد آزما بھی ہوا۔ سر کو جھٹک کر اس ابلیسانہ ارادے کی مذمت بھی کی۔ نگاہیں آئینے سے ہٹائیں بھی۔ لیکن اس کے اندر کا وحشی مرد جاگ اٹھا تھا۔ اس وحشی مرد کو سلا دینا اس کے بس کی بات نہ رہی تھی۔

اس نے گاڑی سڑک سے اتار کر کچے راستے پر موڑ لی۔

"اسلام پورہ کو سیدھی سڑک جاتی ہے؟" شرافت کے گئے ... جھٹکا سا لگا۔ وہ عورت سمٹ کر قدرے آگے کو جھک کر بیٹھ گئی۔

"طوفان میں کچھ نظر نہیں آ رہا۔ مجھے ایکسیڈنٹ تو نہیں کرنا" مرد نے سرخ ... آنکھوں سے اسے گردن موڑ کر گھورا۔

"مجھے ... اتار دو" اس نے ہکلاتی آواز میں کہا۔

"میں تمہیں اپنے گھر لئے چلتا ہوں۔ طوفان جونہی تھما تمہیں پہنچا دوں گا" اس نے قدرے ملائمت سے کہا۔

گھر! عورت نے دھڑکتے دل سے سوچا لیکن گھر کے ساتھ پناہ، تحفظ اور بھرے پرے کنبے کا احساس ابھر آیا۔ مرد کی شرافت اور شائستگی کے سہارے اس نے اس احساس کو قبول کر لیا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ اور گاڑی طوفان کی تیزی سے کئی ٹیڑھے میڑھے راستوں کو کاٹتی، چیختے چنگھاڑتے درختوں تلے ہوتی، آندھیوں کی طرف داریوں سے بچتی پکی سڑک پر آ گئی۔ اور پھر چند منٹ سیدھے سیدھے راستے کو طے کرنے کے بعد ایک پھاٹک میں داخل ہو گئی۔

درمیانی قسم کی کوٹھی کا بیرونی چمن کچھ لٹا پٹا سا تھا۔ آندھی اور طوفان سے درخت جھک جھک کر سجدہ ریز تھے۔ پودے جڑوں سے اکھڑ رہے تھے۔ اور بجلی کے تار کسی جگہ سے ٹوٹ کر لٹک رہے تھے۔

پچھلا دروازہ کھول کر اس نے اسے باہر آنے کو کہا۔

وہ غیر یقینی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی "میں یہیں ٹھیک ہوں؟"

"ایسے طوفان میں یہاں بیٹھنا خطرے سے خالی نہیں۔ بجلی کے تار ٹوٹ رہے ہیں کوئی گاڑی پر آ گرا، تو جل جاؤ گی۔ اندر چلی آؤ۔ میری بیوی بچے نوکر چاکر سبھی یہاں ہیں۔" اس نے اس خطرے کو ناپ لیا تھا جس کی پرچھائیاں عورت کے ذہن میں رینگ رہی تھیں۔

بیوی، بچے، نوکر چاکر، اس نے دل ہی دل میں یہ الفاظ دہرائے ... کی موجودگی میں کسی خطرے کے امکان کا سوال تو نہ تھا اور جب دوسرے اور تیسری بار آندھی اور طوفان کی زد میں آ کر وہ ڈرتے ڈرتے نرم گدیلی سیٹ سے اتر نے لگی تو وہ بچے کو کندھے سے لگائے گٹھڑی ہاتھ میں پکڑے گاڑی سے باہر آ گئی۔ آندھی کے تھپیڑے جاں ستانہ حرکات پر اتر رہے تھے۔ دھول مٹی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ دانتوں تلے کرچ کرچ کر رہی تھی۔ بمشکل قدم اٹھاتی وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کمرے میں آ گئی جس کا دروازہ اس نے، اس کے اندر آتے ہی بند کر دیا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ بچے کو لٹا دو، طوفان تھمنے کا یہیں بیٹھ کر انتظار کرو، میں اپنی بیوی کو بلاتا ہوں۔"

اس نے اعتماد اور شرافت سے کہا۔ وہ دل کی بے کلی دھڑکنوں پر خوف کے سائے لئے سہم کر بیٹھ گئی۔ بچے کو اس نے قریب ہی تخت پر لٹا دیا۔

باہر طوفان چنگھاڑ رہا تھا۔ بند کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشوں سے سر پھوڑ رہا تھا عجیب عجیب سی ڈراؤنی آوازوں کا شور ہر لحظہ بڑھ رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہزاروں بھوت پریت نوحہ خوانی، سینہ کوبی کرتے ہوئے گزر رہے ہیں دہشت سے اس کا دل دہلا جا رہا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ پھر کمرے میں آ گیا۔ اس کے ساتھ اس کی بیوی تھی نہ کوئی بچہ وہ اکیلا ہی تھا۔ یکسر بدلا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت و درندگی ناچ رہی تھی اس کے ہونٹوں پر بڑی ہی مکروہ مسکراہٹ تھی۔

عورت آنکھیں پھاڑے اس کے بدلے تیور دیکھنے لگی وہ اس کے قریب آ بیٹھا اور بڑی بے تکلفی سے اس کی کلائی تھام لی۔

وہ حواس باختہ سی ہو گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ اس کا گلا خشک ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ آن کی حفاظت کے لئے شیرنی کی طرح غرائی۔

مرد نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔ بلکہ خباثت کچھ اور بڑھ گئی۔ وہ اسے مزاحمت کے باوجود گھسیٹتا ہوا دوسرے کمرے میں لے آیا۔ اور دھکا دے کر بستر پر گراتے ہوئے قہقہہ لگایا۔

"جتنا جی چاہے شور مچا لو۔ یہاں تمہاری سننے والا کوئی نہیں"

وہ چیختے چیختے ہانپ گئی اس کے آہنی چنگل سے اپنے

مقدس وجود کو بچانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ وہ گڑگڑائی۔ ہاتھ باندھے، اپنی بیوگی کا واسطہ دیا۔ اپنی غربت کا۔ دامن پھیلایا منت سماجت کی۔ لیکن وہ اس وقت اندھا، گونگا اور بہرہ ہو چکا تھا۔ اسے تو صرف یہی احساس تھا کہ اسکے ہاتھوں میں ایک ایسا گدرایا ہوا جوان جسم ہے جو بھوک مٹا سکتا ہے۔ پیاس بجھا سکتا ہے۔ وحشی درندے کی طرح اسے بازوؤں کے شکنجے میں لئے وہ اس پر جھکا اپنے مکروہ ہونٹوں سے اس کی بے داغ بیوگی کو داغدار کرنے پر تُلا رہا تھا۔ وہ سر ادھر ادھر پٹختے ہوئے چیخ رہی تھی۔

"ماموں" ایک چیخ سنا آواز گونجی۔

مرد نے ایکدم پلٹ کر دیکھا۔ وہ تین سالہ معصوم بچہ دروازے سے اندر آتے ہوئے چیخ رہا تھا۔

اور دوسرے لمحے وہ بچہ آ کر مرد کی ٹانگوں سے چمٹ گیا۔ "ماموں، امی کو نہ مارو ماموں۔ سب امی کو مارتے ہیں، تم تو نہ مارو، ماموں"

خدا جانے ان الفاظ میں کیا درد تھا۔ کیا گہرائی تھی۔ کیا جادو تھا مرد جیسے سکتے میں آ گیا۔ بچہ چیخے جا رہا تھا۔ اور مرد کے ہاتھوں کی گرفت ڈھیلی پڑتی جا رہی تھی گناہ کا احساس ڈس گیا تھا۔ انسانیت جاگ اٹھی تھی اور ماموں کا اک تواتر سے روح پر تازیانے برسا رہا تھا۔

اور جب اسکے چنگل سے رہائی پا کر وہ ننگے سر بچے کو اٹھا کر باہر جانے کو بھاگی تو وہ روح کے کچوکوں سے ادھ مرا سا ہو رہا تھا۔ سرتاپا پسینے میں ڈوبا۔ نادم و خجل وہ مٹی کے ڈھیر کی طرح پڑا تھا۔ بستر پر عورت کا ململ کا ڈوپٹہ پڑا تھا۔ اور وہ باہر نکلنے کو دوسرے کمرے کے دروازے کی چٹخنی کھول رہی تھی۔

اس نے جلدی سے ڈوپٹہ اٹھایا۔ عقیدت و احترام سے اس کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے۔ اسے یوں لگا، جیسے اس نے خود اپنی حقیقی بہن کی بے حرمتی کی ہے۔ احساس گناہ سے وہ نیم مردہ سا ہو گیا۔

ڈوپٹہ لئے وہ دوسرے کمرے میں آیا۔ دروازہ کھولتی عورت کے سر پر دوپٹہ ڈالتے ہوئے وہ اس کے قدموں میں جھک گیا "مجھے معاف کر دو بہن، مجھے معاف کر دو"

عورت ششدر سی اسے دیکھنے لگی۔ وہ اب چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپائے سسک رہا تھا۔ گڑگڑا کر معافی مانگ رہا تھا۔ وہ حیران تھی۔ اسے کیا ہوا ہے۔ اتنی وحشیانہ درندگی سے اس پر جھپٹنے والا شخص اتنی لجاجت سے سسکتے ہوئے اس سے معافی کا طلب گار تھا۔ سر جھکائے۔ اور شرمساری سے آنکھیں نیچی کئے وہ اٹھا۔ اور اس کے ہاتھوں سے بچے کو لیتے ہوئے بولا۔

تم واقعی فرشتہ ہو۔ میرے بچے، تم نے آج مجھے بہت بڑے گناہ سے بچا لیا۔ میں تمھارا احسان مند ہوں بیٹا۔ ایک بار پھر مجھے ماموں کہہ دو"

بچے نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر فردوسی پاکیزگی سے کہا۔

"ماموں"

اس نے بچے کو لپٹا لیا۔ دوسرے لمحے وہ دروازے سے باہر تھا۔ "آؤ بہن میں تمھیں اسلام پور پہنچا آؤں"

وہ ایک بہن کے مقدس وقار کے ساتھ اس کے پیچھے باہر آ گئی۔

باہر۔

طوفان گرد و باد ختم ہو چکا تھا۔ کالے کالے بادل امنڈ رہے تھے۔ ہواؤں میں مہک تھی۔ اور ہلکی ہلکی بوندوں کی مترنم ..... گنگناہٹ کسی فردوسی نغمے کی طرح لگ رہی تھی۔

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع ہو سکتی ہے جو ولادت، شادی یا انتقال سے متعلق ہو۔ خبر کم سے کم الفاظ میں صاف صاف تحریر کیجائے اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ و نمبر خریداری کے ساتھ اس طرح روانہ کی جائے کہ ۲۰ تاریخ تک دفتر پہونچ جائے ورنہ ایک ماہ تاخیر سے شائع ہوگی۔ طباعت میں کسی غلطی کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی البتہ شکایت آنے پر اس کی صحت کا اعلان کردیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

ولادت اطفال کی خبریں

- فیروزی قسیم (لکھنؤ) میرے عزیز دیور صغیر اشرفی عرف منے میاں احسان کی شریک حیات نسرین سلمہا کے گلشن حیات میں پہلی بار بہار آئی۔ ۹ر جون ۸۴ء بروز جمعہ بوقت پونے پانچ بجے شام اللہ پاک نے ایک چاند سا فرزند عطا فرمایا۔ ــــ نام زین العابدین اور پیار کا نام زینی قرار پایا۔ اللہ پاک نومولود کو عمر طویل بخشے اور فخر خاندان و ملت بنائے۔
- مس طیب النساء (کشگل)، میری پیاری بہن نجمہ حافظ .... (خریدار حریم) اور بہنوئی سید حافظ صاحب (مارکٹ سپروائزر ڈیکورا) کے گلشن حیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بار بتاریخ ۷ مئی ۸۴ء بروز اتوار بوقت ۴ بجے سہ پہر ایک ننھی سی گڑیا عطا فرمائی۔ نام سیدہ فاطمہ اور پیار کا نام شمسی قرار پایا۔ دعا ہے نومولود عمر خضر پائے اور اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔
- مہ جبیں رضا (دیگو سرائے) میری بڑی بہن بشیرہ نسرین رضا صاحبہ زوجہ ڈاکٹر سید مسعود رضا صاحب کے گلشن حیات میں بمقام ..... یکم جولائی ۸۴ء کو اللہ پاک نے دوسرا فرزند عطا فرمایا۔ تمام حریمی بہنوں سے استدعا ہے کہ اس کی درازئ عمر و اقبال کے لئے دعا فرمائیں۔
- انجم پروین (کانپور) میرے بڑے بھائی محمد قسیم جاوید اور بھابی شرف مظفر کے گلشن حیات کو پربہار بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ۲۳ر جون ۸۴ء بروز جمعہ بوقت ایک بجے شب ایک پھول کھلایا۔ نام عامر قسیم عرف سرور جاوید قرار پایا۔ خدا سے دعا ہے کہ نومولود اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور عمر خضر پائے۔
- بیگم ڈاکٹر اکرام صاحب مرحوم (تنجاور) تحریر فرماتی ہیں میرے فرزند عارف ضیاء الدین سلمہ کو اللہ پاک نے ۹ر اپریل ۸۴ء بروز اتوار ایک فرزند عطا فرمایا، نام پرویز اکرام قرار پایا۔ اللہ پاک اسے عمر طویل عطا فرمائے اور اپنے دادا کا نام روشن کرنے والا بنائے۔
- قمر میاں (کانپور) میرے بھائی حاجی ظفر اللہ عراقی اور بھابی یاسمین ظفر کے گلشن حیات میں اللہ تعالیٰ نے ۲۷ر جون ۸۴ء بروز منگل بوقت ۱۱ بجے دن، ایک حسین پھول کھلایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ عمر دراز پائے اور فخر خاندان بنے۔

پیغامات نشاط

- صابرہ عثمان (بنگلور) میری چچا زاد بہن قمر النساء کا نکاح یوسف خاں کے ساتھ ۱۳ر اپریل ۸۴ء بمقام شادی محل بنگلور بحسن و خوبی انجام پایا۔ حریمی بہنوں سے التماس ہے کہ دعا کریں کہ رب العالمین اس جوڑی کو شاد و آباد رکھے اور دین و دنیا دونوں میں سرفراز کرے۔
- نگار سلطانہ جلیلی (آمبور) میری پیاری باجی زبیدہ یاسمین بی۔ ایس۔ سی۔ بی ایڈ (دختر محترم جی ایم خاں) کی شادی ڈاکٹر مظہر اللہ خاں (فرزند جناب عبدالرشید خاں) کے ساتھ ۱۶ جولائی کی صبح ۱۱ بجے بمقام بنگلور بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک اس جوڑی کی ازدواجی زندگی کو تابندہ و درخشندہ رکھے۔
- نور الحسن زیدی ایم ایس سی (مہدپور) میری چھوٹی بہن سلطانہ زیدی بی۔ ڈی کی شادی تسنیم احمد کے ساتھ ۱۶ر جون ۸۴ء بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میری بہن و بہنوئی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔
- شاہین بانو (امراوتی) اختری بانو خریدار حریم (دختر ..... جناب محمد یوسف صاحب ٹھیکیدار) عقد نکاح بہادر خاں کے ساتھ

۔ ر جولائی ۸۰ء کو نسیم انہونوی صاحب کی تحریک کے مطابق نہایت سادگی کے ساتھ عمل میں آئی۔ تمام بد رسموں سے گریز کیا گیا۔ جہیز کا نہ تقاضہ تھا نہ اس کی نمائش کی گئی۔
اللہ پاک دوسرے مسلمانوں کو بھی ایسی ہی توفیق عطا فرمائے مجھے اس خبر کو پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ نسیم انہونوی

• سہور جمال سلمہا (بنت حاجی وجیہہ الدین صاحب خلد آشیاں)، کی شادی محمد اقبال سلمہ (فرزند خلد آشیاں جناب اسحق الہی کانپور) کے ساتھ ۲۹ ر جولائی ۸۰ء بحسن وخوبی بمقام کوٹھی خلیق الزماں صاحب لکھنؤ بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی۔

• شائق احمد صاحب کی صاحبزادی گل رعنا بیگم سلمہا کی شادی ظہیر اختر سلمہ (فرزند ارجمند تہذیب الرحمٰن صاحب) کے ساتھ بمقام ڈھاکہ بتاریخ ۲ جولائی ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے دن بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے اور ان کی مثالی زندگی شاد وخرم گزرے۔ نسیم انہونوی۔

• سید عبدالجبار صاحب کالی پلانٹر (مالکی اسٹیٹ مونگیر) کے فرزند سید اکبر سلمہ کا عقد سید فرحت صغرا سلمہا (بنت قاضی غلام احمد صاحب) کے ساتھ ۵ ر جولائی ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے دن بمقام بلگوڈ بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی

• فناہ کوثر سلمہا (دختر نیک اختر محمد عبدالرحیم صاحب) کی شادی محمد شبیر سلمہ (فرزند عبدالغفار پیر محمد پارل والا) کے ساتھ ۱۱ ر جون ۸۰ء بروز اتوار بمقام حیدرآباد بخیر وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی۔

• ایم سلیمان صاحب کی صاحبزادی شاداں صدف سلمہا کی شادی ڈاکٹر وسیم عالم سلمہ (فرزند محمد ذاکر الدین صاحب مری بختیار پور) کے ساتھ ۲۷ ر جون ۸۰ء بروز منگل بوقت سہ پہر بمقام ہزاری باغ بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے نسیم انہونوی۔

• کے محمد بادشاہ صاحب کی دختر نیک اختر نیلوفر بانو سلمہا کا عقد نکاح محمد سعد اللہ سلمہ (فرزند ارجمند جناب کنگسانی ... محمد اسمٰعیل صاحب) کے ساتھ ۶ ر جولائی ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے دن بمقام آمبور بحسن وخوبی انجام پایا۔ اللہ مبارک کرے نسیم انہونوی

• یوسف انصاری صاحب مالیگاؤں کی دختر نیک اختر کی شادی ۶ ر جون ۸۰ء کو بمقام مالیگاؤں ہوئی۔ اس سلسلہ میں ان کے بھائی اور نسیم بکڈپو کے مشہور آرٹسٹ آصف بختیار سعید صاحب، مالیگاؤں نے ایک مزاحیہ سہرا پیش کیا جو درج ذیل ہے۔ اس کا عنوان ہے

سیزن

چلو سہرا پڑھیں کہ آگیا پھر وقت شادی کا
ذرا دیکھو تو ہے گھر بھر میں عالم بدحواسی کا
کوئی پوتے کی ٹوپی ڈھونڈتا پھرتا ہے گھر بھر میں
کوئی کہتا ہے سینڈل کیا ہوا میری نواسی کا
ادھر جگ بھر کے شربت گر گیا احمد کی لنگی پر
ادھر ہلدی سے پیلا ہو گیا پاجامہ حاجی کا
کہیں بارات کی دھن میں گٹر میں گر پڑی سلمہ
کہیں دیوار سے ٹکرا گیا لڑکا لعفاتی کا
پریشاں ہیں جمیل احمد ادھر بچوں کی گڑبڑ سے
ادھر میک اپ ہی بس ہوتا نہیں نوشا بھائی کا
پہن کر آئے ہیں بارات میں وہ سلک کا بش شرٹ
ابھی کل تک جو پہنے پھر رہے تھے کرتا کھادی کا
بڑے بوڑھوں کے آگے نوجوانوں کی نہیں چلتی
یہ سیزن اصل میں ہوتا ہے پھپھا، دادا، دادی کا
ذرا شادی کی ہلچل ختم ہو جائے تو فرصت سے
رقیہ، عارفہ پاؤں دبانا اپنی چاچی کا

انتقال پر ملال کی خبریں

• حافظ احمد حسن صدیقی صاحب ریٹائرڈ پرنسپل (لکھنؤ) کے ایک خط سے علم ہوا کہ موصوف کی بیگم صاحبہ جو حریم کی شروع سے پرستار تھیں ۸ ر جون ۸۰ء کو ۱۰ بجے دن میں رحلت فرما گئیں۔ حریم کی اتنی قدیم بہن کی جدائی میرے لیے بھی افسوسناک

ہے۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ نسیم انہونوی

● نائلہ الیاس (کونڈ) بڑے رنج و افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے والد محترم فقیر محمد عبد الرحمٰن سیٹھ صاحب ۱۶ رجون [illegible] بوقت ۴½ بجے شام، بروز جمعہ بمقام پاکستان رحلت فرما گئے۔ افسوس صد افسوس کہ میں مرحوم کا آخری دیدار بھی نہ کر سکی۔ میرے بھائی تین بہنیں اور والدہ وہیں تھے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ میرے پیارے ابا کی مغفرت کرے اور ہم سب کو صبرِ جمیل عطا کرے۔

● فردوس شاہین شمسی (آگرہ) انتہائی افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری پیاری دادی ساس انیس فاطمہ صاحبہ اچانک ۵ رجولائی [illegible] بروز بدھ بوقت ۸ بجے شب اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ بڑی خدا ترس، نیک ملنسار اور خوش اخلاق تھیں۔ پروردگار انھیں غریقِ رحمت کرے اور ہم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ حریم بہنوں سے بھی درخواست ہے کہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیں۔

● شگفتہ سلطانہ (ملولبترم) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے نانا حضور خلیل الرحمٰن صاحب پریسیڈنٹ سی عبد الحلیم کالج ۸ جولائی [illegible] بروز ہفتہ اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے خوش اخلاق، خدا ترس اور ملنسار تھے۔ اللہ پاک انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

● میر غالب (ناسک) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میرے والد محترم پیرزادہ میر نثار علی صاحب تقریب عرس خواجہ غریب نوازؒ اجمیر شریف سے واپسی کے دوران مختلف بزرگانِ دین کے مزارات کی زیارت کرتے ہوئے بتاریخ ۱۸ جون [illegible] بروز یکشنبہ بوقت ۶½ بجے شام بمقام آگرہ اس جہانِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے حبیب محمد صلعم کے صدقے میں جنت الفردوس عطا فرمائے اور ہم سب پسماندگان کو صبرِ جمیل۔

موت اسکی ہے کرے جس پہ زمانہ افسوس
یوں تو مرنے ہی کو دنیا میں سب آئے ہیں

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کا مرسلہ ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ شعر ہمارے مقررہ عنوان پر لکھا گیا ہو، موزوں، معیاری اور سنجیدہ ہو۔ ساتھ ہی نمبر خریداری لکھا گیا ہو۔ ستمبر نمبر کے لئے عنوان ہے "آہ" اور اکتوبر کے لئے "روح" (ادارہ)

قیامت کے دن کا ہے تو ہی دھنی
بھکاری ہیں ہم اور تو ہے غنی

مرسلہ :- مسودہ جبیں عرف یاسمین (اندور)

قیامت دم بجوذ ہے، غمزۂ ترکانہ ششدر ہے
خدا کے سامنے وہ آج میرا نام لیتا ہے

مرسلہ: صوفیہ مظفر۔

ارے کوئی وعدہ خلافی کی حد ہے، حساب اپنے دل میں لگا کر تو دیکھو
قیامت کا دن آگیا رفتہ رفتہ، ملاقات کا دن بدلتے بدلتے

مرسلہ :- نسیم بیگم بھولی (بھاگلپور)

جب بھی آتا ہے مجھے تیری جدائی کا خیال
اک قیامت سی مرے دل پہ گزر جاتی ہے

مرسلہ :- مس نیلوفر (بدلاپور)

مرے اعضا کہ جن پر زندگی میں ناز تھا مجھ کو
شکایت حق سے کرتے ہیں قیامت میں وہی میری

مرسلہ :- رفیعہ یاسمین (بیلا سیتامڑھی)

ان کی محفل تھی جو سچ پوچھئے جنت اپنی
ان کی آشفتہ مزاجی تھی قیامت اپنی

مرسلہ :- مہر افروز (لکھنیاں)

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

مرسلہ :- وزیر سلطانہ احمدی نازو
(طاہرہ بانو) (آمبور)

مگر یہ مرگ جوانی خلاف فطرت ہے
کہ بن میں آئے مری نو بڑی قیامت ہے

مرسلہ :- حاجرہ نسرین لاری (کانپور)

ہم انتظار کرینگے ترا قیامت تک
خدا کرے کہ قیامت ہو اور تو آئے

مرسلہ :- زرینہ حبیب (بستی)

زندگی بے چارگی کا دوسرا اک نام ہے
ہے قیامت در حقیقت حسن استقلال موت

مرسلہ :- آفریں

جب تک تھے اکیلے تو جدائی تھی قیامت
اب مل کے بچھڑ جانے کا غم یاد رہے گا

مرسلہ :- کہکشاں اختر (سوگولی چمپارن)

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامان خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

مرسلہ :- شاذیہ بخاری

یہ احتیاط کا عالم بھی کیا قیامت ہے
پکار بھی نہ سکے تجھکو تیرے نام سے ہم

مرسلہ :- رعنا کوثر (چن پٹن)

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مرسلہ :- روبانہ ابرار (آگرہ)

کچھ موت کو سمجھوں نہ قیامت ہی کو جانوں
تجھ سے وہی ملنے کا ہے سودا مرے سر میں

مرسلہ :- صبیحہ سلطانہ (چھپرا)

جسے میں زندگی سمجھوں وہ ساعت کیوں نہیں آتی
قیامت کو ملوگے تو قیامت کیوں نہیں آتی

مرسلہ: قمر نگار چلبلی (آمبور)

نہ سکوں ہے نہ کوئی راحت ہے، زندگی اک قیامت ہے
لوگ شکوہ خدا سے کرتے ہیں، ہم کو انسان سے شکایت ہے

مرسلہ :- شمس النساء
(ہمیر پور)

تھک گئے ہم کرتے کرتے انتظار
اک قیامت ان کا آنا ہو گیا

مرسلہ: مس روبینہ شمسی (آگرہ)

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہریاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے

مرسلہ: مسز شہناز حکیم (مدراس)

محبت ہے اذیت ہے ہجوم یاس و حسرت ہے
جوانی اور اتنی دکھ بھری کیسی قیامت ہے

مرسلہ: تنویر اقبال (لاہور)

نظر جس کی طرف کرکے نگاہیں پھیر لیتے ہو
قیامت تک پھر اس دل کی پریشانی نہیں جاتی

مرسلہ: مسز فیروزی قسیم (لکھنؤ)

اچھے اچھے ناول

• بے درد	سلمیٰ کنول	15/-
• لکیریں	"	15/-
• اجالا	"	16/-
• کانچ کے ٹکڑے	حینا ناز	10/-
• پکار	"	13/-
• دو کھیاں	"	11/-
• جوڑے کا پھول	دیبا خانم	16/-
• مہمان میرے دل کے	"	15/-
• آسمان سے آیا فرشتہ	"	15/-
• بھنور اور ساحل	ماہ منیر فرخ	13/-
• شیشوں کے مسیحا	"	13/-
• لگن	اسما اعجاز	6/-
• محبت یا شرارت	ماجدہ خاتون	20/-
• پندار	عفت موہانی	15/-
• لالہ	سلمیٰ کنول	15/-
• افشاں	اے آر خاتون	15/-
• کنول رانی	زرینہ ظہیر	12/-

حریمی دسترخوان

ایک حریمی بہن نے بلا انڈے کا کیک بنانے کی ترکیب دریافت کی ہے۔ اسے لکھا جا رہا ہے۔

سامان: میدہ ۲۵۰ گرام۔ چیری ۵۰ گرام کشمش ۵۰ گرام۔ چھوارا ۵۰ گرام۔ گھی ۱۵۰ گرام۔ دودھ ۱۲۵ گرام۔ شکر ۱۵۰ گرام، بادام ۵۰ گرام۔ بیکنگ پاؤڈر چائے کا ½ چمچہ۔

شکر کو پیس کر گھی میں شامل کر کے اس قدر پھینٹیں کہ وہ آئس کریم کی شکل کا ہو جائے۔ چھوارے رات میں ہی بھگو کر ملائم کر لیں اور صبح اسے باریک باریک کاٹ لیں۔ بادام کو جوش دے کر چھلکے نکال دیں اور ہوائیاں تراش لیں۔ کشمش اور چیری کو دھو کر میدہ اور بیکنگ پاؤڈر میں ملا کر شکر گھی کے مرکب میں ملا کر پھینٹیں اور سانچے میں بٹر پیپر لگا کر مرکب کو اس میں اس طرح ڈالیں کہ نصف سانچہ خالی رہے۔ مندرجہ بالا مرکب بہتر ہو کہ کسی بھگونے میں رکھیں۔ اگر آپ کے پاس اوون ہو تو اس میں پکائیں۔ اوون نہ ہو تو پھر تین اینٹوں کے درمیان انگارے رکھ کر بھگونے کو رکھ دیں اور بھگونے کے ڈھکنے پر بھی انگارے رکھیں۔ کچھ دیر بعد ڈھکن اٹھا کر دیکھیں اور ایک سینک گود کر نکالیں۔ اگر صاف نکلے تو کیک تیار ہے۔ اگر اس میں کچھ لتھڑا ہو تو سمجھ لیں کہ ابھی تیار نہیں ہے۔ کچھ دیر اور پکا لیں لیکن سب سے اچھا اوون ہی میں پکتا ہے۔

مس ناہید ایم۔ اے

حریمی دسترخوان

کھانا پکانے کے فن پر ایک ایسی کتاب جو ہر گھر میں رہنا چاہیے۔ ادارہ حریم کی مرتب کردہ اس کتاب کی ہزاروں کاپیاں اب تک فروخت ہو چکی ہیں اس میں ہر طرح کے کھانے پکوان اور سب کچھ تیار کرنے کی ترکیبیں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ 6/75

تمہارا بہت بہت شکریہ۔ جینی۔ اب تم جاؤ آرام کرو۔ لیکن دیکھو۔ ممی سے نہ
کہنا۔ وہ بھی تو اختلاج قلب کی مریض ہیں۔ خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو لینے کے دینے
پڑ جائیں گے۔؟"

اچھا۔ مگر آپ کو اب کچھ آرام ہے نا۔"

بہت۔ اب میں سو جاؤں گا۔!"

جینی واپس آئی تو اس کی پنڈلیاں کانپ رہی تھیں۔ وہ پھر اسی زینے پر آبیٹھی
اور سوچنے لگی۔ ایسا پہاڑ جیسا آدمی دل کا مرض کہاں سے لگا لیا۔ خدا خیر کرے تیسرا
دورہ خدا کرے کبھی نہ پڑے۔ یہ مرض تو ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔"

پھر اسے یاد آیا کہ اس کے ڈیڈی بھی اسی بیماری میں چل بسے تھے۔

مصطفےٰ پردے کی آڑ سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

تیسرا دورہ تو اس طرح پڑے گا زینت بیگم کہ بس دیکھتی رہ جاؤ۔"

صبح جینی کو بڑی اداس لگ رہی تھی۔ حالانکہ سب کچھ وہی تھا۔!

ناشتے پر مصطفےٰ نہیں آیا۔ پھوپھی اماں نے کہا۔

"بیٹی۔ اب کچھ تشویش نہ کرو۔ خیر سے سدھارو۔ آج میں مصطفےٰ کو حیدرآباد بھجوا
رہی ہوں۔ وہ تمہارا روپیہ لے آئیں گے! اور تم تبدیل بھی کر دیں گے۔"

انہیں زحمت نہ دیجئے۔ پھوپھی اماں۔ یہ سارا کام طلبا کے انچارج صاحب جہاز
ہی پر انجام دے لیں گے۔ ہمیں رقم لے جانے کی اجازت ہی نہیں ملتی۔ اس کے علاوہ
وہاں خود بھی تعلیمی خرچ ملے گا۔ اگر کچھ کمی پڑے گی تو میں آپ کو لکھ دوں گی۔ آپ
بھجوا دیجئے گا۔"

تو پھر اسے ختم کر دوں رہا ہے۔

مبارک ہو۔ خدا نے بہرحال میری دعا سن لی۔" پھوپھی اماں نے کہا۔

اور دوسری خبر اس سے زیادہ زوردار ہے۔" مصطفےٰ نے کنکھیوں سے جینی
کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "محترمہ زینت کے پرنسپل صاحب یہ خبر لے کر تشریف لائے
تھے کہ سرکاری سکالرشپ پر امریکا جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبا میں زینت
افروز کا نام نامی بھی شامل ہے لہٰذا آج سے پون ماہ بعد۔ یعنے اگست کی بائیس
تاریخ کو زینت سرکاری خرچ پر نہایت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے امریکہ
فلائی کر جائیں گی۔ کانگریچولیشنز۔ کلینگ!!!"

اس نے تالی بجائی مگر نہ تو عافرین نے مبارکباد دی نہ تالیاں بجائیں۔
سب کے چہرے فق تھے۔ خاص کر پھوپھی اماں کا۔ وہ ہکا بکا جینی کو تک
رہی تھیں!

"کیا تم امریکا جاؤ گی۔ جینی؟" روتی دم بخود تھی۔ پھر سب اپنی اپنی
بولیاں بولنے لگے۔

"امریکہ؟" ابرار دنگ تھا۔ "یعنے امریکا تک تو میرے باپ دادا بھی
نہیں گئے۔ امریکا؟" عرفان صاحب بڑبڑائے۔ "لیکن ہے بہت شاندار
بات۔ لڑکیوں کو ترقی کا موقع ضرور ملنا چاہیئے۔"

"واپسی پر ہماری بیٹی کو پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔" ڈاکٹر صاحب نے
قہقہہ لگایا۔

"امریکہ بہت دور ہے۔" منشی صاحب بڑبڑائے۔ "کیسے جاؤ گی اتنی دور۔!"

"اب بتائیے۔ ممی۔" مصطفےٰ نے پھوپھی اماں کو بھڑکایا۔ "کل تک آپ
انہیں تنہا بازار بھی نہیں بھیجتی تھیں اور کہتی تھیں کہ خدا واقف ہے ہمارے
خاندان کی کوئی لڑکی کبھی نوکروں کے ساتھ باہر نہیں گئی۔ اور آج آپ ہے

خاندان کی لڑکی ۔ اکیلی ۔ غیر مردوں اور غیر لڑکوں کے ساتھ بارہ ہزار میل دور جائے گی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ کیسے ممکن ہے : پھوپھی اماں بڑبڑائیں : یہ کیا نیا شاخسانہ نکلا ہے۔ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کی زیادہ تعلیم ہی معیوب سمجھی جاتی ہے ۔ نہ ہمیں ہمارے باپ نے اتنا زیادہ پڑھایا لکھایا نہ اعتقاد کی بیوی کو۔ گو بیٹی تھی اگر اعتقاد نے اپنی لڑکیوں کو بی ۔ اے کرا دیا تو اس کا یہ مطلب کہاں ہے کہ وہ غیر مردوں کے ساتھ جہاز میں بیٹھ کر امریکا جائے ۔ مردوں میں پڑھے لکھے مردوں میں روز و شب گزارے ۔ اور اپنا اسلامی طرزِ حیات چھوڑ کر مسیوں کا فیشن اختیار کرے۔

وہاں تو عورتوں میں بھی بھنگ چرس اور سگریٹ عام ہے : مصطفےٰ نے لقمہ دیا : عورتیں بطور فیشن شراب تک پیتی ہیں ۔ اور ماحول کا تو یہ حال ہے صاحب کہ بس نمک کی کان ہے ۔ نمک کی کان میں جو چیز گئی نمک بن گئی :

جینی دم سادھے بیٹھی رہی ۔ اس کا دماغ امریکا کی روشن فضاؤں میں پرواز کر رہا تھا ۔ خدا نے ایسا اچھا موقع دیا تھا تو کیوں نہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ضرور بھجوا دیجئے ۔ آنٹی : عرفان صاحب نے تائید کی : یہ بڑا قیمتی چانس ہے قسمت والوں کو ملتا ہے ۔ میں بھی اگلے سال امریکا جا رہا ہوں ۔ ان سے ملا کروں گا وہاں۔

توبہ کرو ۔ میاں : پھوپھی جان نے کہا : کیا وہاں جا کر اسے سور کا گوشت کھانا اور شراب پینا ہے ۔ ارے یہ ہمارے خاندان کی بیٹی ہے ۔ خان بہادر شیخ ... خاں کی پوتی ۔ جن کے گھر کی عورتوں کا سایہ ان کے مردوں تک نے نہیں دیکھا ۔ جن کی آواز زنانہ چار دیواری سے باہر نہیں گئی ۔ ان کی پوتی ۔ امریکہ جائے

کر دیں ۔ مجھے ڈاکٹر کو فون تو کرنے دیجئے :

کیا کرے گا ڈاکٹر آکے ۔ یہ دوبارہ ایسا دورہ پڑا ہے ۔ اس نے کچھ گولیاں

دوبارہ ؟ : جینی نے گھبرا کر کہا : پہلے کب پڑا تھا ۔

تمہارے آنے سے پہلے ۔ !

آپ نے علاج نہیں کرایا ؟

کرایا کیوں نہیں ۔ گولیاں کھاتا رہتا ہوں ۔ لیکن کوئی فائدہ نہیں ۔ تیسرا دورہ پڑے گا اور مصطفےٰ صاحب لمبے لمبے لیٹ جائیں گے ! :

جینی نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا : ایسا نہ کہیئے ۔ خدا نہ کرے :

کراہ کر مصطفےٰ صوفے پر لیٹ گیا ۔ جینی اکیلے میں گھبرا رہی تھی ۔ بولی ۔

اچھا پھوپھی اماں نہ سہی ۔ میں بھائی جان یا ردنی کو بلا لاؤں ۔ یا پھر پپا کو لے آؤں ۔ وہ کچھ ٹریٹمنٹ کر دیں گے :

پپا دل کے ڈاکٹر نہیں ہیں :

تو پھر ۔ آپ کا درد دبلا تو نہیں رہا ہے ! ۔

کچھ کچھ ۔

آیئے ۔ میں سہارا دے کے لے چلوں آپ کے کمرے میں ۔ گولیاں کھا لیجئے ۔ اللہ کرے کہ رات آرام سے گزرے پھر صبح کو فوراً جائیے گا دل کے ڈاکٹر کے پاس ۔

وہ ڈاکٹر کہیں دور نہیں ہے پاس ہی رہتا ہے :

یہ تو بہت اچھی بات ہے ۔ میں آپ کی گولیاں لے آؤں ۔

تم مجھے سہارا دو ۔ میں خود جا کر کھا لوں گا :

اس نے اپنا آدھا بوجھ جینی پر ڈال دیا ۔ بے چاری ہانپ ہانپ گئی ۔ بمشکل اس کے کمرے تک لائی ۔ بستر پر لٹایا ۔

پڑھنے کے لیے۔ ایسی پڑھائی کو سات سلام کر جس سے باپ دادا کی روحیں تڑپ جائیں۔ وہ مارے جوش کے سرخ ہو گئیں۔ سب گم صم بیٹھے رہے۔ مصطفےٰ نے کوئی اور لقمہ دینے کے لیے لب کھولے تھے۔ مگر ماں کے غضبناک چہرے کو دیکھ کر دم بخود بیٹھا رہا۔

خیر یہ مسئلہ سوچنے کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے: میں تو یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑکی کو ایسا نادر موقعہ گنوانا نہیں چاہیے۔

اماں آنٹی۔ آپ جذبات سے الگ ہٹ کے سوچیے: عرفان بھی کھڑے ہو گئے یہ نہایت خوشی اور فخر کی بات ہے کہ آپ کی لڑکی امریکہ ریسرچ کے لیے جائے۔ آپ یقین کیجیے مگر بلڈ اور شریف خاندان کی لڑکی کسی حال میں اور کسی ماحول میں نہیں بگڑتی۔ یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ ناپاک گوشت کھائے اور شراب پیے۔ لاحول ولاقوۃ۔ امریکہ میں بھی اسلامی ماحول ملتا ہے۔ آپ وہاں کی زندگی کا صرف تاریک رخ نہ دیکھیے۔

میں بھی فخر سے کہہ سکوں گی کہ زینت اور فرزانہ امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے آئی ہے۔ وہ میری سہیلی ہے: رونی نے بڑے غرور سے کہا۔

دانت پیس کر مصطفےٰ نے اسے گھور کر دیکھا۔ رونی نے لمبی سی زبان نکال کر اسے منہ چڑا دیا اور غصے کے مارے چہرہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ عرفان یہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ انھیں بے ساختہ ہنسی آگئی۔

یہ چھبیلی بلی آپ کو کیا پسند آئی ہے۔ عرفان بھائی: مصطفےٰ نے کہا۔ سو سو دیکھو۔ میں یہ پوری چائے دانی تم پر الٹ دوں گی: رونی نے کہا۔ بھئی وہ تم سے بڑے ہیں۔ تمھیں ان کا ادب کرنا چاہیے: عرفان نے رونی کو نصیحت کی۔

آپ دیکھ لیجئے۔ میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا اس سے:

سنو۔ کل تم حیدرآباد جا کے اس کا سارا کرایہ اور بینکوں سے رقم نکال لانا۔ تیواری تمھاری مدد کریں گے:

جی بہت اچھا:

اور شاید رقم تبدیل کرنی پڑے گی۔ وہ بھی کرالینا۔

ضرور کروا لوں گا۔ آپ اطمینان رکھیے: مصطفےٰ نے سعادت مندی سے کہا۔ اور انھیں آرام سے لٹا کر ان پر رلائی ڈال دی کمرے سے نکل گیا

صحن میں بڑے زینے پر جبینی بیٹھی ہوئی ملی۔ مصطفےٰ نے کراہنا شروع کر دیا یہ کراہ اتنی زوردار تھی کہ جبینی کو خیالوں کے گرداب سے ابھر کر اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

کیا تکلیف ہے۔ آپ کیوں کراہ رہے ہیں؟:

دل میں درد شروع ہو گیا ہے:

کیا؟: وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

ہاں۔ یہاں: اس نے معصوم آنکھوں سے جبینی کو تکتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ جبینی نے پریشان ہو کر کہا

اچھا خاصا دھڑک رہا ہے۔ کیا میں پھوپھی اماں کو بلاؤں۔

ہاں وہ بے چارہ غالباً اٹھائیس سال سے دھڑک رہا ہے۔ لیکن تم پھوپھی اماں کو مت بلاؤ۔ معاف کر دو۔ جبینی۔ تکلیف کے مارے میرے منہ سے آپ کی بجائے تم نکل گیا۔ تم نے برا تو نہیں مانا؟

اس کی پلکیں جھک گئیں: نہیں نہیں۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ میرا تو بھی دل چاہتا تھا کہ آپ سبھی تم کہہ کر مخاطب کریں۔۔۔ لیکن آپ نے یہ کیا باتیں شروع

"خدا آپ کو جیتا رکھے:" مصطفیٰ نے انھیں دعا دی۔

"کون سا دس سال بڑے ہیں۔ منٹ دو منٹ کی بڑائی ہم نہیں مانتے:" روفی بولی۔

"اچھا۔ میں سوچوں گی:" اچانک پھوپھی اماں نے کہا: "زمانہ سچ مچ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھا ہے۔ اگر اس کا ساتھ نہ دیا جائے تو وہ ہمیں بہت پیچھے چھوڑ دے گا۔ اور پیچھے رہ جانے والوں کو کون پوچھتا ہے:" وہ بے حد دلگرفتہ ہو گئی تھیں۔

"سب آپ کی مرضی پر منحصر ہے پھوپھی اماں:" جبینی نے ان کی اداسی بھانپ لی "میں تو یوں بھی ڈیڈی کی مرضی کے مطابق صنعتی ادارے میں شریک ہو گئی تھی۔ یہ ایک ضمنی بات نکل آئی ہے۔ کوئی زبردستی نہیں ہے۔ اور میرا جانا ایسا ضروری بھی نہیں!:"

"بہت مناسب۔ بہت اچھے:" ڈاکٹر صاحب بولے۔ اور پھر رخصت ہو کر اپنے کام سے چلے گئے۔ روفی ان کے پیچھے گئی۔

"اچھا اب مجھے بھی اجازت دیجئے۔ آنٹی۔ میں پھر ملوں گا:" عرفان نے نیم خم ہو کر پھوپھی اماں کو رخصتی سلام کیا: "میرا دل چاہتا تھا کہ میں کچھ دیر اور مصطفیٰ اور ابرار کی صحبت میں بیٹھوں مگر میں بھی کچھ پریشان ہوں۔ انشاء اللہ پھر ملنے کی کوشش کروں گا۔؟"

"کیا پریشانی ہے:" مصطفیٰ نے پوچھا: "آپ ہم سے کیوں نہیں کہتے!۔"

"عرفان بھائی چاہتے ہیں کہ معذور اور اپاہج بچوں کے لیے ایک ہاسپٹل کھولتے" ابرار بولا۔

"نہایت اچھا خیال ہے:" مصطفیٰ نے کہا۔

"خیال تو اچھا ہے۔ میاں۔ مگر سرمایہ اچھا نہیں ہے:" وہ پھیکی ہنسی ہنس

"خبردار۔ جو ابھی سے ا کچھ۔ بات نہیں کہہ دو گی تم سے ۔ ۔ ۔"

"میں نے آپ کی تمام باتیں سنی ہیں۔"

"کوئی راز کی باتیں تو تھیں نہیں۔"

"آپ بہت مجبور ہو کے راضی ہوئی ہیں کہ وہ جائے۔"

"ہرگز نہیں۔ اس کی خواہش میں میری خوشی بھی شامل ہے۔ کون نہیں چاہتا کہ ترقی کرے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلائے۔"

"کہیں سے کوئی کاٹھ کا اُلّو لائیے اور اس کی شادی کر کے گھر سے بھگا دیجئے۔ میاں بیوی آپس میں سمجھ بوجھ لیں گے:"

انھوں نے ٹھنڈی سانس لی: "تم ہی ڈھنگ سے رہنا جانتے ہوتے تو یہ مسئلہ بھی کب کا حل ہو چکا ہوتا۔!"

"مجھ سے کر دیتیں آپ اس کی شادی۔!" وحشت زدہ ہو کر اس نے پوچھا۔

"یہی ارمان تھا!۔"

"کیا اب نہیں رہا۔"

"تم ایسے لاابالی۔ لاپرواہ۔ اور بے ترتیب نکلے!۔"

"خیر وہ سب چھوڑیئے۔ مجھے آپ ایک بات بتایئے:"

"اب مجھے سونے دو۔ ممو۔ کل سے مار تھک گئی ہوں۔"

"آپ کو میری قسم ممی۔ صرف اتنی سی بات بتا دیجئے کہ آپ صرف اسی کی خوشی کی خاطر آمادہ ہوئی ہیں نا۔؟"

"اب جو کچھ کہہ لو۔ ممو۔ اس کی خوشی یا میری مرضی۔ کیوں تم کچھ پوچھ رہے ہو۔ دیکھو خبردار۔ اس سے کچھ نہ کہنا۔ اس کا دل نہ دکھانا۔ میں کہے دیتی ہوں: مجھے بہت صدمہ ہوگا:"

اپنے بوڑھے اور بیٹی کا مرہون ہے تمہاری بزدلی برداشت نہیں کر سکتی۔ مجھے تم پر پورا
بھروسہ ہے۔ تم ان پر جان دے دوگی۔ لیکن کوئی ایسی بات نہ ہونے دوگی جس سے
خدانخواستہ تمہارے دامن پر دھبہ لگے۔ تم خوشی سے جاؤ بیٹی۔ میں تمہارے ساتھ
منشی صاحب کو بھیج دوں گی۔ اور جلدی ہی ممو کو بھی بھجوا دوں گی۔ عرفان بھی پہونچیں
گے۔ میرے وہم دور ہو جائیں گے۔"

پھر جینی نے ہزاروں استدلال پیش کیے مگر انھوں نے نہیں سنے۔ اور الٹا اطمینان دلانے
لگیں کہ فکر و تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔

جب وہ اپنی خوابگاہ میں گئیں تو دیکھا کہ صوفے پر مصطفےٰ لیٹا تھا۔ انھیں آتے
دیکھ کر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا آپ روتی رہی ہیں۔" اس نے ان کے چہرے پر نظریں جما کر بہت ناخوشگوار
لہجے میں پوچھا "کیا بات ہے۔ مجھے بتائیے ممی۔ آپ کیوں روئیں"

"آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ دیوانے لڑکے۔ خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے تجھے" وہ زبردستی
ہنس کر بولیں۔

مصطفےٰ نے کندھے تھام کر انھیں صوفے پر بٹھا دیا اور خود ان کے پیروں میں فرش
پر بیٹھتا ہوا بولا "میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس بیوقوف چھوکری کے معاملے میں"

"زبان درست رکھو۔ ممو۔ ہر وقت مذاق اچھا نہیں لگتا"

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ ممی۔ بس۔ میں آپ کے آنسو نہیں برداشت
کر سکتا"

"پاگل ہوئے ہو"

"میں پاگل نہیں ہوا۔ البتہ وہ لڑکی اپنی حماقت سے ہم سب کو پاگل بنا دے گی
اس نے آپ کو رلایا ہے۔ میں اس کی خبر لوں گا"

بڑے۔ میرا تخمینہ تھا کہ شاید لاکھ دو لاکھ میں کام بن جائے۔ لیکن وہ بات پانچ
لاکھ پر جا پڑی۔"

"بہت رقم ہے۔ آپ نے حکومت سے قرض نہیں لے لیا؟" ابرار نے کہا۔

"جب تک کام کی بنیاد نہ پڑے۔ کاغذات پر ثبوت نہ تیار ملے کوئی بینک
یا ادارے کی بنا پر قرض نہیں دیتا۔ اور پھر یہ تو بہت بڑی رقم ہے" عرفان
نے کہا۔ "خیر۔ تو میں چلوں؟"

"سنئے عرفان بھائی آپ اپنا سرمایہ داؤں پہ لگائیے" مصطفےٰ نے کہا "اپنے
ٹنڈر کی رقم ڈھائی لاکھ میں لگاتا ہوں۔ پچاس ہزار بھی کہیں نہ کہیں سے مل ہی
جائیں گے۔ آپ کا اقدام نہایت ہمدردانہ ہے۔ اسے کمزور مت ہونے دیجئے"

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ مصطفےٰ!" عرفان ہکا بکا رہ گئے۔

"میں بھی دیکھتا ہوں۔ بہت سے نابینا بچے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو پولیو
کے شکار ہو کر اپاہج ہو چکے ہیں۔ بعض غریب بچوں کو مفت دوا۔ انجکشن اور غذا
نہیں ملتی۔ ان سب کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ اسپتال ضرور کھولیے" مصطفےٰ
نے کہا "میں آپ کو یہ رقم یونہی نہیں دے رہا ہوں۔ اسے قرض حسنہ سمجھئے جب
آپ کو سرمایہ واپس ملے۔ تب مجھے مع سود واپس کر دیجئے گا!"

"تم سود کھاؤ گے؟" ابرار نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"بے شک کھاؤں گا۔ یعنی اگر میرا کوئی بچہ بیمار ہوا تو عرفان بھائی سے
مفت علاج کراؤں گا۔ کیا یہ سود نہیں ہے" مصطفےٰ نے بات کو مذاق کا رنگ
دے کر سب کا تاثر ختم کر دیا۔

"تمہیں وہ ٹنڈر مبارک ہو مصطفےٰ۔ میں ایسی زیادتی نہیں کر سکتا"
عرفان بولے۔ "میں کہتا ہوں کہ تم واپس کر دیجئے گا" مصطفےٰ نے بحث کی۔

اگر نہ واپس کر سکا۔؟" عرفان متذبذب تھے۔

"تو میں آپ کے بیوی بچے زبردستی چھین لوں گا" مصطفےٰ نے بگڑ کر کہا۔

وہ عجیب سی ہنسی ہنس کر رہ گئے۔

ان میں تکرار ہوتی رہی۔ اصرار انکار۔ جینی کو اپنے سائیں گھبرے ہوئے تھے۔ وہ بور ہو کر اٹھ گئی۔ اور تنہائی میں وہ پھر خیالوں کے بھنور میں چکرانے لگی۔

یقیناً پھوپھی اماں نہیں چاہتیں کہ وہ جائے۔

ڈیڈی کی مرضی بھی نہیں تھی کہ وہ آگے بڑھے۔

لیکن۔ اس کا یہاں رہنا اب دشوار ہے۔

اس کے ذہن میں رات والی سازینہ کی گفتگو گونج رہی تھی۔ کسے خبر تھی کہ مصطفےٰ ابھی اسے چاہتا نہ ہو۔ اپی ان کے ڈر سے اور جینی کے بیان سے اس نے اسے ایسا خنک جواب دیا ہو۔ کون جانے۔ کیا پتہ۔ اگر وہ ایک نامعلوم مدت کے لیے وطن سے اور اپنوں سے دور چلی گئی تب یقیناً اسی محروم محبت سے شادی کرے گا۔ وہ کیوں خوامخواہ کسی کا صبر سمیٹے۔ اگر وہ یہاں نہ آتی۔ اس پر ایسے حالات نہ گزرتے۔ تو بے شک اب تک مصطفےٰ اور۔۔۔ سازینہ کی شادی ہو چکی ہوتی؟۔ وہ کسی مجبور لڑکی کی راہ کا پہاڑ بن گئی ہے یہ اسے بالکل پسند نہیں تھا!۔

اگر آج اس کی محبت کی راہ میں کوئی دوسرا وجود حائل ہو جاتا تو اس کے خیالات کیسے چکنا چور ہوتے۔ وہ کیا سوچتی۔ اس کی تو زندگی دوبھر ہو جاتی۔!

"تو پھر۔ زینت بیگم۔ تم کسی کا خیال نہ کرو۔ اپنی مرضی مقدم رکھو جب

ٹھیک ہے کہ آج کا زمانہ عورت کا زمانہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ کوئی عورت چار دیواری سے باہر نکل کر اپنی حقیقی قیمت اور دل کا سکون کھو چکی ہے۔ وہ بے شک ایک بڑے آفس میں اعلیٰ عہدیدار ہے۔ مگر اپنے شوہر کی وفادار بیوی نہیں ہے۔ وہ کہیں کی وزیر ہے۔ اپنے بچوں کی وہ ماں نہیں ہے۔ جو بچوں کو صحیح تربیت دے کر فرزندان قوم بناتی ہے۔ بیٹی عورت سب کچھ ہے۔ مگر عورت نہیں رہ گئی ہے۔"

"آپ بالکل سچ کہتی ہیں پھوپھی اماں۔ مجھے بھی چکا چوند کرنے والا ماحول پسند نہیں ہے۔" جینی نے بڑے خلوص سے اعتراف کیا۔

"تم ایسے ہی خاندان کی بیٹی ہو۔ جینی۔ جس نے پردہ میں رہ کر شوہر کے دل پر حکومت کی۔ سارا انتظام سنبھالا۔ اچھے بیٹے پیدا کیے لیکن کسی نے اس کی جھلک تک نہیں دیکھی۔ اب میرا دل مسوستا ہے۔ کلیجے سے ہوک نکلتی ہے کہ۔ تم۔ جو آج تک اعتماد کے دامن تلے پلی اور جوان ہوئی ہو۔ اب غیر مردوں کے دوش بدوش ہوائی جہاز میں سفر کرو گی۔ ترقی پسند تہذیب میں عورت مرد کا مصافحہ معمولی چیز ہے۔ تمہارا ہاتھ جانے کتنے مردوں کے ہاتھ میں جائے گا۔ اور معلوم نہیں کہ۔ کون سا ماحول کون سا حلقۂ دوستوں کا تمہیں ملنے والا ہے۔ اس طویل عرصہ میں جب تک تم وہاں رہو گی میری جان سولی پر رہے گی کہ یا الٰہی میرے مرحوم بھائی کی عزت و آبرو کی خیر ہو!"

"نہیں پھوپھی اماں نہیں" بے حد ڈر کر اور سہم کر وہ ان سے چمٹ گئی اور ہانپتی ہوئی بولی۔ "میں ہرگز نہیں جاؤں گی۔ آپ کو میری جان کی قسم۔ اب آپ اس [illegible] آپ اس حادثہ کو بھلا دیجئے۔ بالکل دل سے نکال دیجئے پھوپھی اماں۔"

"لیکن میرا دل دکھتا ہے" وہ اسے چومتی ہوئی اس کا سر سہلا کر بولیں "میں

کی مرضی پر۔ پھوپھی اماں یا مصطفےٰ یا اور کوئی ہرگز تمہارے مستقبل کا معمار نہیں ہے۔ تمہارا مستقبل تو صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔

پھوپھی اماں زندگی گزار چکیں۔

اور مصطفےٰ نہایت ناقص، لاابالی لاپرواہ قسم کا آدمی ہے۔ اس کے سینے میں دل ہی نہیں۔ جسے محبت گداز کر سکے۔ اس کا دل بھی پتھر کا ہے۔ وہ بس یونہی کھیل کود کر زندگی بسر کر لے گا۔ اسے شادی کی بھی ضرورت نہیں۔ ایسے سطحی شریر آدمی بیوی بچوں کا روگ نہیں پالتے۔ اسے کسی کی کس بات کی ہے۔ اس کے ہر قسم کے تقاضے یوں ہی پورے ہو جائیں گے۔۔۔ اگر جینی نے اس سے کوئی امید لگا رکھی ہے تو سخت غلطی کی ہے۔ مصطفےٰ کے چہرے سے سلوک سے گفتگو سے بالکل پتہ نہیں چلتا کہ اسے جینی کا خیال ہے۔ وہ اسے اپنی ماں کی عزیز سمجھتا ہے اور بس۔۔۔ لیکن وہ اس کے متعلق کیوں سوچ رہی ہے۔ آخر اس کا وجود اس کی سوچوں کی راہ میں خواہ مخواہ کیوں کھڑا ہو جاتا ہے۔ کیا اس کی کوئی سوچ مصطفےٰ کے خیال کے بغیر مکمل نہیں ہے۔

جینی کے گال دہکنے لگے۔

نہیں۔ میں نے اتنی عمر میں کبھی آج تک کسی مرد کو اپنے خیالوں میں جگہ نہیں دی۔ میرے تصورات پاک و منزہ رہے ہیں!۔ تو پھر مصطفےٰ کو کیا حق ہے کہ وہ یوں آزادی سے بے دھڑک میرے ذہن کے بند دروازوں پر دستک دے!۔

میرے دل کی دنیا مرد کے تخیل سے یکسر عاری ہے۔

مصطفےٰ کو بالکل حق نہیں کہ وہ یوں دل کی دنیا میں چلا آئے۔ کہ پھر نکالے نہ نکلے۔

آخر یہ کیا پاگل پن ہے۔

تب وہ ضبط نہ کر سکی۔ رات کو وہ حسبِ معمول اس پر دم کرنے آئیں۔ اور بالکل گم صم واپس جانے لگیں۔ جینی ان کے گلے میں باہیں ڈال کر اور سینے سے لگ کر بولی:

پھوپھی۔ آپ خفا ہو گئی ہیں۔

وہ بڑی بارعب باوقار خاتون تھیں۔ نہایت بھاری بھرکم اور لیے دیے رہنے والی۔ مگر اس وقت وہ دفعتہً رونے لگیں۔!

جینی کے دل پر گویا چھریاں چلنے لگیں۔ اس نے انھیں اپنی مسہری پر بٹھالیا اور اپنے آنچل سے ان کے آنسو پونچھے۔ پھر گلوگرفتہ لہجہ میں بولی۔

پھوپھی اماں۔ آپ نے ایک معمولی بات کا اتنا اثر لے لیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ وہ اتنی اہم بات ہے۔ مجھے ڈیڈی کی وصیت کا پاس ہے۔ آپ کی مرضی میری خوشی پر ہزار درجے مقدم ہے میں کہیں نہیں جاؤں گی آپ اطمینان رکھیے۔ میں خود بھی آپ سے دور رہ کر مطمئن نہ رہ سکوں گی!

مگر وہ اس کی پرسکون تقریر سے متاثر نہیں ہوئیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں

اب مجھے احساس ہو رہا ہے بیٹی کہ۔ میں بہت پرانے خول میں سانس لیتی رہی ہوں اسی کو میں تہذیب تمدن اور شرافت سمجھتی رہی تھی! کیونکہ یہی چیزیں معیاری ہیں۔ ہم نے پردے میں جنم لیا۔ پردوں میں آنکھ کھولی اور پردوں ہی میں سارا گھر سنسار کیا۔ بچے پیدا کیے شوہر کی خدمت کی۔ خدا کی عبادت ضروری سمجھی۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جبکہ پردہ ایک لعنت بن جائے گا، پردہ نشین معصوم پاکیزہ لڑکی کی تمدن و معاشرت میں کوئی وقعت و اہمیت نہ ہوگی۔ اس پرترقی پسندی تعلیم اور جدیدیت کے لیبل لگنے ضروری ہوں گے۔ اور لڑکی جب تک بے محابا کھلے عام بازاروں میں نہ پھرے۔ مردوں کے دوش بدوش دفتروں میں کام نہ کرے۔ خود کو سجا سنوار کر بازاری گڑیا نہ بنالے۔ وہ صحیح معنوں میں لڑکی نہ کہلائی جائے گی۔۔۔ یہ

اس میں بھی مصطفےٰ کا قصور نہیں ہے۔ اس کا اپنا ہے۔

وہ کب کہتا ہے کہ میرے متعلق سوچو۔

میرے لیے ذہن کے دریچے کھول دو۔

مجھے اپنی دنیا میں آنے دو۔

وہ تو کچھ بھی نہیں کہتا۔

کیا عجیب ہے۔ بے درد۔ پتھر۔ سنگدل۔

جینی نے زانوؤں میں سر دے لیا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ خیال بھی ایسے سرکش ہوتے ہیں۔۔

پھوپھی اماں تلاوت کرنے اٹھ گئیں۔ اور مصطفےٰ سے جھک جھک کرنے کے بعد ہار کر عرفان بھی چلے گئے تب ابرار اور مصطفےٰ باغ کے زینہ کے سرے پہ آ بیٹھے۔

تند و تیز خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ پیڑ زمین بوس ہو ہو کر اٹھ رہے تھے۔ طرح طرح کی خوشبوؤں کی کاک ٹیل ماحول میں نشہ سا گھول رہی تھی!۔

ابرار نے مصطفےٰ کے کندھے پر ہاتھ مارا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ چونک پڑا۔

"یار کیا واقعی تمہاری کبوتری اڑان بھرنے کی امریکہ تک؟" ابرار بولا۔

کیا تعجب ہے یار۔

اسے خدا کے بندے کہہ کیوں نہیں دیتے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ یہ پردہ نشین شرمیلی لڑکیوں کی طرح دل ہی دل میں کب تک اپنی محبت کا اچار ڈالے رہوگے۔

اب تو اس اچار پر پھپھوندی لگ رہی ہے: مصطفےٰ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "وہ لگی رہے گی اور جینی چل دے گی۔ تم اس سے کہتے ہوئے ڈرتے کیوں ہو؟" ابرار بولا۔

صحیح بات تو یہ ہے ابرار کہ میں اس معاملہ میں خود کو [illegible] واقع ہوا ہوں۔

مصطفےٰ نے طویل سانس لے کر جواب دیا: "مجھے بالکل پتہ نہیں کہ ممی کے خیالات کیا ہیں۔ اور وہ خود کیا سوچتی ہیں۔ فرض کرو کہ میرے سوال کے جواب میں اس نے انکار کا تھپڑ رسید کر دیا تو پھر میں یہ چوٹ برداشت نہ کر سکوں گا۔"

اچھا تو میں ٹٹولوں اسے؟ مجھے بھائی جان کہتی ہے، بات بھی چلے۔ ابرار نے کہا۔

لیکن خبردار میرا نام نہ لینا: مصطفےٰ نے کہا۔

پھوپھی اماں کی افسردگی برقرار تھی۔ ان سے جینی نے کچھ بھی نہیں کہا نہ انھوں نے پھر کوئی تذکرہ کیا لیکن وہ بے چاری سمجھ چکی تھیں کہ اب ان کی چلنے والی نہیں وہ پرانے زمانے کی ہیں۔ اور اگر اپنا اختیار بروئے کار لائیں تو نیا زمانہ بغاوت کرنا جانتا ہے۔

ان کی خاموشی جینی کے سینے کا پتھر بن گئی تھی۔ وہ خودسر، ضدی اور خود رائے نہیں تھی۔ اس کے علاوہ جج صاحب نے اسے ایسی ہی تربیت دی تھی۔ کہ چاہے کچھ ہو بزرگوں کی مرضی افضل کہی جائے۔ جینی اپنی جگہ شرمندہ تھی کہ خوامخواہ اس کی ذات پھوپھی اماں کے لیے باعث غم بن گئی تھی۔ انھوں نے اسے بے پایاں محبت دی تھی۔ اور اس کا ہرگز منشا نہ تھا کہ وہ انھیں اداس کرکے اپنی مرضی پوری کرے!۔

وہ بجائے خوش ہونے کے مغموم تھی!۔

ادھر دن جلد جلد گزرے جا رہے تھے۔

جب اس نے پھوپھی اماں کے۔۔۔ سلوک میں کوئی غیریت اور بیگانگی نہیں دیکھی تو یہ جذبہ محسوس کیا کہ وہ خود سے شکست قبول کرکے ان کے آگے پیچھے رہنے لگی

THE HAREEM

Sept-78

Rs. 1/-

دوراہا

بہن عفت موہانی کا ناول آگ جو پچھلے ۱۴ ماہ سے چھپ رہا تھا
۲۰ صفحات مکمل کر کے ۱۰ ماہ سے ختم کر دیا گیا۔ یہ ناول کتنا پسند
کیا گیا اسے کہنے کی چنداں ضرورت نہیں اس لئے کہ حریمی بہنوں
کو خود اس کا علم ہے۔ ناول کے ہیرو مصطفےٰ کا کردار بہن عفت
نے انتہائی دلچسپ اور عمدہ پیش کیا ہے کہ ہر پڑھنے والا بے ساختہ داد
دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جلد ہی یہ ناول کتابی شکل میں شائع
ہو جائے گا۔ آئندہ ماہ سے بہن عفت کا ناول دوراہا شروع
کیا جائے گا۔ حریمی بہنیں اپنی سہیلیوں اور عزیزوں سے کہیں کہ وہ
نئی خریداری اکتوبر سنہ کے حریم سے شروع کریں تاکہ نئے ناول
کا تسلسل قائم رہ سکے۔ امید ہے کہ دوراہا بھی عفت بہن کے سابقہ
ناولوں ہی کی طرح پسند کیا جائے گا۔

ضروری ہدایات

۱۔ اگر کسی ماہ حریم آپ کو ۲۰ تاریخ انگریزی تک نہ ملے تو فوراً دفتر کو آگاہ فرما دیں۔ دوسرا پرچہ روانہ کر دیا جائے گا۔ دو سہ ماہ کی گئی شکایتوں پر پرچہ بلا قیمت نہ بھیجا جا سکے گا۔

۲۔ اگر آپ کا پتہ بدل گیا ہے تو اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک دفتر حریم میں پہنچ جانا چاہیے۔

۳۔ نمبر خریداری لکھے بغیر حریم کے سلسلے میں کوئی خط روانہ نہ کریں۔ کسی تحریر کا جواب چاہیں تو ٹکٹ یا جوابی کارڈ روانہ فرمائیں۔ ادارہ یہ بار برداشت نہیں کر سکتا۔

۴۔ سالانہ قیمت منی آرڈر سے روانہ کرنے میں تین روپیہ کا فائدہ ہوگا۔

پیکر

مسرور جہاں کا وہ ناول جو ایک عرصے سے نایاب تھا اب پھر شائع ہو گیا ہے۔ یہ ناول عفت کے چند پسند کئے جانے والے ناولوں میں سے ایک ہے [illegible] طلب فرمائیں۔

(ڈاک خرچ [illegible] طلب فرمائیں)

حرمی دسترخوان

بگھارے بینگن

گول گول بینگن، آدھا سیر۔ دھنیا پسا ہوا، دو بڑے چمچے۔ تل دو بڑے چمچے۔ مونگ پھلی کی گری، دو بڑے چمچے زیرہ سفید، ایک بڑا چمچہ ناریل، دو بڑے چمچے۔ سبز دھنیا، چند پتے۔ پیاز۔ درمیانے سائز کی ایک گٹھی۔ تیز پتہ، چند پتے۔ مرچیں سرخ پسی ہوئی۔ ہلدی چائے کا آدھا چمچہ۔ ادرک لہسن پسا ہوا۔ چائے کا ایک چمچہ۔ کڑوا تیل (سرسوں کا تیل) ایک پاؤ۔ بیج املی چار عدد حسب خواہش۔

ترکیب:۔

بینگن کے چار پانچ ٹکڑے کرلیں ان کو نمک کے پانی میں بھگو دیں۔ املی کو چھیل کر پانی میں بھگو دیں تاکہ نرم ہوجائے۔

دھنیا۔ ناریل، تل، مونگ پھلی اور زیرے کو توے پر ہلکا ہلکا بھون لیں اور پھر سل پر باریک پیس لیں۔

پیاز کی گٹھی کو کاٹ کر ایک چمچہ سرسوں یا تل کے تیل میں ہلکا سا تل لیں پھر اس تلی ہوئی پیاز کو بھی باریک پیس لیں۔

ایک دیگچی میں تیل گرم کریں۔ اب اس میں بینگن ڈال کر تل لیں۔ جب بینگن اچھی طرح تل جائیں تو انھیں نکال لیں۔ اب اس تیل میں چھ سات ہری مرچیں ڈال کر تل لیں۔ پھر اس تیل میں تمام مسالے ڈال دیں۔ مرچیں، ادرک لہسن، ہلدی پسی ہوئی پیاز پسا ہوا ناریل۔ تل، مونگ پھلی زیرہ دھنیا بھی شامل کرلیں۔ نمک حسب خواہش ڈالیے۔ اس مسالے کو املی کے پانی کا چھینٹا دے دے کر خوب بھونیں۔ اس میں تیز پتے اور دھنیا کے پتے بھی ڈال دیں۔ مسالہ خوب بھونیں۔ یہاں تک کہ وہ تیل چھوڑ دے اور املی کا پانی بھی ختم ہوجائے۔ اب اس میں تلے ہوئے بینگن ڈال دیں۔ [illegible] پھر اس کا پانی نچوڑ کر بینگنوں میں ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر بینگن کو پکنے دیں۔ پانی خشک ہوجائے اور بینگن تیل چھوڑ دیں تو دیگچی اتار لیں۔ لیجیے بگھارے بینگن تیار ہیں۔

نوٹ:۔ مرچوں کی مقدار میں حسب ذائقہ کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ کھٹاس کم کھانے والی خواتین املی کی مقدار میں کمی کرلیں۔
کڑھی پتہ اور سبز دھنیا مسالے میں ضرور شامل کرلیں۔

رباعیات

تحویل و تصرف و جواب دینا ہوگا
خوب و اوسط و خراب دینا ہوگا
ہشیار ہوشیار کہ وہ دن ہے قریب
ہر سانس کا جب حساب دینا ہوگا

دل زیست کے کانٹے میں تلے یا نہ تلے
منھ اپنے ہی ہاتھوں سے دھلے یا نہ دھلے
اس رات کے سجدوں کو غنیمت سمجھو
کیا جانیے کل آنکھ کھلے یا نہ کھلے

فیروز نظامی

قانون اور انتظامیہ میں اصلاح

- اتر پردیش میں بحالی امن کے لیے مسلسل اصلاحی خصوصی مہمیں چلائی گئی ہیں۔
- ۱۹۷۵-۷۶ء کے معمولی سال کے بہ نسبت ۱۹۷۷-۷۸ء میں ڈکیتیوں میں ۶ء۳۶ فی صد۔ چوریوں میں ۲۴ء۵ فی صد۔ دنگوں میں ۱۲ء۹ فی صد۔ نقب زنی میں ۱۹ء۸ فی صد اور لوٹ میں ۱۸ء۱ فی صد کی کمی ہوئی۔
- پولیس حکام کی لیاقت کا معیار، قانون میں اصلاح اور مجرموں کی گرفتاری کا اعلان۔
- جرائم اور مجرموں کے متعلق فوری اطلاع بہم پہنچانے کے لئے زیادہ سے زیادہ وائرلیس سٹوں کا انتظام۔ مخصوص پولیس حکام اور کارکنوں کے درمیان ٹیلیفون رابطہ۔
- جرائم کی اطلاع بہم پہنچانے والے گاؤں کے چوکیدار کو پانچ سو روپیہ انعام دینے کی اسکیم۔
- اسلحہ کے لائسنسوں کی تجدید کے وقت مالکان اسلحہ کے چال چلن کی تفصیلی چھان بین کے احکامات۔
- ریل گاڑیوں میں ہونے والے جرائم کی روک تھام کے لیے رات کی گاڑیوں میں جہاں تک ممکن ہے پولیس کا انتظام۔ قنوج۔ کاس گنج۔ متھرا۔ آگرہ، فرخ آباد۔ مغلسرائے، کانپور اور اٹاوہ کے علاقوں میں مختلف ٹرین ڈکیتیوں کا صفایا۔
- راہزنی کے انسداد کے لئے مخصوص کوششیں۔ قومی شاہراہوں پر مخصوص گشتوں کا انتظام۔ رات میں چلنے والی بسوں میں پولیس محافظوں کا انتظام۔
- آگرہ۔ بریلی ۲ اور لکھنؤ کے علاقوں میں قومی شاہراہوں پر راہزنی روکنے کے لئے، ریڈیو سے لیس گاڑیاں۔
- ٹرانسفارمروں، تاروں کے چوروں اور اسمگلروں وغیرہ کے خلاف خاص کارروائی — ٹرانسفارمروں کی چوری میں ایک سال میں ۲۰۵۰ کی کمی۔
- فرائض کی انجام دہی کے دوران مرنے والے پولیس کارکنوں کو ۵۰۰۰ روپیہ اور زخمیوں کو ۲۵۰۰ روپیہ کی مالی امداد دینے کے احکام۔

یہ اقدامات اتر پردیش میں بحالی امن میں مددگار ثابت ہوئے

سوچنا اور جن سمپرک وبھاگ اتر پردیش نے شائع کرایا۔

انسانیت کا خون

سید عارف حسینی

رات کے کوئی بارہ بج رہے تھے اور پورا شہر تاریکی کی لپیٹ میں تھا۔ اور ہر شخص نیند کی آغوش میں۔ اس تاریک شب میں ایک سنسان حویلی کے تہہ خانے میں چند فسادی عناصر کا ایک گروہ کسی اہم کام میں مشغول تھا اور پھر ایسا ہوا کہ تھوڑی دیر بعد اچانک ایک حادثہ ہوگیا۔ تقریباً پورے شہر میں آگ لگ گئی۔ سناٹے کا طلسم ٹوٹا۔ بچے، بوڑھے اور عورتوں کی چیخ پکار کی آوازیں گونجنے لگیں اور نظروں کے سامنے شہر کا زیادہ حصہ نذر آتش ہوگیا۔ کروڑوں کی جائداد تباہ ہوگئی، ہزاروں لوگ اس دنیا کو خیرباد کہہ گئے اور کتنی عورتوں کی عصمتیں لوٹ لی گئیں۔ تب حکومت کی مشنری حرکت میں آئی۔ اس دوران پورا شہر خالی ہوچکا تھا۔ اس دنگے میں جو لوگ اپنی جان بچانے کے لئے شہر چھوڑ چکے تھے ان میں غیر قوموں کے علاوہ کچھ مسلم خواتین بھی تھیں جن کے والدین، بھائی، بچے اور شوہر ہنگامہ کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ ان لوگوں کی ساری جائداد برباد ہوچکی تھی۔ مظلومین نے قریب کی ایک بستی میں اپنے ہمدردوں کی جھونپڑی میں پناہ لی۔ حالات جب بہتر ہو گئے تھے اس لئے کچھ دنوں تک ان ہمدردوں نے ان مظلومین کی دیکھ ریکھ کی۔ لیکن کب تک۔ بستی والوں نے یہ کوشش کی کہ ان لڑکیوں کی شادی کسی معقول جگہ کردی جائے، مگر ناکامی ہوئی اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی وہ یہ کہ لڑکوں نے تلک کی فرمائش کردی۔ ان کی دیکھ بھال کرنے والا اپنا کوئی نہ تھا اس لئے کچھ دنوں کی مصیبت اور پھر زمانوں کی ناقابل برداشت مصیبت کے بعد مجبوراً کچھ نے محنت و مشقت کو ذریعہ معاش بنایا اور کچھ نے جو کچھ بچے والوں کے رحم و کرم پر [illegible] ہوتا ہے۔ کچھ تو مجبوراً [illegible] اور کچھ ایسی تھیں جنہوں نے خودکشی کو ہی نجات دہندہ سمجھا۔

یہ تو آپ نے ایک اچانک حادثے کی تصویر دیکھی۔ لیکن یہ حادثہ مسلمانوں کے یہاں حقیقت کا روپ لے کر چلا آیا ہے ایک اسلام کا ماننے والا ہے۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والا ہے، مگر غریب ہے اور اس کی ایک لڑکی جوان ہے۔ بہت حسین ہے خوبرو اور نیک سیرت ہے۔ اس کے دل میں یہ تمنائیں جنم لے رہی ہیں کہ میری شادی ہوگی میرا بھی کوئی اچھا سا شوہر ہوگا اور میں بھی اپنی زندگی کو پرمسرت بناؤں گی۔ اس کا باپ شادی کی بات کرتا پھر رہا ہے ہر جگہ تلک کی فرمائش ہوتی ہے۔ وہ تھک جاتا ہے، مجبور ہو جاتا ہے، مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ وہ اپنی ناکامی کی پوری کہانی اپنی رفیقۂ حیات کو سناتا ہے اور اسی روز شب میں زہر کھا کر اس کی بیوی ابدی نیند سو جاتی ہے۔ صبح ہوتی ہے اور گھر میں کہرام بپا ہو جاتا ہے۔ محلے اور پاس پڑوس کے لوگ آتے ہیں اصلیت معلوم ہوتی ہے۔ لوگ افسوس کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں قریب کی لاش اعزہ و اقربا قبر میں اتار کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اب کوئی پرسان حال نہیں۔ بیوی کے انتقال کے بعد یہ سارا بوجھ شوہر کے کاندھے پر آجاتا ہے اور ایک روز اتفاقاً کسی بے فکر ہو جاتی ہے اور شوہر جاں بحق ہو جاتا ہے ابھی ماں کے مرنے کا غم کم بھی نہیں ہوا تھا اس جوان کنواری لڑکی نے بھی دریا میں چھلانگ لگا دی۔

اے قوم کے لوگو! ذرا غور کرو کیا یہ عبرت کا مقام نہیں ہے کہ ہمارے گھر کی لڑکیاں خودکشی کریں۔ [illegible] نچیں اور دوسروں کے پروگرام کریں۔

اے قوم کے نوجوانو! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے گھر کی

بدلی کا چاند

از عبدالمجیب سہالوی

میں نے کہا مرزا صاحب! ابھی برسات اچھی طرح شروع بھی نہیں ہوئی اور آپ بدلی کا چاند ہوگئے۔ آنکھیں صورت دیکھنے کو ترس گئیں۔ معلوم ہوتا ہے آج کل بھابھی خوب پکوان پکا پکا کر کھلا رہی ہیں۔ اسی لئے گھر سے باہر نکلنے کو دل نہ چاہتا ہوگا۔

مرزا نے منہ بنا کر کہا چلے پر نمک مرچ نہ چھڑکو۔ جب تک گرمی رہی تمہاری بھابھی اس کا رونا روتی رہیں اور کہتی رہیں کہ ایسی تڑپ کی گرمی میں چولہے کے پاس جانا دوزخ میں جانے سے کم نہیں ہے۔ اب خدا خدا کر کے گرمی ختم ہوئی پانی برسنے لگا تو اب یہ شکایت ہے کہ اس پانی بوندی میں گیلی لکڑیوں سے کھانا پکانا آنکھیں پھوڑنا ہے۔ تمہیں پکوان کی سوجھ رہی ہے یہاں یہ حال ہے کہ جب سے پانی برسنا شروع ہوا ہے سوائے کھچڑی کے کوئی دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔

میں نے کہا کیا کھچڑی کوئی بری چیز ہے جاننے والے تو کھچڑی کے ایسے شوقین ہیں کہ اگر پتہ چل جائے کہ محلے میں کھچڑی پکی ہے تو مانگ کر کھائے بغیر چین نصیب نہ ہو۔

مرزا۔ ارے بھائی میں کب کہتا ہوں کہ کھچڑی بری چیز ہے لیکن اگر روزانہ دونوں وقت پلاؤ ہی پلاؤ کھلایا جائے تو بھی جی اکتا جائے گا یہ تو کھچڑی ہے۔

میں نے کہا مرزا صاحب! اتنے دنوں کے انتظار کے بعد ملاقات ہوئی تھی میں سمجھا تھا کہ موسم بہار کا آپ پر خوشگوار اثر پڑا ہوگا اور آپ جھوم جھوم کر مزے مزے کی باتیں کریں گے لیکن آپ نے آتے ہی کھچڑی کا رونا رونا شروع کر دیا۔ اگر موڈ ٹھیک ہو تو میاں بیوی کے جھگڑے پر ایک لطیفہ سن لیجئے۔ جیسے آج آپ بھابھی سے اکڑ گئے ہیں اسی طرح ایک صاحب کی ان کی بیوی سے لڑائی ہوگئی آپ تو حضرات [illegible] کے ادھر ادھر چلے آئے لیکن وہ صاحب زرا زیادہ جذباتی تھے [illegible] زیادہ طول کھینچا تو انہوں نے [illegible]

نے خودکشی کی ٹھان لی اور دوڑ کر بازار گئے اور وہاں سے زہر کی پڑیا لے آئے اور روز کی جھک جھک سے نجات پانے کے لئے پڑیا کھا کر پانی پی لیا اور چارپائی پر لیٹ کر ملک الموت کا انتظار کرنے لگے۔ مگر بھلا ہو ملاوٹ کا ملاوٹی زہر کھانے سے موت تو آئی نہیں بس چند ابکائیاں آئیں اور یہ پھر چنگے ہوگئے۔

ادھر بیگم نے جب میاں کو موت کے منہ میں جانے کے بجائے چارپائی سے اٹھتے ہوئے دیکھا تو سر پیٹ لیا اور روتے ہوئے کہا کہ ہزار بار سمجھایا کہ آج کل چیز اچھی طرح دیکھ بھال کر لیا کرو۔ خواہ مخواہ اتنے پیسے بھی خرچ ہوئے اور جس کام کے لئے لائے تھے وہ کام بھی نہیں ہوا۔

خدا کا شکر ادا کیجئے کہ ایسی بیوی سے سابقہ نہیں پڑا۔ ورنہ معلوم نہیں کب کا کریا کرم ہوچکا ہوتا۔

مرزا نے زبان سے تو خدا کا شکر نہیں ادا کیا لیکن چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور مزے میں آ کر بولے تو اسی بات پر ایک اور لطیفہ سن لیجئے۔

میاں، بیوی میں خوب لڑائی ہوئی۔ بیوی غصے سے بھری ہوئی کوٹھے پر گئیں اور وہاں سے سوٹ کیس ہاتھ میں لئے ہوئے اتریں۔ یہ دیکھ کر میاں کی باچھیں کھل گئیں۔ اس پر بیوی جل کر بولیں۔ جتنا خوش ہوتا ہو آج جی بھر کر خوش ہو لیجئے۔ کل یہ خوشی خود بخود غائب ہو جائے گی۔ میں میکے نہیں جا رہی ہوں۔ یہ خالی سوٹ کیس بھیج رہی ہوں تاکہ امی اپنا سامان لے کر یہاں آجائیں۔

میں نے کہا آپ خوش قسمت ہیں کہ شادی سے پہلے سسر صاحب شادی کے دوسرے مہینے ساس صاحبہ کو پیاری ہوگئیں۔ آنے جانے کا جھگڑا ہی باقی نہ رہا۔

انتخابات تعلیمات قرآن

۱۔ تو کہہ دے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ تو کوئی اللہ سے پیدا ہے اور نہ کسی نے اللہ کو پیدا کیا ہے۔ اور اس کے برابر کا کوئی نہیں (سورہ اخلاص)

۲۔ اس (اللہ) کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا سکتا ہے۔ وہ نہایت لطیف و خبردار ہے۔ (سورہ انعام)

۳۔ اور وہ (اللہ) سب کو کھلاتا ہے اور اسکو کوئی نہیں کھلاتا۔ (سورہ انعام)

۴۔ اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ (سورۂ توبہ)

۵۔ اللہ سب چیزوں کا جاننے والا ہے (سورہ بقرہ)

۶۔ وہی (اللہ) سب سے پہلا ہے اور سب کے پیچھے (سورہ حدید)

۷۔ اس (اللہ) کا کوئی شریک نہیں (سورۂ انعام)

۸۔ ہر چیز اللہ کے سامنے ہے (سورۂ حج)

۹۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کے روبرو ہے (سورہ آل عمران)

۱۰۔ اللہ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں (سورہ آل عمران)

۱۱۔ اور غیب کی کنجیاں اس (اللہ) کے پاس ہیں اس کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا (سورۂ انعام)

۱۲۔ آپ (رسول اکرمؐ) کہہ دیجئے کہ اگر میں غیب کی باتیں جان لیا کرتا تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو کوئی مضرت نہ پہنچتی۔ (سورۂ اعراف)

۱۳۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ (سورۂ بقرہ)

۱۴۔ اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے (سورۂ مائدہ)

۱۵۔ اور وہی (اللہ) سب سے برتر عظمت والا ہے۔ (سورہ بقرہ)

۱۶۔ آپ (رسول اللہ) کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو راہ بتلائی ہے وہی سیدھی راہ ہے (سورہ انعام)

۱۷۔ بے شک اللہ ہی دعا کا سننے والا ہے (سورہ آل عمران)

۱۸۔ دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ مجھ سے (اللہ سے) دعا مانگے (سورہ بقرہ)

۱۹۔ اللہ ہی جس کو چاہے عزت دے اور اللہ ہی جس کو چاہے ذلت دے۔ (سورۂ آل عمران)

۲۰۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورہ الحج)

۲۱۔ اور (اللہ) جب کسی کام کو حکم کرتا ہے تو اس کو یہی فرماتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔ (سورہ البقرہ)

۲۲۔ اور یہ کہ وہی (اللہ) مارتا ہے اور جلاتا ہے (سورہ النجم)

۲۳۔ جس کو چاہے (اللہ) بیٹیاں بخشتا ہے اور جس کو چاہے بیٹے بخشتا ہے۔ (سورہ شوریٰ)

۲۴۔ اور ہر کام کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے (سورۂ الحج)

۲۵۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں (سورہ یونس)

۲۶۔ اور جو کوئی زمین پر چلنے والا ہے۔ اسکی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ (سورہ ہود)

۲۷۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھکر کون سچا ہو سکتا ہے۔ (سورۂ النساء)

۲۸۔ سجدہ نہ کرو سورج کو نہ چاند کو (بلکہ) اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان کو بنایا۔ (سورہ حم سجدہ)

۲۹۔ تم جہاں بھی ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں بھی محفوظ ہو۔ (سورہ النساء)

۳۰۔ بیشک اللہ اس کو نہیں بخشتا جو اس (اللہ) کا شریک ٹھہرائے۔ (سورہ النساء)

۳۱۔ بے شک جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا سو اللہ نے اس پر جنت حرام کی اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہے۔ (سورۂ مائدہ)

۳۲۔ [illegible] آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم جیسا ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی آتی ہے۔ (سورۂ کہف)

چاند سی دلہن کی تلاش

مسز لطف الرحمٰن

"کچھ دیر فرصت کا فون آیا تو میں نے ہی ریسیو کیا۔ "باجی۔ باجی وہ خدا ... بچکانی۔"

"ہاں ہاں بولو۔"

"باجی ایک بات بتاؤں نہایت ہی حیران کن!"

"ارے بھئی بولو بھی چکو۔ کیوں میرے صبر کا امتحان لے رہی ہو۔"

"تو سنیے سنیے وہ وہ مسز معروف ہیں نا" اس کے اتنا کہتے ہی میں ہمہ تن گوش ہو گئی: "ارے ہاں آج پھر کہیں جانے کا پروگرام ہوگا۔"

"نہیں باجی! آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں۔ وہ تو کل رات کی فلائٹ سے واپس یو ایس اے جا چکی ہیں۔"

"ہائیں کیا کہا!" میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا "کیا واقعی؟" مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک مرتبہ وضاحت چاہی تو اس نے بتایا کہ وہ واقعی جا چکی ہیں۔ ان کا بیٹا اور بہو دس بارہ روز بعد واپس جائیں گے۔ وہ بیچاری سے مجھے ان کی حالت پر ترس آ رہا تھا اس کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

فرحت نے مختصر سی گفتگو کے بعد فون تو بند کر دیا لیکن میں مسز معروف کے متعلق ہی سوچتی رہی۔ ان کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات یاد آنے لگے جب وہ دن رات میرے گھر کے چکر لگاتی تھیں ہائے کیا دن تھے۔ وہ یاد کرو تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہر تیسرے چوتھے روز ان کا فون میرے پاس آتا۔ "مسز طلعت تیار رہیے گا۔ آج شام چلنا ہے نا" وہ یہ مختصر سا جملہ کبھی نہ کرتا تیں اور میں مطلب سمجھ جاتی ان کا اب تو یہ معمول بن چکا تھا ہر تیسرے چوتھے روز مجھے ساتھ لے کر ایک لاجواب بہو کی تلاش میں نکل جاتیں۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ [illegible] معروف صاحبہ اعلیٰ طبقے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے میں جو کہ بیٹا

بھی تو بقول ان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ، سند یافتہ اور لاڈلا جسے کیا کیا نہ تھا اور پھر سونے پر سہاگہ یہ کہ وہ اکلوتا تھا ارے ہاں یاد آیا ایک ڈگری بقول ان کے یہ بھی تو تھی کہ وہ یو ایس اے میں رہتا تھا۔

شروع میں تو ہم صرف اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسمارٹ لڑکیاں ہی تلاش کرتے رہے اور دعوتیں اڑاتے رہے اس کے بعد ایک دن مسز معروف نے مجھے بتایا کہ ان کے بیٹے کا خط آیا ہے اس نے ایک لیڈی ڈاکٹر کا مطالبہ کیا ہے۔ اوہ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ کیا ہماری اتنے دنوں کی محنت رائیگاں گئی ہم بھی منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

تو صاحبو! جب یہ مہر بھی ثبت ہو گئی۔ تو پھر ہماری تلاش کا عالم نہ پوچھئے پہلے ہم نے خاندان بھر کی لیڈی ڈاکٹرز کو کریدنا شروع کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ ہر لڑکی کے پاس ڈاکٹری کی ڈگری تو تھی لیکن باقی صفات اور اسناد جو ان کی بہو بننے کے لئے ضروری تھیں وہ نہ تھیں یا پھر برائے نام ہی تھیں جب خاندان بھر میں ان کے معیار کی لڑکی نہ ملی تو ہم نے خاندان سے باہر کا رخ کیا۔ بس کچھ نہ پوچھئے۔ پھر تو ہم شفاخانے اور ہسپتال تک محدود ہو گئے۔ خاصی جد و جہد کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ مقامی ہسپتال میں ایک ڈاکٹر ہے جو نہایت ذہین، اسمارٹ، خوش اخلاق اور نہایت اہم عہدے پر فائز ہے۔ بس اب تو ہم مطمئن ہو گئے چلو چھٹی ہوئی۔ اب تو منزل قریب ہی ہے یہی سوچتے ہوئے ہم مسز معروف کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے کہ کب شام ہو اور کب ہم ان سے مل کر یہ مژدہ سنائیں۔ خیر صاحب شام بھی ہو گئی۔ تقریباً پانچ بجے گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ میں جلدی سے گیٹ کی طرف دوڑی کہ انہیں یہ بتاؤں کہ جس کی انہیں تلاش ہے وہ مل گئی۔

"آئیے آئیے" میں نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا اور ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

نظر آ رہے تھے۔ مسز علی اخون نے ہنستے ہوئے کہا "چلیے انھیں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ جس قدر جلدی کیجیے جلدی اس لئے بھی ہے آج رات ایک اور لڑکی کو بھی دیکھنے جانا ہے۔"

ہم سب ہم دل ہی دل میں ان کی کامیابی کی دعا مانگتے ہوئے ساتھ ہولیے۔ جلد ہی گھر تک پہنچے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اہل خانہ کے ذوق کا اندازہ ہو رہا تھا۔ نہایت خوبصورت لان کو عبور کرنے کے بعد ہم ان کے ڈرائنگ روم تک پہنچے۔ ڈرائنگ روم نہایت جدید قسم کے فرنیچر سے آراستہ نفاست کے ساتھ سجا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پینٹنگز دیکھنے کے بعد ہمیں یہ احساس ضرور ہوا کہ یہاں کوئی آرٹسٹ بھی ہے جس نے اس قدر حسین وجمیل تصاویر بنائی ہیں۔ جدید طرز کے آرائشی سامان سے مزین ڈرائنگ روم کو ان پینٹنگز نے کچھ اور بہار بخش دی تھی۔

اس نشست گاہ میں ہمارے ساتھ ڈاکٹر کی والدہ اور بہنیں بھی موجود تھیں۔ گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا ایک دوسرے کے پشت در پشت اور حسب نسب کا اندازہ لگایا گیا کیونکہ مسز معروف کو ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ اس سلسلہ میں ایک بار زبردست دھوکہ کھا چکی ہیں اور اب مزید گنجائش نہ تھی۔

جب چھان پھٹک ہو چکی اور ہم ان کی گفتگو سے خاصے بور ہونے لگے تو گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے ان کی چھوٹی بہن سے سلسلہ کلام شروع کیا باتوں ہی باتوں میں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ تمام پینٹنگز ڈاکٹر صاحبہ نے خود بنائی ہیں انھیں فن مصوری کے علاوہ خانہ داری میں بھی مہارت حاصل ہے ہر قسم کی اعلیٰ ڈشیں بے حد لذیذ تیار کرتی ہیں اتنی صفات سن کر مجھے اس ڈاکٹر پر رشک آنے لگا جو اتنی مصروفیت کے باوجود اس قدر ہنرمند بھی تھی۔ کاش میرا بھی اپنا کوئی بھائی کنوارا ہوتا اور میں اس کو بیاہ کرکے جاتی لمحہ بھر کو میں نے سوچا۔ اس کے بعد خاطر مدارات کا دور شروع ہوا جو نہایت خوش اسلوبی سے اختتام کو پہنچا کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد ہم نے اجازت طلب کی اور رخصت ہوئے۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد میں نے مضطرب سے انداز میں مسز معروف سے پوچھا کیسی لڑکی لگی؟ پسند آئی؟ کیا خیال ہے آپ کا؟ میں نے سوالوں کی بوچھار کر دی۔

"ہوں" انھوں نے مجھ کو کہا کہتے ہوئے جواب دیا۔ "مسز علی خیال تو درست ہے لیکن شاید آپ نے غور نہیں کیا لڑکی نے اپنی بہن رکھی تھی اس کے اور ہم دونوں سے زیادہ بڑی نظر آ رہی تھی۔" اوہ تو یہ بات تھی واقعی میں نے اس قدر غور سے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے اپنی کوتاہی کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس گفتگو کے بعد مجھے یہ احساس ہونے لگا جیسے کسی نے میری ہیل کو توڑ کر رکھ دیا ہو اور میں گرتے گرتے بچی ہوں۔

"تو کیا اب بھی ناکام ہی رہے" یہ سوال دوبارہ مجھے جھنجھوڑ رہا تھا۔ اب میں نے دل ہی دل میں یہ تہیہ کر لیا کہ آئندہ اس مہم میں شریک نہیں ہوں گی۔ نہ جانے انھوں نے .... مجھے کس قدر عقل مند سمجھ رکھا ہے۔ جو ہر جگہ میری ضرورت محسوس کرتی ہیں۔

تقریباً ایک ہفتہ گزر چکا تھا نہ تو مسز معروف آئیں اور نہ میں ان کے پاس جا سکی۔ ابھی میں یہ سوچ ہی رہی تھی کہ ان کی گاڑی کے مخصوص ہارن کی آواز سنائی دی جا کر جب دیکھا تو مسز معروف تو نہ تھیں البتہ ان کے صاحبزادے تشریف لائے تھے۔ "ارے تم" میں نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تم کب آئے؟"

"کل ہی تو آیا ہوں اور آیا بھی صرف دس روز کے لیے ہوں آنے کا مقصد تو آپ جانتی ہی ہوں گی۔" اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ رسمی علیک سلیک خیر و عافیت کے بعد اس نے میرے ہاتھ میں کارڈ تھما دیا۔ "یہ کیا۔ یہ کس کا ہے؟" دونوں سوال یک زبان ہو کر میرے منہ سے نکلے۔

"یہ شادی کا کارڈ ہے اور میری شادی کا" میں نے کارڈ ہاتھ سے لیتے ہوئے جلدی جلدی نگاہ دوڑائی کہ آخر وہ خوش قسمت ہے کون جو اس ہونہار کے ساتھ منسوب ہوئی ہے۔ "ارے یہ تو تمہاری چچازاد ہے۔ ان لوگوں سے تو تمہارے والدین ناراض تھے۔ اور پھر یہ ڈاکٹر بھی تو نہیں پھر یہ .... یہ سب کیسے ہوا" میں نے کئی سوال ایک ساتھ ہی کر ڈالے۔

وہ ایک تلخ سی ہنسی ہنس دیا۔ "ارے آنٹی چھوڑیے ان قصوں کو .... آپ یہ بتائیے کہ امی میرے لیے کب سے دلہن ڈھونڈ رہی ہیں؟" اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا۔

"یہی کوئی ایک ڈیڑھ سال سے اور ہاں وہ بھی تو ایک لیڈی

پونٹوں کی حدت بہ ٹھیک سے جانتے ہوئے اس نے اپنی ماں سے
کچھ ایسے ہی الفاظ کہے تھے جن کا جواب سنے بغیر وہ اوپر چلی گئی تھی —
اوپر — چھت پر — جہاں محمود سامنے مکان کی چھت پر کتاب پڑھتے ہوئے سہیل
بیٹھا اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے سینے میں جوان دھڑکنیں سہیل
کو دیکھ کر تیز ہو جایا کرتی تھیں۔ وہ بھی چپکے دوپہروں اوپر آکر اس کے
چھت پہ آنے کا انتظار کر رہا ہوتا تھا۔

سہیل! سہیل! — نفرت، کراہت اور پچھتاوے اس
کے ذہن میں پھیلا اٹھے۔ اس کا دم گھٹنے لگا۔ ماضی تلخ ماضی
جیسے وہ سر سبز امید بھی تھی جس کی اذیتوں کو افضل کی سادہ لوحی اور
دولت نے بھولا تحفظ دے دیا تھا۔ آج اچانک اور بالکل اچانک
حال کے سینے سے چمٹ پڑا تھا۔ رابعہ پہلے بھی نہایا کرتی تھی۔ پیازی
کپڑے بھی نئے نہ تھے۔ اس کا چھت پر جانا بھی کبھی دیکھ نہیں پایا تھا
لیکن آج — آج — تیس سال کے وہ نازک اور کمزور لمحے اچانک
لوٹ آئے تھے۔ انجان پنے میں سرزد ہو جانے والی بڑی بڑی
غلطیاں نگاہوں میں گھوم گئی تھیں۔

پھر کچھ تو تھا ہی ویسا ہی گھر تھا۔ تنگ گلی میں ساتھ ساتھ جڑے
مکان جن کی چھتیں چھوٹی چھوٹی دیواروں سے الگ ہوتی تھیں۔ دیوار
پھلانگنا اتنا سہل تھا۔ اور ساتھ والے گھر میں محمود بھی تو رہتا تھا
جوان۔ خوبصورت اور جوشیلا سا محمود۔

رابعہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ اور ساتھ والے گھر سے محمود کی
آواز آ رہی تھی۔ جانے اماں سے کس بات پر وہ بحث رہا تھا۔
آج پہلی بار اسے محمود کے وجود کا احساس اتنے تلخ انداز میں
ہوا۔

وہ پھر لیٹ گئی۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کیا تاریخ اپنے
آپ کو دہرا رہی ہے۔ وہ بار بار یہی سوچ رہی تھی لیکن نہیں —
وہ ایسا کرنے نہیں دے گی۔ رابعہ کو وہ زندگی کے اس گھاؤنے
پن سے دوچار نہیں ہونے دے گی۔ وہ یہاں تک سوچ بیٹھی
کہ اگر رابعہ نے کوئی مزاحمت کی تو وہ اس کا گلا اپنے ہاتھوں سے
گھونٹ دے گی۔

بادل بڑی تیزی سے بڑھ رہے تھے پھیل رہے تھے —
امنڈ رہے تھے۔ بجلیاں تڑپنے لگی تھیں اور ہواؤں کا زور بڑھ گیا
تھا۔ رابعہ نے کروٹ بدلی۔ اور رخ دوسری طرف کرکے سو گئی تھی
نے نیند ہی میں چادر ڈھونڈنے کو ہاتھ پاؤں مارے۔

اس نے بڑی بیچارگی سے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ رات
بھی ایسی ہی تھی جس نے دم توڑ دیا تھا۔ اور بھادوں میں ابر آلود
بوجھل پن آگیا تھا۔ حبس کی ساری شدت ختم ہو گئی تھی۔ ایسے
میں چارپائیاں بچھی تھیں۔ اور وہ اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں
کے ساتھ سوئی ہوئی تھی۔ اور پھر مشرقی سمت سے امنڈنے والے
بادل تیزی سے چڑھ آئے۔ ہوائیں آندھی کا روپ دھار رہی تھیں۔
بجلیاں تیزی سے تڑپنے لگی تھیں۔ بوندوں کے پہلے ریلے پر ہی
چھت پر بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ اس کے بھائی بستر سمیٹ کر نیچے
اتر گئے تھے۔ ماں باپ نے لکڑیوں والی کوٹھڑی میں چارپائیاں
کھینچ لی تھیں۔ اور اس نے اپنا بستر ڈیوڑھی کی چھت والے کمرے
میں ڈال لیا تھا۔ اسے یہ اچھی طرح علم تھا کہ اس کمرے کی گلی میں
کھلنے والی کھڑکی سہیل کی چھت والے کمرے کی کھڑکی سے اتنی
قریب ہے کہ ذرا سی احتیاط برتی جائے تو آسانی سے فاصلوں
کی لکیر مٹ سکتی ہے۔ پھر واقعی اس رات جب بادل گرج رہے
تھے بجلیاں تڑپ رہی تھیں اور ہواؤں کا انداز مجنونانہ ہو گیا
تھا۔ اور پھر جانے بادل کتنا گرجے تھے۔ بجلیاں کتنی تڑپ کے
تڑپی۔ اور ہواؤں نے کس کس رخ اپنا سر پٹخا تھا۔ اسے تو
ہوش اس وقت آیا۔ جب وہ سہیل کے کندھے سے لگی سسک
رہی تھی۔ اور وہ اسے بڑے بڑے حسین وعدوں کے سہارے
بہلا رہا تھا۔

اسے کپکپی سی محسوس ہوئی۔ گھبرا کر اس نے افضل کی طرف
دیکھا۔ اپنا مجرم ضمیر کانپ کانپ اٹھا۔ جانے وہ جذباتی پن میں
کیا حرکت کر بیٹھی — کہ اچانک بادل زور سے گرجا۔ اور بوندوں
کا پہلا ریلا سونے والوں کو بیدار کر گیا۔ گلو۔ جی نے جلدی جلدی
بستر سمیٹا اور سیڑھیوں کی بتی جلا کر نیچے اتر گئے۔ رابعہ بھی اٹھ
بیٹھی — ابو کا پلنگ ایک طرف سے پکڑ کر اس نے برآمدے
میں بچھوا دیا — امی کی چارپائی بھی ان کے ساتھ لگوا دی۔ پھر اپنی
چارپائی اٹھا کر ایک طرف کھڑی کرتے ہوئے دری میں لپیٹا تکیہ
اور چادر لئے کمرے کی طرف بڑھی۔

اس دن کے بعد عشرت بیگم کو ان سے کہا تو مگر انہیں اندر کے کا اشارہ
کیا تھا ... مدحت کا اس کا ہاتھ تھامے ان کے پیچھے چل
آئی۔ سامنے آ کر سلام کرتے ہوئے جب وہ ان کی آنکھ
چار ہوئیں تو ... کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے
تھے لیکن ان میں سب سے پر وقار شخصیت دادی اماں کی تھی۔ جو
چاندنی پر بچھے تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بڑی تمکنت
سے ... کرنے میں مصروف تھیں۔ ان خاتون نے جو مدحت
کی امی تھیں ... نے ان سے کہا کہ دادی اماں مسکرا دیں
اور قریب بلا کر بڑی شفقت سے اس کا نام پوچھا ... نظریں جھکا
کر اس نے دھیرے دھیرے جواب دیا تھا۔ ہم کوئی نوکری کرنا چاہتے
ہیں بیگم صاحبہ تو دادی اماں اس کے انداز تخاطب پر چونک
پڑی تھیں۔ ان کی دور اندیش فطرت نے شاید چمن کی اس اجڑی
بہار کو پہچان لیا تھا۔ اور شاید یہی سبب تھا جو حویلی میں اسکی
حیثیت اعلیٰ تھی۔ اس کی دادی اماں کو بڑھاپے کے پیش نظر
کوئی کام نہ سونپا گیا اور وہ بس دادی بیگم کے قریب ہی رہیں۔

ادھر مدیحہ اور مدحت اتنی گہری سہیلیاں تھیں کہ دوسرے
ساتھی ان کی محبت پر رشک کرنے لگے وقت کے ساتھ ساتھ جب
دونوں کے قد و قامت اور صورت میں تبدیلی ہوئی تو لوگ حیران
تھے۔ ایک رنگ چمن میں کھلنے والی کلیاں کس قدر ایک دوسرے
سے مشابہت رکھتی تھیں۔ مدحت مدیحہ کے گھنگھریالے گھنے ہوئے
بالوں پر فدا تھی تو مدیحہ اس کی سیاہ گہری انتہائی خوبصورت
آنکھوں پر نثار۔ مدحت اکثر بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچپن
کے ساتھی شہزاد کا تذکرہ کیا کرتی جو برسوں پہلے بچپن ہی میں اپنے
خاندان کے ساتھ دور شہر نگاراں بمبئی میں جا بسا تھا۔ اس کے
دیے ہوئے چھوٹے چھوٹے تحفے مدحت کو اپنی جان سے زیادہ
عزیز تھے ... وہ انہیں بڑی حفاظت سے رکھتی۔ لیکن جس طرح
چاند بھی بے داغ نہیں ہوتا اسی طرح مدحت کی زندگی میں بھی ایک
داغ تھا بچپن کے حادثے کا۔ باغ میں ساتھیوں کے ساتھ کھیلتے
ہوئے مدحت کو اچانک اپنے ابو کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ اس کے
ابو کا ... ہوائی جہاز سرحد پر کریش ہو گیا تھا۔ اس وقت جنگ
پڑھنے ... مدحت اس وقت آم کے پیڑ کی اونچی

[illegible] شہزاد نے کسی بات پر جھگڑا کیا تھا۔ نیچے اترنے کی کوشش
کی تھی ... [illegible] ... بڑی مشکل سے
[illegible] ... کے باعث اس کے
سر میں گہرا زخم آیا تھا ... بروقت علاج کے باوجود وہ زخم اپنی
نشانی مدحت پر چھوڑ گیا ... پھر ابو کی ناگہانی موت کے بعد تو
وہ بالکل خاموش ہو کر رہ گئی تھی شہزاد کے سوا ساتھیوں سے آنا
جانا ... لیکن شہزاد بھی ایک دن بہت دور چلا گیا۔ اب مدیحہ
ہی اس کی ہم راز و غمگسار باقی رہ گئی تھی ... دادی بیگم بھی
حویلی کی تمام رونق سمیٹ کر ہمیشہ کے لئے اپنے خالق کو جا ملی
تھیں۔ یہ سارے تغیر مدیحہ کے سامنے ہی واقع ہوئے تھے۔
دوسروں نے تو کسی نہ کسی طرح ان حادثوں کو بھلانے کی کوششیں
کی تھیں اور ویسے بھی جانے والوں کو کوئی کب تک یاد رکھتا ہے
سب کچھ ایک بھولی بسری یاد میں گم ہو جاتا ہے لیکن مدحت کسی
کو بھول نہ پائی۔ وہ ان ساری چیزوں کو بڑی محبت اور سلیقہ
سے اٹھا اٹھا کر رکھتی۔ دیکھتی۔ سینے سے لگاتی جو اسکے والدین اور
اس کی چاہنے والی دادی بیگم اور اس کے شفیق بابا جان سے
وابستہ تھیں ... وہی حویلی تھی۔ وہی شان و شوکت تھی۔ وہی
شب و روز تھے۔ وہی محفلیں تھیں۔ لیکن پھر بھی ایسا لگتا تھا جیسے
بہت کچھ کھو گیا ہو۔

برسوں بعد ایک صبح مدحت کو گنگناتے ہوئے سن کر وہ حیران
رہ گئی تھی۔ اس نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا تھا مگر وہ یہ
جاننے کے لئے بیقرار تھی کہ وہ خاموش افسردہ لب کس بات پر
کھل اٹھے تھے۔ وہ لب جن کی مسکراہٹوں کے لئے وہ ترس گئی تھی

یاد میری ان کو کبھی آتی ہی تو ہوگی۔
رنگ دل کی دھڑکن لاتی ہی تو ہوگی۔

مدحت آنکھیں بند کئے سرشار لہجے میں اپنے پلنگ پر لیٹی
گنگنا رہی تھی کہ مدیحہ کے بے ساختہ سوال پر شرما کر رہ گئی تھی ...
جھینپی جھینپی مسکراہٹوں تلے اس نے جواب دیا تھا۔ عرفی چچی جان
نے اس بار مجھے بھی اپنے ساتھ بمبئی لے جانے کا فیصلہ کیا ہے بھئی
چچی جان کا میکہ تھا ... مدیحہ اس کے چہرے پر بکھرے گلاب کو دیکھ کر
کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی ... تو اب تک مدحت شہزاد کو بھولی نہیں۔ اسے

کیا سوچ رہی ہو۔ جینی؟: ابرار اوپر آیا: کہو۔ تمہارا جانا طے ہوچکا؟۔
ہو جائے گا۔ بیٹھیے بھائی جان آپ کو پتہ ہے کہ رات کو مصطفےٰ صاحب کے دل میں
درد ہوا تھا۔ یہ .... ہوا تھا:
اچھا۔: ایک [illegible] کر کے ابرار نے حیرت کے مارے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا: تو
پھر اب اس کی کیا حالت ہے؟۔
وہ اپنی ڈریم کو ٹی پر سوار ہو کے ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے۔
اچھا اچھا: وہ ہنسنے لگا۔
آپ ہنس رہے ہیں؟: اس نے برا مانا۔
سنو جینی۔ کچھ تم نے اندازہ لگایا کہ یہ درد دل جسمانی ہے کہ افسانوی۔؟
جی؟: وہ چونک گئی۔
اس بد معاش کے کبھی درد دل نہیں ہو سکتا۔ مکاری کر رہا تھا۔
نہیں بالکل نہیں۔ سچ مچ ان کے دل میں درد تھا: جینی وثوق سے بولی۔ پھر
اس کے پاس کھسک کر رازداری سے کہنے لگی: آپ کو ان کی ایک بات معلوم ہے؟:
مجھے اس بد معاش کی رگ رگ کا پتہ ہے۔ لیکن تم کہو کیا بات ہے:۔
آپ کو یہ پتہ نہیں کہ وہ کسی پروفیسر کی صاحبزادی سے۔ کچھ دلچسپی۔!۔
ابرار نے قہقہہ لگایا: تم سمجھتی ہو۔ وہ صاحبزادی انھیں دل کی بیماری کا تحفہ
دے گئیں [illegible]

یہ بالکل سچ ہے:
تم کہتی ہو تو سچ ہی ہوگا۔ لیکن وہ کبھی اس معاملہ میں سیریس نہیں رہا۔
ابھی پہلے میں نے سوچا تھا کہ ان کی راہوں سے ہٹ جاؤں۔
کیا مطلب؟

لڑکے اپنا سارا سامان بک کیپر کی نگرانی میں چھوڑ کر آخری مرتبہ اپنے وطن
سے رخصت ہونے باہر چلے گئے۔ لڑکیاں دوپاٹے میں بیٹھی زور زور سے باتیں
کر کے قہقہہ لگا رہی تھیں۔ جینی الگ تھلگ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس وقت
وہ سب کے ساتھ چائے پیتی تھی۔ اسے بے ساختہ پھوپھی اماں یاد آئیں۔ بیچاری
کتنی مغموم تھیں۔ اسے مصطفےٰ یاد آیا۔ کتنا شریر اور بے پرواہ تھا مگر شریف
و مہذب بھی اتنا ہی تھا۔ کبھی اس نے اس سے ایسی کوئی بات نہیں کی جو
خلاف تہذیب اخلاق سے گری ہوئی اور شرافت سے بعید ہوتی۔ اس کے
دل میں درد تھا۔ معلوم نہیں۔ اب وہ کیسا ہے؟۔ کتنا بے جگر اور بے پرواہ آدمی
ہے کہ اتنے بڑے مرض کی بھی اہمیت نہیں سمجھتا!۔ پھوپھی اماں کا اکلوتا چہیتا
بیٹا۔ اور پھوپھی اماں کو پتہ ہی نہیں کہ اسے کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ کاش
وہ ان سے کہہ آتی۔
اس کے ہاتھ دعا کے پیرایہ میں آسمان کی طرف اٹھ گئے۔
میرے اللہ۔ مصطفےٰ کو کبھی کچھ نہ ہو۔
اور دو آنسو اس کے مرجھائے ہوئے گالوں پر ڈھلک گئے۔ تب اسے
شدت سے احساس ہوا کہ اسے اپنے دور کے چچا زاد سے بہت محبت تھی!۔
مس علی!: اچانک ایک لڑکی نے اسے پکار لیا۔
جلدی سے گال صاف کر کے وہ مڑی۔ اور زبردستی مسکرائی۔
یہ آپ نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ کیوں بنا رکھی ہے۔ آئیے ہمارے
پاس بیٹھئے۔ اب سب کو ایک دوسرے سے بے تکلف ہو جانا چاہیے۔ .... ہم
کہیں .... کم .... !:
[illegible]

[illegible] سے بے وقت ہوتی ہے۔ ! میں چلا!۔

جینی کے ساتھ منشی صاحب بھی تھے۔ لیکن جب وہ دونوں حیدر آباد پہونچے [illegible] تو پتہ چلا کہ دوسرے شخص کے سفر کی مطلق گنجائش نہیں نکل سکی! منشی صاحب گھبرائے۔ جینی کو بھی وحشت سی ہوئی۔ لیکن پھر بھی اس کی [illegible] اسے بہر حال آٹھ دس افراد کے ہمراہ سفر کرنا تھا!

اس نے منشی صاحب کو سمجھا دیا تھا کہ وہ دہلی جا کر جلد تر اس کے پاس پہونچنے کی کوشش کریں۔ وہ بے چارے متذبذب تھے کہ تنہا گھر جا کر بیگم صاحبہ کو کیا جواب دیں گے!۔

جینی کا اتنا وقت اپنے ساتھیوں سے ملنے ملانے میں گزرا۔ اس کے ساتھ پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں!۔ ایک لڑکا اس کا ساتھی تھا!۔ وہ بہت لپک کر [illegible] پُرخلوص مصافحہ کرنے کے بعد اسے مبارکباد دینے لگا!۔

اس کی اجنبی گرفت دیر تک جینی اپنے ہاتھ کے گرد محسوس کرتی رہی۔ اور دل ہی دل میں پشیمان ہوا کی۔ پھوپھی کا کہا اسے یاد آیا۔ کہ مصافحہ اعلیٰ تعلیم کے مدارج کا پہلا زینہ ہے!۔ کتنی دیر تک اس کا ہاتھ اجنبی مرد کے ہاتھ میں رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینہ جھلک آیا۔

لڑکیاں اس سے باتیں کرتی رہیں۔ وہ سب بے پناہ خوش تھیں انھیں مفت میں تعلیم اور ایک بڑے ملک کی سیر کا بہانہ ہاتھ آیا تھا۔ لیکن جینی دلگرفتہ، اداس اور وحشت زدہ سی تھی۔ ان سب کو ایک ڈائریکٹ بس سے [illegible] بمبئی کے لیے نکل جانا تھا۔ وہاں انھیں سی آف کرنے کے لیے [illegible] صاحب، ابرار اور مصطفےٰ آنے والے

وہ لڑکی کہہ رہی تھی کہ وہ صرف میری وجہ سے یہاں نہیں آ رہی ہے!۔

مصطفےٰ نے کہا تھا۔ یہ سب کچھ۔؟

میں نے خود سنا تھا۔ اپنے کانوں سے!۔

میں جانتا ہوں کہ وہ کبھی ایسے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا۔ اسے ترقی پسند، بے حجاب اور تیز طرار قسم کی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔! وہ گھریلو لڑکیوں کو پسند کرتا ہے۔ یہ کہہ کر ابرار نے غور سے اس کا جائزہ لیا۔ لیکن وہ تو بدحواسی کی آخری حد سے گزر چکی تھی۔ کچھ بھی نہیں کہی تب ابرار نے سوچا کہ وہ بھی چپ رہے گا۔ شاید مصطفےٰ نے کوئی اور اسکیم سوچی ہو۔

جینی بھی کچھ سوچ رہی تھی!۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد مصطفےٰ واپس آ گیا۔ جینی اور ابرار کے پوچھنے پر اس نے بے حد سوکھا منہ بنا کر کہا۔ ڈاکٹر نے یکمشت پانچ انجکشن دیے۔ بارہ گولیاں دی ہیں اور تاکید کی ہے۔ مسلسل کھاتے رہنا ورنہ تیسرا دورہ تو گیا جو تھا اور پانچواں بھی پڑ سکتا ہے۔ [illegible] کا امکان بھی دور نہیں ہے۔

اور آپ آرام سے گاڑی میں جانے کے بجائے ہاتھی پر سوار ہو کے گئے۔ جینی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

ہاتھی پر۔ نہیں تو۔ گھوڑی پر گیا تھا۔ وہ بھولپن سے بولا۔

اچھا اب لیٹ جائیے۔ جینی نے حکم دیا۔

میں اس نخلے کو آرام سے لٹاتا ہوں۔ ابرار دانت پیس کر بولا۔ تم ہماری کافی لے آؤ۔

وہ چلی گئی تب ابرار نے اس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔

[illegible]

اس نے سوچا ہے کہ اب ایک ایک پرزے کی تہہ کون کھولے گا!"
میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وصیت؟" ابرار نے اشتیاق ظاہر کیا۔
"ابھی چلو میرے ساتھ دیکھ لو۔"
"چلو۔"
اتنے میں ملازم کافی لے آیا۔ ٹرے میں ایک کپ دودھ بھی تھا۔ ملازم نے مصطفٰے سے کہا۔
صاحب۔ جینی بیبیانے آپ کے لیے یہ دودھ بھیجا ہے۔ کہہ رہی ہیں کہ گولی کھا کے دودھ پی لیجئے۔ کافی نقصان کرے گی۔ اور یہ کافی ابرار میاں کے لیے ہے۔
اچھا بھائی اچھا! ابرار نے کہا اور جلدی سے ملازم کو بھگا دیا۔
اب کہو۔ ہے کہ نہیں خاموش پسندیدگی کا ثبوت!" ابرار نے ذوق سے کہا۔
تم نے بڑی حسین بات کہی ہے۔ خاموش پسندیدگی؟ مصطفٰے نے کہا۔ پھر ہنسنے لگا:
اس خوشی میں دودھ کی پیالی انعام دیتا ہوں۔ یہ تم پی لو۔ کافی مجھے بخش دو۔"
جی میں ایسا ایثار پسند نہیں" ابرار نے کہا اور کافی کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ آپ اپنا جام صحت نوش فرمایئے۔"
کمرے میں پہونچ کر مصطفٰے نے دروازہ بند کر دیا۔ اور کپڑوں کی الماری سے ایک لفافہ نکال کر ابرار کو تھماتا ہوا بولا۔
"تم یہ خط پڑھ چکے ہو۔ لیکن تم اس کا تذکرہ ابھی جینی سے نہ کرنا۔ میں نے اسے ابھی بھلاوے میں رکھا ہے کہ ان کی وصیت ایک قیمتی ہیرے کے بارے میں ہے۔ وہ بیوقوف اس پر ایمان بھی لے آئی ہے۔"
ابھی ابرار خط پڑھنے لگا۔
ابھی [illegible] نے مصطفٰے

وہ وقت بھی دور نہیں۔ جینی! تمھاری آرزو ضرور پوری ہوگی۔"
آپ امریکہ سے کب آئیں گے؟"
دیر تو لگے گی مگر کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تمھارے پاس پہونچ جاؤں۔"
مجھے خط برابر لکھتے رہیئے گا!"
جینی ایک بات پوچھوں!"
پوچھئے!
"اتنے دنوں تک تم میرے ساتھ رہیں۔ میرے پاس رہیں۔ کیسا آدمی سمجھتی ہو تم مجھے؟
اس کی پلکیں جھک گئیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولی: کیا بتاؤں۔ آپ شریف بلند اور بہت دردمند انسان ہیں... مجھے بہت اچھے لگتے ہیں آپ!"
مصطفٰے پر بچ بچ بوکھلا رہ گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ جینی اتنی سادگی سے اعتراف کر لے گی۔
"اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ اتنی دور جا کر مجھے یاد کرو گی کہ نہیں؟"
میں نہیں سمجھتی کہ میری یادوں کا کوئی لمحہ آپ سب کی محبتوں سے خالی ہوگا۔"
فرض کرو کہ وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے۔ جو۔ میرا مطلب ہے کہ جسے تم آئندہ اپنی زندگی کے سفر میں شریک کر سکو تو پھر۔ بھول جاؤ گی مجھے۔ کیوں؟"
کبھی نہیں۔"
اچھا۔ زینت۔ جاؤ۔ خدا تمھارا حافظ و ناصر ہے۔"
سنیے۔ اب تو آپ بالکل صحت مند ہیں نا!"
فی الحال تو نہیں۔ تمھاری جدائی کا بار ہے دل پر۔"
کیوں... [illegible]

کہ تمھارے سر پر سہرا بندھنے چلا ہے:

"پھولوں کے کھلنے تک کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارا سر بہنے لگے!"

مدد پر اٹھیں گلاب کا پھول۔ دو چار ملاقاتوں میں اور کھل جائیں گی پھر کلیوں کے پھول بنتے ہیں اور پھولوں کو سہرے کی لڑیوں میں تبدیل ہوتے دیر نہ لگے گی:

کیا تم کسی کو لیگ کی ہمشیرہ کے معاملے میں سیریس ہو؟

مولویندی کا معیار۔ کیا مجھے گھر بسانا اور بچوں کا ڈیڈی کا بننا نہیں ہے؟:

بالآخر مقرر کر کے وہ وقت آ ہی گیا۔ جب بادل ناخواستہ جینی کو گھر سے جانا پڑا۔ دو پہلی بار سے گھونگٹ کے روئی سے ملی۔ ابرار تھا نہیں۔ وہ تو آتا کر دل کا مکالمہ کر زراگنگنا چل دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے جینی کو ان گنت نصیحتیں کیں۔

بچی کچھ اماں کا دل ناسور بن گیا تھا۔ وہ تو بے تحاشا روئی تھیں۔

تنہائی میں جینی نے مصطفےٰ سے مل کر بڑے موثر لہجے میں کہا: آپ مجھے معاف کر دیجئے۔ پتہ نہیں میں نے کیا کچھ بدتمیزی اور گستاخی کی ہے... آپ کے سینے میں درد ہے اور میں آپ کو چھوڑ کے جا رہی ہوں:

انشاء اللہ بہت جلد ملوں گی: مصطفےٰ نے کہا: وہ وقت بھی تو قریب ہے جب کہ اپنی ساعت کے مطابق امول جان کا سہرا تمھیں دکھانا ہے۔

وہ آپ کو مبارک ہو۔ ڈیڈی کا تو آپ ہی کو دیا تھا۔

بے شک بے شک! مصطفےٰ نے عقیدت سے سر ہلایا۔

[illegible]

خوش رہو سلامت رہو!

تمھارا خط مجھے ہفتہ بھر قبل وصول ہوا تھا۔ افسوس کہ میں بربنائے فرائض بہت جلد جواب نہ دے سکا! میں تمھاری سعادت مندی سے بہت خوش ہوا ہوں۔ کاش تم مجھ سے مل سکتے۔ بہرحال وقت کم ہے۔ اتنا کم کہ نہ تمھارے پاس ہے نہ میرے پاس۔

بیٹے میں دہلی آ کر کیا کروں۔ اس مرض کا علاج تو امریکہ لندن اور جرمنی میں بھی ممکن نہ ہو سکا۔ اب اس لاعلاج بیماری کا تذکرہ مت کرو۔ سنئے! میرا دل بہت بڑھ گیا ہے۔ اس میں اور بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ معالجین کا خیال ہے کہ مجھے اب اپنے انجام پر بہادری سے شاکر ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ میں کسی وقت بھی ختم ہو سکتا ہوں!

شاید میں زندگی بھر بہادری سے غم کے پہاڑوں کو روندتا رہا ہوں! میں نے بڑی بہادری سے اور بڑی بے جگری سے تمھاری امی اور تمھارے بھائی کی بیک وقت موتیں برداشت کر لی تھیں!

لیکن جب موت میرے سامنے کھڑی ہے۔ میں بہت بزدل اور ڈرپوک بن گیا ہوں۔ میرا دل اپنی باقیماندہ دھڑکنیں بھول چکا ہے۔ کیونکہ میرے سامنے میری معصوم بچی کی زندگی اور مستقبل کا سوال ہے۔ موت انسان کو اس وقت ظالم اور بے رحم معلوم ہوتی ہے جب اس کی اولاد کا اس کے سوا کوئی سرپرست، بزرگ اور اپنا نہ ہو میں اس فکر میں ساری ساری رات سو نہیں سکتا۔ تڑپتا رہتا ہوں کہ میری بچی زینت کو ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ اس کا باپ ابدی سفر کے لیے رخت سفر باندھ چکا ہے یہاں سے قبل از وقت آگاہ بھی نہیں کر سکتا! کیونکہ میں جیتے جی اس کے [illegible]

[illegible]

آپ بھٹناگر صاحب کو بلا دیجئے۔ وہ مجھے سواری لا دیں۔ میں واپس جاؤں گی
للّٰہ میرے موموکی خیر کرنا۔ میرا دل بے وجہ نہیں گھبرا رہا تھا:
اور یہ کہہ کر وہ زور زور رونے لگی۔

پلیز صاحبزادی: منشی صاحب نے کمر تھام کر اٹھتے ہوئے کہا: میں ٹیکسی
لیے آتا ہوں۔ سامان بعد کو آتا رہے گا۔ صاحبزادے کو ایسی حالت میں چھوڑ کر جانا۔
نہایت درجے کی سنگدلی ہے۔ ارے کیا ہوا ہے اسے۔ میرے اللہ۔ موئی شکل کتنا اس
کی حفاظت کریں!:

اتنے میں بھٹناگر صاحب خود ہی آ گئے۔ ان کے ہنس مکھ چہرے پر آج اس قدر دکھ
محیط تھا کہ ان کی طرف دیکھنے سے ڈر لگتا تھا۔

مس زینت۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو واپس جانا پڑ رہا ہے۔ لیکن آپ
دل کو کڑا رکھئے۔ انسان تقدیر کے آگے بے بس اور مجبور ہے۔ ہم کو پل بھر بعد کس
مصیبت حال سے پڑنا ہوگا۔ ہم نہیں جانتے؟ کاش میں آپ کے ساتھ چل سکتا!۔ مجھے
انتہا سے زیادہ افسوس ہے۔ خدا ان کی روح ــ!"

کیا!" جینی کے لبوں سے ایک چیخ نکلی۔

گہری سانس لے کر بھٹناگر صاحب نے اپنے کوٹ کی اوپری جیب سے ایک تار نکالا اور
ایک لڑکی کو پکڑا دیا۔

ولٹ اپ ہینگ فادر: اس نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

کیا۔ کیا لکھا ہے: جینی نے اس کے ہاتھ سے فارم چھین لیا۔

ابا کی [illegible] دوسرا تار تھا۔

[illegible]

بے چینی تھی کہ کب تم موموکی آخری زیارت کے لیے بھاگتی ہو!
لیکن آپ نے ایسا کیا ہی کیوں تھا۔ کہہ دیتے کہ جینی نہ جاؤ؛
اگر میں یہ کہتا کہ جینی مجھے چھوڑ کے نہ جاؤ۔ تو تم نہ جاتیں کیا تم؟
نہیں!: شرم سے اس کی بوجھل پلکیں جھک گئیں۔
اچھا تو اب کہتا ہوں۔ جینی مجھے چھوڑ کے کہیں نہ جانا۔ کبھی نہ جانا۔
کیوں؟۔

کیونکہ وہ مبارک ساعت آ گئی ہے جب قرار داد کے مطابق تمہیں تمہیں
دکھانا ہے۔

لیکن وہ تو آپ کا ہے۔
ہاں ہے تو میرا ہی۔ لیکن ایک نظر تم بھی دیکھ لو:
دکھائیے۔ کہاں ہے؟:
ابھی دکھاتا ہوں:
اس نے اٹھ کر تکیہ کے نیچے کچھ ٹٹولا پھر کوئی چیز پیچھے چھپا کر بولا:
یوں نہیں۔ پہلے آنکھیں بند کر لو۔ جب میں کہوں تب آنکھیں کھولنا:
یہ لیجئے۔ بند کر لیں میں نے آنکھیں!۔
دو لمحے بعد مصطفےٰ نے کہا: بسم اللہ کر کے اب کھول دو آنکھیں!:
جینی نے جلدی سے پلکوں سے پلکیں جدا کیں۔ اس کے سامنے ایک خوشنما
آئینہ تھا جس میں اس کا حسین و شگفتہ شکل دکھائی دے رہی تھی۔
کبھی تو سنجیدہ بھی ہو جایا کیجئے۔ آپ کتنے بے تکلف مذاق کرتا ہے [illegible]
جھنجھلا گئی۔ محبت زیادہ سنجیدہ ہو گیا: یقین کرو۔ جینا [illegible]

ماہنامہ حریم لکھنؤ

ایڈیٹر: نسیم نکہتوی

جلد ۱۵ — نمبر ۱۰

فہرست مضامین ماہ اکتوبر

چہار طرف خوبصورتی اور تازگی پھیلائیے

روزانہ صبح

جگمگ منجن

سے دانت صاف کرکے "پاک و صاف" صابون سے غسل کیجئے۔ بالوں میں "سندری سہاگ" تیل ڈال کر انھیں سنوارئیے۔ آنکھوں میں "سرمہ نورِ نظر" لگا کر بینائی میں اضافہ کیجئے۔

گھریلو کاموں سے بخوبی نمٹنے کے لئے "نسوانی جی" کی خوراک پی کر خود کو چاق و چوبند بنائیے اور "او ڈی کولون سندری بہار" کی مستی بھری خوشبو کے ساتھ یکسوئی سے کام میں لگ جائیے۔

[illegible]

گاؤں میں علاج کی سہولتوں کی وسعت

اترپردیش سرکار کی حفظان صحت کی نئی پالیسی

- [illegible] سے [illegible] ابتدائی صحت مرکزوں میں عوامی صحت کارکنوں سے متعلق منصوبوں کا آغاز۔
- ہر ایک عوامی صحت کارکن ٹریننگ کے بعد کم سے کم ایک ہزار گاؤں والوں کی صحت میں علاج کے لئے ہنگامی حالات میں علاج کی آسانیاں فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے۔
- اسکول جانے والے بچوں کے علاج کی آسانیاں فراہم کرنے کے پیش نظر ستر صحت مرکزوں میں ایک مخصوص پروگرام کا آغاز۔ موجودہ سال میں مزید ایک سو صحت مرکزوں میں اس پروگرام کو وسعت دینا۔
- سال رواں میں اس کے علاوہ مزید ایک سو دواخانے اور پچاس ایلوپیتھک اسپتال کھولے جائیں گے۔
- [illegible] کے مقابلہ میں [illegible] میں فی مریض پچپن فی صد خرچ میں اضافہ بھی ہوا۔
- دیسی طریق علاج کو بڑھاوا دینے کے مقصد سے آیورویدک اور یونانی طریقہ علاج کی ہمت افزائی۔ ان کے تعلیمی معیار میں اصلاح کے لئے کئی آیورویدا اور یونانی کالجوں کو صوبائی حکومت کی تحویل میں لینا۔
- خاندانی بہبود کے تحت پندرہ فالتو مرکزوں کے قیام کی منظوری۔
- آیورویدک دواؤں کی جانچ کے لئے گورنمنٹ [illegible] آیورویدک کالج ہردوار میں ایک ٹریننگ مرکز کے قیام کی منظوری۔
- ہومیوپیتھی کے لئے ایک علٰحدہ ڈائرکٹریٹ کا قیام۔ سبھی نجی ہومیوپیتھک کالجوں کو رفتہ رفتہ سرکاری تحویل میں لانے کے اصول کی منظوری۔ سال رواں میں تیس ہومیوپیتھک دواخانے [illegible] اسپتال کے کھولنے کی تجویز۔

شائع کردہ محکمہ اطلاعات عامہ ——— اترپردیش سرکار

فریبِ حسن

نسیم انہونوی

واقعی اگر قصور تھا بھی تو فہمیدہ کے والدین کا جنھوں نے نادانی سے اپنی لڑکی کی بدصورتی کو پردۂ راز میں رکھ کر حامد کو دھوکا دیا یا خطا وار تھا تو حامد جس نے بلا دیکھے بھالے فہمیدہ سے شادی کر لی۔

فہمیدہ واقعی خوب صورت نہ تھی لیکن خوب سیرت ضرور تھی مگر حامد ایک سطحی خیالات کا انسان تھا وہ باطنی خوبیوں کو دیکھنے والی آنکھیں نہیں رکھتا تھا۔ اس نے بیوی کے حسن کا جو تصور اپنے دماغ میں کھینچ رکھا تھا بیچاری فہمیدہ بالکل اس کے برعکس نظر آئی اور اسی لئے پہلی ہی نظر میں اسے اس سے دلی نفرت ہوگئی۔

چھ ماہ کے عرصہ میں فہمیدہ نے وہ سب کچھ کیا جو ایک شریف بیوی کر سکتی ہے اس نے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیا۔ ہر چیز باقاعدہ ہر کام وقت پر حامد کے بیدار ہونے سے پہلے ہی منہ دھونے کا سامان چوکی پر پہونچ جاتا اور منہ دھونے سے پہلے ہی ناشتہ تیار ہو کر حامد کی میز پر رکھ دیا جاتا۔ حامد دفتر سے واپس آتا تو فہمیدہ ایک زرخرید لونڈی کی طرح پنکھا لئے کھڑی رہتی۔ شب کو حامد لیٹتا تو ایک خادمہ کی طرح اس کے ہاتھ پیر دباتی۔ غرض کوئی آرام ایسا نہ تھا جو فہمیدہ حامد کو پہنچانے کی کوشش نہ کرتی مگر ایک بات اس کے امکان سے باہر تھی اور اس کے بغیر سارا حسن انتظام۔ ساری قابلیت ساری خدمات بے نمک کے کھانے کی طرح بے مزہ تھیں۔ اس میں حسن ظاہری قطعی نہ تھا اور حامد تو صرف اسی کا بھوکا تھا۔ اس کی حسن طلب آنکھیں بیوی کو حسین و خوب صورت دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ خود بھی حسین تھا، اس کے اعضا نہایت متناسب اور خوبصورت تھے جن میں مردانہ حسن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ سوسائٹی میں اسے کافی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کالج کی اکثر تعلیم یافتہ لڑکیوں سے اس کا ربط ضبط تھا جن کے ساتھ وہ ٹینس وغیرہ کھیلا کرتا تھا یہاں تک کہ فہمیدہ کو وہ قطعی پسند نہ کرتا تھا اس لئے کہ وہ نہ تو حسین تھی نہ ایسی روشن خیال کہ آزادانہ باہر نکل سکے۔ پہلے حامد کا خیال تھا کہ اگر اس کی بیوی روشن خیال نہ ہوگی تو وہ اسے اپنا ہم خیال بنائے گا لیکن فہمیدہ کے بد صورت خد و خال نے اس کے اس حوصلہ پر بھی پانی پھیر دیا اس لئے کہ وہ اس قابل ہی نہ تھی کہ اس کو ہمراہ لیکر کسی سوسائٹی میں شرکت کی جا سکتی۔

آخر کب تک حامد ایسی بے کیف زندگی بسر کرتا اس نے ایک روز فہمیدہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ دیکھو میں تم ایسی بد شکل عورت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا اس لئے میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔ تم چاہو تو اسی گھر میں رہ سکتی ہو کھانے کپڑے کی تکلیف تم کو نہیں ہوگی۔

فہمیدہ فطرت کے اس تغافل سے جو اس کے ساتھ برتا گیا تھا اچھی طرح واقف تھی، وہ جب کبھی آئینے کے سامنے جاتی تو اپنے شوہر کو بے قصور تصور کرتی۔ شادی سے قبل اگر ایک ٹھیٹ مشرقی لڑکی بول سکتی تو فہمیدہ یقیناً اس شادی سے انکار کر دیتی مگر وہ مجبور تھی بالکل اس گونگے کی طرح جسے فطرت نے گویائی سے مجبور رکھا ہو حامد کے اس فیصلے کو اس نے صبر و شکر کے ساتھ منظور کر لیا اور کیسے نہ کرتی اس کے لئے اور چارہ کار ہی کیا تھا۔ حسین کنواریوں کو تو آج کل بر ملتے نہیں، وہ اگر طلاق لے لیتی تو اس سے کون شادی کرتا۔ اس لئے مطلقہ ہو کر رہنے سے سوت کے مظالم سہہ لینا اس نے آسان سمجھا۔

حامد کی نئی بیوی مہر آرا نہ صرف حسن مجسم تھی بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوش حال بھی وہ اپنے ہمراہ جہیز میں موٹر اور تفریح کے تمام سامان لے کر آئی تھی اس لئے حامد کو اور بھی زیادہ عزیز تھی حامد اسے پا کر اس قدر خوش تھا کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دفتر کے اوقات کے بعد سیر و تفریح جلسوں اور پارٹیوں کی شرکت کے سوا حامد کو

دیوان خانہ سے بیرون خانہ تک

دربارۂ غیر حاضری وزرائے اسمبلی

از خان خانہ

ایک ریاستی حکومت کے اسپیکر نے جب اسمبلی کے وزرا کی حاضری لی تو چند وزرا غیر حاضر پائے گئے۔ جب اسپیکر نے رجسٹر حاضری کی جانچ کی تو پتہ چلا کہ کچھ وزرا تو غیر حاضری کے عادی ہیں۔ چنانچہ اسپیکر نے اسمبلی سے غیر حاضر رہنے والے وزرا کو متنبہ کیا کہ وہ اسمبلی میں پابندی سے حاضر رہیں۔ اسپیکر نے جب کسی وزیر سے اس کے متعلقہ قلمدان وزارت کے اہم مسئلے پر سوال کرنا چاہا تو متعلقہ وزیر غیر حاضر تھے۔ پھر دوسرے وزیر سے کچھ سوال کرنا چاہا تو دوسرے وزیر بھی غیر موجود تھے۔ ان دو وزرا کے علاوہ چند ایسے وزرا بھی غیر حاضر پائے گئے جن سے فی الحال کوئی سوال کرنا نہیں تھا۔ جو وزرا اتفاق سے حاضر تھے اور جو وزرا پابندی سے حاضر رہتے ہیں انھوں نے غیر حاضر وزراء پر تنقید کی (یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ تنقید سخت تھی یا نرم) اور تجویز پیش کی کہ غیر حاضر وزرا کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

جب ہم نے یہ خبر اخبار میں پڑھی تو ہمیں اپنے اسکول کی تعلیم کا زمانہ یاد آ گیا۔ ہم بھی اسکول کو "غنٹ" (غنٹ کے لغوی معنی ناک سے آواز نکالنے کے ہوں یا کچھ اور لیکن ہم لوگ اس کو اسکول سے غیر حاضری کے معنی میں استعمال کرتے تھے کیونکہ اس لفظ سے اسکول سے غیر حاضر ہو کر "گھر کے نہ گھاٹ کے" رہنے کا مفہوم بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتا تھا) مار کر شہر کے زوالوجیکل پارک یا پبلک گارڈن کی سیر کو چلے جاتے تھے کیونکہ اس زمانہ میں حکومت نے آج کل کی طرح "غنٹ" مارنے والے طلبا کی سیر و تفریح کے لئے مارننگ شو کا انتظام نہیں کیا تھا۔ غنٹہ (جس کو آج کل کے طلبا ٹیسٹ انا بھی کہتے ہیں) مارنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ ہم سبق یاد نہیں کرتے تھے جب کلاس میں [illegible] سوال کرتے تو ہم جواب دینے کے قابل [illegible] مختلف سزائیں دی جاتی تھیں جیسے [illegible] بنچ پر کھڑا کرنا، کرسی بٹھانا، مرغا بنانا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ ماسٹر صاحب کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا بھی ہوتا تھا جس سے وہ ہمارے ہاتھ کی انگلیوں کو "گلی" کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ڈنڈے کا مزہ بدلنے کے لئے جسم کے باقی تمام حصوں کو بھی تختۂ مشق بنایا کرتے تھے۔ ماسٹر صاحب کا ڈنڈا حیدرآباد دکن کے دکنی زبان کے ممتاز شاعر غلام سرور ڈنڈا سے مختلف ہوتا تھا اس لئے کہ "سرور ڈنڈا" کے طنز کی مار جب سامعین کے ذہنوں پر پڑتی تھی تو وہ بلبلا کر رونے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس دیتے تھے۔ لیکن ماسٹر صاحب کا ڈنڈا جسم کے کسی حصے پر بھی پڑتا تو دن میں تارے نظر آنے لگتے تھے۔ اور اگر رات کے وقت پڑتا تو رات میں سورج نظر آنے لگتا (ماسٹر صاحب ہم جیسے اطاعت گزار طلبا کو شام ہی سے گھر کا سودا لانے کے لئے بلا لیتے اور رات میں پڑھنے کے لئے بٹھا کر سو جاتے تھے تو "استانی ماں" ہمیں نو بجے شب چھٹی دیا کرتی تھیں)۔ بہرحال ہمارے تعلیم کے زمانے میں اسکول سے غیر حاضر رہنے والے طلبا کو سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ اس سزا کو کافی دیکھ کر ہمارے والدین کو بھی ہماری غیر حاضری کی اطلاع دے دی جاتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں گھر پر الگ سزا ملتی تھی جس میں مرغا بنانا، کرسی بٹھانا، بنچ پر کھڑا کرنا وغیرہ کے سوا باقی سب سزائیں دی جاتی تھیں۔

اب پتہ نہیں کہ اسپیکر صاحب نے اسمبلی میں غیر حاضر رہنے والے وزرا کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خبر میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ غیر حاضر وزرا کو اسپیکر نے "متنبہ کیا" ہے کہ [illegible] آیا کہ جب وزرا غیر حاضر تھے تو نوٹ کیسے کرایا گیا۔ بہرحال [illegible] زبان ہے اس کے معنی و مفہوم ہماری سمجھ سے باہر ہو رہے ہیں۔ [illegible]

ہے یا سرے سے ہوتی ہی نہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو ہم ادیب کو سیاسی زبان سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے ناقص خیال میں وزرا کو صرف نوٹس کرا دینے سے غیر حاضری کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر حاضر وزرا کی غیر حاضری کا سبب معلوم کرنا چاہئے۔ بعض وزرا اس لئے غیر حاضر ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنا سبق یاد نہیں کرتے اور چند وزرا کی غیر حاضری کے اسباب شاید کچھ اور بھی ہوتے ہوں گے۔ چاہے وجہ کچھ بھی ہو وزرا کو ان کی غیر حاضری کی پاداش میں کچھ نہ کچھ سزا ملنی چاہئے۔ سزا سے ہماری مراد گوشمالی، کرسی پر کھڑا کرنا یا مرغا بنانا یا ڈنڈا بجانا نہیں ہے۔ ایسی سزائیں تو وزرا کو دینا دور کی بات ہے آج کل کے طلبا کو بھی نہیں دی جاتی۔ البتہ وزرا کی تنخواہوں یا الاؤنس میں سے کچھ رقم وضع کر لی جائے۔ اسی رقم سے حاضر اسمبلی وزرا کی ضیافت کا انتظام کر دینا چاہئے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جو وزرا حاضر رہتے ہیں اور غیر حاضر وزرا کی غیر حاضری پر تنقید کرتے ہیں وہ خوش ہو جائیں گے اور مزید وزرا کی غیر حاضری کی دعائیں مانگیں گے۔ اس کے علاوہ جس طرح ہمارے لڑکپن میں اسکول سے غیر حاضری کی اطلاع ہمارے سرپرستوں کو دی جاتی تھی وزرا کی غیر حاضری کی اطلاع ان کی بیویوں کو دیدی جائے۔ کیونکہ اکثر وزراء ایسے ہیں جن کے سروں پر ان کے والدین کا سایہ نہیں ہے۔ بیچارے یتیم و یسیر ہیں اس لئے کہ خود ان کی عمریں ساٹھ ستر یا اسی برس کی ہوتی ہیں۔ البتہ ان کے سروں پر والدین کے سائے کے بجائے خود بیویاں سوار ہوتی ہیں۔

زمانہ الٹا آگیا ہے اس دور میں ہر بات الٹی ہو گئی ہے چنانچہ قاعدے و قوانین بھی اب الٹے ہو گئے ہیں۔ چنانچہ الٹے قاعدے کے مطابق تو وزرا کے والدین کی غیر حاضری کی اطلاع ان کی اولاد کو دینا ضروری ہے لیکن یہ قاعدہ زیادہ سودمند نہیں ہوتا اس لئے کہ آج کل کے والدین اتنے [illegible] ہیں کہ وہ اپنی ناخلف اولاد کی ہدایت پر عمل نہیں کر سکتے۔ البتہ بیویوں کو اطلاع دینا نہایت کارآمد تجربہ ہے اس لئے کہ جب بیوی کو معلوم ہو جائے گا کہ [illegible] اسمبلی میں حاضر نہیں تھے تو بیوی یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ وزیر صاحب [illegible] گھر سے نکلے تھے جب اسمبلی میں غیر حاضر تھے تو پھر حاضر کہاں تھے۔ جب ان کی اسمبلی کی غیر حاضری اور کسی دوسرے مقام پر حاضری کی اطلاع بیوی کو ہو جائے گی تو پھر کسی اسمبلی سے بھی کوئی وزیر صاحب غیر حاضر نہیں رہیں گے۔ علاوہ ازیں [illegible] وزیر صاحب کی بیوی کو اس بات کی اطلاع بھی دے دی جائے کہ ان کی تنخواہ یا الاؤنس سے غیر حاضری کی پاداش میں کچھ رقم وضع کر لی گئی ہے۔ یہ بات معلوم کر کے بیوی اور بھی برہم ہو جائے گی۔ اور وزیر صاحب سے ایسی بازپرس کرے گی کہ آئندہ کسی اجلاس میں غیر حاضر نہیں ہوں گے کیونکہ جتنی رقم وضع ہوئی ہے۔ اتنی رقم بیوی وزیر صاحب کو جیب خرچ سے کم دے گی۔

اب ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ آج کل کے طلبا سیاست سے بہت متاثر ہیں اور سیاست دانوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی سیاسی تحریک کے سلسلے میں طلبا کسی وزیر کی اپیل پر بھی اسکولوں سے غیر حاضر رہتے ہیں چونکہ طلبا کی بیویاں نہیں ہوتیں اس لئے ان کے والدین کو غیر حاضری کی اطلاع دی جاتی ہے لیکن اس سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ کیونکہ طلبا اسکول سے غیر حاضر ہو کر کسی "خفیہ" مقام پر نہیں جاتے بلکہ کھلے بندوں بغل میں کتابیں لئے (یا اگر ٹکٹ کے لئے پیسے نہ ہوں تو ایک آدھ نصابی کتاب فروخت کر کے) مارننگ شو کا ٹکٹ لینے کے لئے "کیو" میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والد صاحب آفس جانے کے لئے بس اسٹینڈ پر "کیو" میں کھڑے ہیں اور سامنے کے تھیٹر میں صاحبزادے بکنگ آفس کے "کیو" میں کھڑے۔ والد صاحب اپنے فرزند کو اس لئے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ فرزند اپنے والد صاحب کے اس راز سے واقف ہیں کہ جس بس اسٹینڈ پر والد صاحب کھڑے ہیں وہاں سے بس ان کے آفس کو نہیں جاتی۔ ان کے آفس کو جانے والی بس مخالف سمت کے بس اسٹانڈ پر ٹھہرتی ہے جس کے نتیجہ میں والد صاحب فرزند کی تقلید کرتے ہوئے آفس سے غیر حاضر ہو کر سنیما جاتے ہیں جس کی اطلاع فرزند اپنی والدہ کو دے سکتے ہیں۔ چنانچہ دونوں ہستیاں ایک دوسرے کے راز سے تجاہل برت کر خاموش اپنی اپنی غیر حاضریوں میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طلبا اسکولوں سے اس لئے غیر حاضر رہتے ہیں کہ گھر میں تعلیم کی دلچسپی پیدا نہیں کرتے اگر اسکولوں میں مختلف قسم کی دلچسپیاں [illegible] گارڈن وغیرہ کا انتظام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ طلبا اسکولوں کو

حریمی دسترخوان

سونٹھ کے بتاشے نہایت لذیذ ہوتے ہیں۔ اکثر چاٹ کی دوکانوں پر انھیں لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ عام چاٹ کے مقابلہ میں جلد ہضم ہوتے ہیں اس لئے کہ اس میں سونٹھ کا استعمال ہوتا ہے جو ہاضمہ اور پیٹ کی خرابیوں کے لئے مفید ہوتی ہے۔

سونٹھ کی چٹنیوں کے ساتھ چنوں اور دہی کا بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ آپکی پسند [illegible] ہے کہ جسے پسند کریں یا نہ کریں۔

اشیاء: سونٹھ آدھا چھٹانک، املی ثابت، املی ایک چھٹانک، [illegible] بارہ عدد، نمک حسب ضرورت، گڑ کھانے کا ایک چمچہ، کشائی پانچ عدد، میدہ دو پیالی، گھی حسب ضرورت، زیرہ چائے کا ایک چمچہ، چنے ایک پاؤ، سوڈا چائے کے دو چمچے، ہرا دھنیا، ہری مرچ حسب خواہش، دہی ایک پیالی چار کی۔

ترکیب: (۱) املی پانی میں بھگو دیں۔

(۲) املی کا پانی چھان لیں۔

(۳) ایک دیگچی میں سونٹھ، املی کا پانی، نمک اور کشائی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔

(۴) جب املی کا آمیزہ گاڑھا ہو جائے تو چولہے سے اتار کر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں۔

(۵) اب املی کے بیج نکال لیں۔

(۶) پسے ہوئے آمیزے میں گڑ ڈال کر خوب پکائیں۔

(۷) سونٹھ تیار ہو تو آپ اسے ڈھانک کر رکھ دیں۔

(۸) اب میدہ اور نمک چھان لیں۔

(۹) میدے میں تھوڑا گھی ملائیں۔

(۱۰) میدے میں زیرہ بھی شامل کر دیں۔

(۱۱) اب میدے میں پانی ڈال کر گوندھ لیں [illegible]۔

(۱۲) اب میدے کے بالکل چھوٹے گول پیڑے بنائیں۔

(۱۳) پیڑوں کی پتلی پتلی روٹی بیل لیں۔

(۱۴) روٹی پر گول ڈھکن یا گلاس رکھ کر کاٹ لیں۔ میدے کی ساری روٹیاں بیل کر اسی طرح گول کاٹ لیں۔

(۱۵) ایک ٹرے میں میدہ چھڑک کر بیلی ہوئی روٹیاں اس میں چند منٹ تک رکھیں۔

(۱۶) اب ایک کڑاہی میں گھی گرم کرکے روٹیاں تل لیں اتنی کہ سرخ ہو جائیں۔

(۱۷) بتاشے تیار ہو گئے۔

(۱۸) چنے میں سوڈا ڈال کر ۲۴ گھنٹے تک بھگوئیں۔

(۱۹) سوڈے کا پانی پھینک دیں اور چنے یا مٹر صاف پانی سے دھو لیں۔

(۲۰) ایک دیگچی میں پانی ڈال کر چنے ڈالیں اور انھیں دھیمی آنچ پر اُبالیں۔

(۲۱) اب دہی پھینٹ لیں۔

(۲۲) دھنیا اور ہری مرچ باریک کاٹ لیں۔

(۲۳) ایک ڈش میں بتاشے رکھیں۔

(۲۴) بتاشے پر چائے کا ایک چمچہ ابلے چنے ڈالیں۔

(۲۵) چنے پر دہی ڈالیں۔

(۲۶) اب دہی پر سونٹھ کی چٹنی ڈالیں۔

(۲۷) آخر میں ہرا دھنیا اور ہری مرچ ڈالیں۔

لیجئے چٹ پٹے سونٹھ بتاشے تیار ہیں۔ آپ اس پر لیموں کا رس بھی ڈال سکتی ہیں۔

سامان ہمارے پیش کریں گے۔

[illegible] تو اس سے [illegible] ہی گے۔

حامد [illegible] تھا اور چارہ بھی نہ تھا ۔۔۔ [illegible] پاول ناخواستہ [illegible] کے بعد وہ تمام مکان آزاد کرانے کا کرنا چاہتا تھا۔

" چالیسویں کے بعد دیکھیں گے۔ فی الحال تم یہ زیور رکھو۔ خدا کرے ضرورت نہ ہی پڑے۔ تم رکھ دو ابھی۔

صالحہ نے زیور سنبھال کر رکھ دیا تھا۔ فارغ ہونے پر وہ یہ زیور بیچ دینے کے لئے ذہنی طور پر وہ تیار ہو گئی تھی۔ جانتی تھی اتنی رقم کہاں سے آسکتی ہے کہ قرضے بھی اتر جائیں۔ اور رہن بھی چھوٹ جائے گا۔

لیکن ماں بیٹی نے تو ایک ہی واویلا مچایا ہوا تھا۔ ناک رکھنے کی خاطر چالیسواں دھوم دھام سے کرنا ماں بیٹی کی نظروں میں ضروری تھا۔ حامد سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا۔ صالحہ نے بھی ڈرتے ڈرتے حامد کی تائید کی تھی۔ لیکن ماں بیٹی لے دے تے لئے کہ بیچاری کو آئندہ اس جھگڑے میں بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اماں اور صفیہ تو اٹھتے بیٹھتے اسے سنانے لگی تھیں۔

تم تو یہی چاہو گی ناک کٹ جائے ہماری۔ ابا مرحوم کو ساما نے باتیں کرے کہ مر کر اتنا بھی نہ چھوڑا کہ چند رسمیں ہی پوری ہو جائیں۔ ہاں بی بی اب تو تمہارا ہی راج ہے۔ ہم تو محتاج ہیں۔ جو جی چاہے گا کرو گی خاوند کے کان بھرتی رہو گی۔ الٹی سیدھی پڑھاؤ گی اسے۔ تبھی تو اتنا برہم ہوتا ہے۔ تم سیدھی راہ پر چلاؤ تو کیا مجال جو چالیسواں نہ کرے

بے چاری صالحہ کان لپیٹے رہتی۔ اب تو تنگ آ کر اس نے حامد کو واقعی سمجھانا شروع کر دیا تھا کہ جیسے بھی ہو اماں کی بات پوری کر دے۔

لیکن وہ ہوتا بیوقوف نہیں تھا۔ اگر کچھ پلے ہوتا تو شاید اس جھگڑے کی نوبت ہی نہ آتی۔ نچلے متوسط طبقے کا آدمی۔ محدود آمدنی۔ بہت سے مسئلے گھیرے ہوئے تھے۔

اسی دن صفیہ نے بات بہت بڑھا دی۔ اماں تو رو رو کے دھرنے میں لگی ہیں وہ آنکھیں بھی کچھ [illegible] کر ڈرائی۔

کے اپنے باپ دادا کی عزت [illegible] ہو گا۔ اماں کی [illegible]

لیکن آپا [illegible] آپ کو [illegible] سے کام [illegible] چاہئے۔ جھوٹی عزت رکھنے [illegible] آپ اس قدر اصرار کر رہی ہیں [illegible] ۔۔۔ لوگ باتیں کریں گے۔

" تو یہ کوئی بات ہی نہیں تمہارے لئے۔ اتنی عزت بنی ہوئی ہو وہ تم چاہتے ہو پھونک سے اڑ جائے ۔۔ نا بابا ۔۔ میں بھی آخر سسرال والی ہوں۔ عمر بھر طعنے سنتے رہوں گی لوگوں کے ۔۔ تمہیں پتہ نہیں میرے سسرال والوں کا۔"

صفیہ آپا لال بھبوکا ہونے لگیں۔

حامد نے سر جھکا لیا، اماں چمک کر بولیں۔

اے بیٹی تو کس سے مغز کھپا رہی ہے۔ وہ چاہتا ہے ۔۔ نہ ہو ۔۔ چپ ہی ہو جائے"

" ناممکن ۔۔" آپا صفیہ نے غصے سے کہا۔ "پیسے کا بندوبست میں کر دوں گی۔"

" آپ" حامد نے حیرانگی سے کہا۔

" ہاں ۔۔ یہ لو میرے کڑے" آپا نے فوراً اپنے چوڑی دار کڑے اتار کر اس کے سامنے پھینک دیئے۔ " انہیں گروی رکھ کر پیسے لے آؤ۔ چالیسواں ضرور ہو گا۔"

" آپا خدا کے لئے جذباتی نہ بنئے۔ آپ کی سسرال والے کیا کہیں گے۔ یہ اس طرح بھرم نہ ٹوٹے گا عزت کا۔"

" تمہیں اس سے کیا۔ میں جانوں اور وہ۔ تم روپے کا بندوبست کرو" صفیہ آپا نے حکم دیا۔ " دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ لوگ منہ اٹھائے دیکھ رہے ہیں کہ کب بلاوا آتا ہے"

حامد نے آخری کوشش کی کہ کڑے صفیہ کو واپس دے دے۔ دو بہنوں کی بغیر اجازت ایسا کام کرنے سے منع کیا۔ لیکن اس کے سر پر تو بربادی کا بھوت سوار تھا۔ اس کے سامنے ناک اونچی کرنی تھی۔ تو ہین نصیحت کے کلمات سنے تھے۔

[illegible] کر کے گروی رکھنے سے [illegible]
لیکن وہ [illegible] سے [illegible] حامد

کلماتِ خیر

۱۔	کوئی کام شروع کرو تو کہو	بسم اللہ	شروع اللہ کے نام سے
۲۔	کچھ کرنے کا ارادہ ہو تو کہو	انشاء اللہ	اگر اللہ نے چاہا۔
۳۔	کوئی اچھی خبر سنائے تو کہو	سبحان اللہ	اللہ پاک ہے
۴۔	کسی تکلیف میں ہو تو کہو	یا اللہ	اے اللہ
۵۔	کسی چیز کی تعریف کرتا ہو تو کہو	ماشاء اللہ	جو اللہ نے چاہا
۶۔	کسی کا شکریہ ادا کرنا ہو تو کہو	جزاک اللہ	اللہ تمہیں بدلہ دے
۷۔	سو کر اٹھو تو کہو	لا الٰہ الا اللہ	اللہ کے سوائے کوئی نہیں
۸۔	چھینک آئے تو کہو۔	الحمد للہ	شکر اللہ کے لئے ہے
۹۔	کسی غلط کام پر افسوس کرنا ہو تو کہو	استغفر اللہ	اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔
۱۰۔	خدا کے نام پر کچھ دو تو کہو۔	فی سبیل اللہ	اللہ کی راہ میں۔
۱۱۔	کسی کو رخصت کرو تو کہو	فی امان اللہ	اللہ کی حفاظت میں
۱۲۔	جب کچھ ناگواری ہو تو کہو	نعوذ باللہ	ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔
۱۳	جب خوشگواری ہو تو	فتبارک اللہ	اللہ برکت والا ہے۔
۱۴۔	کسی کی موت کی خبر سنو یا کچھ نقصان ہو جائے تو کہو	انا للہ وانا الیہ راجعون۔	ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

مرسلہ۔ رعنا کوثر (چن پٹی)

گزشتہ ۴۴ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہونے والا اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا ماہنامہ ہے۔

44559
45336

ماہنامہ حریم لکھنؤ

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
حجانی بیگم رودولی

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی
شفیق النسار
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

جلد ۵۶

نمبر ۱۱

فہرست مضامین ماہ نومبر

قیمت سالانہ :- اعزازی۔ منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ مخصوص خریداری منی آرڈر سے انیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے سولہ روپیہ۔ وی پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد۔ فی پرچہ ... روپیہ۔ غیر ممالک سے بذریعہ ۳۲ روپیہ ... سی میل۔ ایئر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف ہیں

آفس اور ترسیل زر کا پتہ :- نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

نسیم انہونوی۔ مالک و ناشر۔ پرنٹر۔ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو.....
جب میرے پاس سال بھر کام دینے والی

بخشی جنتری سنہ ۱۹۶۹ء

موجود ہے جس میں دوازدہ بروج تاثرات منازل فلکی، فالنامہ، تاریخ اسمار و اقوال صلحا، نعت پاک عملیات قرآنی کے علاوہ بخشی کی تیار کردہ حسن افزا مصنوعات اور محافظ صحت معیاری ادویات کی فہرست بھی موجود ہے۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل حسین طباعت کا یہ مرقع آج ہی قریبی اسٹاکسٹ سے خریدیے۔ اگر آپ کے شہر میں دستیاب نہ ہو تو پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر براہ راست ہم سے طلب فرمائیں۔

مینیجر بخشی جنتری

پوسٹ بکس نمبر ۲۳۴۵ کلکتہ نمبر ۷۳

ایک حرمی بھابجی نے ایک لمبا چوڑا خط لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورت کے لئے چہرہ اور ہاتھ پاؤں چھپانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

یہ بات کوئی نئی نہیں مخالفین پردہ نے ایسی ہی دلائل کو پیش کر کے پردہ ختم کرانے کی کوششیں کی ہیں اس لئے کہ اگر چہرہ ہی کھلا رہا تو پھر برقع پہننا لاحاصل ہے اس لئے کہ ستر تو لباس سے بھی پوشیدہ رہتا ہے بشرطیکہ وہ آج کل کا تنگ لباس نہ ہو جس میں جسم تقریباً عریاں ہی رہتا ہے اس لئے کہ جو لباس آج کل بنتے ہیں وہ تقریباً محرم ہی جیسے ہوتے ہیں سینے اور پیٹھ کا بہت ہی مختصر سا حصہ اس سے پوشیدہ رہتا ہے اور شاید وہ بھی قانون کے ڈر سے ورنہ ممکن ہے ترقی پسندی اس مہ وہ اپنے کی پٹی کو بھی فضول سمجھتے تھے

ویسے تو یہ پٹی بھی ہر نشیب و فراز کو ظاہر کر کے اپنے وجود کو بیکار ہی ثابت کرتی ہے پھر بھی قانونی زد کے لئے تو سپر بن ہی سکتی ہے، دراصل مخالفین پردہ نے ادھوری بات کہہ کر مسلمان خواتین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے یعنی ستر پوشی کے سلسلے کی روایت ہی کو بے پردگی کی بنیاد بنا کر یہ ڈھونگ رچا کہ پردہ یعنی برقعہ پہننا یا نقاب سے چہرہ چھپانا بیکار اور اسلامی شریعت کے خلاف ہے۔ لوگوں نے بھی اس پر کمتر ہی غور کیا۔ چنانچہ آج اکثر خواتین برقعہ تو پہنتی ہیں، لیکن چہرہ نہیں چھپاتیں۔ حالانکہ انسانی حسن کا سب سے زیادہ عکاس چہرہ ہی ہوتا ہے۔ جسم کتنا متناسب، سڈول اور کبھی مجسمہ یونان کا ہمسر کیوں نہ ہو، لیکن اگر اس پر ایک بھدا، بھنگم اور بھیانک چہرہ لگا ہو تو کیا کوئی اسے حسین کہے گا۔ حسن کا اندازہ انسانی چہرے ہی سے لگایا جاتا ہے۔

جسم کی بدنمائیوں کو تو لباس سے بھی ڈھکا جا سکتا ہے۔ ہم سب سے پہلے انسان کے چہرے پر نظر ڈالتے ہیں۔ شعرا نے بھی معشوق کے سارے جسم کے چند ہی حصوں کی تعریف کی ہے اور وہ ہیں، کمر، سینہ اور ساق۔ لیکن سارے جسم کے ان تین حصوں کی تعریف کے مقابل چہرہ کے خد و خال، لب، رخسار، آنکھ، مژگاں، ابرو، پیشانی، گردن اور بال وغیرہ کی تعریف و توصیف میں جو زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں، جیسی جیسی تشبیہیں اور استعارات وغیرہ کا استعمال کیا ہے، ان سے کون واقف نہیں اور یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ انسانی چہرے پر حسن کا سارا دار و مدار ہوتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ نہایت ہی کم عقل لوگ ایسے ہوں گے جو پردہ کے سلسلہ میں چہرہ کھلا رکھنے کو شریعت کے مطابق سمجھتے ہوں۔ دراصل لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو قوانین ستر پوشی کے لئے بنائے گئے ہیں، اسی کو پردہ سے متعلق سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کو ثبوت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ستر پوشی دوسری چیز ہے اور حجاب یعنی پردہ دوسری بات ہے ستر پوشی عورت ہی کے لئے نہیں مرد کے لئے بھی ہے۔ دونوں کے لئے احکام میں فرق ہے، لیکن اس سے مستثنیٰ کوئی نہیں ہے۔ ستر پوشی کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہی انسان گھر میں بھی رہ سکتا ہے۔

عورت کے لئے ستر پوشی کے سلسلہ میں گردن سے اس کے ٹخنے تک جسم کا ڈھکا رکھنا ضروری ہے۔ گردن سے اوپر کا حصہ یعنی چہرہ اور ٹخنے کے نیچے کے حصے کا ڈھکنا کچھ ضروری نہیں۔

اسی طرح مردوں کے لئے جو احکام ہیں ان میں کمر سے گھٹنوں تک کا حصہ جسم ڈھکنا ضروری ہے۔

احکامات ستر پوشی عورت و مرد کے لئے مختلف ہیں۔ حجاب یعنی

برقع

نہ پہنئے لیکن خدارا اپنے
حسن کو نکھار کر ایسے
لباس پہن کر تو نہ نکلئے
جس میں آپ نیم برہنہ
نظر آئیں۔

نسیم نہٹوری

پردہ کے متعلق جو بھی ہدایات ہیں وہ صرف خواتین ہی کے لئے ہیں۔
حجاب یعنی پردے کے احکامات کے سلسلے میں جو پابندیاں ہیں وہ نامحرموں سے بچنے کے لئے ہیں لیکن ستر پوشی کے قواعد محرم و نامحرم سب کے لئے ہیں۔ ایک عورت اپنے باپ، بھائی، چچا، ماموں، بیٹوں اور شوہر کے سامنے بھی آئے گی تو ستر پوشی کے ساتھ ہی آئے گی۔ یہ نہیں کہ باپ کے سامنے تو ستر پوش ہو کر آئے اور شوہر کے سامنے پابندی ضروری نہ سمجھے۔ اسی طرح مرد کے لئے بھی حکم ہوا ہے کہ ستر پوش رہے، خواہ ماں کے سامنے جائے یا بیوی کے سامنے، حد یہ ہے کہ تنہائی میں بھی اگر شوہر و بیوی ہوں تو ستر پوشی کا خیال رکھیں ایسا نہ کرنا مکروہ ہے۔
حجاب کے قواعد اس وقت کے لئے ہیں جب عورت کسی نامحرم کے سامنے جائے۔ محرم کے سامنے، تنہائی یا نماز میں حجاب کی ضرورت نہیں۔ یعنی ستر کا پوشیدہ رکھنا ہر حالت میں ضروری ہے ماسوا اس حالت کے کہ عورت شوہر کے ساتھ ہم بستر ہو یا غسل خانے وغیرہ میں ہو۔ انھیں حالتوں میں مرد و عورت دونوں ستر پوشی کے احکام سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں، لیکن اس وقت بھی ایک دوسرے کے اعضائے شرم کو نہ دیکھیں۔ یہاں تک کہ خود اپنے اعضائے شرم کو بھی دیکھنے سے روکا گیا ہے۔ بلا ضرورت ستر کھولنا مکروہ اور داخل بے ستری و بے حیائی ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ ستر پوشی ہر حالت میں ضروری ہے اور حجاب مخصوص حالات میں یعنی جب کسی نامحرم سے سامنا ہونے کا امکان ہو۔ حجاب میں چہرے، ہاتھوں اور پیروں کا چھپانا بھی ضروری ہے جو ستر پوشی میں قطعی ضروری نہیں اس لئے ستر پوشی عورت و مرد دونوں کے لئے ہے اور حجاب صرف عورت کے لئے ہی ہے۔

کچھ اپنے متعلق ۔ چند ہی ماہ قبل کاغذ کی گرانی اور محصول رجسٹری میں اضافے سے مجبور ہو کر حریم کی سالانہ قیمت میں ایک روپیہ کا اضافہ کیا گیا تھا۔ ہم ان بہنوں کے شکر گزار ہیں جنھوں نے بخوشی اس اضافہ کو منظور فرما لیا۔ ساتھ ہی ہمیں ان بہنوں سے شکوہ نہیں جنھوں نے اسی بنا پر اپنی خریداری کا سلسلہ ختم کر دیا۔ اس لئے کہ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ ضروریات زندگی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے رسائل و کتب کی خریداری ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ حالات سے ہم غیر معمولی طور پر مجبور نہ ہو جائیں تو ہرگز ایسا نہ کریں لیکن دین اور علم کا کام کرنے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حریم کی اشاعت کوئی نقصان سے کی جا رہی ہے۔ یہ خسارہ نسیم بک ڈپو دیتا ہے لیکن نسیم بک ڈپو بھی مشکلات میں گھرتا رہتا ہے۔ کاغذ کی گرانی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اسی مناسبت سے کتابوں کی قیمتیں تو عموماً بڑھائی جاتیں لیکن پھر بھی قیمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ کتابوں کا سیل روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔
آپ یہ پڑھ کر حیران ہوں گی کہ چند ماہ قبل کاغذ کی جتنی گرانی ہوئی تھی اس لئے اسی پر اکتفا نہیں کی۔ اس کے بعد روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ گذشتہ دو ماہ کے اندر سات روپیہ فی ریم کا اضافہ ہو گیا ہے اور خبر گرم ہے کہ اور اضافہ ہوگا۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی جلد کس طرح پھر سالانہ قیمت میں اضافہ کا اعلان کروں۔ روز روز ایسا کرنا بیشتر حریمی بہنوں کو ناگوار گذرے گا اس لئے فی الحال موجودہ قیمت ہی قائم رکھی جائے گی ـــــ البتہ ان حریمی بہنوں سے، جو خدا کے فضل و کرم سے خوش حال ہیں اور جن کے لئے دو چار روپیہ سالانہ کی کوئی حقیقت نہیں وہ حریم کی اعزازی یا مخصوص خریداری قبول فرما لیں۔ خدا کا شکر ہے کہ حریمی بہنوں میں صدہا ایسی ہیں جو ذرا بھی توجہ فرمائیں تو ہماری اس درخواست کو قبول کر سکتی ہیں۔ اس طرح حریم کو مزید کچھ رقم مل جایا کرے گی اور عام خریدار بہنوں کو مزید اضافہ برداشت نہ کرنا پڑے گا۔

نسیم انہونوی

پرچے نہ ملنے کی شکایت

حریمی بہنوں کو نوٹ کر لینا چاہیئے کہ اگر کسی ماہ حریم ۲۰ تاریخ تک نہ ملے تو فوراً دفتر کو اطلاعی کارڈ لکھیں، اس کے باوجود ۱۰-۱۲ روز میں مطلوبہ پرچہ نہ ملے تو دوبارہ شکایت لکھیں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی شکایتی خط دفتر تک نہیں پہنچتا اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرا پرچہ جو روانہ کیا جاتا ہے وہ بھی ڈاکخانہ میں گم ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی حریمی بہنیں پرچہ نہ ملنے کی شکایت کئی کئی ماہ بعد کرتی ہیں جو مناسب نہیں۔ ایسی صورت میں شکایت کے ساتھ ہی مطلوبہ پرچے کی قیمت بھی روانہ کیا کریں، ورنہ تعمیل نہ ہوگی۔

آرزو کی سوغات

انشاء اللہ تعالیٰ جنوری کے پہلے ہفتہ میں حسب معمول سالنامہ حریم شائع ہوگا۔ [illegible] صفت موانی کے عظیم ناول آرزو کی سوغات اپنے دامن میں لئے کتابی شکل میں شائع ہوگا۔ یہ ناول کم سے کم ۱۲ روپیہ میں فروخت ہوگا۔ حریم کے خریداروں [illegible] کہ یہ دلچسپ

قربانی کا پھل

از
شاہدہ بیگم جبار (الہ آباد)

اپنی پیاری سہیلی طیبہ کے نام جس نے بجھتے چراغ کو زندگی و [illegible] عطا کیا

صاف شفاف دیوار پر لگا ہوا کلاک رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہا تھا۔ بیداری کے عالم میں سسک کراہنے اور کھانسنے والے مریض تھکان اور نیند کی ملی جلی بے ہوشی کے باعث خاموش تھے پھر بھی کبھی کبھی کوئی دردناک آواز کمرے کے سکوت کو درہم برہم کر دیتی تھی۔ نرگس دبے قدموں سے پورے وارڈ کا چکر لگا کر اور تمام مریضوں کی طرف سے اطمینان کر کے اپنی میز پر آ بیٹھی تھی اور دراز سے ایک ناول نکال کر مطالعے میں مصروف ہو جانے کی کوشش کر رہی تھی رات کی ڈیوٹی میں اکثر اس کا یہی معمول رہا کرتا تھا۔ احساس فرض کے باعث وہ پورا وقت اپنے وارڈ میں موجود رہتی تھی اور اکثر جاگ کر مریضوں کی خبرگیری کرتی تھی اس سلسلہ میں کتاب اس کی بہترین دوست بنتی تھی جس طرح کلاک کی سوئیاں منٹوں کے ہندسوں کو طے کر جاتی ہے اسی طرح اس کی نازک نازک انگلیاں کتاب کے ورق الٹتی رہتی تھیں۔ اس طرح ڈیوٹی کا وقت بغیر کسی پریشانی اور اکتاہٹ کے گزر جاتا تھا۔

یہ ناول وہ آج ہی خرید کر لائی تھی فرصت کے وقت کے لیے بڑی بے چینی سے منتظر تھی کیونکہ یہ اس کے محبوب مصنف کا تازہ ناول تھا لیکن جب اس نے مطالعے میں محو ہو جانے کی کوشش کی تو اس کے خیالات زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے منتشر خیالات جمع کرنے کی کوشش کی لیکن کافی جد و جہد کے باوجود کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کی پریشان خیالی کا سبب سامنے والا ۵ نمبر بیڈ تھا صرف چند گھنٹے پہلے اس پلنگ پر ایک ایسا مریض تھا جس کے صحت یاب ہو جانے کا سب کو یقین تھا اور جس کی شریفانہ عادات و اطوار نے اسے غیر محسوس طور پر اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور پہلے مریض کی لاش غالباً [illegible] کے بستر تک جا چکی تھی وارڈ کا چکر لگانے کے بعد اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے نرگس کی نظر اس پلنگ پر جا رہی تھی اور بغیر کسی خواہش اور ارادے کے اس کے ذہن میں عجیب سے خیالات ابھر آئے تھے زندگی کا یہ کھیل جو اپنی ظاہری ہیئت میں بڑا ہی دلچسپ اور خوبصورت ہے اس وقت اسے بڑا ہی عجیب لگ رہا تھا۔ وہ کچھ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ یہ دنیا ایک بہت بڑا ہسپتال ہے اور کسی شخص کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کب اسے اس کے آرام دہ بستر سے اٹھا کر مردہ خانہ میں پہونچا دیا جائے گا اور ایک نئے مریض کی آمد کے ہنگاموں میں کسی کو یہ سوچنے کی فرصت بھی نہ ہوگی کہ اس بستر پر پہلے کون لیٹا تھا۔ مطالعہ کی کوشش میں ناکام ہو کر نرگس نے کتاب بند کر دی اور خیالات و تصورات کی اس وادی کی سیر میں محو ہو گئی جس میں اسے زبردستی ڈھکیل دیا گیا تھا۔ اس جانے والے مریض کے بارے میں سوچتے سوچتے اپنی گذشتہ زندگی کا خیال آیا اور کتنے ہی ایسے محبوب اور پیارے چہرے یاد آ گئے جنہیں موت کے بے رحم ہاتھوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زمین کی تاریک گہرائیوں میں دفن کر دیا تھا ان محبوب چہروں میں رفیع الدین کا چہرہ جب اس کے ذہن میں ابھرا تو اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ رفیع الدین اس کا پیارا بھائی تھا جس کو وہ اکثر رفو جی سے مخاطب کرتی تھی دونوں کی عمروں میں صرف دو سال کا فرق تھا وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنے گھر کے وسیع آنگن میں آزاد تتلیوں کی طرح اڑتے پھرتے رہتے تھے انہیں زندگی کی تمام نعمتیں اور راحتیں میسر تھیں اور ان نعمتوں میں ماں باپ کا پیار سب سے بڑی نعمت تھی جو ان کے حصے میں کچھ زیادہ ہی آئی تھی۔ بلا مبالغہ ان کے [illegible] پسینے کی جگہ خون

بہایا جاتا تھا۔ اور گھر بھر ان کے اشاروں پر چلتا تھا۔ پھر حالات نے یک بیک پلٹا کھایا ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں ان کے خاندان کا شیرازہ ہی بکھر گیا سارا گھر لوٹ لیا گیا حد یہ کہ ان کا پیارا [illegible] بھی اس سے چھن گیا تھا۔ اسی بیماری کی اس طوفانی لہر کے گزر جانے کے بعد جب اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک نئے گھر میں اجنبی لوگوں کے درمیان پایا۔ یہ لوگ اسے ماں باپ کی محبت تو نہ دے سکے لیکن انھوں نے اس کے ساتھ برا سلوک بھی نہ کیا اور یہ ان کے حسن سلوک ہی کا نتیجہ تھا کہ آج وہ ایک نرس کی حیثیت سے عزت اور شرافت کی زندگی گزار رہی تھی۔

زندگی کے نئے حالات نے پرانے زخموں کو مندمل کر دیا تھا اور اب تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے کہ وہ ہمیشہ سے ایک نرس ہی رہی ہو اور شاید آئندہ بھی اسی حیثیت سے زندہ رہے گی۔ اسے اپنا یہ پیشہ بہت پسند تھا۔ مریضوں کی خدمت اور دیکھ بھال میں ایک طرح کا روحانی سکون محسوس ہوتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی پرانے زخم ابھر آتے تھے تو اس کی روح بے چین ہو جایا کرتی تھی۔ آج بھی کچھ ایسا ہی ہنگامہ ہو گیا تھا کہ نادیدہ قوت نے ماضی کے واقعات کو بساط کی طرح اس کے سامنے بچھا دیا تھا اسے ایک ایک بات اور ایک ایک واقعہ ماضی کا یاد آ رہا تھا۔ اپنے مہربان ابا اور امی جیسے اسے یاد آ رہی تھیں اور سب سے زیادہ پیارا بھائی رہ رہ کر یاد آ رہا تھا وہ انھیں تصورات میں کھوئی ہوئی تھی کہ [illegible] ہلکا سا شور پیدا ہوا۔ نرسوں کی [illegible] ادھر ادھر بھاگنے کی آوازیں آئیں۔ ان آوازوں سے اس کے تصورات کا تانا بانا ٹوٹ گیا اس نے چونک کر اس شور کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کی اور اپنے گزشتہ تجربے کی بنا پر وہ بہت جلد سمجھ گئی کہ زندگی کا کوئی چراغ طوفان کی زد میں آ گیا ہے۔ آہ زندگی اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گئی۔ اے خدا موت کے سامنے انسان کس قدر بے بس ہے جب یہ ظالم اپنے خوفناک جبڑے کھولے کسی کی طرف بڑھتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ ڈاکٹر نہ نرس نہ دوا۔

اس نے اپنے پرس کی جیب سے سفید رومال نکال کر آنسو خشک کیے اور رومال دراز میں رکھ کر دوسرے وارڈ کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہ اس کے فرائض میں داخل نہ تھا۔ لیکن ایسے حالات میں اس کا عمل خود بخود ایسا ہی ہوتا تھا وہ ایک مخلص رضاکار کی طرح مصیبت زدوں کی امداد کے لیے پہنچ جایا کرتی تھی۔ آج اپنے دل میں چھپی ہوئی ہلچل کے باعث اس نے اس احساس کو کچلنے کی کوشش کی تھی یہ کہہ کر خود کو ناول کے مطالعے میں مصروف کرنا چاہا تھا کہ آخر اس مصیبت کی دوڑ دھوپ سے مجھے کیا حاصل ہو گا میرے دل کے کون سے زخم پر [illegible] آیا لیکن اس کی فطری نجابت اس خود غرضی پر غالب آ گئی اور وہ مریض کی امداد کے لیے پہنچ گئی! ڈاکٹر اور نرسیں مریض کو زندہ رکھنے کے لیے مناسب تدبیریں کر رہی تھیں۔ سب ہی مریض کو بچانے کی تدبیروں میں مصروف تھے۔ حالات کا اندازہ کرنے کے لیے وہ ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ انجکشن دینے کے بعد سرنج ہاتھ سے رکھتے ہوئے ڈاکٹر نے نرس کی طرف دیکھا اور مایوسی کے انداز میں بولا: "خون۔ خون فراہم ہو سکے تو شاید ہم اس کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو سکیں۔ کیا آپ نے اس سلسلے میں مزید کوشش کی؟"

"جی لیکن بدقسمتی سے کامیابی نہ ہو سکی"

"اس گروپ کا خون موجود ہی نہیں یا کسی صاحب نے اپنے آرام میں خلل پڑنے کے اندیشے سے بغیر تلاش کیے دینے سے انکار کر دیا؟"

ڈاکٹر نے طنزیہ انداز میں مسکرا کر سوال کیا: "اتفاق سے اس گروپ کا خون موجود ہی نہیں انچارج ڈاکٹر کے ساتھ میں خود بھی کافی دیر تک تلاش کرتی رہی"

"افسوس!" ڈاکٹر گردن جھکا کر پیچھے ہٹ گیا۔ نرس نے مریض کا چہرہ دیکھا جو کہ پژمردہ ہو رہا تھا اور سانس کی رفتار سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ زندگی کے راستے پر وہ چند قدم ہی اور چل سکتا تھا مریض کی یہ حالت دیکھ کر

اس کے دل میں چمک سی اٹھی اسے خیال آیا اگر ڈاکٹر اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا تو چند ساعت بعد ہی زندگی کے آسمان کا ایک تابندہ ستارہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کی اندھیروں میں ڈوب جائے گا نہ جانے اس کی جدائی میں کتنے دل زخمی ہوں گے اور کتنی آنکھیں اشک بہانے پر مجبور ہوں گی۔ یہی سب سوچتی ہوئی وہ غیر ارادی طور پر چند قدم آگے بڑھی اور خود کو سنبھالتے ہوئے ڈاکٹر سے سوال کیا: "مریض کے لیے کس گروپ کا خون درکار ہے ڈاکٹر؟"۔

"این گروپ کا" ڈاکٹر نے گھوم کر نرگس کی طرف دیکھا نرگس کے ہونٹوں پر اچانک مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے پرجوش آواز میں کہا پھر تو مریض کی زندگی خطرہ سے باہر ہے۔ اتفاق سے میرا خون این گروپ کا ہے" ڈاکٹر نے نرگس کو پہچانتے ہوئے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

لیکن آپ بہت کمزور ہیں مس نرگس۔

کیا خون دینے سے میری زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی؟ نرگس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ کمزور ہو جائیں گی۔ نہ جانے کتنے عرصہ میں آپ کی قوت بحال ہو۔

آپ اس کی فکر نہ کریں ڈاکٹر صاحب! خون لینے کا انتظام کیجئے میں اس کے لیے بالکل تیار ہوں۔ ڈاکٹر نے جواب دینے کی جگہ نرگس کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے نرگس کا زندہ خون مریض کی رگوں میں منتقل ہونے لگا۔ یہ عمل بڑا عجیب اور حیرت انگیز تھا جیسے جیسے نرگس نقاہت محسوس کر رہی تھی مریض کی سانس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔

مناسب مقدار میں خون لیا جا چکا تو ڈاکٹر نے مودب انداز میں جھک کر نرگس کا شکریہ ادا کیا اور ساتھی نرسیں اسے سنبھال کر ایک خالی بستر پر لے آئیں اس واقعہ کے چوتھے روز نرگس دل میں ایک عجیب مسرت لئے اس مریض کو دیکھنے جا رہی تھی جس کی مردہ رگوں میں اس نے اپنا خون منتقل کیا تھا۔ یہ اگرچہ کوئی بہت بڑا کارنامہ نہ تھا۔ لیکن نرگس کی نظروں میں اس کی اہمیت یوں زیادہ ہو گئی تھی کہ اس کا خیال تھا اس کی قربانی سے مریض کی جان بچ گئی۔ اس نے دور سے دیکھا مریض تکیے سے ٹیک لگائے کوئی کتاب دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر اگرچہ نقاہت کے آثار تھے لیکن مکمل خوبصورت لگ رہا تھا مریض کو دیکھ کر نرگس کے دل میں اپنائیت کا ایک عجیب سا احساس پیدا ہوا اسے یوں لگا جیسے وہ اس مریض کو صدیوں سے جانتی ہو اس سے اس کا کوئی گہرا رشتہ ہو اس نرالے احساس پر وہ بے اختیار مسکرا دی۔

ڈیوٹی نرس نرگس کو دیکھ کر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئی۔ اور پیار کے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی۔ کہئے مس نرگس آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ کا مریض تو اب خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہے اگر آپ اس کے لئے قربانی نہ دیتیں تو بیچارے کا نہ جانے کیا حال ہوتا۔ بات ختم کر کے اس نے مریض کی طرف دیکھا اور کھنکتی ہوئی آواز میں بولی "دیکھا! اپنی محسنہ کا شکریہ ادا کیجئے انہیں کی قربانی سے آپ کو نئی زندگی ملی ہے اگر یہ خون نہ دیتیں تو بظاہر آپ کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ ڈاکٹر سمیت ہم سب مایوس ہو چکے تھے۔"

نرس کی بات سن کر مریض نے نرگس کی طرف دیکھا اور عقیدت کے انداز میں بولا۔ بہن! میں سچے دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری حقیقی بہن بھی شاید اس سے زیادہ ایثار نہ کرتی۔ مریض کا نام سن کر اور قریب سے اس کی شکل دیکھ کر نرگس کے دل کا عجیب حال ہو گیا تھا۔ مریض کے زرد دبلے چہرے میں اسے اپنے گمشدہ بھائی کے نقوش صاف نظر آ رہے تھے۔ اس کا لہجہ بھی رفو جیسا تھا۔ وہ بے خود سی ہو کر اس کی [illegible] اور مبہوت سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ مریض نے بھی تشکر کی نظر سے اسے دیکھا۔ نگاہیں چار ہوئیں۔ جان بچانے والے کے [illegible] کے دل میں جو جذبات ہو سکتے ہیں وہ شدت کے ساتھ نرگس کو دیکھ کر رفو کے دل میں ابھر آئے تھے، لیکن اسے لفظ نرگس سے کوئی دلچسپی نہ ہوئی تھی۔ نرگس کا نام خانی ہوتا تب بھی وہ اسے اسی طرح دیکھتا۔ اس کے لب تھرتھرائے اور رقت کے ساتھ اس نے کہا "بہنا! اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔ کاش آپ واقعی میری بہن ہوتیں۔ وہ نہیں جو پہلے بہت پہلے مجھ سے

بھی تو تھی اور نہ جانے وہ کہاں ہوگی۔ اور ہوگی بھی یا نہ
نرگس نے جھک کر ریاض کے ہاتھ پکڑ لیے اور بولی: میں
سمجھتی ہوں کہ تم میرے بھائی ریاض ہو۔ بچپن میں ریاض کہہ کر
مخاطب کرتی تھی کیا تمہیں اپنی بہن بھائی یاد ہے۔ میں
بھائی ہوں۔ نرگس میرا دوسرا نام ہے۔
ریاض نے مبہوت ہو کر نرگس کی طرف دیکھا کچھ دیر ساکت
کھڑا رہا اور پھر تقریباً چیخنے کے انداز میں بولا۔ بھائی میری
بہن میری پیاری بہن!
اس انکشاف پر اقبال کا علم پہلے حیران ہوا لیکن
پھر سب اس خوشی میں شریک ہو گئے جو نرگس اور ریاض کو حاصل
ہوئی تھی سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ نرگس کو یہ انعام اس کی
شرافت، دوستی اور رحم دلی کی باعث ملا ہے اور یہ بات
غلط بھی نہ تھی۔

لطیفہ

• شوہر: بیگم خوامخواہ تم اس سکتے پر سر کھپاتی ہو۔ یہ
راہ راست پر نہیں آ سکتا۔
بیگم۔ چلو بس رہنے بھی دو۔ اپنے متعلق سوچو کہ تمہیں
راہ راست پر لانے کے لیے مجھے کتنی سر مغزی کرنا پڑی تھی
یہاں۔ (کھانے کی میز پر) سلیم اگر تم چاہتے ہو کہ تندرست رہ
سکو تو اس ملازمہ کو نکال باہر کرو۔ اسے کھانا پکانے کا شعور
بھی نہیں ہے۔
سلیم۔ جناب اب اسے علیحدہ کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ
میں نے اس سے شادی کر لی ہے۔

مرسلہ: مس نظیلت بہار (دربھنگہ)

بیوقوف مرد کی پہچان
بیوقوف اپنی بیوی کو بیوٹی بکس لاکر دیتا ہے۔
• ایک آدمی گھبرایا ہوا دوسرے آدمی کے پاس جاکر
مخاطب ہو کر بولا "تمہاری بیوی کنوئیں میں گر گئی ہے"۔
دوسرے آدمی نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا پریشان
ہونے کی بات نہیں۔ میں تو نل کا پانی استعمال کرتا ہوں۔
• ایک بس کے مسافر نے ایک دوسرے مسافر کو اپنے برابر
بیٹھے دیکھ کر کہا: بھائی صاحب یہ زنانی سیٹ ہے۔
دوسرے مسافر نے کہا، میں بھائی نہیں بہن ہوں۔
• دیہات میں ایک شہری نے تقریر کرتے ہوئے کہا: میں
دیہات میں رہنے والی اپنی معصوم بہنوں کو مردوں کی غلامی سے
نجات دلانا ہوگی۔
ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر کہا: "تو پھر ہمیں بھی شہر جاکر
وہاں کے اپنے بھائیوں کو عورتوں کی غلامی سے چھڑانے کا فرض
انجام دینا پڑے گا۔
• مالک۔ کیوں جی آج تم نے پودوں کو پانی کیوں نہیں
دیا۔
مالی:۔ سرکار آج بارش ہو رہی تھی۔
مالک:۔ اے بیوقوف کیا گھر میں چھتری نہیں تھی کہ اسے
لگا کر اپنی ڈیوٹی انجام دیتا۔
• ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا۔ "اگر ایک دن
بھی تم اس تاش کے منحوس کھیل سے دور رہو تو اس روز
میں مارے خوشی کے مر ہی تو جاؤں گی۔
شوہر نے کہا بیگم تم نے پہلے سے یہ بات کیوں نہ بتائی
• تعلیم بالغان کے ایک پڑھنے والے نے شکوہ کیا کہ میں
ہر شب پڑھنے آتا رہا ہوں۔ پھر بھی میرے گھر اطلاع کی گئی
کہ میں چار روز سے پڑھنے نہیں آیا۔
استاد نے رجسٹر دیکھ کر کہا۔ بلاشبہ یہ غلطی ہے اور
کے بجائے بھی غلط سمجھ لیا گیا۔
پڑھنے والے نے کہا۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن میری بیوی
جو ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی ہے اس کا کیا ہوگا۔
• ایک صاحب نے فخر سے اپنے دوستوں میں بیٹھ کر کہا
اجی میری بیوی جب مجھ سے جھگڑتی ہے تو میرے صرف دو
لفظ اس کا منہ بند کر دیتے ہیں۔
دوستوں نے اشتیاق سے پوچھا ہمیں بھی بتا دو وہ لفظ

(باقی صفحہ ۲۸ پر)

اور مسافر نہ لوٹے

نسیم انہونوی

دادی اماں کی عمر تو خیر زیادہ تھی ہی لیکن زمانہ کی گردشوں نے انھیں ان کی عمر سے بھی زیادہ بوڑھا بنا دیا تھا۔ اور پچاس ہی سال کی عمر میں یہ حال تھا کہ نہ تو سر کا کوئی بال سیاہ تھا نہ منھ میں کوئی دانت نظر آتا تھا، چہرہ ہوا نکلے ہوئے غبارہ کی طرح ہو کر رہ گیا تھا اور کمر جھک جانے کے بعد ان کا جسم کمان معلوم ہوتا تھا، آنکھوں کی بینائی کا یہ حال تھا کہ موٹے تال کا چشمہ لگانے کے بعد بھی انھیں ہر شخص کو پہچاننے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔

نواب صاحب کی بیگم صاحبہ سے دادی اماں کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب کہ نواب صاحب سلطانپور میں تحصیل داری پر متعین ہوئے تھے اس وقت دادی اماں اتنی ضعیف نہ تھیں، لیکن ان کی حالت بہت زار تھی۔ بے چاری سلائی کر کے گزر بسر کرتی تھیں۔ اور اسی سلسلہ میں وہ بیگم صاحبہ کے پاس آئی تھیں، بیگم صاحبہ کو ان سے ایسی دلچسپی ہوئی کہ انھوں نے انھیں مستقل طریقہ پر اپنے پاس رکھ لیا

نواب ذوالفقار علی خاں کے یہاں دادی اماں کو رہتے ہوئے تقریباً دس سال ہو گئے تھے اور نواب صاحب کے بچے انھیں دادی اماں کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ وہ بھی بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتی تھیں اور ان کا تمام وقت انھیں کے ساتھ صرف ہوتا تھا۔ دادی اماں گو اس گھر میں ایک ملازمہ خادمہ کی حیثیت سے آئی تھیں اور نواب صاحب کے خاندان سے ان کا کوئی عزیزدارانہ تعلق نہ تھا، پھر بھی دیکھنے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ وہ یہاں خادمہ کی حیثیت سے ہیں۔

دادی اماں زیادہ تر خاموش رہا کرتی تھیں، انھیں ہنستے یا مسکراتے تو کبھی کسی نے دیکھا ہی نہیں، ہمیشہ کچھ کھوئی کھوئی سی نظر آتیں، جیسے کسی بڑے صدمہ کے بعد ہو جایا کرتا ہے۔ بیگم صاحبہ نے کئی بار کوشش کی کہ دادی اماں اپنی زندگی کے گزشتہ حالات بتائیں، لیکن انھوں نے اس سے زیادہ کبھی نہ بتایا کہ ان کے شوہر کا عرصہ ہوا انتقال ہو گیا اور اس وقت سے وہ بیوگی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔

نواب صاحب کے گھر دادی اماں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس نے ان کی حالت میں ایک حد تک تبدیلی کر دی تھی، پھر بھی ان کا چہرہ ان کے غم پنہانی کا پتہ دیتا ہی رہتا تھا۔ دادی اماں گھر کے تمام بچوں کے لئے ایک کھلونا بن کر رہ گئی تھیں۔ انھیں جو دلچسپی دادی اماں سے ہوتی تھی وہ کسی کھیل تماشے سے بھی نہیں ہوتی تھی، ان کی ہر ادا بچوں کے لئے ایک دلچسپی کا باعث تھی اور بھیڑوں کی طرح بچے ہر وقت ان سے چمٹے رہتے تھے۔ دادی اماں کو کہانیاں بہت یاد تھیں اور یہی وجہ تھی کہ بچے ان کے زیادہ مانوس تھے۔ ادھر شام ہوئی دادی اماں اپنے پلنگ پر بیٹھیں کہ لڑکوں نے انھیں گھیر لیا۔ کہانی سنائیے دادی اماں کوئی کہتا لال دیو والی۔ کوئی کہتا: "نہیں بھیڑیے والی سنائیے۔" غرض کہ کہانی سنانے دادی اماں کا دماغ خالی ہو چکا تھا اتنی کہانیاں روز روز نئی کہاں سے یاد آسکتی تھیں، الٹ پھیر کر وہی پرانی کہانیاں کہتی رہتی تھیں۔

ایک روز دادی اماں خلاف معمول کچھ ملول سی تھیں، اور بچے تھے کہ کہانی سناؤ، کہانی سناؤ کی رٹ لگائے ہوئے تھے، انھیں ان دلچسپیوں کے سامنے دادی اماں کے غم کا احساس کیسے ہو سکتا تھا۔ دادی اماں نے سر کے درد کا بہانہ کیا، بہت بہلایا پھسلایا مگر اس شیطانی فوج نے ایک نہ سنی آخر کار دادی اماں کو اٹھ کر بیٹھنا ہی پڑا۔ چند منٹ سوچنے کے بعد دادی اماں نے کہا بچو تم جو یہ کہانیاں سنا کرتے ہو یہ سب گھڑے ہوئے فرضی قصے ہیں ان میں کوئی بھی سچا نہیں ہوتا۔ اس لئے آج میں تمھیں ایک سچی کہانی سناتی ہوں، یہ تمھارے لئے زیادہ دلچسپ تو نہ ہوگی لیکن اگر تم اپنے دل میں یہ سمجھ لو کہ آج تک تم نے جو کہانیاں سنی تھیں وہ جھوٹی تھیں اور یہ سچی ہے تو ضرور پسند آنے گی، بات یہ ہے کہ حقیقت میں تو وہ

مزہ ہوتا ہے لیکن سچ سچ ہی ہے اور جھوٹ جھوٹ۔

لڑکے یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ ہم سچی کہانی سنیں گے۔ ہم سچی کہانی سنیں گے کا شور مچ گیا۔

دادی اماں نے انھیں خاموش کرتے ہوئے کہانی شروع کر دی۔

" خورشید نگر گومتی کے کنارے ایک خوشنما گاؤں تھا چونکہ شہر سے بالکل ہی قریب تھا اس لئے گاؤں ہوتے ہوئے بھی یہاں کسی بات کی تکلیف نہ ہوتی تھی۔ نصیر خاں اس گاؤں کے مکھیا اور زمیندار تھے ان کی حویلی کے کھنڈر سلطان پور سے کچھ فاصلہ پر گومتی کے کنارے اب تک اپنے مکینوں کے غم میں تباہ حال چپ کھڑے ہیں۔ اس حویلی میں خدا کا دیا بھی سامان عیش و عشرت موجود تھا۔ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی برجیاں تھیں جن میں پہرے دار پہرا دیا کرتے تھے مردانہ مکان کے علاوہ زنانی محل سرا ایک شاندار محل تھی کہ اس پر جنت کا گمان ہوتا تھا، لونڈیاں باندیاں بیگم صاحبہ کی خدمت کے لئے نوکر تھیں، دو خوبصورت کھلونوں جیسے بچے تھے لڑکی کا نام تھا اختر جہاں اور لڑکے کا تاباں، یہ نونہال جس وقت محل سرا میں کھیلتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ہرن کلیلیں کر رہے ہیں۔ ماں باپ کی آنکھوں کے یہ تارے ایسے ناز و نعم میں پلتے کہ راجاؤں کے بچے بھی کیا پلیں گے۔ مختصر یہ کہ اس گھر میں دن عید رات شب برات کا منظر پیش نظر رہتا تھا۔ جس نے بھی اس محل سرا کے وہ دن دیکھے ہیں وہ آج اس جگہ پہونچ جائے تو خیال بھی نہیں کر سکتا کہ یہ وہی جگہ ہے جو کسی وقت گلستان بنی رہتی تھی ـــــ جہاں ہر وقت خوشی اور مسرت کا دور دورہ تھا، آج اسی حویلی کی گری ہوئی فصیل میں جنگلی جانور رہا کرتے ہیں اور دور دور تک خاموشی کے سوا آبادی کے نشان تک پائے نہیں جاتے، صرف ایک کنواں ضرور اب تک کبھی کبھی مسافروں کو اپنی ٹوٹی ہوئی جگت پر بیٹھنے کی دعوت دے کر انھیں پانی پلا دیا کرتا ہے۔

ایک بچے نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا " دادی اماں وہ سب لوگ کیا ہو گئے آخر؟"

دادی اماں نے کہا " یہی تو تمہیں بتانے جا رہی ہوں۔ یہ بڑی سبق آموز کہانی ہے۔

بچو! اس دنیا میں جس طرح سورج نکلتا ہے۔ دنیا روشن ہو جاتی ہے اور پھر شام ہوتی ہے تو یہی دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تم روز دیکھتے ہو کہ ہماری زندگی میں انقلاب ہوتے رہتے ہیں، غریب امیر ہو جاتے ہیں، امیر بھیک مانگنے لگتے ہیں، جہاں آج تم کھنڈر دیکھ رہے ہو کل وہاں محل بن جانا مشکل بات نہیں، بلندی اور پستی ساتھ ہی ساتھ رہتی ہے اس لئے ہمیں اپنی موجودہ حالت ہی پر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ نصیر خاں کا ستارہ بھی جب گردش میں آیا تو یکایک ان کا عشرت کدہ کھنڈر بن گیا۔

" کیسے کھنڈر بن گیا دادی اماں "؟ ایک بچے نے سوال کیا۔

دادی اماں نے کہا " یہی تو بتانے جا رہی ہوں۔ چپ ہو کر کہانی سنے جاؤ "

تم نے غدر کا لفظ سنا ہوگا جب انگریزی فوج کے خلاف جگہ جگہ بغاوت کا علم بلند کر دیا گیا تھا، یہ زمانہ جس نے دیکھا ہے وہی جانتا ہے کہ کیسا تھا ہر شخص کی زندگی خطرے میں تھی۔ ماں بچوں سے اور بیویاں شوہروں سے جدا ہو گئی تھیں، وہ شریف زادیاں جن کی صورت دیکھنے کو سورج کی کرنیں محروم تھیں، ہاں کوئی چاند کا سایہ جن پر پڑنا محال تھا اس پر آشوب زمانہ میں ننگے سر اور ننگے پیر گھروں سے بھاگ کھڑی ہوئیں کسی کو تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ ہزاروں گھر خاک کے ڈھیر بن گئے، ہزاروں عورتیں بیوہ اور لاکھوں بچے یتیم ہو گئے پہلے بلوائیوں نے ستم ڈھائے پھر سرکار نے جن جن پر شبہ تھا انھیں گولیوں سے اڑا دیا۔ اف کیسا بھیانک وقت تھا، نہ زمین پر پناہ تھی نہ آسمان تک رسائی ـــــ دوست اور دشمن میں پہچان مشکل ہو گئی تھی ـــــ اپنے پرائے نظر آتے تھے۔ اسی زمانہ میں خورشید نگر میں بھی بلوائیوں کا زور ہوا اور نصیر خاں کو لوگوں نے اپنا سردار بنانا چاہا وہ سیدھے سادے آدمی تھے حکومت کے خلاف کوئی اقدام کرنا نہ چاہتے تھے مگر بلوائیوں نے زبردستی انھیں اپنے گروہ میں شامل کرنا چاہا اس لئے کہ ان کی حویلی بالکل قلعہ تھی اور بندوقیں بھی ان کے پاس تھیں، زبردستی انھوں نے ہاں کر لی، اس لئے کہ انھیں یہ بھی ڈر تھا کہ اگر بلوائیوں کی مخالفت کی گئی تو وہ انھیں مار ڈالیں گے۔

نصیر خاں نے چال یہ چلی کہ بظاہر تو بلوائیوں سے مل گئے اپنے ہتھیار وغیرہ بھی ان کے حوالے کر دئے مگر اپنے ایک وفادار نوکر کے ذریعہ انھوں نے انگریز افسر کے پاس ایک خط روانہ کیا، شامت اعمال اس بات کا پتہ بلوائیوں کو چل گیا اور انھوں نے اس نوکر کو گولی مار کر نصیر خاں کو بھی قید کر لیا۔ اب اس طرح پر بلوائیوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور ہر در و دیوار سے

وحشت برسنے لگی۔

جب غدر کا زیادہ زور ہوا۔ اور بلوائیوں کو جگہ جگہ شکست ہونے لگی تو انھوں نے اس کوٹھی کا ساز و سامان بھی لوٹ لیا۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے اسی عرصہ میں انگریزی فوجوں نے ہر جگہ تسلط جمانا شروع کر دیا اور بغاوت کرنے والوں کو گرفتار کیا جانے لگا، ایسے ہنگاموں میں گیہوں کے ساتھ اکثر گھن بھی پس جاتے ہیں۔ اس لئے خوف و ہراس کے باعث نصیر خاں بھی اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ محل سرا سے فرار ہو گئے لیکن قسمت دامن پکڑ چکی تھی، راستہ میں وہ دھر پکڑ لئے گئے، ہر چند نصیر خاں نے داد فریاد کی اپنی بے گناہی کا یقین دلایا مگر بلوائیوں نے انھیں اپنے سردار کی حیثیت سے شہرت دے دی تھی اس لئے کوئی عذر سنا نہ گیا اور مقدمہ چلنے کے بعد نصیر خاں کو گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔

نصیر خاں کی بیوی اس صدمہ کی تاب نہ لا کر مر گئیں اور ناز و نعم میں پلے بڑھے ہوئے بچے در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے ایک خدا ترس غریب نائی کے گھر پرورش پانے لگے

اس دور کشمکش میں باغیوں کا نام لیتے بھی لوگ ڈرتے تھے اس لئے مرحوم کریم نے ان بچوں کو چھپا کر پرورش کرنا شروع کیا کچھ عرصہ تک تو پتہ نہ چلا لیکن کریم نے باغیوں کے بچوں کو چھپا کر گھر میں رکھا تھا۔ انگریزوں اور ان کے اہل و عیال کے ساتھ باغیوں نے جو وحشیانہ سلوک کئے تھے ان کے جواب میں حکومت جتنی بھی سختی کرتی کم تھی۔ چنانچہ کریم پر بھی مقدمہ چلایا گیا اور اسے سزا ہو گئی۔ اب کریم کے بیوی بچے خود ہی فاقے کرنے لگے۔ ان بے کسوں کا پرسان حال کون تھا۔

اختر کی عمر اس وقت تقریباً تیرہ سال کی تھی اور تاباں صرف آٹھ برس کا تھا۔ ان مصیبت زدوں کے لئے کہیں سر چھپانے کی بھی جگہ نہ تھی کریم کا حشر لوگوں نے دیکھ لیا تھا، پھر کسے ہمت ہو سکتی تھی کہ ان کو پناہ دے کر اپنا شمار باغیوں میں کراتا۔

مصیبت کے مارے یہ بچے در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرے آخرکار ایک گھر میں انھیں پھر ٹھکانا مل گیا۔ یہ گھر ایک ایسے زمیندار کا تھا جس نے غدر میں کئی انگریزوں کو پناہ دے کر ان کی جانیں بچائی تھیں اس لئے اسے اس کا ڈر نہ تھا کہ اس پر غداری کا الزام لگ سکے گا۔ اس گھر میں ان معصوموں کو تھوڑے ہی روز گزرے تھے کہ زمیندار صاحب کا

انتقال ہو گیا اور ان کی بیوی نے جو بد مزاج بد دماغ اور بے درد تھیں ان پر ظلم کرنا شروع کر دیے وہ انھیں کھلانے پلانے کا معاوضہ چاہتی تھیں چنانچہ لڑکی گھر میں ماما بن کر رہ گئی اور تاباں بچو کے نام سے سودا سلف خریدنے لگا۔

"پھر کیا ہوا دادی اماں"؟ ایک بچی بول اٹھی۔

دادی اماں نے کہا۔ ہوا یہ کہ جن نازک ہاتھوں نے کبھی گلاس اٹھا کر پانی بھی نہ پیا تھا وقت کے ہاتھوں مجبور ہو کر سب کچھ کر رہے تھے اس ظالم بیوہ نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ معمولی معمولی غلطیوں پر انھیں مار پیٹ بھی رہتی تھی، اختر جہاں کو اپنی مصیبتوں کا تو اتنا غم نہ تھا لیکن معصوم تاباں کا مار کھانا اسے کسی طرح گوارہ نہ تھا، چنانچہ ایک روز اس نے بیگم صاحبہ سے کہہ دیا کہ آپ مجھ لونڈی پر جو چاہیں ستم ڈھائیں لیکن معصوم تاباں کے ساتھ جو سلوک آپ فرما رہی ہیں وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا آپ کو کیا معلوم کہ یہ بچہ کس عیش و عشرت میں پرورش پاتا رہا ہے کبھی ہمارے بھی دن تھے اور جس طرح آج آپ خدا کی مہربانیوں سے عیش کر رہی ہیں ہم لوگ بھی کسی دن یوں ہی دن رات بسر کرتے تھے — بیگم صاحبہ بھلا ایسے جملے سن کر تاب کہاں لا سکتی تھیں برافروختہ ہو کر بولیں — "الٰہی شمہ مینڈکی را زکام پیدا شد"۔ نیکی برباد گناہ لازم۔ جب دنیا میں کہیں ٹھکانا نہ تھا تو خدا جنت نصیب کرے انھوں نے ترس کھا کر گھر میں جگہ دی اور اب یوں زبان لڑانے لگی — ہوگی امیر زادی کہیں کی، ایسا ہی دماغ ہے تو منہ کالا کر اس گھر سے۔

غریب اختر کی کیا مجال تھی کہ بیگم سے زبان لڑاتی۔ بے چاری آنسوؤں کو پیتے ہوئے اٹھی اور اپنے کپڑوں کی پوٹلی اٹھا تاباں کا ہاتھ پکڑ باہر چلی گئی —

"پھر کہاں گئے دونوں بیچارے"؟ ایک بچے نے سوال کیا۔

دادی اماں نے کہنا شروع کیا۔ اختر اب جوان تھی، رنگ روپ میں شباب کی لہریں دوڑ رہی تھیں، لاکھ مصیبت میں تھی لیکن حسن اور شرافت چھپائے سے نہیں چھپتے اسے جو دیکھتا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا لیکن ان ہی باتوں نے اختر جہاں کو اور بھی مصیبت میں گرفتار کر دیا ہے گھر سے نکل کر وہ کچھ ہی دور گئی ہوگی کہ ایک بڈھی عورت اسے نظر آئی، اس نے سوچا کہ اس سے اپنا درد دکھ بیان کروں شاید کچھ مدد مل جائے چنانچہ یہی ہوا بڈھی اسے دم دلاسا دے کر اپنے گھر لے گئی اور

اپنی حیثیت کے مطابق خریا شوخا فرتوا منح ہو گی۔

بیگم صاحب کے گھر سے نکلنے کے بعد اختر کی حالت اس کشتی کی سی تھی جو ناخدا سے بچھڑ کر منجدھار میں پڑ گئی ہو اس بڈھی کا ان جا تا دوبتے کو تنکے کا سہارا ثابت ہوا اور تھوڑی دیر کے لئے اختر کی پریشانیاں کچھ کم ہو گئیں، لیکن رات میں جب بڈھی کا لڑکا شراب پیئے ہوئے گھر میں داخل ہوا تو اختر کا دل دھڑکنے لگا، ایک شریف نوجوان لڑکی ایسے موقع پر جتنا بھی ڈرتی کم تھا لیکن بڈھی نے لڑکے کو اس کی تہری ہا نہ ہونے دی اور اختر و تاباں کو علیحدہ سلادیا۔ جب رات زیادہ ہو گئی تو اختر نے تاباں کو گود میں لے لیا اور چوروں کی طرح اپنی گٹھری لے کر گھر سے نکل بھاگی۔

- رات میں انھیں ڈر نہیں لگا گھر سے نکلتے "ایک بچے نے پھر لقمہ دیا

دادی اماں نے کہا نہیں، جتنا مصیبت میں ڈر نہیں لگتا ——

— دونوں گھر سے نکلے تو ہر طرف سناٹا چھایا تھا، صرف کبھی کسی وقت کتوں کے بھونکنے اور گیدڑوں کے شور مچانے کی مہیب صدائیں آرہی تھیں؟ غریب اختر جیسا لرزتی کانپتی اس مسافر کی طرح چلی جارہی تھی جس کی منزل کا پتہ نہ ہو۔ نہ چلنے پھرنے کی عادت، نہ ہی ڈر سے قدم اٹھتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ ایک جگہ خوف سے گر پڑی اور جب ہوش آیا تو اس نے اپنے کو پلنگ پر پایا۔ تاباں قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ اختر نے گھبرا کر تاباں کو لپٹا لیا اور پوچھنے لگی میں کہاں ہوں۔

تاباں کے بجائے کسی شخص نے جواب دیا گھبرائیے نہیں آپ کسی خطرناک جگہ پر نہیں ہیں۔

اختر نے دوپٹہ کا آنچل ٹھیک کرتے ہوئے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا تو سرہانے ایک خوبصورت نوجوان کو کھڑے ہوئے پایا۔ وہ گھبرا کر کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ پھر اسی نوجوان نے کہا۔ آپ ڈریں نہیں، میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا آپ راستہ میں بے ہوش پڑی تھیں اتفاق سے میرا گزر ہوا اور میں آپ کو یہاں لے آیا۔ آپ کون ہیں اور کہاں جارہی تھیں، بتلائیے تو میں پہنچا دوں اختر نے کہا آپ کو خدا سلامت رکھے کہ غریبوں پر رحم کھایا ہم کہاں جارہے تھے۔ یہ ہمیں بھی معلوم نہیں، دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے۔

"تو آپ اس گھر کو ہی اپنا گھر کیوں نہ سمجھیں" نوجوان نے کہا "تو

آپ مجھے رکھ کر کیا کریں گے!

میں تمھیں اس گھر کی ملکہ بنا سکتا ہوں۔

اختر نے شرما کر سر جھکا لیا۔ یہ پہلا اتفاق تھا کہ اس بچے کانوں میں اس قسم کے الفاظ پہنچے، اس کی پیشانی پر شرم کا پسینہ نکل آیا۔ دل میں جذبات بھی تھے اور امنگیں بھی لیکن سرد اور پژمردہ، سہارا ملا تو رگ رگ میں خون دوڑنے لگا، آنکھوں میں حیا کی شوخی پھیلنے لگی۔ اس وقت وہ کیف شباب میں ڈوبی ہوئی ایک جوان عورت نظر آرہی تھی۔

اختر کے سکوت سے فائدہ اٹھا کر نوجوان نے پھر کہا، غالباً تم کو یہ گھر برا نہ معلوم ہوگا۔ اگر واقعی تمھارا کوئی گھر نہیں ہے تو در در کی ٹھوکریں کھانے سے کیا حاصل، میں ایک شریف انسان ہوں اور تمہیں اپنے دل کی رانی بنا کر رکھوں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری درخواست کو نہ ٹھکراؤگی میرے پاس روپیہ پیسہ اور عزت وقار کی کمی نہیں۔ البتہ کمی ہے تو صرف ایک ہمدرد عورت کی جو اس اجڑے چمن کو گلزار بنا دے۔

— تمھاری ہی طرح میں بھی ایک بدقسمت انسان ہوں۔ حال ہی میں ماں باپ کی دولت کھو کر اس گھر میں غم واندوہ کی زندگی بسر کر رہا ہوں وہ میری شادی کے انتظامات مکمل کر چکے تھے لیکن افسوس ان کی عمر نے دغا کی اور میرا سہرا دیکھنے کی تمنا لئے ہوئے اٹھ گئے۔ میں نے اس غم میں طے کر لیا ہے کہ شادی جب بھی کروں گا دھوم دھام سے نہ کروں گا،۔ تم بھی مجھ ہی جیسی غم زدہ ہو۔ یہ اور بات ہے کہ میرے اور تمہارے غم میں فرق ہے۔ لیکن مجھے امید ہے کہ خوب نبھ جائے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔

غرض نوجوان کی باتوں نے اختر کو موہ لیا اور وہ اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہو گئی، ایک بار پھر اس مصیبت زدہ عورت کی زندگی میں انقلاب آیا اور در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد وہ سکون و مسرت کی زندگی بسر کرنے لگی —— نوجوان نے نکاح کر کے واقعی اسے اپنے دل کی ملکہ بنا لیا۔ ان کی محبت کا اندازہ کرنا بھی آسان نہیں۔ تاباں بھی اب ماشاء اللہ سمجھدار ہو گیا تھا۔ اس کی تعلیم و تربیت بھی اعلیٰ پیمانہ پر ہو رہی تھی اور اختر کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کا سہرا باندھے —— بڑی بہن کی محبت بھی ماں سے کم نہیں ہوتی۔ اختر نے بھی تاباں کو ماں ہی کی طرح پرورش کیا تھا —— لیکن اس کی یہ تمنا دل کی دل ہی میں رہ گئی —— دادی اماں یہاں تک کہانی کہنے کے بعد کچھ خاموش سی ہو گئیں، بچوں نے ایک لمحہ انتظار کے بعد پوچھنا شروع کیا۔

دادی اماں اختر کی یہ تمنا کیوں پوری نہیں ہوئی؟ کیا لڑکے نے شادی کرنے سے انکار کر دیا

آپ چپ کیوں ہوگئیں؟۔

ہائیں یہ آپ کی آنکھوں میں آنسو کیوں بھر آئے۔؟

دادی اماں نے کھانستے ہوئے کہا۔ کچھ نہیں یوں ہی میرا دل بھر آیا تھا تم ابھی بچے ہو، کیا سمجھ سکتے ہو؟۔

اس وقت تقریباً گھر کی تمام عورتیں بھی کاموں سے فراغت کر کے دادی اماں کے پاس آچکی تھیں اور کہانی سن رہی تھیں۔

دادی اماں نے کہا، اختر کے کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے نوجوان بھی تاباں کو اپنی اولاد کے برابر چاہتا تھا۔

"نوجوان کا نام کیا تھا دادی اماں۔ ایک بچے نے قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا۔

دادی اماں نے پانی مانگتے ہوئے کہا "بیٹا نام میں بھول گئی ہوں — پانی پی کر پھر دادی اماں نے کہانی شروع کر دی، وہ نوجوان جہاں جاتا تاباں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا — چنانچہ ایک مرتبہ وہ کسی ضرورت سے لمبے سفر پر گیا۔ تاباں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔

"پھر کیا ہوا دادی اماں" ایک بچہ بول اٹھا۔

دادی اماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہانی پھر شروع کر دی۔ اس وقت سفر کرنا آسان نہ تھا، راستے خطرناک ہوتے تھے نہ ریل کی آسانیاں تھیں نہ موٹروں کی سواری، جنگلوں میں چور اور ڈاکوؤں کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا جب لوگ سفر کو جاتے تھے تو گھر والوں سے اچھی طرح گلے مل کر جاتے تھے کہ شاید واپس نہ آسکیں — معلوم نہیں کیوں اختر کو اپنے شوہر اور بھائی کے اس سفر سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی کو بھی نہ جانے دے مگر جانا ضروری تھا اس لئے دونوں کو اس نے بچشم نم رخصت کر دیا

"پانی"، دادی اماں کی حلق میں جیسے کانٹے پڑ رہے تھے۔ انھوں نے پھر پانی طلب کیا، اور پانی پینے کے بعد وہ لحاف کا سہارا لے کر لیٹ گئیں۔ بچے کہانی ختم ہوئے بغیر دادی اماں کو کب چھوڑنے والے تھے شور مچانے لگے کہ ہم سونے نہیں دیں گے "کہانی ختم کر دیجئے۔

دادی اماں نے تھکی تھکی آواز میں کہا "بچو ان کا سفر بہت لمبا تھا — آج تک ختم نہیں ہوا، اختر کی آنکھیں انتظار کرتے کرتے پتھرا گئیں لیکن مسافر دو نہ شائع ہوتے۔

"کیا ہوئے دادی اماں وہ پھر — اور اختر کیا ہوئی۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا ہو گئے۔ اختر تو آج تک ان کا انتظار کر رہی ہے اس نے اپنی عمر کے پچاس سال انتظار ہی میں گزار دئے، اور اب اس کا انتظار ختم ہو چکا ہے۔ کوئی امید ان کے آنے کی باقی نہیں رہی۔ اب اختر ان باتوں کو خواب سمجھتی ہے۔

"لیکن اختر کہاں ہے دادی اماں؟"

دادی اماں کو زور کی کھانسی آئی جس سے وہ بے چین ہو گئیں اور نہایت ہی مکرر آواز میں بولیں — بچو بد بخت اختر تو آج بھی زندہ ہے — یہ کہانی اسی کی آپ بیتی ہے — تمہاری دادی اماں ہی اختر ہے جو تمھیں کہانیاں سنایا کرتی تھی — اور یہ شاید اس کی آخری کہانی ہے

اس کے بعد دادی اماں کو سردی معلوم ہونے لگی۔ انھوں نے لحاف اوڑھ لیا۔ عورتوں نے دیکھا تو ان کا پنڈا آگ کی طرح جل رہا تھا۔ انھوں نے پھر پانی مانگا — پیاس کی شدت اور بخار کی حرارت بڑھتی ہی جاتی تھی اور صبح ہوتے ہوتے اختر کا انتظار ختم ہو گیا۔

مطالبہ خواتین کے مساوی حقوق کا

خان خانہ

درون خانہ سے بیرون خانہ تک

ایک سے زیادہ ریاستی اسمبلیوں میں خواتین ارکان اسمبلی نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ انھیں مردوں کے مساوی حقوق دیئے جائیں۔ زندگی کے ہر میدان یعنی سیاسی سماجی اور حکومتی میں عورتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کیا جائے۔ البتہ مذہبی میدان میں مساوی حقوق کا ذکر کہیں نہیں معلوم نہیں۔ اس طرف خواتین ارکان اسمبلی کی نظر نہیں گئی یا پھر انھوں نے اس طرف عمداً نظر نہیں اٹھائی۔ حقیقت کچھ بھی ہو لیکن جہاں تک عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دینے کا سوال ہے ہم اس کی پر زور تائید کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض مضامین ہم نے ایسے بھی لکھے ہیں جن کو شائع کرتے وقت ایک ایڈیٹر نے فٹ نوٹ میں یہ بات واضح کر دی کہ مضمون نگار کوئی عورت نہیں بلکہ مرد ہے۔ جن کے زندہ بلکہ آکھ جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے ثبوت بھی موجود ہیں۔ جب خواتین کا سال منایا گیا تو ہم نے "خواتین کا بسال" کے عنوان سے ایک مضمون ...... لکھ کر خواتین کی توجہ اس جانب منعطف کروائی تھی کہ صدیوں میں ایک زریں موقع اپنے حقوق کے منوانے کا نصیب ہوا ہے اس لئے فائدہ اٹھا کر اندرون سال ہی اپنے حقوق منوا لیں ورنہ سال گذر جانے کے بعد کوئی مطالبہ پیش ہوگا تو اس کی حیثیت ٹائم بار (Time Bar) کی ہو جائے گی۔ چنانچہ حقوق کی نوعیتیں بھی ہم نے پیش کر دی تھیں لیکن یہ دیکھ کر ہمیں بہت افسوس اور دلی رنج وملال ہوا کہ کسی خاتون نے ہماری تجاویز پر "آنکھ نہ دھری" ہم نے "آنکھ نہ دھری" اس لئے لکھا ہے کہ تجاویز خواتین کے سامنے تحریر کے ذریعہ رکھی گئی تھیں جن کا تعلق آنکھ سے ہے۔ اگر ہم گھر گھر پھر کر ہر خاتون کے سامنے اپنی آواز کے ذریعہ اپنی تجاویز پیش کرتے تو یہ کہتے کہ کسی خاتون نے "کان نہ دھرا" بلکہ یہاں تک کہتے کہ کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ کیونکہ ایسی خواتین کم دشوں کی تعداد میں ہیں جن کو زندگی کے کسی میدان میں مردوں کی ہمسری وبرابری کا درجہ نہیں ملا اور وہ ایسی کس مپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں کہ ان کے سروں میں جوئیں بھری ہوئی ہیں۔ بہرحال ہم نے جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملا عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دینے کے مطالبے کی پرزور تائید کی ہے اور آج بھی جب خواتین ارکان اسمبلی نے اسمبلی میں مطالبہ پیش کیا ہے تو اس مطالبہ کی تائید میں پھر ایک بار قلم اٹھاتے ہیں۔ ویسے ہماری کتاب "مکرر ارشاد" میں ہمارا ایک قطعہ عورتوں کے حقوق کے مطالبے میں شریک ہے جو ذیل میں درج کیئے دیتے ہیں۔

قطعہ

عورت کہ آج شانہ بہ شانہ ہے مرد کے
ہاتھوں میں اس کے آئی حکومت کی بھی لگام
پورا نہیں ہوا ابھی انصاف اس کے ساتھ
عورت نہیں ہے پوپ پجاری یا پیش امام

اس سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ عورتوں کو سیاسی وسماجی میدانوں میں مردوں کے مساوی نہ سہی آدھے ہی تک کی حد تک شریک تو کر لیا گیا ہے لیکن مذہبی میدان میں اس کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ لیکن اب جو سوال پیش نظر ہے وہ "مساویانہ حقوق" کا ہے۔ مثلاً سیاسی، سماجی میدان میں نیز سرکاری ملازمتوں میں عورتوں کو مساوی حقوق نہیں دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر جس اسمبلی میں خواتین ارکان نے یہ مطالبہ پیش کیا ہے عورتوں کی تعداد صرف چار تھی۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ سب سے پہلے ہم اسمبلی کو لیتے ہیں کیونکہ بات بھی وہیں سے چل نکلی ہے۔ چنانچہ ہماری سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ کسی بھی ریاستی حکومت کی اسمبلی میں ارکان کی جملہ تعداد جو کچھ بھی ہے اس میں خواتین کی تعداد مردوں کی تعداد کے مساوی ہو۔ اس تجویز کو روبہ عمل لانے کے لیئے جتنے مرد ارکان نصف سے

زیادہ کی تعداد میں ہیں انھیں فوراً اسمبلی سے دودھ کی مکھی کی طرح باہر کر دیا جانا چاہیئے اور ان کی جگہ خواتین ارکان اسمبلی کو دیدینا چاہیئے اس تجویز کے بعد ہماری چند اور تجاویز ہیں جن پر صدیوں تک غور کرنے کے بجائے فوراً حق کر اس مضمون کو پڑھتے ہی روبہ عمل لایا جانا ضروری ہے۔ ایک تجویز یہ ہے کہ ملک کی آزادی کے بعد سے آج تک صدر مملکت کوئی خاتون نہیں بن سکی حالانکہ اب تک چھ صدر ہو چکے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ موجودہ صدر مملکت فوراً اپنے عہدہ سے دستبردار ہو کر کسی خاتون کو اس عہدہ پر فائز کردیں ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر وہ اپنی اہلیہ کو ہی اپنی کرسی صدارت پر بٹھا دیں ویسے خود ان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ کرسی چھوڑنے پر بھی صدارت ان کے ہاتھ سے نہ جائے گی۔ معمار عظمیٰ کے سلسلے میں عرض ہے کہ تاریخ آزادی ملک میں صرف ایک خاتون کو وزیر اعظم بنایا گیا تھا حالانکہ سلسلے سے موجودہ وزیر اعظم کا نمبر چوتھا ہے ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ کوئی خاص خاتون ہی وزیر اعظم بنے بلکہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں وزیر اعظم بھی اپنی کرسی اپنی اہلیہ محترمہ کو عطا فرما کر تمام حکومت اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں تو ہمیں تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے کسی خاتون رکن اسمبلی کو بھی اعتراض نہ ہوگا۔ اسی سے نچلی سطح پر راجیہ سبھا اور لوک سبھا کا نمبر آتا ہے چنانچہ اس کے جتنے مرد ارکان نصف سے زیادہ کی تعداد میں ہیں فوراً عورتوں کے حق میں دستبردار ہو کر اپنی نشستیں عورتوں کے حوالہ کر دیں ملک کی جملہ ریاستوں میں گورنروں اور چیف منسٹروں کی تعداد بھی ایسی ہے کہ جس میں عورتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ چیف منسٹر کا عہدہ تو کسی خاتون کو دیا ہی نہیں گیا۔ ویسے گورنروں کی خدمات پر کہیں کہیں ایک آدھ خاتون فائز نظر آتی ہے۔ چنانچہ ضرورت ہے کہ ملک کی تمام ریاستوں کے گورنروں کی تعداد میں نصف خواتین ہوں اسی طرح چیف منسٹروں کی خدمات بھی نصف کی حد تک فوراً خواتین کے حوالے کر دی جائیں۔ اگر ان تجاویز پر عمل نہ کیا گیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق نہیں دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد سرکاری ملازمتوں کا نمبر آتا ہے۔ ہم جس آفس میں بھی جاتے ہیں عورتوں کی تعداد اتنی کم ہوتی ہے کہ ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی غلط مطلب نہ نکالا جائے ہمارا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی نہایت ہی کم تعداد کو دیکھ کر ہمیں اس بات پر رونا آجاتا ہے کہ ہائے خواتین پر کتنا ظلم ہوا ہے کہ انھیں ملازمتوں میں بھی مردوں کے مساویانہ حقوق نہیں دیئے گئے۔ پس ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر آفس میں نصف سے زیادہ تعداد میں جو حضرات پائے جاتے ہوں انھیں فوراً علیحدہ کر دیا جا کر ان کی جگہ پر عورتوں کے تقررات کئے جائیں۔ سوال یہ پیدا ہوگا کہ یہ علیحدہ شدہ مرد کیا کریں تو اس کا جواب آسان ہے۔ وہ گھروں میں بیٹھ کر بچوں کو سنبھالیں بچوں کی نگرانی کریں، اور جتنے کام گھر گرہستی کے ہیں وہ مرد کیا کریں جو اب عورتیں کر رہی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ چند محکموں کے ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ یا ہیڈ آف دی آفس خواتین نظر آجاتی ہیں لیکن ان کی تعداد بھی مساوی نہیں ہے۔ چنانچہ نصف کی حد تک یہ کرسیاں بھی جلد تاخیر مزید عورتوں کے حوالہ کر دی جائیں۔ اس سلسلے میں ہمارے اس شعر کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ ہم نے مزاح کے طور پر یہ شعر لکھ دیا تھا ؎

جان بہار افسر دفتر ہے اس لئے
عشاق کا ہجوم ہے دفتر کے سامنے

یہ شعر تو صرف اس حد تک معنی آفریں ہو سکتا ہے جب تک کہ معدودے چند آفسوں کے افسر ہی عورتیں ہیں اگر عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیتے ہوئے تمام ڈیپارٹمنٹوں میں نصف کی حد تک صدور بنا دیا جائے تو یہ شعر خود بخود بے معنی ہو جائے گا۔

مندرجہ صدر عہدوں اور جائدادوں کے بعد ہم چند اہم محکموں کو بھی لیتے ہیں جن میں عورتوں کو مساویانہ تو درکنار کوئی حق ہی نہیں دیا گیا۔ فوج کی اعلیٰ کمان آج تک کسی خاتون کے ہاتھ میں نہیں دی گئی حالانکہ تاریخ کے صفحات اس بات کے شاہد ہیں کہ رضیہ سلطانہ چاند بی بی رانی کرناوتی جھانسی کی رانی وغیرہ نے فوجوں کی کمان اس عمدگی سے سنبھالی تھی کہ مرد مجاہد بھی نہیں سنبھال سکے تھے۔ اس لئے ہماری تجویز یہ بھی ہے کہ فضائیہ، بحریہ اور فوج کی اعلیٰ کمان فوراً خواتین کے ہاتھوں میں دے دی جائیں۔ اعلیٰ کمان سے ہٹ کر نچلی سطح کے عہدے اور فوجی سپاہیوں کی تعداد میں بھی عورتوں کے ساتھ مساویانہ سلوک کر کے انھیں نصف کی تعداد میں شریک کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں سرکاری بس سروسیوں میں بھی کنڈکٹروں اور ڈرائیوروں کی تعداد میں مساویانہ سلوک کرتے

ہوئے نصف کی حد تک بدن جائیداد وں پر خواتین کا تقرر کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ خواتین ڈرائیورس جب بسیں چلانے لگیں گی تو حادثا کی تعداد میں سو فی صد بلکہ ہزار فی صد کی حد تک اضافہ ہو جائے گا مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ کثرت آبادی کا مسئلہ کس آسانی سے حل ہو جائے گا۔

ہم یہاں تک لکھنے پائے تھے کہ خانم آکر یہ جاننے کے لیے کھڑی ہو گئی ہیں کہ ہم مضمون کے بہانے سے کسی کو خط تو نہیں لکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس ڈر سے قلم روک لیا ہے کہ اگر خانم نے ہمارا مضمون پڑھ لیا تو سب سے پہلے ہمارا ہی نمبر آ جائے اور وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں سیدھے باورچی خانے لے جا کر چھوڑ دیں اور کہیں کہ چلو آج ہی سے یکا نا شروع کر دو۔ کیونکہ کسی تجویز کا عمل پہلے اپنے گھر سے ہی شروع ہونا چاہیے۔

رباعیات

فیروز نظامی

ناقص و علیم ہو کے اتنا غصہ
ذی ہوش و فہیم ہو کے اتنا غصہ
نغمے میں ہے تریاق اور آواز میں زہر
آپ اور حکیم ہو کے اتنا غصہ

بے وجہ بھکاہوں سے ٹکرایا ہوگا
سننے کے مقام پر رلایا ہوگا
دنیا میں ہے جس شخص کو اولاد سے دکھ
اس شخص نے ماں کا دل دکھایا ہوگا

٭

سہارا

محسن ملیح آبادی

زندگی کے دس سال انھوں نے غریبی اور مفلسی میں کاٹے لیکن انھیں اپنی غریبی اور مفلسی کا ذرا بھی ملال نہ تھا۔ ملال تھا تو بس اس بات کا کہ اب تک ان کی گود خالی تھی۔ ساری منتوں مرادوں اور تعویذ گنڈوں کے بعد بھی جب آرزو بر نہ آئی تو وہ غمگین رہنے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں آسمان کی طرف دیکھ کر خدا سے شکوہ کرنے لگے۔

اور پھر اس روز ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی جب نا امیدیوں کے بعد ان کی زندگی کے چمن میں پھول کھلنے کے آثار نمودار ہوئے اب ان کی مایوسی آس میں بدل گئی افسردگی کے بادل ان کے چہروں سے چھٹنے لگے اور وہ خدا سے شکوہ کی جگہ اس کا شکر ادا کرنے لگے۔ اب ہر دم وہ دل خوش و خرم رہتے اور اس دن کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے جب ان کی زندگی کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آتی۔ اور آخر وہ پر مسرت دن آ ہی گیا۔ ایک خوبصورت سے بچے کی کلکاریوں کی آواز ان کے کانوں میں رس گھولنے لگی۔ انھیں ایسا محسوس ہوا ان کا دل ہی نہیں، ساری دنیا مسرت سے معمور ہو گئی۔ بچہ بڑے ناز و نعم سے پرورش پانے لگا۔ اس کے آرام و آسائش کے سامان مہیا ہو گئے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر وہ اپنے بچے کی پرورش ناز و نعم سے کرنے لگے۔ خود روکھا سوکھا کھا کر سو جاتے لیکن بچے کے لئے تر سے تر کھلانے کی فکر کرتے خود پھٹے پرانے کپڑے پہنتے لیکن اپنے بچے کو اچھے سے اچھا پہناتے۔ گھر میں ہر طرف کھلونے بکھرے رہتے اب انھیں اپنے غم اور خوشی کی کوئی پروا نہ تھی۔ شام کے وقت جب باپ مزدوری سے فراغت پا کر تھکا ماندہ گھر آتا تو وہ اپنے بچے کو جو ابھی اچھی طرح چل بھی نہ سکتا تھا انگلی پکڑا کر سڑک پر گھنٹوں گھماتا۔ اور کبھی کبھی تو بچے کی محبت میں مزدوری پر جانا بھی بھول جاتا۔

ایک دن ان کا چہیتا بچہ سخت بیمار پڑ گیا۔ اسے میعادی بخار ہو گیا۔ وہ بے سدھ پلنگ پر پڑا ہوا تھا .... اور اس کے ماں باپ بچے کے پلنگ کے پاس بیٹھے کہہ رہے تھے۔ یا خدا! ہمیں ہمارے لال کے صدقہ میں اٹھا لے لیکن ہمارے لال کو بچا لے! پھر اُسے ڈاکٹر لانے کا خیال آیا لیکن ڈاکٹر کہاں سے لاتے گھر میں ایک پیسہ بھی نہ تھا بچے کی بیماری کی وجہ سے وہ دو دن سے مزدوری کرنے بھی نہ جا سکا تھا۔ پھر انھیں اپنے ان تانبے کے برتنوں کا خیال آیا جن میں وہ کھانا پکاتے تھے۔ جلدی سے دو چار برتن نکال کر باپ لالہ کی دکان پر لے گیا۔ اور گروی رکھ دیئے۔ ملنے والے پیسوں سے بچے کا علاج کیا۔ بچہ آہستہ آہستہ صحت یاب ہونے لگا اور کچھ ہی دنوں میں پہلے ہی کی طرح خوبصورت اور تندرست ہو گیا۔ اور ان کا چھوٹا سا آنگن اس کی اُدھم چوکڑیوں سے آباد نظر آنے لگا۔

جمیل پڑھنے کے قابل ہو گیا ہے تو اس کا داخلہ قریب کے ایک اسکول میں کرا دیا گیا۔ مزدوری کا حصہ اس کی تعلیم پر بھی خرچ ہونے لگا تھا جس سے ان کی دشواریوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن وہ کسی نہ کسی صورت سے ہر مہینے اس کی فیس کا بندوبست کرتے۔ انھیں پیسہ خرچ ہونے کی ذرا بھی فکر نہ ہوتی۔ وہ تو بس یہی سوچتے رہتے تھے کہ پڑھ لکھ کر ان کا بیٹا کسی قابل ہو جائے بہرحال بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے باپ کو مقررہ اوقات کے بعد بھی کمانے کی فکر رہتی اور کبھی کبھی تو وہ دس بجے رات کو واپس آتا اس کی صحت زیادہ محنت کرنے سے گرتی جا رہی تھی مگر اسے کوئی فکر نہ تھی۔ جمیل صحت مند ہو چلا تھا۔ کچھ دنوں بعد کسی نے جمیل کو چھوٹے اسکول سے اٹھا کر بڑے اسکول میں داخلہ دلا دیا۔ اس اسکول میں امیر بچے تعلیم حاصل کرتے تھے اب اس کی فیس بھی بہت بڑھ گئی تھی۔ لباس بھی اسکول کے معیار کا بنانا پڑتا تھا اس لئے رضی کی بیوی نے بھی پاس پڑوس میں کام کرنے کا

سلسلہ شروع کردیا تھا۔

جمیل غریب باپ کا بیٹا تھا لیکن اسکول میں وہ امیر بچوں سے کم امیر نہ معلوم ہوتا۔ اس کا ڈریس کبھی میلا نہ ہوتا تھا۔ ماں باپ پھٹے پرانے کپڑوں میں زندگی بسر کر رہے تھے بچے کی پرورش میں انھیں ساری مصیبتیں سہنی پڑ رہی تھیں لیکن انھیں اس تکلیف کے پیچھے ایک اپنے بیٹے کا شاندار مستقبل نظر آرہا تھا۔ اسی لئے حال کے اندھیروں کی انھیں چنداں فکر نہ ہوتی۔ وہ سوچتے آج ہم اپنی زندگی غریبی اور مفلسی میں گزار رہے ہیں لیکن کل جب ہمارا بیٹا کسی اچھے عہدے پر ہوگا تو ہمارا بڑھاپا سکون و آرام سے گزرے گا۔ آج جس کی وجہ سے ہمیں مصیبت سہنی پڑ رہی ہیں کل وہی ہمارے بڑھاپے کا سہارا بنے گا اور ہمارا نام روشن کرے گا۔ اس وقت یہ سارے دکھ ہم بھول جائیں گے۔

تعلیم ختم کرنے کے بعد جمیل کو ایک اچھی نوکری مل گئی۔ ریاض نے مزدوری کرنا چھوڑ دی وہ اس قابل بھی نہ رہا تھا کہ محنت مزدوری کا کام کرسکتا۔ ۲۲ سال میں اس نے اپنی اتنی انرجی صرف کردی تھی جو عام حالات میں چالیس سال میں صرف ہوتی۔ جمیل کے برسرکار ہوجانے کے بعد ان کے دل میں اس کا سہرا دیکھنے اور دلہن لانے کی تمنا ابھری۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد اس فرض سے سبکدوش ہو کر اپنی اس خواہش کو بھی پورا ہوتے دیکھ لیں۔

پھر ایک دن اس نے جمیل کے سامنے اس کی شادی کی تجویز پیش کی گئی۔

"بیٹا! اب ہم زندگی کی آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو کہ کیا ہوگا۔ اب اس بوڑھے دل میں صرف ایک تمنا رہ گئی ہے، وہ بھی پوری ہوجائے تو زندگی کے باقی دن بےفکری سے گزاریں گے۔ تمہاری ماں بھی اب بوڑھی ہوگئی ہے اس کو بھی دلہن کے آجانے سے سہارا ہوجائے گا۔

جمیل نے کہا "بابا! تم اسکی فکر نہ کرو جلدی ہی تمہارے گھر میں بہو آجائے گی" وہی خاموش ضرور رہا لیکن بیٹے کی بات اسے اپنے دل میں چبھتی محسوس ہوئی اور ایک دن جمیل اپنے ساتھ گوری گوری گداز جسم کی ایک لڑکی کو ساتھ لئے گھر آیا۔ اس کے ماں باپ دیکھتے رہے منہ سے کچھ نہ کہہ سکے لیکن بھیگی آنکھیں بہت کچھ کہہ گئیں۔

اب جمیل اپنے بوڑھے ماں باپ کو صرف اتنے پیسے دیا کرتا جس سے اس کے ماں باپ مشکل سے دو وقت روکھی سوکھی کھا لیتے بیڑی پینے کی طلب جب بوڑھے باپ کو ستاتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے۔ ایک دن اس نے بیٹے سے بیڑی کے لئے پیسے مانگے تھے تو اس نے کہا: اوپر کے خرچ کے لئے میں تمہیں کہاں سے پیسے دوں خود میرا خرچ پورا نہیں ہوتا۔ ابھی میری تنخواہ ہی کیا ہے۔ اور باپ بھیگی آنکھوں سے بیٹے کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اب جمیل کے ماں باپ اس قدر بوڑھے ہوگئے تھے کہ دو قدم بھی بغیر سہارے کے چلنا دوبھر ہوگیا تھا۔

ایک دن بوڑھے باپ نے اپنے جوان بیٹے سے کہا "بیٹا! مجھے سہارا دے کر ذرا باہر دروازے تک چھوڑ دے گھر میں بند رہ کر دل گھبراتا ہے۔" لیکن بیٹا جلدی میں تھا۔ بولا۔ باہر جاکے کیا کروگے، پھر اندر کون لائے گا۔ دھوپ بھی بہت تیز ہے اور باہر نکل گیا۔ باپ کی بوڑھی آنکھوں سے دو آنسو گر کر داڑھی میں جذب ہوگئے۔

کل تک جس کا دل بیٹے کی پرورش کرنے میں خشک ہوگیا آج وہی بیٹا اس کا خون بڑھانے کے بجائے اس میں ناسور پیدا کر رہا تھا۔ غموں کی تاب نہ لاکر نحیف و لاغر ماں ایک دن اس دار فانی سے کوچ کرگئی محلہ والوں نے مل کر اُسے دفن کردیا۔ اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز اس کا آخری دیدار بھی نہ کرسکا۔ وہ بیوی کے ساتھ کہیں دور پکنک پر گیا ہوا تھا۔

اور جب وہ واپس آیا تو بوڑھے باپ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر بیٹے کو اس کی ماں کی موت کی خبر سنائی لیکن بیٹے کے چہرے پر غم کے کوئی آثار نمودار نہ ہوئے۔ کہنے لگا "اللہ نے ان کی مصیبتوں کا خاتمہ کردیا۔ ان کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی تھی۔ باپ سنگدل بیٹے کا منہ دیکھنے لگا۔ شاید وہ اس کے چہرے میں اپنا ماضی تلاش کر رہا تھا وہ ماضی جب اس نے خدا سے دعا کی تھی۔ یا خدا! میرے بیٹے کے صدقے میں مجھے اٹھالے۔

اس بڑھاپے میں بیوی کی موت کے غم نے رضی کو جو صدمہ پہنچایا وہ بیٹے کی بے رخی سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اب نہ اسے کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا۔ بہو دعائیں مانگا کرتی تھی کہ کسی طرح یہ بوڑھا بھی ٹھکانے لگ جائے۔ ہر وقت کا کراہنا اور آہیں بھرنا اسے پسند نہ تھا۔ جب چاہتی ایک آدھ روٹی اس طرح دے دیتی جس طرح عام گھروں میں کتوں کو دی

جاتی ہے ـــــــ

ایک دن جمیل آیا تو اس نے دیکھا کہ بڈھا باپ ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر گھسل گھسل کر کونوں میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ وہ جسمانی طاقت کے ساتھ ہی بینائی سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ بیٹے نے پوچھا کیا ڈھونڈھ رہے ہو ابا؟" بوڑھا باپ کچھ دیر خاموشی سے سوچنے کے بعد بولا۔ سارا ڈھونڈ رہا ہوں۔ بہو نے قریب آکر شوہر سے کہا سٹھیا گیا ہے بڈھا۔ نہ جانے کیا کیا بکا کرتا ہے۔ تم تو دفتر چلے جاتے ہو۔ میرا سکھ چین برباد ہوتا رہتا ہے۔ چلئے لباس تبدیل کیجئے۔ میں چائے لاتی ہوں۔ کچھ دیر بعد جب بیٹے نے کھٹ کھٹ کی آواز سنی تو پلٹ کر دیکھا۔ اس کا بوڑھا باپ لاٹھی ٹیکتا ہوا آہستہ آہستہ دروازے سے باہر جا رہا تھا۔ شاید ہمیشہ کے لئے!!

شوہر اور بیوی کی عمروں کا مسئلہ

طلعت بانو ۔ حیدرآباد

بیشتر خواتین و حضرات اس تجویز کے حق میں ہیں کہ شوہر کو بیوی کے مقابلے میں زیادہ عمر رسیدہ ہونا چاہیئے۔ اس طرح ان کی زندگی نہایت خوشگوار گذرے گی۔ ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادیاں عام طور پر پچیس یا تیس سال کی عمر میں ہوجاتی ہیں لہذا عمروں میں زیادہ فرق پیدا کرنے کے لیئے ضروری ہوگا کہ مرد پینتالیس اور پچاس سال کی عمر تک انتظار کریں اور پھر کسی اٹھارہ بیس سال کی لڑکی سے شادی کرلیں۔

اگر میاں بیوی کی عمروں کے فرق سے ہی ان کی زندگی خوشگوار گذر سکتی ہے تو پھر لوگ اس بات پر زور کیوں دیتے ہیں کہ شوہر ہی بیوی سے عمر میں بہت بڑا ہو۔ بیوی شوہر سے بڑی کیوں نہ ہو۔ لیکن صورت یہ ہے کہ اگر کہیں بیوی اپنے شوہر سے چند سال بھی بڑی ہو تو لوگ باتیں بنانے لگتے ہیں۔ عام طور پر یہ کیوں نہیں ہوتا کہ بیس پچیس برس کے لڑکے اپنے سے پندرہ بیس سال بڑی خواتین سے شادیاں کرلیا کریں۔ اگر ایسا ہونے لگے تو بہت سے مسائل حل ہوجائیں۔ اس کی اجازت شرع میں بھی ہے، لیکن لوگوں نے اسلام سے صرف اپنے مطلب کی باتیں چن لیں۔ شادی کا امیدوار مرد کم سے کم عمر کی بیوی چاہتا ہے خواہ وہ اس کی بیٹی کی ہم عمر ہو۔ والدین بے چارے اپنا بوجھ اتارنے کے لیئے اور معاشرے کے طعنوں سے بچنے کے لئے بڈھے کو اپنا داماد بنانے پر تیار ہوجاتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر بیٹی چند سال بعد بیوہ ہوکر کئی بچوں سمیت واپس آگئی تو اس وقت اس کا بوجھ کون اٹھائے گا۔ ظاہر ہے کہ عمر رسیدہ شوہر اپنی کم عمر بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو زیادہ عرصے تک نہیں پال سکتا۔ چنانچہ یہ صرف صاحب جائیداد گھرانوں میں ہی ممکن ہے کہ بیوی کم عمری میں بیوہ ہو کر ساری عمر شوہر کی یاد میں گزار دے اور اس کے بچوں کے لئے کھانے پینے اور ضروریات زندگی کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ شوہر اگر معمر ہو تو بیوی کا غلام بن کر رہے گا اور اس کی ہر بات مانے گا جبکہ ہم عمر شوہر ضرور بیوی پر رعب جمائے گا اور اس سے لڑے جھگڑے گا لیکن یہ کوئی مسئلہ [illegible] نہیں۔ بہت سے بوڑھے بھی غصہ ور اور جھگڑالو ہوتے ہیں۔ بلکہ عمر کے ساتھ ان کے مزاج میں اور بھی تلخی آجاتی ہے۔ جبکہ بیشتر کم عمر لڑکے خوش مزاج ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کا رشتہ آقا اور غلام کا نہیں ہونا چاہیئے۔ ایسی زندگی کو خوشگوار تو نہیں کہا جاسکتا جہاں بیوی حاکم کی حیثیت رکھتی ہو اور شوہر اس کی ہر بات ماننے پر مجبور ہو۔

ایک اور بات پسند اور ناپسند کی بھی ہے۔ اگر کوئی لڑکی کسی بڑی عمر کے مرد کو پسند کرے اور اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ خوشگوار زندگی گذارے گی۔ اپنی مرضی سے شادی کرنے کے بعد وہ اسے نبھانے کی کوشش کرے گی۔ اس کے برعکس اگر کسی لڑکی کی شادی اس کی مرضی کے خلاف کردی جائے تو ضرور مسائل پیدا ہوں گے۔ ایسی صورت میں لڑکی کو مورد الزام ٹھہرانا مناسب نہیں۔ یہ تو اپنی اپنی پسند کی بات ہے ضروری نہیں کہ ایک ہی فارمولے کا اطلاق ہر فرد پر ہو اور تمام لڑکیوں کی شادیاں ان کی مرضی کے بغیر بڈھوں سے کردی جائیں۔

بعض قارئین کا کہنا ہے کہ میاں بیوی کی عمروں کا فرق اگر کم ہو تو بیوی بوڑھی لگنے لگتی ہے جبکہ مرد طویل عرصے تک جوان اور حسین رہتا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں۔ بہت سے مرد اس دور کی پریشانیوں اور مسائل کا شکار ہوکر بوڑھے نظر آنے لگتے ہیں۔ جبکہ بیویاں زیادہ عمر کی نہیں لگتیں۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہیں گی کہ میاں بیوی کی محبت کی بنیاد صرف ظاہری اور جسمانی حسن ہی پر قائم نہیں ہونی چاہیئے۔ بلکہ انھیں ایک دوسرے سے [illegible] محبت ہونی چاہیئے۔ کیا یہ بات جائز ہے کہ بیوی کے حسن میں کمی آجانے پر شوہر دوسری عورتوں کی طرف متوجہ ہونے لگے کیا ایسا کرنے والا شوہر بے قصور اور ہر الزام سے بری ہوگا۔

میرے خیال میں تو ایسا شخص کسی طرح قابل اعتبار نہیں جو بیوی کے حسن کے قائم رہنے تک ہی اس کا ساتھ دے اور جب بیوی کا حسن ماند پڑ جائے تو اسے [illegible] کر دے۔ اس کے علاوہ کیا لڑکیوں کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ ان کا شوہر حسین اور نوعمر ہو؟ کیا حسن کو سراہنے کا جذبہ صرف مرد ہی میں ہوتا ہے۔

ہمارے یہاں عموماً میاں بیوی کی عمروں میں چند سال کا فرق ہوتا ہے ایسی مثالیں ذرا کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں کہ بیوی پچیس سال کی ہو اور شوہر پچاس پچپن سال کا۔ کیا ان تمام لوگوں کی زندگیاں ناخوشگوار اور ناکام ہیں۔ جن کی عمروں میں فرق کم ہے؟ میرے خیال میں ایسا نہیں بلکہ ہم عمر میاں بیوی کے خیالات میں نسبتاً زیادہ مطابقت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں زندگی کے ایک ہی دور سے گزر رہے ہوتے ہیں۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیاں ہی کی طرح ہوتی ہیں پہلے جیسے کپڑوں کے بغیر دلہن کسی کو بھی اچھی نہیں لگتی سونے چاندی کی گوٹا کناری سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگایئے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے بیسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں خواتین اور لڑکیاں عام طور پر سجے سجے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سوزنی بیلیں اور چمپا چمکی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنس دانوں نے یوں نکالا ہے کہ پیتل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو

شیشے کا محل

شاہدہ بانو بلگرامی

"اف کس شدت کی گرمی ہے"

"چلئے کسی پہاڑی مقام پر چلیں"

اور وہ دونوں جیسے کسی جادو کے قالین پر بیٹھ کر پلک جھپکتے میں کشمیر کی وادی میں پہونچ جاتے ایک پر آسائش بنگلہ آغوش کھولے ہوئے ان کا انتظار کرتا رہا۔ سفید وردیوں میں ملبوس بیرے ہاتھ جوڑے حکم کے منتظر کھڑے ہوتے اور زندگی کسی جنگل میں کھلے ہوئے پھولوں کی طرح جھوم کر مسکرا اٹھتی۔ دونوں دو معصوم روحوں کی طرح ہنستے گاتے مسکراتے دن بھر سرسبز وادیوں میں گھوما کرتے کبھی دوڑتے ہوئے پہاڑ کی بلندی پر چڑھ جاتے کبھی گھوڑ سواری کا پروگرام بنتا کبھی جھیل کی کشتی میں سیر کیجاتی اتفاق سے جھیل پر سیر کرتے ہوئے ہمیشہ آسمان پر چاند نکلا رہتا۔ جمال اپنا کوٹ اتار کر اس کی طرف پھینک دیتا اور قمیض کی آستین اوپر چڑھا کر کشتی کھینا شروع کر دیتا۔ چپو پر زور لگاتے ہوئے اس کے بازوؤں کی مچھلیاں ابھر آتیں چہرے پر عزم کی جھلک آجاتی۔ اور ہونٹوں پر گنگنا ہٹ ناچنے لگتی۔ وہ بڑی مدھم آواز میں گاتا ایک انجانا سا گیت جو پانی کی لہروں کے ساتھ ڈوب ڈوب کر ابھرتا اور ابھر ابھر کر ڈوب جاتا تو وہ اس کا کوٹ گود میں رکھے بے خودسی بیٹھی رہتی اس کا انگ انگ محبت کے لطیف جذبے سے سرشار ہو جاتا اس کا جی چاہتا اس کی ہستی اس رومانی منظر میں گھل کر تحلیل ہو جائے یہ طلسم ایسے ہی قائم رہے۔ تا قیامت کبھی نہ ٹوٹے۔

"بیبی رو بینہ — ذرا پاندان تو دے جاؤ"

جھیل کے پانی پر ایک ڈھیلا آکر گرتا جمال۔ کشتی۔ جھیل۔ چاند سب تڑاپ سے اندھیرے میں غائب ہو جاتے وہ آنکھ کھول دیتی۔ سفید دیواریں گرد سے اٹے ہوئے روشندان ڈیر ہر کرتا ہوا کا ڈھیر گرمی کی اس کے تھپیڑے۔ وہ ایک لمبی سانس لے کر۔ دوبارہ آنکھ بند کر لیتی اندھیرے میں جمال کا سایہ ابھرتا۔ دبے پاؤں اس کی طرف بڑھتا نقوش گہرے ہو جاتے قریب آکر وہ ایک چھوٹے سے تنکے سے اس کے کان میں گدگدی کر دیتا وہ ڈر کر اچھل پڑتا پھر دونوں ہنسنے لگتے۔

"چلو بازار چل رہے ہیں جلدی تیار ہو جاؤ۔" جمال کہتا۔ وہ کپڑے بدلنے چلی جاتی — دوسرے لمحے وہ ایک خوبصورت سی جگمگاتی کار میں جمال کے قریب بیٹھی بازار کی طرف جارہی ہوتی۔ جمال کا کار چلانے کا بےفکر اور تفریحی انداز اسے بہت پسند تھا ایک ہاتھ کھڑکی پر ٹکائے دوسرے ہاتھ سے بڑے اطمینان سے اسٹیرنگ گھماتا رہتا جمال کے ساتھ جگمگاتی سڑکوں پر گھومتے ہوئے اس کا دل فخر اور مسرت سے بھر جاتا وہ بہت سی چیزیں خریدتی۔ ساڑیاں۔ کنگھے۔ پن۔ گڑیاں۔ چاکلیٹ۔ ناولیں۔ میگزین۔ اور جمال کو کبھی اعتراض نہ ہوتا وہ خوشی خوشی اس طرح اس کا بل ادا کرتا رہتا جیسے روپے کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہ ہو۔

جمال اسے کہاں ملا اور کب اس کی زندگی میں داخل ہو گیا اسے نہیں معلوم۔ اسے تو بس اتنا ہی معلوم تھا کہ جمال بہت خوبصورت ہے اسکے چہرے پر شبنم سے دھلے ہوئے پھولوں جیسی تازگی ہے اس کی بچوں جیسی معصوم آنکھوں میں محبت کی اتھاہ گہرائیاں ہیں اس کے شگفتہ ہونٹوں پر سدا مسکراہٹ رقصاں رہتی ہے اس کا جسم یونانی دیوتاؤں کی طرح مضبوط اور توانا ہے وہ اس سے محبت کرتا ہے اور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے۔

اس کے گھر کے آنگن میں شہنائیاں بجنے لگیں جمال دولہا بن کر آرہا تھا وہ سہیلیوں کے جھرمٹ میں شرمائی لجائی بیٹھی تھی اس کے چاروں طرف شور ہو رہا تھا قہقہے بلند ہو رہے تھے ڈھولک پر تھاپ پڑ رہی تھی لیکن اس کا تصور جمال کے پاس تھا اور جمال کو دولہا بنے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ پھر اسے دلہن بنایا گیا اس کے چہرے پر سرخ آنچل ڈال دیا گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں بابل کی دعاؤں کے ساتھ وہ رخصت ہو کر جمال کے یہاں

پہونچ گئی تھی اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اسکے ارمان جاگ اٹھے تھے اور جب جمال نے آہستہ سے اس کا گھونگھٹ اٹھایا تو اس پر بجلی سی گر پڑی اس کے سارے ارمان چھوئی موئی کی پتیوں کی طرح سمٹ کر بند ہو گئے اس کا دل ڈوب گیا یہ جمال تو نہیں یہ تو کوئی اور تھا کوئی اور جس کے چہرے پر شگفتگی کے بجائے کرختگی تھی جس کی آنکھوں میں محبت کے بجائے اداسی تھی جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے بجائے تلخی تھی۔

یہ کون تھا... یہ کون تھا.... یہ تو کوئی اجنبی تھا اس کے بارے میں تو اس نے کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا۔ جمال کہاں ہے — جمال — جمال۔ اس نے اپنی آنکھیں بھینچ کر جمال کو آواز دی مگر جمال تو روٹھ گیا تھا وہ تو اس کے گھونگھٹ کے پیچھے چھپ کر ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا تھا اس نے اس کے تصور میں آنے سے بھی انکار کر دیا اس نے درد سے کراہ کر آنکھیں کھول دیں سامنے اسٹول پر ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں صرف دو پلنگ تھے جن پر اجلے بستر لگے ہوئے تھے کونے میں میز پر پانی کی صراحی اور گلاس رکھا تھا سامنے کھونٹی پر چند مردانے کپڑے لٹک رہے تھے یہ تھا اس کا حجلۂ عروسی۔ اس نے گھبرا کر تکیہ پر سر ٹیک دیا۔ کہاں ہے وہ کمرہ جس کی سفید دیواریں سیپ کی طرح چمکدار تھیں جس کے دروازوں پر سفید ریشمیں پردے سرسراتے تھے جس کے ایک کونے میں خوبصورت سی سنگار میز رکھی تھی جس کی کھڑکیوں پر چینی کے لمبے لمبے پیالوں میں پھولوں کے گلدستے مہکتے تھے جنکی مسہریوں پر پھولوں کی جھالریں لٹک رہی تھیں اور ان جھالروں کے پردے کے پیچھے وہ دلہن بنی بیٹھی تھی کمرہ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے بسا ہوا تھا روبینہ — کسی نے سرگوشی میں پکارا۔ آواز بڑی اجنبی اور کرخت تھی۔ وہ بن کر سو گئی۔ اس نے کیسا سہانا سپنا دیکھا تھا اس سہانے سپنے کی بھیانک تعبیر سے وہ کسی قیمت پر بھی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھی۔

شادی کے بعد اس کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا اور اس انقلاب کے ہنگاموں میں جمال کہیں کھو گیا تھا لیکن اس کی آواز اکثر سنائی دیتی تھی۔

"چلو بازار چلیں"

"چلئے"

وہ بن سنور کر باہر نکلتی سڑک پر ایک رکشہ کے پاس کھڑا اختر اس کا انتظار کر رہا تھا وہ کڑھ جاتی۔ کہاں تھی وہ کار نیلے رنگ کی جگمگاتی کار — جس کو جمال بڑے اسٹائل سے ڈرائیو کرتا تھا۔ اور جس کے قریب بیٹھ کر وہ اپنے آپ کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی خیال کرتی تھی

وہی بازار تھا وہی جگمگاہٹ وہی دوکانوں پر چہل پہل مگر وہ سر جھکائے خاموشی سے اختر کے ساتھ آگے بڑھتی جاتی۔

"تمہیں کون سی ساری پسند ہے"

"کوئی بھی لے لیجئے"

"پسند تو کرو" اور جب اختر زیادہ اصرار کرتا تو وہ ایک ساری پر بے دلی سے ہاتھ رکھ دیتی۔

"اس کے دام کیا ہیں۔ اختر دوکاندار سے پوچھتا وہ ٹھنڈی سانس بھرتا جمال کبھی دام نہیں پوچھتا تھا بڑے بےفکرانہ انداز میں اس کی پسند کے کپڑوں کو پیک کرنے کا حکم دے دیتا تھا۔

"اور کچھ لینا ہے" اختر پوچھتا اور وہ اپنے شوق سے مجبور ہو کر کھلونوں کی دکان کے سامنے ٹھہر جاتی!

"وہ گڑیا لے لیجئے۔ گول گول آنکھوں اور بھورے بالوں والی گڑیا پر اس کی للچائی ہوئی نظریں لوٹنے لگیں۔

"گڑیا!" گڑیا کیا کرو گی۔ دس روپے سے کم نہ ہو گی۔

وہ کھسیا جاتی۔

"چاکلیٹ لے لو تم کو پسند ہیں"

"ہوں" اور وہ دکاندار سے چاکلیٹ کے ڈبے کی فرمائش کرتی۔

"پورا ڈبہ کیا کرو گی۔ ایک روپے کی لے لو۔

وہ جھنجھلا جاتی۔

"ایک رومال لے لوں" وہ شوکیس میں سجے ہوئے خوبصورت رومالوں کو دیکھ کر ضبط نہ کر پاتی۔

"بڑے مہنگے ہیں گھر میں بنا لینا فضول خرچی سے کیا فائدہ تم جانتی ہو کہ میری تنخواہ کیا ہے" اور وہ خفا ہو جاتی۔

تنخواہ — جمال نے کبھی تنخواہ کا سوال نہیں اٹھایا وہ اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا اس کی ہر بات پر سر تسلیم خم کرنا عبادت سمجھتا تھا اور یہ اختر — اس کے لئے تو روپے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے کنجوس۔

"جب اتنی تنخواہ میں آپ کا خرچ پورا نہیں ہوتا تو آخر آپ یہ سروس چھوڑ کیوں نہیں دیتے کسی اچھی سروس کے لئے کوشش کیجئے جناب

[illegible] سے تنگ آکر وہ اختر سے کہتی ۔

" روبینہ تم بالکل ناتجربہ کار ہو باہر نکل کر دیکھو تو حقیقت حال کا پتہ لگ جائے آجکل کی دنیا میں جہاں رشوت خوری ۔ اقربا پروری ۔ تعصب اور سفارش کا دور دورہ ہے سروس ملنا آسان نہیں جسے آجکل آکھسو مل رہے ہیں وہ راجہ ہے ۔"

وہ چڑ جاتی اگر انسان قابل ۔ محنتی ۔ اور مستقل مزاج ہو تو اقربا پروری رشوت خوری کیا بڑے سے بڑا پہاڑ بھی اس کی ترقی کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا ۔"

" میں کیسے سمجھاؤں میرے پاس رسوخ ہیں نہیں ہر رشوت دینے کے لئے روپے نہیں ہیں ۔"

اختر کے منہ سے یہ بات سنتے سنتے تو وہ پریشان ہو گئی تھی وہ جھنجھلا کر رہ جاتی ۔ بگڑ جاتی جن حالات کا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا اس میں اپنے آپ کو گھرا پا کر کڑھتی ۔ دو دو اور تین تین دن تک کسی سے بات نہ کرتی ۔ پھر ایک دن جمال کی آواز آتی ۔

" اف کس شدت کی گرمی ہے ۔"

" چلئے کسی پہاڑی مقام پر چلیں ۔" وہ چہک کر کہتی ۔ اور اختر اس طرح دکھی نظروں سے اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کیوں میرا مذاق اڑاتی ہو مجھے شرمندہ کر رہی ہو ۔

اس کا دل وہ دن یاد کر کے کڑھنے لگتا جب وہ ہر سال گرمیوں میں جمال کے ساتھ کشمیر جایا کرتی تھی وہ سپنے ۔ وہ رنگینیاں ۔ وہ بہاریں سب کہاں کھو گئیں ۔ جمال کہاں چلا گیا تھا جمال جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا جو اس کی نس نس میں سمایا ہوا تھا اب تو بھولے سے بھی اس کے تصور میں نہیں آتا ۔ اختر کے جیتے جاگتے وجود نے اسکو ختم کر دیا تھا اس کا گلا گھونٹ دیا تھا ۔ وہ اختر سے ایک بار پھر خفا ہو گئی اس نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا ۔

" دیکھو میں تمہارے لئے یہ سرخ باڈر کی ساری لایا ہوں مجھے سرخ باڈر کی ساری بہت پسند ہے ۔" اختر نے کہا ۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا ۔

" آج ہم لوگ سعید کے یہاں چلیں اس نے آج شام کو چائے پر بلایا ہے ۔"

اس نے کروٹ بدل کر تکیہ میں منہ چھپا لیا ۔

" تم خفا ہو ۔۔۔ میں پوچھ سکتا ہوں کیوں خفا ہو ۔" وہ کچھ نہیں بولی تو اختر بگڑ گیا آج پہلی بار اسے بھی غصہ آگیا کوئی حد تھی جس دن سے شادی کی اس نے سیدھے منہ بات نہ کی تھی اس نے ساری اٹھا کر پھینک دی اور غصہ سے بھرا ہوا باہر چلا گیا ۔

پھر تو خفگی کا سلسلہ بڑا ہی لمبا ہو گیا نہ وہ بولی نہ ہی اختر بولا ۔ اختر صبح اٹھتے ہی خاموشی سے ناشتہ کرتا اور دفتر چلا جاتا رات کو دس بجے واپس آتا اور اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے سو رہتا اسے کچھ خبر نہ رہتی کہ وہ دن بھر کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے نہ ہی اس نے معلوم کرنے کی کوشش کی اسے ضرورت ہی کیا تھی وہ اختر کو منائے اس کو قائل کرنا مشکل تھا اور اس کے ساتھ زندگی گزارنا ناممکن ۔۔۔

اس نے اپنا سامان سمیٹا اور میکے چلی گئی آج کی ڈاک کا اسے شدت سے انتظار تھا اسے پورا یقین تھا کہ آج اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ضرور آ جائے گا ۔ آزاد گرلس کالج میں ۔ دو تین لکچررس کی جگہیں خالی تھیں اور ان جگہوں کے لئے صرف بارہ امیدوار آئی تھیں ان میں وہ سب سے زیادہ علمی قابلیت رکھتی تھی اس کا انٹرویو بھی بہت اچھا ہوا تھا اسے اپنی کامیابی کی سو فی صدی امید تھی اور اسی امید پر اس نے کئی نئی ساڑیاں اور پرس وغیرہ کی خریداری بھی کر ڈالی تھی خدا جانے کئی بار وہ تخیل میں اپنے آپ کو کلاس میں لکچر دیتے ہوئے بھی دیکھ چکی تھی اسے یقین تھا کہ وہ ایک کامیاب اور مقبول لکچرر ثابت ہو گی ۔

اختر سے طلاق لینے کے بعد اس نے اپنی ہمت اور قوت بازو کے بھروسے پر بڑی شاندار زندگی بنانے کا پروگرام بنایا تھا ایسی زندگی جو اس کے آئیڈیل سے نزدیک تر ہو ۔

پانچ سال گزر گئے معاشی پریشانیاں اور فکریں بڑھتی رہیں ۔ رنگ برنگے شیشوں کے خوبصورت محل پر تلخ حقیقتوں کے بھدے اور نوکیلے پتھروں کی چوٹ پڑتی رہی جمال کا تصور سہم کر بیمار پڑ گیا ۔

اب تو اس کی یہی دعا تھی کہ ایک معمولی لکچررشپ ہی مل جائے کم از کم وہ اپنے پیروں پر تو کھڑی ہو جائے بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آزاد گرلس کالج میں امید بندھی تھی اور آج اسے ڈاک کا بے چینی سے انتظار تھا ۔ وہ کھڑکی کے قریب بیٹھی بار بار پھاٹک کی طرف دیکھ رہی تھی ۔

" روبینہ ۔۔۔ روبینہ ۔" پروین نے ساتھ والے فلیٹ کی کھڑکی

سے آواز دی۔ پروین بھی آزاد گرلس کالج کی خالی جگہ کیلئے ایک امیدوار تھی۔

" کیا ہے پروین " وہ باہر آکر بولی۔
" اور بھی کچھ سنا تم نے وہاں تو نجولا پانڈے کا سلکشن ہو گیا۔
" تمھیں کیسے معلوم " اسے یقین نہیں آیا۔
" میں گئی تھی وہیں سے تو آرہی ہوں "
" اور۔ اور دوسری جگہ پر " اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

" فیروزہ معین۔۔ارے وہی شریلی سی لڑکی جسکے چندیا پر بندھے جوڑے اور آنگی ساری پر ہم لوگ اس دن ہنس رہے تھے اس کا دل ڈوب گیا " مگر وہ دونوں ان ٹرینڈ اور تھرڈ ڈویژن "

" اس سے کیا ہوتا ہے۔ دونوں کے پاس بڑی بڑی سفارشیں تو تھیں۔ فیروزہ معین کے پاس بھارگو صاحب کا یہ لمبا سفارشی خط تھا۔ ارے وہی بھارگو صاحب " پروین کہتی رہی۔۔اقربا پروری رسوخ۔ سفارش۔ شیشے کے محل پر آخری ضرب پڑی اور رجال کے تصور نے ہچکی لیکر دم توڑ دیا۔

" دو بیہ تم بالکل ناتجربہ کار ہو۔ آج کل کی دنیا میں سر درس ملنا آسان نہیں جیسے آجکل سو روپے بھی مل رہے ہیں وہ راجہ ہے بابا۔ رو بینہ تم بالکل ناتجربہ کار ہو۔ تم بالکل ناتجربہ کار ہو بابا "
فضا اختر کے قہقہوں سے پھٹ رہی تھی اور دھرتی پر زلزلہ آگیا تھا اس نے زمین پر بیٹھ کر اپنا چکراتا ہوا سر پکڑ لیا۔

(بہ شکریہ آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۴۷) تم پر جب (قیامت) آئے گی تو اچانک آئے گی۔ (سورۂ اعراف)
(۴۸) اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو میں رکھیں گے۔ پھر کسی پر ایک ذرّہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو حاضر کر دیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ (سورۂ انبیاء)
(۴۹) اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے اور اصلی زندگی عالم آخرت کی زندگی ہے۔ (سورۂ عنکبوت)
(۵۰) اے ایمان والو اللہ کا حکم مانو اور رسول مقبول کا حکم مانو اور جو تم میں سے حاکم ہوں ان کا حکم مانو۔ (سورہ نساء)
(۵۱) ایسے شخص کا کہا نہ مانیے جس کا دل ہم نے اپنی (اللہ) کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ (سورۂ کہف)
(۵۲) جھٹلانے والوں کا کہا نہ مانیے۔ (سورۂ القلم)
(۵۳) اور تو کہا نہ مان قسمیں کھانے والے بے قدر کا (سورۂ قلم)
(۵۴) سو تم دل کی خواہش (بری) کی پیروی نہ کرو۔ (سورۂ نساء)
(۵۵) اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔ (سورۂ بقرہ)
(۵۶) شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ (سورۂ شعراء)
(۵۷) اور مفسدوں کی راہ مت چلنا۔ (سورۂ اعراف)
(۵۸) اور ان لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں۔ (سورۂ یونس)
(۵۹) اور نادانوں کی خواہش پر نہ چل۔ (سورۂ جاثیہ)
(۶۰) اور جاہلوں سے کنارہ کرو۔ (سورۂ اعراف)
(۶۱) اور مشرکوں سے منھ پھیر لو۔ (سورۂ انعام)
(۶۲) اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں عزیز رکھیں۔ (سورۂ توبہ)

(باقی)

حریمی دسترخوان

دال موٹھ کے تکونے

آج کل بازار میں تکونے اس کثرت سے فروخت ہوتے ہیں کہ جدھر سے نکلیے تکونے چار خانوں یا حلوائیوں کی دوکانوں پر نظر آئیں گے۔ تکونوں میں عموماً آلو کے باریک ٹکڑے یا آلو کا بھرتہ مسالہ وغیرہ ملا کر بھرا جاتا ہے۔ لیکن یہ تکونے زیادہ عرصہ تک رکھ کر نہیں کھائے جا سکتے اس لئے کہ آلو ایسی ترکاری ہے جو جلد ہی سڑ جاتی ہے۔ اس لئے ہم آپ کو ایسے تکونے تیار کرنے کی ترکیب بتاتے ہیں جو عرصہ تک خراب نہیں ہو سکتے۔ انھیں تل کر شیشے کے مرتبان یا پلاسٹک کے لفافے میں رکھ لیں تو آٹھ دس روز تک بالکل تازہ رہیں گے۔

یہ ہوں گے بھی بہت لذیذ۔

ایسے تکونے آپ دال موٹھ بھر کر بنائیں۔ یعنی آلو کے بجائے ان کے اندر دالموٹھ بھر دیں۔ دالموٹھ ایک عام چیز ہے جو ہر حلوائی کی دوکان پر ملتی ہے۔

تکونے بنانے کی ترکیب مشکل نہیں سب ہی بہنیں جانتی ہوں گی۔ پھر بھی لکھے دے رہی ہوں تاکہ بچیاں، جنھوں نے ابھی کچھ پکانا نہیں سیکھا ہے انھیں بنا سکیں۔

میدہ میں نمک کو خوب باریک پیس کر ملائیں۔ خیال رہے کہ دالموٹھ میں بھی نمک ہوتا ہے، اس لئے بس اتنا ہی نمک ملائیں کہ تکونے کے خول کو نمکین کر سکے۔ میدے کو ذرا ذرا سا پانی ڈال کر گوندھیں تاکہ وہ سخت رہے۔ نرم نہ ہو جائے۔ تکونے کے لئے سخت گوندھا ہوا میدہ ہی اچھا ہوتا ہے۔ تقریباً چائے کا ایک چمچہ گوندھا ہوا میدہ لے کر بیلن سے بیل کر باریک کریں۔ پھر اسے چاقو سے دو ٹکڑے کر لیں۔ ایک ٹکڑے کو اٹھا کر قیف کی طرح بنائیں اور تھوڑی دالموٹھ اس میں رکھ کر اوپری حصوں کو اس طرح موڑیں کہ تکونے کی شکل بن جائے۔ ذرا سا پانی لگا کر تمام مڑے ہوئے حصے کو دبائیں تاکہ وہ آپس میں چپک جائیں اور تلنے میں کسی طرف سے کھل نہ سکیں۔ تمام تکونے بنا کر رکھ لیں اور کسی گہری کڑھائی میں اتنا گھی یا ڈالڈا ڈالیں کہ تکونے اس میں ڈوب سکیں۔ ہلکی آنچ پر انھیں اتنی دیر تک تلیں کہ ان کی رنگت بادامی ہو جائے۔ پھر انھیں نکال کر چھلنی میں ڈال دیں تاکہ زائد گھی چھلنی سے ٹپک کر کسی برتن میں آ جائے۔ گھی خرچ کم ہی ہوگا لیکن تلنے کے لئے زائد مقدار میں گھی ہونا ضروری ہے۔ حلوائی کڑھاؤ میں ۱۰۔۵ سیر گھی ڈال کر بہت سے تکونے بھی ایک ساتھ ڈال دیتے ہیں۔ اسی لئے وہ عمدہ ہوتے ہیں۔ گھروں میں عموماً اتنے کافی گھی میں انھیں تلا نہیں جاتا۔ اسی لئے بازار کے تکونوں کے مقابلہ میں خستہ و لذیذ نہیں ہوتے۔

آپ کا واجب الادا انکم ٹیکس! کیسے تخمینہ لگایا جائے؟

اگر آپ منفرد شخص یا غیر منقسم ہندو خاندان ہیں تو درج ذیل گوشوارہ شرح آپ کے لیے مددگار ہو سکتا ہے۔
1978-79ء کے تخمینے کے لئے انکم ٹیکس کی اور 1978-79ء کے دوران قابل ادا پیشگی ٹیکس کی شرحیں:

کل آمدن (سلیب) حدیں	ہر منفرد شخص یا غیر منقسم ہندو خاندان کے لئے قابل ادا ٹیکس (تیسرے کالم میں درج کو چھوڑ کر)۔		ہر اس غیر منقسم ہندو خاندان کے لئے قابل ادا ٹیکس جس کے کم سے کم ایک ممبر کی کل آمدنی دس ہزار روپے سے متجاوز ہے۔	
1	2		3	
کہاں سے کہاں تک	مقررہ حد کے لئے طے شدہ رقم	تبدیل پذیر بمعہ رقم بمطابق درج ذیل	مقررہ حد (سلیب) کے لئے طے شدہ رقم	تبدیل پذیر بمعہ رقم بمطابق درج ذیل۔
10,000 تک	کوئی نہیں		کوئی نہیں	
10,001 سے 15,000 تک	کوئی نہیں	بمعہ 15 فیصد 8 ہزار روپے سے متجاوز پر +	کوئی نہیں	بمعہ 18 فیصد 8 ہزار روپے سے متجاوز پر ++
15,001 سے 20,000 تک	1,050	بمعہ 18 فیصد 15 ہزار روپے سے متجاوز پر۔	1,260	بمعہ 25 فیصد 15 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
20,001 سے 25,000 تک	1,950	بمعہ 25 فیصد 20 ہزار روپے سے متجاوز پر	2,510	بمعہ 30 فیصد 20 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
25,001 سے 30,000 تک	3,200	بمعہ 30 فیصد 25 ہزار روپے سے متجاوز پر۔	4,010	بمعہ 40 فیصد 25 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
30,001 سے 50,000 تک	4,700	بمعہ 40 فیصد 30 ہزار روپے سے متجاوز پر۔	6,010	بمعہ 50 فیصد 30 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
50,001 سے 70,000 تک	12,700	بمعہ 50 فیصد 50 ہزار روپے سے متجاوز پر۔	16,010	بمعہ 55 فیصد 50 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
70,001 سے ایک لاکھ تک	22,700	بمعہ 55 فیصد 70 ہزار روپے سے متجاوز پر۔	27,010	بمعہ 60 فیصد 70 ہزار روپے سے متجاوز پر۔
1,00,001 اور زیادہ	39,200	بمعہ 60 فیصد ایک لاکھ روپے سے متجاوز پر		

سرچارج:۔
درج بالا شرحوں کے مطابق قابل ادا انکم ٹیکس کے علاوہ 15 فیصد کے برابر سرچارج بھی قابل ادا ہے۔

+ اگر کل آمدن 10,540 روپے سے متجاوز نہیں تو قابلِ ادا انکم ٹیکس کی رقم 10,000 روپے سے متجاوز کل آمدن کے 70 فیصد سے زیادہ نہ ہوگی۔

++ اگر کل آمدن 10,690 روپے سے متجاوز نہیں تو قابل ادا انکم ٹیکس کی رقم 10,000 روپے سے متجاوز کل آمدن کے 70 فیصد سے زیادہ نہ ہوگی۔

ٹیکس کا صحیح تخمینہ لگایئے اور بروقت ادا کیجئے

جاری کردہ:۔ ڈائریکٹر آف انسپکشن (ریسرچ، اسٹیٹسٹکس اینڈ پبلی کیشن)، محکمہ انکم ٹیکس، نئی دہلی

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع ہوتی ہے جو ولادت، شادی یا انتقال پر ملال سے متعلق ہو اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ و نمبر خریداری کے ساتھ روانہ کی گئی ہو۔ خبر صاف اور مختصر سے مختصر الفاظ میں لکھی گئی ہو۔ خبر کی اشاعت میں کسی غلطی کا دفتر ذمہ دار نہیں ہوتا، البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کر دی جاتی ہے۔ (ادارہ)

ولادت اطفال کی خبریں

● شاہدہ بیگم (دادادہ) ہماری ہمشیرہ خورشید اور بہنوئی قمیر عالم کے گلشن حیات میں اللہ تعالےٰ نے پہلی بار ۲۸ ستمبر ۷۸ء بروز جمعرات دو پھول کھلائے لڑکے کا نام صبیر عالم اور لڑکی کا اسم قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ دونوں اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھیں اور سب کی آنکھوں کا تارا بنیں۔

● شاہدہ پروین قدسیہ (رحیم آباد۔ سمستی پور) میرے بھائی شمیر احمد اور بھابی رضیہ شاہین کے باغ دلکشا میں خداوند تعالےٰ نے ۱۰ ستمبر ۷۸ء بروز دوشنبہ بوقت ۴ بجے شام پہلی بار ایک حسین پھول کھلایا۔ خدا کرے اس پھول کی خوشبو سے میرے بھیا و بھابی کا باغ زندگی ہمیشہ مہکتا رہے۔

● شاہدہ تبسم (بنگلور) میرے محترم ماموں عبید احمل ماسی دنزہ عبیدی (پرنام بٹ) کے گلستان زیست میں ۴ ستمبر ۷۸ء بروز دوشنبہ بوقت ۴ بجے شام ایک پھول کھلا۔ نام عطاء الرحمٰن عرف شاداب رکھا گیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ مولود کو درازی عمر کے ساتھ فخر خاندان بننے کی توفیق دے۔ آمین۔

● عشرت یاسمین (آنولہ) میری بہن طلعت محفوظ اور بہنوئی محفوظ احمد کی زندگی کو پربہار بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ۹ اکتوبر ۷۸ء بروز پیر بوقت صبح ۸ بجے ایک پیاری سی کلی کھلائی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اس کلی کو والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔

● مسرت افروز (اعظم گڑھ) میرے ماموں سید محمد طارق صاحب اور ممانی شیخ رضوان صاحبہ کے گلشن حیات میں پہلی بار اللہ تعالےٰ نے ۲۱ اگست ۷۸ء بروز دوشنبہ بوقت ۱ بجے دن ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ نام فیصل احمد قرار پایا۔ دعا ہے کہ والدین اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور بلند اقبال ہو۔

● خیر النسا سید قاسم الحداد (مرد ور جنجیرہ) میری بھابی صدیقہ اور بھائی صادق صاحب کے چمن حیات کو پربہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے ۳۰ ستمبر ۷۸ء بروز سنیچر دوسری بار ایک پیارا سا گڈا عطا فرمایا۔ اللہ پاک اسے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے اور فخر خاندان بنائے۔

● ثاہینہ ناز (آنولہ) میرے بھائی محمد فہیم صاحب اور بھابی عشرت فہیم صاحب کے چمن حیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلی مرتبہ ۱۱ دسمبر ۷۸ء کو بمقام کلکتہ ایک کلی کھلائی۔ نام ملاحت جبیں قرار پایا۔ اللہ پاک ہماری بھتیجی کو والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے اور عمر خضر بخشے

● بی شہناز پروین، بی نسرین تبسم اور بی نازنین خورشید (آمبور) میری بڑی بہن نسیم اقبال تبسم صاحبہ اور دولھا بھائی ورسلا

تنصیر احمد صاحب کے چمن حیات میں ۲۹ راگست ۸۰ء بروز منگل بوقت ۹ بجے شب ایک ننھی سی گڑیا عطا فرمائی۔ نام ورسلا ترنم عزت رکھا گیا۔ دعا ہے کہ بچی صاحب نصیب ہو اور عمر دراز پائے۔

• عذرا پروین، قدسیہ شاہین (رحیم آباد۔ بستی پور) ہمارے بھائی شبیر احمد صاحب و بھابی رضیہ شاہین کے باغ دلکشا میں خدائے قدوس نے پہلی بار ۱۸ ستمبر ۸۰ء بروز دوشنبہ بوقت ۴ بجے شام ایک حسین پھول کھلایا اللہ پاک اس کی خوشبو سے ہمارے بھیا کا گلشن مہکتا رکھے اور ان گنت خوشیاں دکھائے۔

• شہناز پروین۔ پیاری باجی اقبال تبسم اور بھائی تنصیر احمد صاحب ایم کام کے چمن حیات کو پر بہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے ایک کلی کھلائی۔ نام ترنم عزت قرار پایا۔ دعا ہے کہ اب میری باجی کے گھر میں ہر روز، روز عید اور ہر شب، شب برات ہو اور نومولود اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے (تاریخ در وقت دیا ہی نہیں جو ضروری تھا وہ دیا نہیں۔ ادارہ)

• شمع بیگم (کانپور) میری چچا زاد بہن افشاں قیوم اور بہنوئی مفتاح الحسن (کلکتہ) کے گلشن حیات میں بہار لاتے ہوئے ۱۰ اکتوبر ۸۰ء بروز منگل دوسری بار ایک پیاری سی کلی مسکرائی دعا ہے کہ میری بہن اور بہنوئی کے سایہ عاطفت میں پروان چڑھے۔

• افشاں جبیں (جھنجھارپور) میری خالہ تبسم جہاں صاحبہ اور ناظر حسن صاحب کے گلشن حیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ۲۶ جون ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے دن، ایک کلی کھلائی۔ نام ارم عزت چاندنی قرار پایا۔ دعا ہے کہ بچی اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

پیغامات نشاط

• مکرم النساء لاری (لار) میرے بھائی جان کے دوست بھائی جنید احمد (فرزند نیاز احمد صاحب مرحوم) کی شادی صابرہ خاتون (دختر ملک اختر ضمیر الحسنین صاحب) کے ساتھ ۲۶ جون ۸۰ء بروز بدھ بحسنہ بمقام رام نگر بخیر و خوبی عمل میں آئی اللہ پاک انہیں ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• مدیحہ شاہین (آسنور) میری چچا زاد بہن درتاج بانو (بنت حکیم محمد رفعت اللہ صاحب) کی شادی محمد ناظم الدین (فرزند ارجمند بابو محمد الودود صاحب) کے ساتھ بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ آپا جان اور دولہا بھائی ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• رفعت صفی (جمشید پور) میری سہیلی آمنہ پروین بی اے بی ایڈ) بنت ماسٹر محمد منصور صاحب مظفر پور کی شادی ۱۲ اکتوبر ۸۰ء بروز جمعرات جناب اے کے چاندنی (سکریٹری بمبئی) کے ساتھ عمل میں آئی۔ اللہ پاک میری سہیلی کی ازدواجی زندگی پر مسرت گذارے۔

• کوثر خانم (کلکتہ) میری سہیلی شمع تبسم (دختر جناب لطیف) کی شادی احمد علی خاں صاحب (فرزند اقبال خاں صاحب) کے ساتھ ۲۵ جون ۸۰ء بمقام کلکتہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی جوڑی سلامت رہے۔

• ۹۶۷۰ اور ۵۰۹ نمبر خریداری بلا ٹکٹ خبریں ملیں دوبارہ ٹکٹ کے ساتھ روانہ فرمائیں

• ستارہ جبین (بنگلور) میرے بھائی محمد ہاشم سیٹھ کی شادی خانہ آبادی ساجدہ بانو (دختر حاجی رحمت اللہ ابوبکر سیٹھ) کے ساتھ ۳۰ جولائی ۸۰ء بمقام میمن یوتھ بنگلور بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و آباد رہیں۔

• مسٹر اے سلام کی صاحبزادی نسیم سلمہا اور فرزند دلبند عزیزی ایم۔ جے رحمٰن سلمہ کی شادی ... سلمہا (فرزند و دختر جناب ایس عزیز صاحب بارہ پورہ بھاگلپور) کے ساتھ حسب ترتیب ۸ اور ۱۰ اکتوبر ۸۰ء عمل میں آئیں۔ اللہ پاک مبارک کرے (رحیم الجہولوی)

• کے محمد بادشاہ صاحب کی نواسی اور حاجی نثار احمد صاحب کی صاحبزادی گوہر یاسمین سلمہا کا عقد نکاح ڈاکٹر کے اے جبہ پاشاہ سلمہ ایم بی بی ایس (ابن جناب سو داعبد السلام صاحب وانمباڑی) کے ساتھ ۱۵ اکتوبر ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے صبح

بمقام چوک مسجد آنجہ بحسن وخوبی انجام پایا۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• مرزا عبدالقادر مرتی پور ۲ میری دونوں لڑکیوں کبیرہ بانو اور صبا جبیں کی شادیاں علی محمد سیٹھ اور محمد حبیب ... ترتیب ۲۲ جولائی ۸۴ء بمقام ... بنگلور بحسن وخوبی انجام پائیں۔ اللہ پاک ان دونوں دولہا دلہنوں کی زندگی ہمیشہ پر بہار رکھے۔ آمین

• مولانا عبدالجبار صاحب صدیقی مرحوم کے فرزند اصغر، مسعود عالم سلمہ کی شادی قیصر جہاں سلمہا (دختر نیک اختر ... جانسی) کے ساتھ ۱۲ اکتوبر ۸۴ء مابین ظہر و عصر بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• خواجہ ابوالعطا شاہ غلام محی الدین فہیمی چشتی القادری (حیدرآباد) کے فرزند خواجہ عبدالمنان ہنیع سلمہ کی شادی محمد حسام الدین ادیب نقش بندی، ایڈوکیٹ کی دختر نیک اختر کے ساتھ بمقام سنگا ریڈی بتاریخ ۲۳ اکتوبر ۸۴ء بحسن وخوبی انجام پائی اللہ مبارک کرے (نسیم انہونوی)

• حلیمہ بیگم (ٹمکور) میری بہن ہاجرہ سرور بی۔ ایس۔ سی (بنت محمد ہاشم صاحب) اور جناب رشید احمد صاحب ایم۔ ایس۔ سی (ابن عالیجناب ڈاکٹر صفی الدین صاحب ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی) کو بروز اتوار ۱۰ اکتوبر ۱۱ بجے دن، رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا دعا ہے کہ اللہ پاک دلہا دلہن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور راہ مستقیم پر چلانے کی ہدایت دے۔

انتقال پر ملال کی خبریں

• فرزانہ بیگم (رہلی) افسوس میری عزیز بہن ناہیدہ بیگم (خریدار حریم) جو دو ماہ سے ... میں مبتلا تھیں ۱۴ اکتوبر ۸۴ء بروز جمعرات بوقت ۳ بجے شب اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ بڑی صابرہ اور والدین کی خدمت گذار و فرمانبردار بیٹی تھیں۔ افسوس کہ مرحومہ کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی کہ کوئی نشانی چھوڑ جاتیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ مرحومہ کی مغفرت کرے اور جنت الفردوس بخشے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

چند ناول

ناول	مصنف	قیمت
• شمع	اے آر خاتون	15/-
• افشاں	”	13/-
• رنگین کانٹے	نورجہاں سلیم	12/-
• ڈاکٹر باجی	عفت رضا	13/-
• تاجور	جی ایس عالم	10/-
• رنگ ہزار	سرور جہاں	12/-
• عورت	رئیس احمد جعفری	10/-
• جو نہ کرنا تھا	برق آشیانوی	6/-
• تاجور	جی ایس عالم	10/-
• آفاق	نسیم انہونوی	5/-
• منزل اور راہی	زبیدہ خاتون صدیقی	6/-
• بیدار	سلمیٰ کنول	15/-
• جنم جنم کے ساتھی	رضیہ فرحت	12/50
• آسمان سے آیا فرشتہ	دیبا خانم	15/-
• [illegible]	زبیدہ خاتون	15/-
• ترنم	”	9/-
• ماہم	”	10/-
• سراب اور سائے	زبیدہ سلطانہ	15/-
• دل کا شہر	حمیدہ جبین	13/-
• لالہ	سلمیٰ کنول	15/-
• دو سکھیاں	مینا ناز	11/-
• پکار	”	13/-
• کانچ کے ٹکڑے	”	10/-
• گدڑی کا لال	ع۔ ظ۔ حسن	20/-
• مسیحا	عذرا جمال	5/-
• بجھتے چراغ	سعیدہ بیگم	5/-
• فریدہ	بیگم عشرت فاطمی	15/-

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر شائع کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہمارے مقررہ عنوان پر موزوں اور پاکیزہ ہو۔ دسمبر کے لیے عنوان ہے "دیدار" اور جنوری ۶۹ء کیلئے عنوان ہے "سرور"

کوئی اسے تکمیل دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہوگئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

مرسلہ: شاہین بانو (امراوتی)

دل نے دنیا کے ہر درد کو اپنا تو لیا
مضمحل روح کو انداز جنوں مل نہ سکا

مرسلہ: حاجرہ نسرین لاری۔ کانپور

اک بار مجھے عقل نے چاہا تھا بھلانا
سو بار جنوں نے تری تصویر دکھائی

مرسلہ: روحی خانم (بنگلور)

رفیعہ یاسمین نربل سیتا مڑھی

اے جنوں اے چارہ گر ہنگامہ آرائی نہ کر
میں مریض عشق ہوں میری دوا پردے میں ہے

مرسلہ: مس فضیلت بہار (دربھنگہ)

نہ ان کی فکر نہ اپنا ہوش نہ دنیا سے کچھ مطلب
بے نیازی حد سے گذر جائے تو جنوں کہتے ہیں

مرسلہ: شہناز بدر دین (بریلی)

کیا کیا ہوا ہے ہم سے جنوں میں نہ پوچھیے
الجھے کبھی زمیں سے کبھی آسماں سے ہم

مرسلہ: ذرینہ حبیب (بستی)

ملتا نہیں ہے اہل جنوں کا کوئی سراغ
بس ایک نقش پا ہے کہ صحرا کہیں جسے

مرسلہ: ظفر محمود کانپور

قصہ مرے جنوں کا بہت یاد آئے گا
جب جب کوئی چراغ ہوا میں جلائے گا

مرسلہ: شاداب رضی۔ گورکھپور

کہیں سے آب رواں کو جوڑا کہیں سے بادِ بہار لائے
ہر ایک راہ جنوں سے گذرے ہر ایک منزل سے کچھ اٹھایا

مرسلہ: نزہت مجیب (جتوارپور)

اپنی وحشت کی ترقی حد سے گذری اے جنوں
ہاتھ کی جنبش ہوئی اور چاک داماں ہو گیا

مرسلہ: مس شاہدہ (رحیم آباد۔ سمستی پور)

سب کو ہم بھول گئے جوشِ جنوں میں لیکن
اک تری یاد تھی ایسی کہ بھلائی نہ گئی

مرسلہ: مس تبسم بہار فاطمہ (دربھنگہ)

ہر ایک جنوں سے گذرے، ہر ایک منزل سے کچھ اٹھایا
کہیں سے دامن میں غم سمیٹا، کہیں سے جھولی میں پیار لائے

مرسلہ: بی عصمت النساء ترنم (آمبور)

نہ تو بے خودی سلامت نہ جنوں مرا مکمل
کبھی دل کا دھیان آیا کبھی تیری یاد آئی

مرسلہ: عذرا کلام روحی (دیگھوارے)

برا ہو جوشِ جنوں کا، یہ کیا کیا میں نے
بھری بہار میں گلشن جلا دیا میں نے

مرسلہ: خانہ بدین قریشی (گلبرگہ)

دامن کی ہے گریبان تار تار کیے
مرا جنوں تری بہار کو لے اڑ گیا

مرسلہ: شیریں تاج (گلبرگہ)

کوئی اسے [illegible] دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم، جو نہ ہو سکا ہمارا

مرسلہ: شاہین بانو (امراوتی)

خدا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دینا
کہ اس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم پہلے

مرسلہ: طلعت منظور شیخ (مراد آباد)

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

مرسلہ: نازش بدر (گیا)

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

مرسلہ: شاذیہ بخاری (حیدرآباد)

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

مرسلہ: عقیلہ اروں۔ پاوجی (مرود جنجرہ)

ہم بھی جنونِ شوق کو رسوا کریں گے اب
ہم کو جنونِ شوق نے رسوا کیا تو کیا

مرسلہ: رعنا کوثر (چنا پٹنا)

میں ضرورتِ گل دستِ صبا کا نہیں محتاج
کرتا ہے مرا جوشِ جنوں میری قبا چاک

مرسلہ: ورسلا احمدی ناز (آمبور)

موسمِ گل، ذرا بتا تو سہی
اب جنوں کیوں ہے دربدر تنہا

مرسلہ: مہرافروز (لکھنیاں)

بھولیں گے نہ ہم اہلِ جنوں فیضِ بہاراں
یہ چاک گریباں کے ہمیں یاد رہیں گے

مرسلہ: نعیمہ بیگم بلا (برہ پورہ۔ بھاگلپور)

ہائے کب تک نہ میں گھبراؤں گا اے دستِ جنوں
اب تو دامن بھی نہیں ہے کہ بہل جاؤں گا

مرسلہ: پرنس مرتضیٰ (ودعنا د)

لطیفے بقیہ صفحہ ۸ کا

جواب ۱۵۔۲۰ میں کہہ دیتا ہوں" معاف کر دو"

• ایک خاتون نے اپنی سہیلی سے کہا، "تم اپنا قیمتی ہار [illegible] خرید لائیں، تمھیں اپنے شوہر کا خیال کرنا چاہیے۔"
سہیلی نے کہا: "نہیں! انھیں کا خیال کر کے میں نے ایسا کیا ہے تاکہ انھیں زیادہ کمانے اور زیادہ محنت کرنے کا ولولہ پیدا ہو سکے۔"

کچھ حریمی بہنوں سے

سالنامہ حریم زیرِ طبع ہو رہا ہے ہماری توقعات کے مطابق یکم جنوری ۱۹۸۹ء سے اس کی روانگی شروع ہو جائے گی۔ حریم کے ۔۶ فیصدی خریداروں کی خریداری دسمبر کے حریم پر ختم ہوتی ہے اور جنوری کا پرچہ یعنی سالنامہ انھیں، اگر قیمت سالانہ منی آرڈر سے ۱۵ دسمبر تک دفتر میں موصول ہو گئی) تو سالنامہ رجسٹری سے روانہ کر دیا جاتا ہے، ورنہ وی، پی سے بھیجا جاتا۔ وی۔پی روانہ کرنے میں تین روپیہ سے زیادہ محصول ڈاک صرف ہوتا ہے اس لیے اگر کسی بہن نے وی۔پی وصول نہ فرمایا تو یہ نقصان دفتر کے نقصانات میں ایک اور اضافہ بن جاتا ہے، اس لیے حریمی بہنیں مندرجہ ذیل باتوں کو نوٹ فرما کر اپنے بھائی کے ساتھ احسان کریں

۱۔ منی آرڈر سے قیمت روانہ فرمائیں تو ۲۰ تاریخ دسمبر تک منی آرڈر روانہ فرمائیں۔

۲۔ کسی وجہ سے حریم کی خریداری جاری رکھنا پسند نہ فرمائیں تو ۲۰ دسمبر تک ہمیں ایک کارڈ لکھ کر آگاہ فرما دیں۔ کارڈ لکھنا بھی گراں گذرے تو بیرنگ خط بھیج دیں اس طرح ہمیں پچاس ہی پیسے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ بعض بہنیں خریداری ختم کرنے کی اطلاع دیتی ہیں لیکن وقت گذر جانے کے بعد یعنی جب وی۔پی چلا جاتا ہے تو خط آتا ہے جو بیکار رہتا ہے اپنے بھائی اور حریم کو نقصان سے بچانے کیلئے مندرجہ بالا باتوں کا خیال فرمائیں شکر گذار [illegible]

کرنا ضروری ہے۔"

"یہاں یہ کیا غضب ہے خدا کا؟" آپا ذاکرہ نے ماتم کرنے کے انداز میں سینہ پیٹ لیا۔ "دونوں گھروں کو آگ لگا دو گے۔ واہ۔ یہ تو وہی بات ہے کہ کسی کا گھر جلے کوئی تاپے۔ یہاں بے چھت رہ جائیں گے ہم لوگ اور ادھر سے جلے دشمن عوام خود اپنی سختی گرم کریں گے۔"

"حق ایمان کی کہا کیجئے آپا"، شعیب صاحب نے ٹوکا۔ "فرض کیجئے کہ خان صاحب کی جگہ آپ ہوتیں تو کیا آپ چھوڑ دیتیں اپنا روپیہ؟ کیا آپ کو اپنے مقروض سے ہمدردی ہوتی۔ بالکل نہیں۔ بلکہ آپ تو الٹا ان سے مطالبہ کرتیں کہ چاہے بیچو اور کو چاہے اپنی جان بیچو۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اب یہی حرکت خان صاحب کر رہے ہیں تو آپ برا مان رہی ہیں۔"

"ایماندار ہمیشہ مارے گئے ہیں میاں"، وہ قائل ہوئے بغیر بولیں۔ "اب اپنی تسلی کے لیے جو چاہے کہہ دو۔ مگر میرا دل تو رہ رہ کے مسوس رہا ہے۔ کوڑی کے مول جائے گا وہ اماں والا حویلی نما گھر۔ اور ٹکے کے بھاؤ بکے گا یہ گھر۔ اللہ اللہ خیر برداشت کرنے کا بوتا دے پروردگار۔"

شعیب صاحب کا دل بھی مسوس رہا تھا۔ مگر وہ اپنا مذاق آپ اڑاتے اور غم کی لہر کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

ابھی وہ یہ کہہ رہے تھے۔ تب ایزد آیا۔ چھوٹا تولیہ اس کے کندھے پر پڑا ہوا تھا بال نم تھے۔ لباس بھی جگہ جگہ سے گیلا تھا۔ جیسے وہ غسل خانہ سے سیدھا ادھر کو چلا آیا تھا۔

اس نے کسی سے نہیں پوچھا کہ اسے کیوں بلایا گیا ہے۔ وہ شعیب صاحب کے بولنے کا منتظر تھا۔

"بیٹھو۔ بھائی"، خرم نے کرسی کھسکائی۔ اور وہ شکریہ ادا کیے بغیر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے سے ہمیشہ کی طرح اب بھی بے رخی اور خشونت برس رہی تھی۔ ہونٹ یوں بھنچے ہوئے تھے جیسے بمشکل غصہ ضبط کر رہا ہو۔

شعیب صاحب نے کھانس کر اس سے کہا۔ "آج شام کو غالباً تم دورے پر جا رہے ہو۔"

"جی ہاں!" اس نے جواب دیا۔

"کہاں؟"

"وشاکھاپٹنم!"

"واپسی کب ہوگی؟"

"غالباً اگلے بدھ کو۔"

"گویا پانچ دن کے بعد۔"

"جی۔!"

شعیب صاحب پھر کھانس کر رہ گئے۔ ان کی مشکل خرم نے آسان کر دی بولے۔ "جو کچھ کہنا ہو کہہ دیجئے۔ کیونکہ اس معاملہ کا تعلق انہی سے زیادہ ہے۔"

"وہ کوئی معاملہ ہے۔ نگوڑا!" آپا ذاکرہ نے نفرت سے کہا۔

ایزد بڑی سخت استفہامیہ نظروں سے شعیب صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور شکی تھا کہ یقیناً کوئی معاملہ اس سے متعلق ہے۔ اچھا یہ شعیب صاحب کو دل مضبوط کر کے ایزد سے سب کچھ صاف صاف کہہ دینا تھا کچھ منتظر تھے کہ کب ایزد آپے سے باہر ہوتا ہے۔ اور ان کی توقع کے مطابق وہ آگ بگولہ ہو بھی گیا۔ چہرہ سرخ۔ ہونٹ مرتعش۔ غصے سے شکستہ آواز میں بولا۔

بہنات

ایک بھابھی صاحبہ نے دریافت کیا ہے کہ اگر چہرے کا پردہ ضروری ہے تو زمانۂ حج میں جہاں لاکھوں نامحرم ہوتے ہیں۔ چہرے پر کپڑا لگنا کیوں ممنوع قرار دیا گیا۔ یا یہ کہ زمانۂ جنگ میں مسلمان خواتین کو نرسنگ کرنے کی اجازت کیوں دی گئی تھی۔ ایسے کام پردہ کی پوری پابندیوں کے ساتھ تو عمل میں لائے نہیں جا سکتے۔ یقیناً زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے میں بے پردگی ہوتی ہوگی۔ اگر پردہ کی وہی اہمیت ہے جس کا اظہار آپ کے مضامین سے ہوتا ہے تو ان دو جگہوں پر اس کی ضرورت کا لحاظ اسلام نے کیوں نہ کیا۔ اول الذکر میں تو تاکید ہے کہ کپڑا عورت کے چہرے پر نہ لگنے پائے۔ تو اعدحج آپ کی نظر سے بھلا گزرے ہوں گے۔ دوسری بات تو خیر روایتاً ہم تک پہنچی ہے۔

پیاری بیٹی! تمہارا اعتراض بہت ہی بے محل ہے۔ تم نے اس پر بھی غور نہ کیا کہ یہ ہدایت صرف زمانۂ حج کے لئے ہے اور اگر چہرے کا کپڑے سے ہمیشہ ہی مستثنا رکھنا درست نہیں ہوتا تو پھر زمانۂ حج کے لیے ہی ایسا حکم کیوں لگایا جاتا۔ اس سے تمہیں سمجھنا چاہیے کہ کسی خاص موقع کے لیے ہی عورت کے چہرے کو کپڑے سے دور رکھنے کی ہدایت ظاہر کرتی ہے کہ عام دنوں میں ایسا نہ کرنا چاہیے۔

حج کا فریضہ عام طور پر زندگی میں ایک ہی بار ادا کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ بعض لوگ کئی کئی بار حج کرتے ہیں۔ لیکن اکثریت ایک ہی بار حج کرنے والوں کی ملے گی۔ اور حج صرف چند روزہ

بقیہ

ہوتا ہے، اس لیے اگر ساری زندگی میں صرف چند روز کے لیے عورت کو چہرہ پر کپڑا لگانے سے مستثنا کر بھی دیا جائے تو اس سے معاشرے میں کوئی خرابی پیدا ہونے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہو سکے گا۔

آپ جانتی ہوں گی کہ جب ہم نماز کے لیے اللہ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں تو پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان اوقات میں ہمارے دل و دماغ ... گندے خیالات اور خواہشات نفس سے دور رہیں۔ اور حج تو ایک ایسا فریضہ ہے جس کی اہمیت کا سمجھنا دشوار نہیں۔ انسان اپنے گناہوں کو... دھونے کے لیے جاتا ہے نہ کہ گناہ کرنے کے لیے، اس لیے اگر وہاں لوگ بے پردہ خواتین کے چہرے دیکھ لیں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، حالانکہ اس کے لیے بھی دوسری صورتیں موجود ہیں۔ چھجے سے پردہ قائم رکھ کر حج کیا جا سکتا ہے اور کیا بھی جاتا ہے۔ حکم یہ ہے کہ چہرے پر کپڑا نہ لگے۔ حکم یہ نہیں کہ چہرہ بے پردہ رکھ کر حج کیا جائے۔

سن ہیٹ کی طرح کی چیز پہن کر جس میں چھجا ہوا ہو اس پر باریک کپڑا چاروں طرف لگایا جائے تو کپڑا چہرے سے دور رہے گا۔ لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح وقتی طور پر زندگی میں ایک دو بار اگر چہرے کا چھپانا ممکن نہ ہو سکے تو چنداں کسی فحش کا موجب نہیں ہو سکتا۔ اور مقصد پردہ کا یہی ہے کہ فحاشی نہ پھیلنے پائے جس سے معاشرہ گندا ہوتا ہے اور طرح طرح کے خطرات دونما ہو سکتے ہیں۔ اسلام کا دنیا کا

علی گڑھ

میں جو فسادات ہوئے ان سے جن غریب مسلمانوں کو مالی و جانی نقصان ہوا ہے ان کی مدد کیجئے۔ اللہ پاک جزائے خیر دے گا

نسیم انہونوی

مذہب ہے جس نے انسانوں کو صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزارنے کا سبق دیا ہے اور اسی کی وجہ سے بدکاری اور زنا کی ایسی سخت سزا رکھی ہے جو تا دوں کو دی جا سکتی ہے۔

اسلام نے عورتوں کے لیے حجاب کی ہدایت کے ساتھ ہی مردوں کو بھی ایسی ہدایات کی ہیں جن پر عمل کیا جائے تو فتنہ کا امکان کم رہتا ہے۔ لیکن افسوس کہ مرد ان ہدایات پر عمل نہیں کر سکتے۔ ان کی فطرت بھی چوروں اور ڈاکوؤں جیسی ہے۔ عورتوں کے سلسلہ میں کہا یہ ممکن ہے کہ چوروں سے درخواست کی جائے کہ چوری نہ کرو کسی کا مال نہ لوٹو، یہ بڑے گناہ کی بات ہے، اور وہ چوری کرنا چھوڑ دیں۔ اس لوٹ مار اور چوری سے بچنے کی ترکیب صرف یہی ہے کہ اپنے مال کو حفاظت سے رکھا جائے اور چوروں اور ڈاکوؤں کو حتی الامکان اس کا موقع ہی نہ دیا جائے کہ وہ چوری کر سکیں۔ اگر خواتین کی نظروں میں عزت و ناموس عفت و عصمت کی قدر و قیمت ہے اور وہ اسے بد نگاہوں اور بدکرداروں سے بچانا چاہتی ہیں تو اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ پردہ کر کے اپنے تئیں محفوظ رکھیں۔ آزادی کو اپنی زندگی میں اس طرح نہ شامل کریں کہ عفت و عصمت غیر محفوظ ہو جائے۔

اس کے بعد سالنامہ ۱۹۷۹ء

انشاء اللہ تعالیٰ اس حریم کے بعد آپ کو سالنامہ ۱۹۷۹ء میں عفت کے مکمل ناول کی شکل میں بھیجا جائے گا اس کا نام ہے آرزو کی سوغات۔ اور واقعی یہ سالنامہ آپ کے لیے ایک طرح کی سوغات ہی ثابت ہوگا۔ یہ ناول اتنا دلچسپ ہے کہ اسے پڑھ کر آپ مدت تک یاد رکھیں گی۔

ایک بار عرض ہے کہ جو بہنیں جنوری سے نئے سال کے لیے خریداری کا پسند نہ فرمائیں وہ بیرنگ ہی خط سے دفتر کو آگاہ کر دیں تاکہ انھیں وی پی نہ بھیجا جائے جس کی واپسی سے دفتر کو کافی نقصان ہوتا ہے۔

جو بہنیں سالانہ قیمت منی آرڈر سے روانہ فرمانا پسند کریں وہ ۱۰ دسمبر تک منی آرڈر ضرور روانہ فرما دیں۔ اکثر بہنیں منی آرڈر اس وقت روانہ فرماتی ہیں، جب وی۔ پی جا چکا ہوتا ہے اور پھر وہ اسے واپس کر دیتی ہیں۔

اگر کسی وجہ سے آپ ۱۰ دسمبر کے بعد منی آرڈر روانہ کرنے پر مجبور ہوں تو دفتر کو صرف اتنا لکھ دیں کہ وی پی نہ روانہ ہو منی آرڈر کا انتظار کیا جائے۔

اکثر بہنیں حریم کے لیے جدید خریدار بنانے کی کرم فرمائی کرتی ہیں لیکن ایسے جدید بننے والی خریدار بہنیں اکثر اختلافاً انکار کر لیتی ہیں اور وی پی جاتا ہے تو واپس آ جاتا ہے اس طرح دفتر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بہتر ہے قیمت وصول کر کے منی آرڈر سے بھجوا دیں یا خوب اچھی طرح وعدہ لے کر ہی وی پی روانہ کرنے کو لکھیں۔

رُباعیات ـــــ فیروز نظامی

پاس نبیؐ و خوف احد کچھ بھی نہیں
کردار میں انداز خرد کچھ بھی نہیں
اور اس پہ یہ دعویٰ کہ ہو احمدؐ کے غلام
اتنے بڑے دعوے کی سند کچھ بھی نہیں

اے دشمن روزگار کیا کرتا ہے
گاہک سے کہیں کوئی لڑا کرتا ہے
یہ مال و متاع اک سہارا ہے فقط
دوکان پہ اخلاق بکا کرتا ہے

خانہ دار بیگم

ہر ماں اور بہو کے لیے بہترین کتاب
قیمت دو روپیہ پچاس پیسے

دیون خانہ سے بیون خانہ تک / دربارۂ ہفتۂ تحفظ انسانان

از
خان خانہ

کچھ عرصہ پہلے ہمارے شہر میں ہفتہ تحفظ جنگلی جانوران" منایا۔ اور اس اہتمام کے ساتھ منایا کہ اس میں ملک کے مشاہیر، دانشور، رہنما اور سیاست دانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن ہمیں یہ دیکھ کر نہایت افسوس بلکہ بے حد رنج ہوا کہ اس میں کسی جنگلی جانور کو مدعو نہیں کیا گیا ہمارے ناقص خیال میں ہفتہ جنگلی جانوران مناتے وقت ۔ ۔ ۔ ۔ اس بات کا بہ طور خاص خیال رکھا جانا چاہیئے تھا کہ اس کی صدارت کے لئے کسی مشہور اور معمر جنگلی جانور کو مدعو کیا جاتا۔ نہ صرف صدارت ہی نہیں بلکہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے بھی کسی نامور جنگلی جانور کو مدعو کیا جانا ضروری تھا۔ علاوہ ازیں کچھ خاص خاص قسم کے جنگلی جانوروں کو جلسہ میں شرکت کا موقع دیا جاتا کہ ان سے ان کے حقیقی اور جائز مطالبات معلوم کیے جاتے اور ان کا حل بھی ان کی مرضی کے مطابق ان کے مشوروں سے کیا جاتا تو زیادہ موزوں و مناسب ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر جنگلی جانوروں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ ان کا ہفتہ صرف انسانوں نے منایا اور اس ہفتے کی تقاریب میں جنگلی جانوروں کو بالکلیہ نظر انداز کر دیا گیا تو معلوم نہیں کہ ان انسانوں کا کیا حشر ہوگا جنھوں نے ہفتہ جنگلی جانوران" منایا۔ اور اس ضرب المثل کے مصداق کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے " ہم بھی خواہ مخواہ اس ہولناک نتیجہ کا شکار ہونے سے نہیں بچیں گے۔ غنیمت ہے کہ ان کے کانوں تک یہ خبر نہیں پہنچی کیونکہ جنگلی جانوران کا ہفتہ بڑے بڑے شہروں میں منایا گیا۔ اگر جنگلی جانوروں کی نسبت سے یہ ہفتہ سہواً بڑے بڑے جنگلوں میں منایا جاتا تو جنگلی جانور اس سے واقف ہو جاتے۔ اب بھی ہمیں اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں کوئی جنگلی قسم کا غدار انسان جنگل میں جا کر جنگلی جانوروں کو اس سے آگاہ نہ کر دے۔ نہ صرف آگاہ کر دے بلکہ انھیں مشتعل کر کے انسانوں کے خلاف ایک منظم طریقے پر احتجاج کروا دے جس کے نتیجے میں تمام جنگلی جانوران بڑے بڑے شہروں پر جہاں صرف انسانوں نے جنگلی جانوران کا ہفتہ منایا، دھاوا بول دیں۔ بہرحال ابھی تک تو جنگلی جانوروں کی طرف سے ہمیں کسی خطرے کی اطلاع نہیں ملی ہے۔

ہفتہ جنگلی جانوران میں جنگلی جانوروں کو نظر انداز کر دینے پر ہمیں صرف افسوس ہے۔ کیونکہ افسوس اور ہمدردی کے سوا ہم کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں وہاں جانوران تو جانوران "انسانان" کے مسائل یا تکالیف کے بارے میں ارباب حل و عقد صرف افسوس اور ہمدردی کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتے ہیں۔

جنگلی جانوران کا ہفتہ منا کر انسانوں نے اپنی انسانیت کا ثبوت پیش کیا ہے کیونکہ یہ ایک لحاظ سے انسانوں کے فرائض میں داخل تھا۔ بہ قول مسٹر ڈاروِن خود انسان بھی صدیوں پہلے ایک جنگلی جانور تھا۔ ڈاروِن کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو انسانوں نے جنگلی جانوران کا ہفتہ منا کر تحت الشعور میں اپنے جنگلی ہونے کا اعتراف کیا ہے لیکن اس بات کا کھلا اعتراف کسی انسان نے اپنی تقریر یا تحریر میں نہیں کیا یہ بات بھی اگر جنگلی جانوروں کو معلوم ہو جائے تو ان کے مشتعل ہو جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

اب جبکہ جنگلی جانوران کا ہفتہ منا لیا گیا تو ان کے مسائل اور ان مسائل کا حل بھی غالباً دریافت کر لیا گیا ہوگا۔ رہا حل تو ہمیں اس سے بحث نہیں کیونکہ ہم کوئی جنگلی جانور نہیں ہیں کہ اس بحث میں الجھیں۔ ہم چونکہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ انسانوں کی حالت جنگلی جانوروں سے نہایت ابتر ہے اس لئے اب اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ ہفتہ جنگلی جانوران" منانے کے بعد ہفتہ تحفظ انسانان" منانا بھی ایک لحاظ سے ہی نہیں کئی لحاظ سے ضروری ہے۔ جنگلی جانوران کے مسائل میں ایک نہایت اہم مسئلہ یہ زیر بحث رہا کہ جنگلی جانوران کی تعداد جنگلوں میں دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے انسانوں

کے معاملہ میں یہ مسئلہ بالکل برعکس ہے۔ انسانوں سے متعلق یہ مسئلہ نہایت تشویشناک صورت حال اختیار کر گیا ہے کہ انسانوں کی تعداد غیر معمولی بلکہ ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئی ہے۔ جس طرح جنگلی جانوروں کی تعداد کو بڑھانے کی فکر کی جا رہی ہے اسی طرح انسانوں کی تعداد کو گھٹانے کی فکر میں حکومت دن بہ دن دُبلی بلکہ پتلی ہوتی جا رہی ہے لیکن یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ افزائش نسل کے معاملہ میں جانور جس عقل اور دانش سے کام لیتے ہیں انسان انتہائی لاپرواہی اور ہوس پرستی کا شکار ہیں۔ اس مسئلہ میں ہم ایک بات سے کچھ کچھ پریشان بھی ہیں وہ یہ کہ انسانوں نے جو جنگلی جانوروں کی تعداد کو بڑھانے کے سلسلے میں اقدامات شروع کر دیے ہیں۔ اس کے نتیجے میں کہیں ایسا وقت نہ آ جائے کہ جس طرح انسانوں کی آبادی سے شہر اور گاؤں بھر گئے ہیں، اسی طرح جنگل جانوروں سے جنگل بھر جائیں اور اگر جنگلوں میں خوراک کا مسئلہ پیدا ہو گیا تو وہ پھر شہر کا رُخ کر کے انسانوں کو اپنی خوراک بنائیں گے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ایک دن ہم جیسا انسان کسی جنگلی جانور کے لئے ناشتے یا صرف ایک لقمے کے ہی کام آ جائے۔ اس لئے جنگلی جانوروں کی آبادی میں اضافے کے مسئلہ پر ذرا سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔

جنگلی جانوروں کے تحفظ کا ہفتہ جس زور و شور اور دھوم دھام سے منایا گیا اس لئے ہمیں بڑی مسرت ہوئی لیکن اس بات سے نہایت رنج ہوا کہ آج تک کبھی ہفتہ "شہری انسانان" نہیں منایا گیا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ چنانچہ ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ "ہفتہ شہری انسانان" بھی منایا جائے تو ان کروڑوں انسانوں کے حق میں مفید اور سودمند ثابت ہوگا جن کی حالت "جنگلی جانوران" سے کروڑوں درجہ بدتر ہے۔ اس وقت شہری انسانوں کا سب سے پہلا مسئلہ خوراک کا ہے۔ اس کے حصول میں جتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے ہر انسان بخوبی واقف ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی اس لئے ضرورت نہیں ہے کہ انسان کوئی جنگلی جانور نہیں ہے کہ وہ اتنی معمولی بات کو سمجھ سکے انہیں غذائی مسئلے کے سلسلہ میں کئی دشواریاں پیش آئی ہیں جس کے نتیجہ میں اُن پر ذہنی دیوانگی کا دورہ اس قدر زیادہ پڑتا ہے کہ اگر کسی گدھے پر [illegible] جائے تو وہ اٹھانے سے صاف انکار کرتے ہوئے دولتیاں چلانا شروع کر دے گا اور سوال کرے گا کہ کیا تم لوگوں نے مجھے [illegible]

انسان سمجھ لیا ہے۔ کسی راشن کی دوکان پر صبح سے شام تک کھڑے رہنے کی بجائے گدھا آسانی کے ساتھ کالے گر کٹ یا بغیر کسی راشن کارڈ کے حاصل کر لیتا ہے حالانکہ یہ کوئی جنگلی جانور نہیں بلکہ شہری جانور ہے۔ جنگلی جانور تو اور بھی زیادہ آسانی کے ساتھ اپنی غذا آپ حاصل کر لیتے ہیں۔ جس پر صرف انسانوں کو بلکہ شہری جانوروں کو بھی رشک آتا ہے بہرحال انسانوں کا سب سے پہلا مسئلہ خوراک کا ہے۔ چنانچہ "ہفتہ شہری انسانان" منا کر اس مسئلے کو حل کیا جائے تو کروڑوں پریشان حال انسانوں کے لئے موجب سہولت ہوگا۔

دوسرا مسئلہ انسانوں کے لئے تن ڈھانکنے کا ہے۔ جو جنگلی جانوروں کے پاس کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس مسئلے سے بالکل بے نیاز ہیں۔ البتہ انسانوں کے لئے یہ مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔ چنانچہ گاندھی جی نے صرف اس لئے کرتا پہننا چھوڑ دیا تھا کہ ملک کے کروڑوں انسانوں کو کرتا نصیب نہیں ہوا ہے جن کے لئے گاندھی جی نے کرتا پہننا چھوڑا تھا۔ ان کے بعد پھر کوئی ایسا مہاتما نہیں پیدا ہوا جو خود بھی کرتا پہننا چھوڑ دے البتہ ان بے کرتا انسانوں کی حالت پر صرف کرتا ہی نہیں بلکہ کرتے کے نیچے بنیان اور کرتے کے اوپر صدری پہن کر صرف اظہار ہمدردی کرنے والے بے شمار لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔

تیسرا مسئلہ انسانوں کی رہائش کا ہے۔ جنگلی جانور تو اپنی مرضی سے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق رہائش کا انتظام بڑی آسانی کے ساتھ کر لیتے ہیں لیکن کروڑوں انسانوں کے لئے رہائش کا مسئلہ ایک دردناک عذاب بن گیا ہے۔ اب اسی کو لیجئے کہ ایک طائر اپنا آشیانہ کسی شاخ گل پر بڑی آسانی کے ساتھ بنا لیتا ہے لیکن بے چارے برق آشیانوں کو اپنے لئے ایک آشیانہ بنانے کے لئے کئی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے زمین کا حاصل کرنا دشوار ہے۔ اگر یہ حاصل ہو گئی تو پھر محکمے متعلقہ سے تعمیر کی منظوری حاصل کر کے ایک خاص قسم کے نقشے کے مطابق ہی آشیانہ بنانا پڑتا ہے اپنی مرضی سے جیسا کہ چاہے ویسا آشیانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ منظوری حاصل کر لینے کے بعد اینٹ پتھر و سمنٹ فراہم کیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں آسانی سے دستیاب نہیں ہوتیں۔ سمنٹ کے حصول میں [illegible] جائے بعد جب سمنٹ کے نام سے [illegible] جائے تو وہ آشیانہ تیار ہوتا ہے اس کی تباہی کے [illegible] شروع ہو جاتا ہے تعمیر کے لئے ماہر دور کا ملنا [illegible]

ہادل سے باہر موجود تھی، اس دعوے کے ساتھ کہ تاج محل اس
کے دادا کے دادا نے ہی تعمیر کیا تھا اور یہ خود اس قابل
ہے کہ آپ کا گھر اس کے سامنے ایک جھونپڑی کی حیثیت رکھتا ہو
وہ آپ کا بھی ایک تاج محل بنا سکتا ہے تعمیر کا کام شروع کر دیتا
ہے لیکن جب بنیاد کی دیوار تک بھی نہیں اٹھا سکتا تو کہہ دیتا
ہے کہ خود زمین اتنی ٹیڑھی ہے کہ اس پر کوئی سیدھی دیوار تعمیر
نہیں ہو سکتی یا پھر سارا الزام مکان بنوانے والے پر رکھ دیتا ہے
کہ وہ تو سیدھی دیوار اٹھا رہا تھا لیکن آپ کے زیر ہدایت
کام کرنے سے دیوار ٹیڑھی ہو گئی۔ چنانچہ سر پیٹ کر رہ جانے کے سوا
اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے یہ مثال اس لئے پیش کی کہ پنشن کے
ساتھ تھوڑی سی رقم مل گئی تو کرایہ داروں کے عذاب سے بچنے کے
لئے ایک آشیانہ بنانا چاہا تو کتنی مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ملک
میں کروڑوں انسان ایسے ہیں جن کا کوئی مستقل روزگار ہی نہیں
ہے۔ مکان بنانا تو کجا سر چھپانے کے لئے درخت کا سایہ تک
نہیں ملتا حالانکہ تقریباً اٹھائیس سال سے ہر سال درخت اگانے
کی مہم شروع کی گئی تھی جو آج تک جاری ہے لیکن ان اٹھائیس برسوں
میں اٹھائیس درخت بھی نہیں لگائے جا سکے۔ یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک
وزیر صاحب نے ایک سال درخت لگانے کی مہم کے سلسلہ میں اپنے
ہاتھ سے ایک مقام پر درخت لگایا تھا۔ دوسرے سال جب یہی
رسم دہرائی گئی تو وزیر صاحب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جس مقام کو
انہوں نے گذشتہ سال درخت لگایا تھا ٹھیک اسی مقام پر پھر ایک
بار درخت لگا رہے ہیں۔ اس کے بعد یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہی
وزیر صاحب کتنے سال تک اسی مقام پر درخت لگاتے رہے البتہ
اتنا یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں اس مقام پر آج بھی کوئی درخت
موجود نہیں ہے۔ برخلاف اس کے درختوں کو کاٹنے کی مہم تیزی سے
جاری ہے چنانچہ ہم نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ ہر مکان میں
ایک وسیع صحن ہوتا تھا اور اس میں چند چھاؤں دار اور میوہ دار یا سایہ
دار درخت ہوا کرتے تھے لیکن آج کسی مکان کو صحن ہی نصیب نہیں کہ
جس میں درخت لگایا جا سکے البتہ یہ ممکن ہے کہ مکان کے بجائے صرف
ایک درخت لگا دیا جائے اور اس کے سائے میں زندگی گزار دی جائے۔
سڑکوں پر بھی وہ سایہ دار درخت نظر آتے تھے جو آج عنقا ہیں جس کی

وجہ سے آج کے انسان کو سر چھپانے کے لئے درخت کے بجائے بجلی کے
کھمبے ملتے ہیں جن پر دھوپ بارش اور سردی کے
سروں پر سے گزر جاتے ہیں اور کئی لوگ ایسے ہیں کہ کھمبوں کے تار کے سر پر
سے گزرنے کے بجائے وہ خود کھمبوں کے سروں پر قربان ہو جاتے ہیں۔
ان مسائل کے علاوہ شہری انسانوں کے کئی اور مسائل ہیں جیسے بس کا سفر،
ریل کے سفر کا عذاب، ریلوں کے حادثات سے مالی اور جانی نقصانات
وغیرہ اور ٹریفک کے حادثات تو اب اتنے ہونے لگے ہیں کہ لوگ گھر
سے نکلتے وقت اپنے متعلقین سے کہا سنا اور لیا دیا معاف کروا کر...
نکلتے ہیں کیونکہ ان کے خیریت سے گھر واپس آنے کی امید نہیں ہوتی اور
اگر اتفاق سے بخیر و عافیت واپس آ گئے تو دوبارہ گھر سے نکلتے وقت
اس عمل کو دہرا لیتے ہیں۔

الغرض جبکہ بڑے بڑے دانشوروں، سیاست دانوں، حکام اور
اعلیٰ عہدہ داروں نے "ہفتہ جنگلی جانوران" منا کر اپنی جانور دوستی کا ثبوت
دیا ہے۔ اور جنگلی جانوروں کے مسائل کا جائزہ لے کر ان کا حل بھی غالباً
دریافت کر لیا ہے ہم ان سے ادباً گزارش کرتے ہیں کہ ایک آدھ "ہفتہ"
شہری انسانوں کا بھی منا کر اپنی "انسان دوستی" کا ثبوت پیش کرتے ہوئے
شہری انسانوں کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان کا جائزہ لیا
جا کر متذکرہ صدر مسائل کا حل دریافت کر لیا جائے تو ہم سمجھیں گے کہ
انھوں نے کولمبس سے بھی زیادہ مشکل مہم کو سر کیا ہے جس نے ایک نئی دنیا کو
دریافت کر کے اس نئی دنیا کو ساری پرانی دنیا پر مسلط کر دیا ہے۔ اگر ہماری
تجویز پر عمل کیا جائے تو ہم تو کیا شکر ادا کر سکیں گے جو قبر میں پاؤں لٹکائے
بیٹھے ہیں (مخفی مباد کہ برسوں سے صرف پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں قبر میں
اترنے کا نام نہیں لیتے) البتہ ہماری نوجوان نسلیں شکر گزار رہیں گی فقط

عطیہ پروین
[illegible]

دریا اور دھوبن

شمیم صادق

عصمت خدا جانے کس مٹی سے بنی تھی کہ اس پر کسی بری بات کا اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ ادھر سنتی ادھر اڑا دیتی۔ مارنے والا چاہے مارے اف تک نہ کرتی۔ اس کے ننھیال والے اس بات پر کڑھا کرتے "سوتیلی ماں نے خدا جانے بچی پر کیا جنتر منتر پھونک دیا ہے کہ اسکی مت ہی ماری گئی ہے۔ اچھے برے کی پہچان ہی جاتی رہی ہے" عصمت یہ باتیں سنکر مسکرا دیا کرتی مگر اسکی مسکراہٹ میں طنز ہوتا نہ تضحیک۔ بالکل عام سی بے مزہ سی مسکراہٹ اور کہنے والے کو لگتا کہ جیسے وہ خود سے جھوٹ بول رہا ہو ۔۔۔ مگر جب اسکی منجھلی خالہ اس سے یہی شکوہ کرتی تو اسکی آنکھیں اور لہجہ اجنبی سا ہو جاتا "تم بھی یہی کہتی ہو خالہ بی۔ اگر ڈھیٹ نہ بنوں تو گزارہ کیسے ہو؟ ذرا ذرا سی بات پر منہ بسورتے پڑی رہوں تو اپنی ہی جان جلے گی۔ اماں کا کیا جائے گا اور جو جلانے لگوں تو سمجھو پھر ابا کی پگڑی ہی اچھلے گی۔ دیکھنے والے تو یہی کہیں گے کہ ہائے بچاری کیسے کیسے ظلم سہتی ہے۔ ماں دوں کی پلی۔ اپنی ماں ہوتی تو کیسے کیسے لاڈ اٹھاتی۔ پر یہ سب منہ دیکھنے کی باتیں ہیں پیٹھ پیچھے اماں کہیں گی کہ بہن تم ہی بتاؤ اسے کیا تکلیف ہے اچھا کھاتی ہے اچھا اوڑھتی ہے جب تو تین پڑھا لکھا بھی دیا۔ اب آخر اسے کس چیز کی تنگی ہے میں تو کہوں ہوں بڑے ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ بیٹا روٹھے تو جو مانگے بیٹی روٹھے تو بر مانگے اور یہ سب نہ صرف اسکی ہاں میں ہاں ملائیں گی بلکہ دل سے ایمان بھی لے آئیں گی۔ خالہ اسکی اس بات پر حیران ہو کر دیکھنے لگتیں۔ "مگر تمہیں کون کہتا ہے کہ یہ بدزبانی کرو۔ آخر آدمی کی اپنی بھی تو کوئی عزت ہوتی ہے۔"

"خالہ بی تو بس یہ جانتی ہوں کہ جب تک مجھے اس گھر میں رہنا ہے اسی طرح رہنا ہے۔ پھر یہ کیا نہیں ہو سکتی کہ ذرا ذرا سی بات پر [illegible] [illegible]

[illegible]

میں کہ غصہ نہ آئے۔ میں تو صرف ابا کو روحی دکھ کے لئے خود کو عذاب میں ڈالتی ہوں۔ تم خود ہی تو کہا کرتی ہو کہ ماں موئی تو باپ کورا۔" اور خالہ بی اگر میرے کہنے میں نہیں تو برے میں بھی نہیں بلکہ جب کبھی میں نے انہیں اکیلے میں دیکھا ہے ان کی نظروں میں اپنے لیے پیار ہی پایا ہے اور ایک قسم کی ندامت بھی۔ انہیں آج تک مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ بلکہ ڈھکے چھپے وہ تو ہی سمجھاتے ہیں۔ اور میں صرف انکی نظروں میں اپنے لئے پیار اور ندامت دیکھنے کے لئے ہی اتنی ذلت برداشت کرتی ہوں۔ میرے لئے تو ماں بھی وہی ہیں اور باپ بھی۔"

اور منجھلی خالہ کو پھر کبھی اس سے ایسی شکایت کرنے کی جرأت نہ ہوئی وہ تو اپنی بہن کا سوچ کر تنہائی میں لمبی لمبی آہیں بھرا کرتیں جس کے مرنے سے پیارے بچے اپنی اپنی جگہ جل رہے تھے۔ جب آمنہ بیگم اللہ کو سدھاریں تو تین بچے تھے سب سے بڑی الفت درمیان میں لڑکا طلعت اور طلعت سے چھوٹی عصمت۔ عصمت اس وقت سال بھر کی بھی نہ تھی۔ اور لطیف میاں کو بیوی کی موت کے غم سے زیادہ انکا فکر تھا بچے تو پھر بھی کسی نہ کسی طور پر رہ لیتے تھے۔ مگر اس چھوٹی کے دم کے مارے انہیں کتنی آزمائشیں سہنا پڑیں اور اسی سے انہیں گھر گھرے کی پہچان ہوئی چار دن یہ ایک پھوپھی کے یہاں رہتی۔ چھ دن دوسری کے ہاں۔ وہاں سے چچا تایا کے گھر منتقل کر دیا جاتا۔ پھوپھیاں تائیاں ختم ہو جاتیں تو ننھیال والے کے ہاں جا پہنچتے اور اب خالاؤں کی باری شروع ہو جاتی۔

[illegible]

وہاں تو کچھ پھوٹ گئی مگر بچے کس عذاب میں مبتلا کر گئی۔ اس سے تو بہتر تھا کہ جہاں
جوان جہان مر گئی۔ وہیں یہ عمر بالعت کی موشدی بھی ختم ہو جاتی۔ ادھر پھر
ابھی تو بہت سے بیگم کو رنگ ہی یاد رہے تھے اور جنہیں بھا میاں صاحب
سنے کی اولاد بھی تھی کہ بھائی کو [illegible] کا مشورہ دیں کہ لطیف میاں نے
خود ہی بہت ہمت کر کے شمس النساء کو آمنہ بیگم کی مسند پر لا بٹھایا۔
ابھی [illegible] اتنی جلدی تو شادی کا ارمان نہ تھا۔ مگر وہ سوچتے تھے کہ سات
گھروں کی گھڑکیاں سہنے سے بہتر ہے کہ ایک کے ہوتے سب سہے جائیں۔ وہ
عورت کی فطرت خوب جانتے تھے اس لئے شادی کی پہلی رات انھوں نے
نہ تو عصمت کو رونمائی سمجھ کر شمس النساء کی گود میں ڈالا اور نہ ہی اخلاقیات
انسانیات پر کوئی طویل تقریر کی بلکہ انھوں نے تو قدرے شرمندہ ہوتے
ہوئے صرف اتنا کہا تھا کہ "دوسروں کی خیر ہے عصمی بچی چھوٹی ہے اس کو جیسے
تیسے پال دو تمھاری مہربانی ہوگی"۔

وہ جانتے تھے عورت عورت ہے۔ پرائے کی اولاد کو دل پر جبر
کر کے برداشت کر سکتی ہے مگر پیار نہیں کر سکتی اور پھر آگ سے توقع رکھنا
کہ نہ جلائے اور سانپ سے کہنا نہ ڈسے عبث ہے۔ شمس کو ان کی اس
کمزوری کا علم تھا اور پھر آتے ہی اسے دلہناپے کے ناز نخرے اٹھانے
کی بجائے ایک ننھی منی سی بچی جو بیاہی جیسی کاندھے سے لگانے کو مل گئی تھی
اس لئے وہ اپنے ارمانوں کے کچلنے کا بدلہ بچوں سے ہی لیا کرتی تھی
الفت سب سے بڑی تھی اور اس وقت سارا عتاب بھی اسی پہ نازل ہوا
کرتا تھا۔ طلعت تو کھیل کود کر گھر سے باہر رہ کر کچھ وقت گزار لیتا۔ مگر وہ
بڑی تھی جلا کرتی۔ ایک تو یوں بھی سیلوٹی کی اولاد نزاکت پرور ہوتی ہے اور
پھر اسے جو پچھلے وقتوں میں آرام آسائش اور بے حساب پیار ملا تھا۔ اب
اس کے بعد ہر وقت کی گھڑکیاں۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں دھمکیاں
مار پیٹ۔ ان سب نے مل کر اس سے بچپن کی شوخی اور جوانی کی ترنگ
چھین لی تھی۔ وہ ہنستی نہ بولتی گھر کا کام کاج کر کے چپکے ایک کونے میں
پڑی رہتی زیادہ ہوتا تو اٹھا کے سڑی بسی کتابیں پڑھنا شروع کر دیتی

• طلعت اور الفت مل کر کچھ ایسی باتیں کیا کرتے جو اسکی سمجھ میں نہ
آتیں اور سچی ان سے انکو دلچسپی ہوتی پر جب وہ باتیں کرتے کرتے
رونے بیٹھ جاتے تو اپنے کھیل سے ایک دم ہی اس کا جی اوب جاتا
اور پھر اس روز رونے دھونے نے الفت کو کسی کام کا نہ

چھوڑا وہ جب مستقل ہی سے لگ گئی اور گھر کے کام کاج کے بیچ شمس کو چاچاجی
سے اترنا پڑا تو اسے یوں لگا کہ جیسے الفت کا کھایا ہوا [illegible] اس کے
حلق زیادہ سے زیادہ اتر کر اٹکا جائے گا۔ اس کے ننھے ننھے چھپے گئے
[illegible] چھوٹے چھا [illegible] کس پر مرا کرتی ہے۔ اس کی ہچکیاں
[illegible] گالوں پر سیب سجا رکھے ہوں۔ پر پیر رے مینڈک کی طرح پسلی
پھولی جاتی ہے۔ کھانا پینا کیا لگے کہ جب اسکول میں پڑھتی تھی بھی سے
رقعے ادھر ادھر کی دیواروں سے گرائے جاتے تھے۔ ابا میاں تک کسی
نہ کسی طرح تو باتیں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ وہ بڑے دل گردے والے تھے
کہ صبر سے سنتے رہے۔ اور پھر ایک دن انھوں نے شربت کے پیالے پر
دو بول پڑھوا کر اس کو اس کے گھر سدھارا۔ الفت سمیت سبھی نے سکھ
کا سانس لیا۔ الفت نے بیاہ دیکھا ہی کیا تھا۔ میاں اچھا ملا۔ بلکہ سچ تو
یہ ہے کہ ایسا اچھا بھی نہ تھا۔ اسکی خدمت گزاری نے دل موہ لیا پھر پر
اس کا کیا چلنے لگا تو اس نے میاں سے کہہ سن کر طلعت کو اپنے پاس بلوا لیا
عصمت کو کیسے بلاتی گھر میں جوان دیور تھے۔ اور ماں باپ لڑکی کبھی ہاتھ پیر سے
نکلی تھی زمانے کی بات تو بعد کی ہے خود اپنا ہی جینا اجیرن کر کے رکھ دیتی
اور طلعت تو ایسے گئے کہ عید بقرات پر دونوں بہن بھائی آ کے اسے مل جاتے
اور پھر تہوار ختم ہوتے ہی سدھار جاتے۔ نہ بار کے [illegible] کا رکنا کا
ارادہ ہوتا۔ الفت تو اپنی ہی من میں طلعت کے لئے منصوبے باندھا کرتیں
کہ طلعت کی شادی کر کے عصمت کو طلعت کے پاس لے آئیں گی۔ پر جب کے
لئے وہ یہ سب کچھ سوچا کرتیں وہ ایسی بے نیاز واقع ہوئی تھی کہ دیکھ کر ان کی
جان جلا کرتی۔ سارا دن گھر کے کاموں کو فرض سنت سمجھ کر جتی رہتی۔ گویا کہ
شمس کے میکے سے اسی کی خدمت کے لئے آئی ہو۔ ننگے تو تے ہوتے
[illegible] جاتے بچوں پر بچے ہوتے چلے۔ شمس یوں تو طبیعت کی تیز تھی پر پھر
خلاف توقع آتے ہی بچوں سے کھلا ہوا گھر دیکھ کر اپنے بچوں کو بھی پاس پھٹکنے
نہ دیتی۔ سارا دن گھر کا کام پکانا ریندھنا سینا پرونا بچوں کی [illegible]
سمجھانا اسی کا کام تھا۔ اور پھر ان سب خدمت گزاریوں سے بڑھ کر شمس النساء
کی وہ مخلفات جو وہ بیچ بیچ میں [illegible] طرح [illegible] مگر
مجال ہے کہ عصمت کے ماتھے پر بل آ جائے۔
عصمت کے کیسے [illegible] دل کو [illegible] کرتی [illegible] اتنا کہ اسے شمس
جیسی جلاد ماں سے انس ہو گیا تھا۔ پیار تو ایک طرف رہا وہ تو اسے نفرت
کے قابل بھی نہ سمجھتی تھی۔ اس نے جیسے [illegible]

پیار

رضیہ بٹ

ایک ـــــ

دو ـــــ

تین ـــــ

ابا کے ٹھڈوں کے ساتھ اماں دوہری تہری ہو کر پیڑھی سے لڑھک گئیں گالیوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی ـــ اماں دوپٹے میں منہ چھپائے زور زور سے رو رہی تھیں اور وہ اپنے دو بڑے بھائی اور ایک چھوٹی بہن کے ساتھ سہمی ہوئی چپ چاپ کھڑی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔

یک جھٹک کر ابا باہر نکل گئے۔ اور اماں وہیں کھسک کر پیڑھی پر بیٹھیں۔ کتنی ہی دیر وہ زیر لب دعائیں یا بددعائیں دیتے ہوئے روتی رہیں۔ کسی بچے کو ماں کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ چھوٹی بہن تو دیوار سے لگی لگی رونے لگی۔ اور بھائی ادھر ادھر کھسک گئے۔ پر وہ اماں کا آنسوؤں سے تر سرخ ہوتا ہوا چہرہ دور سے کھڑی سہمی سہمی دیکھتی رہی۔ وہ بے چین تھی۔ اس کے اندر بے چینی تھی۔ شام کا انتظار اسے شدت سے تھا۔

جب سے اس نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا تھا۔ یہ تماشہ دیکھتی آئی تھی۔ ابا غصے سے باولے ہو جاتے۔ ان کے جبڑے خوفناک طریق سے حرکت کرتے ہونٹوں کے کونوں میں سفید سفید کف جمع ہو جاتا۔ سانولا چہرہ تپ کر پرانے تانبے کی طرح کی رنگت اختیار کر لیتا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جہنم کی بھٹی سی سلگ اٹھتی۔ پھر وہ خونخوار سے ہو جاتے اماں سے تو تو میں میں ہوتی۔ پھر گالیوں پر اتر آتے۔ یوں کام بنتے نہ دیکھ کر ٹھڈوں سے تواضع کر دیتے۔ گھر کی فضا سہم جاتی۔ بھائی کام کرتے کرتے کھسک جاتے۔ بہن کھیلتے کھیلتے خاموش سی ہو جاتی

اسے کچھ پتہ نہیں تھا۔ کہ یہ کھیل اتنے تواتر سے کیوں کھیلا جاتا ہے کیا یہ ابا کی عادت کا ردعمل ہے یا اماں کے کسی قصور کا نتیجہ ـــ ذہنی بے چینی کی لگائی بجھائی ہوتی ہے۔ یا کوئی اور بات۔ اسے

تو صرف اتنا پتہ تھا کہ ابا اسی طرح جھگڑتے جھگڑتے ٹھڈوں پر اتر آتے تھے۔ اور جب اماں زور زور سے رونے لگتیں تو الٹی ہتھیلی سے ہونٹوں کا کف صاف کرتے ہوئے گالیاں بکتے جھٹکے باہر نکل جاتے ہیں۔

لیکن اس کھیل کا ایک دوسرا پہلو بھی تھا۔ جو اکثر شام کو سامنے آتا تھا۔ جس دن ابا یوں لڑ جھگڑ کر جاتے، اکثر شام ڈھلے گھر لوٹا کرتے تھے اس دن اماں سارا وقت منہ لپیٹے چارپائی پر پڑی رہا کرتیں۔ روز کی طرح نہ رگڑ رگڑ کر برتن مانجھتیں، پیتل اور تانبے کے برتن اماں اس طرح چمکایا کرتی تھیں کہ چم چم کرنے لگتے تھے۔ نہ ہی معمول کی طرح گھر کی صفائی کیا کرتیں۔ دو کمروں کا یہ چھوٹا گھر اماں بڑی لگن اور محنت سے سنوارا کرتیں۔ چارپائیوں پر سفید کی رنگ برنگی پھولوں کی کاڑھی ہوئی بے داغ چادریں ڈالا کرتیں۔ ان کپڑوں کو انھوں نے کبھی میلا نہ ہونے دیا۔ اور کیا مجال جو یہ کپڑے کبھی آڑے ترچھے پڑے ہوں۔ کمروں اور چھوٹے سے صحن کی اینٹیں دھو دھو کر گھس ڈالی تھیں۔ سرخ سرخ اینٹوں کا ٹھنڈا ٹھنڈا فرش بہت ہی اچھا لگتا تھا۔ صبح و شام فرش دھونے پر دادی اماں سے لڑا بھی کرتیں۔ ان کا خیال تھا کہ پانی یوں پڑتا رہے تو مکان کی بنیادیں خراب ہو جاتی ہیں۔ لیکن شاید اماں نفاست پسند تھیں۔ جھاڑو اور پانی کی بالٹی ہاتھ میں لئے پائنچے اوپر کیے گھر میں جل تھل کیے رہتیں۔ وہ تو چھت کا فرش کچا تھا۔ ورنہ اماں وہ بھی روزانہ دھویا کرتیں۔ سیڑھیاں بھی روز ہی دھلتی تھیں۔

باورچی خانہ ہمیشہ صاف ستھرا ہوتا قرینے سے ہر چیز اپنی جگہ رکھی ہوتی چولھے کی لیپا پوتی تو روز کا معمول تھا۔ وہ تو جب سے ابا سوئی گیس والا چولھا لگوا گئے تھے۔ مٹی کے چولھے کا دھیان چھٹ گیا تھا لیکن ہفتے میں ایک بار اماں ضرور اس پر لیپا پوتی کر ہی دیتیں۔

گھر کا سارا کام اماں ہی کے ذمہ تھا۔ اماں خوشی خوشی یہ کام کیا کرتیں وہ کپڑے بھی دھوتیں۔ اور لوہے کی کوئلوں والی استری تپا کر سارے کپڑے

نصیحت پر عمل کرتی تھی۔ [illegible] تھی۔ نہ [illegible] وحشت سے مرعوب ہو گیا تھا۔

لیکن۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ اسے اپنے ننھے سے گھر کا خلا شدت سے محسوس ہو رہا تھا۔ نئی دنیا کی ہر چیز سے مانوس ہو کر اس کا جی اب بھر گیا تھا۔ طبیعت بے چین اور ڈانواں ڈول رہنے لگی۔ پژمردگی۔ محرومی اور اداسی اس کے اعصاب پر مسلط ہونے لگی۔

مجید کی تو جیسے جان پر بن آئی۔ پروانہ ہزار جان سے فدا ہونے لگا۔ اسے نگاہوں میں بھرتا۔ دل میں سموتا۔ پیار و محبت کے جتنے اظہار ممکن تھے کر بیٹھتا۔

لیکن۔

وہ خوش نہ ہو سکی۔ بے چینی دور ہوئی نہ بے قراری۔ مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا۔ اکثر بدتمیزی پر اترنے لگی۔ اسکی سیدھی باتوں کو الٹا مفہوم دے کر ترش جواب دینے لگی۔

مجید بہت استقلال سے اسکی ہر زیادتی برداشت کرتا رہا۔ پیار و محبت کے اظہار میں اس نے بخل سے کام نہیں لیا۔

لیکن وہ جتنا اس پر مرمٹ رہا تھا۔ وہ اتنا ہی اس سے کھنچ رہی تھی۔ چڑچڑا پن تنفر اور بیزاری کی حدوں کو چھونے لگی۔ اب تو یوں ہونے لگا کہ وہ اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ کر سینے میں چھپا لینے کی کوشش کرتا۔ تو وہ بے آب مچھلی کی طرح تڑپنے لگتی۔ وہ پیار سے ہونٹ اس کی گردن پر رکھ دیتا۔ تو اسے یوں لگتا جیسے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہے۔ وہ دھکے دیکر اسے پرے ہٹا دیتی۔ ہانپتی ہوئی پلنگ پر اوندھی گر جاتی۔ اور پھر زور سے رونے لگتی۔

مجید پریشان ہو ہو کر اسے پیار سے دلاسا دینے، بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتا تو وہ اسے بے نقط سنا ڈالتی۔

مجید انسان تھا۔

انسان بھی مرد۔

کب تک برداشت کرتا۔ بالآخر اسکی اتنی زیادتی کوشش کے باوجود برداشت سے باہر ہو گئی۔

کسی دلیپ بھرے دن جب اس کے بے پناہ پیار دلاسے اور بہلاوے کے باوجود وہ بدتمیزی پر اتر آئی۔ تو مجید جھنجھلاتے ہوئے شیر کی طرح غرایا

تمہیں ہوتا کیا ہے آخر؟

دوسرے لمحے مجید کا زوردار تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔ دن میں تارے نظر آ گئے۔ اپنے گال پر ہاتھ رکھ کر وہ ششدر رہ گئی اسے دیکھنے لگی۔ مجید بھنایا ہوا باہر نکل گیا۔

اور وہ بستر پر اوندھی پڑی رہی۔ تھپڑ زدہ گال میں جلن ہو رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر گال سہلاتے ہوئے روتی رہی۔

اس دن اس نے کوئی کام نہیں کیا۔ جمعدارنی سے صفائی بھی نہیں کروائی۔ ملازمہ کے ساتھ مل کر کھانا بھی تیار نہیں کیا۔ بس چادر سے منہ سر لپیٹے بستر پر دبکی پڑی رہی۔

مجید دوپہر کھانا کھانے بھی نہیں آیا۔ ملازمہ نے اسے کھانے کو کہا۔ لیکن وہ بھوکی پڑی رہی۔ احتجاج کے طور پر کھانا نہیں کھایا حالانکہ اسکی آنتیں مروڑ کھا رہی تھیں۔ ملازمہ نے کھانا کھا لیا۔ اور باورچی خانے کی صفائی کر کے بند کر دیا۔ اس نے شام کی چائے بھی نہیں پی۔ رات کے لئے کھانا بھی ملازمہ نے اپنے ہی انداز سے بنا لیا۔

شام ڈھلے مجید گھر میں داخل ہوا۔ تو جرم کے احساس کے ساتھ اپنی زیادتی کا احساس اسے صبح سے ہو رہا تھا۔ آج اس نے ہاتھ اٹھایا تھا۔ عورت پر ہاتھ۔ عورت جسے وہ بڑی مقدس اور بڑی عظیم شے سمجھتا تھا۔ اپنے وحشیانہ رویے پر اسے شدت سے ندامت ہو رہی تھی۔ کف افسوس بار بار مل رہا تھا۔ صحن میں بے قراری سے ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے ملازمہ سے اس کے متعلق پوچھ رہا تھا۔

ندامت بے صبری میں ڈھل رہی تھی۔

ملازمہ نے کھانے کے لئے پوچھا تو بولا۔ تم اب جاؤ۔ ہم خود ہی کھا لیں گے۔

ملازمہ اپنا کھانا لیکر چلی گئی۔ تو باہر کا دروازہ بند کر کے وہ اندر آ گیا۔ وہ چند لمحے بے تابی سے کمرے میں ٹہلتا رہا۔ پھر اپنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ کھنکھارا۔ لیٹا۔ اٹھ بیٹھا۔ اور پھر گردن موڑ موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ کمبل کی اوٹ سے چشم نیم باز سے مسلسل اسے تک رہی تھی۔ وہ ایک دم اس کے پلنگ پر آ بیٹھا۔ اس پر جھکتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں اسے پکارا۔

معاف کر دو۔ مجھے سخت ندامت ہو رہی ہے۔ [illegible]

بھابی کا انتخاب

طاہر قریشی ایم-اے

یہ موضوع کوئی نیا نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں گھرانے ایسے ہوں گے جن کی چار دیواری کے اندر بھابی کے انتخاب کے لیے ضرور کھچڑی پکتی ہوگی۔ ایسی ہر خوبصورت کزن اور ہر خوبصورت سہیلی کو فوقیت دی جاتی ہوگی۔ جی ہاں! ہماری یہ باتیں بھائیوں کے ناز اٹھانے والی بہنیں ہی سمجھ سکتی ہیں یا وہ مائیں جو اپنے بیٹوں کو گھر بسانے کا مشورہ دے کر پوچھتی ہیں۔

"بیٹے! اس تھوڑی زندگی کا کیا بھروسہ۔ اب تو میں اٹھا دوں چولہا ہوں کیا خبر کب آنکھ بند ہو جائے اب تو تجھے گھر بسا ہی لینا چاہیئے بہت سی لڑکیاں میری نظر میں ہیں تو بول تجھے کیسی لڑکی پسند ہے؟"

یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جب صاحبزادے کلف کی طرح اکڑ جاتے ہیں: "ارے اماں! ابھی ایسی کیا جلدی ہے" ہو جائے گی شادی وادی بھی

جہاندیدہ ماں فوراً آبدیدہ ہو کر کہتی ہے "اب تو ایک ہی خواہش ہے۔ اپنی زندگی میں تیرا سہرا دیکھ لوں"۔ صاحب بہادر نیم رضامندی کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب ماں خاندان بھر کی لڑکیوں کا نام لیتی ہیں اور ان کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتی ہیں، تو صاحبزادے ناک بھوں چڑھا کر فرماتے ہیں، "خاندان سے باہر بھی لاکھوں ہیں"۔

"لاکھوں ہیں" [illegible] کے دل کا چھپا ہوا چور ہوتا ہے لیکن ماں کی بارعب شخصیت کے آگے زبان لکنت کھا جاتی ہے تب وہ تیر بہنیں اپنے بھیا کو خوشامد میں لگ جاتی ہیں۔ ایسے میں اپنی دوستوں اور سہیلیوں کے قصے خوب نمک مرچ لگا کر بیان کئے جاتے ہیں کس کے حسن کے چرچے ہیں کس کی شاندار نگاہوں پر تبصرہ۔ کسی کے نمکین حسن پر حاشیہ آرائی لیکن [illegible] چڑھنے والے ہیں [illegible]

بھابیاں چالاک ہوتی ہیں کہ کسی قیمت پر نہیں مانتیں۔ بالآخر دل کی بات لبوں پر آ ہی جاتی ہے۔ یہ وہ بہنیں ہوتی ہیں جو بڑی تیاری سے اپنی دوستوں کی پارٹیاں منعقد کرتی ہیں۔ لیکن شہزادے گلفام کچھ ایسی شان بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ وہ بیچاری اپنی رخ [illegible] ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتی ہیں۔

اور جب بھابی کے انتخاب کیلئے تمام حربے ناکام ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بیچاریاں خود ہی آخری حربہ استعمال کرتی ہیں یعنی دونوں کی گفتگو درحقیقت اتنی مزیدار اور شاندار ہوتی ہے کہ پورے بارہ مسالوں کی چاٹ کا مزہ آ جاتا ہے۔

بڑے بڑے شہروں میں آپ نے شادی بیاہ کرانے والے دفتر دیکھے ہوں گے اور ہر جمعہ کے اخبار میں "ضرورت رشتہ" کے طویل کالم پر بھی نظر ڈالی ہوگی۔ لیکن شاید آپ نے ہماری دوست کا وہ کمرہ نہیں دیکھا ہوگا جس کو ہمارے ذوق لطیف نے "گوشۂ الفت شادی" کا نام دیا ہے۔ سچ کہوں تو یہ اچھا خاصا میوزیم ہے۔ جس میں شادی بیاہ کی تمام رسومات کو تصاویر کی صورت میں سجایا گیا ہے۔ اور فوک گیتوں کے بے شمار کیسٹ اکٹھا کئے ہیں یہاں اکثر ایسے نادر کیسٹ بھی ہیں جن میں بھابی کے انتخاب کے سلسلے میں بہن بھائیوں کی نوک جھونک بھی موجود ہے۔ غرض شادی بیاہ سے متعلق بے شمار ایسی چیزیں ہیں جنکو ہماری دوست بڑے انہماک سے اکٹھا کر رہی ہیں۔ مشغلہ خاصا دلچسپ ہے۔ ہم نے بڑی منت سماجت سے اور ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر اس سے نوک جھونک کے چند کیسٹ حاصل کئے۔ وہ پیش خدمت ہیں۔ ایک کیسٹ ملاحظہ ہو۔ یہ ایک [illegible] آفیسر کی شادی کے سلسلے میں تھا۔

"الشعلہ! یہ دیکھئے! میری اتنی پیاری دوست ہے کیا بتاؤں، سچ آپ [illegible]

[illegible]
"وہ ٹھیک ہے لیکن مجھے تو آسیہ سے [illegible]
جل جانے میں فخر محسوس کروں گی۔"
[illegible] اس کی دوست کے [illegible] میں یہ سمجھتا
ہوں پتہ ہے اس پر کم از کم ایک درجن لوگ عاشق ہیں جو کسی کی محبت
کی آگ میں جلیں گے۔"

"قسم خدا کی بھابی میں اپنی دوست کا تعارف کیوں کرا رہا۔ اب
وہ ایسا بھی نہیں کہ خاندان کی لڑکی کو ٹھکرا دیا جائے۔ خدا کرے آسیہ
نے آپ جیسے عاشق مزاج کو چاہا بھی نہ ہو۔ امی جان تو برسوں سے آسیہ
کو بہو بنانے کا خواب دیکھ رہی ہیں۔"

"وہ [illegible] کی نانی گھر میں آجائے تو تم ماں بیٹی خوش ہو جانا۔ بھابی
طرح یہ کیوں نہیں کہتی کہ اپنی دوست کو لانا ہی نہیں چاہتی۔ ارے بڑی
امیر کبیر ہے ڈھیروں جہیز لائے گی، گھر بھر جائے گا۔ وہ محترمہ تو صرف
دو گریاں اٹھائے چلی آئیں گی۔"

سیمی غالباً ارمان کر رہی ہے "ارے جیو تو نے کبھی اس لڑائی
کو [illegible] کرتا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے۔ میں تو اپنی دوستی کا حق
ادا کروں گی۔"

"اوہ۔ زندہ باد سیمی، جیو، سدا جیو۔"

لیجئے جناب فقرہ تمام ہوا۔ اب آخر میں آپ صاحبان کو ایک اور
کیسٹ سناتی چلوں جو تھوڑا بڑا آئیڈیل قسم کا ہے یہ ان صاحب کی گفتگو
کا ہے جو کسی غیر ملکی فرم میں اسٹینوگرافر ہیں اور اکثر اپنی بھابی کے ساتھ جھگڑا
کرتے نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔"

"ارے لو۔ شہرام کے بچے! اب گھر بساؤ گے بھی یا نہیں یونہی پھرو گے
آخر میں کب تک تمہیں روٹیاں پکا پکا کر کھلاتی رہوں۔"

"ارے بھابی [illegible] آپ تو خواہ مخواہ جھگڑا کرتی ہیں ڈھونڈ لیجئے
[illegible] منع کیا ہے۔ بس ذرا میری پسند کا خیال رہے۔"

[illegible] انھوں نے تمہارا اچھا [illegible]
[illegible] گھر میں پیدا ہونے لگیں
[illegible] سب [illegible] ہو گئیں۔
[illegible] آپ [illegible] دیں تو [illegible] اسی

[illegible] لڑکی مل جائے گی۔

بھابی کی آواز آتی ہے "وہ تو ٹھیک ہے لیکن ایسی کون سی لڑکی
[illegible] تمہارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر [illegible] تمہارے [illegible]
[illegible] تمہارے انتظار میں [illegible] بیٹھی رہے۔ تم تھیں [illegible] کر کے
[illegible] لگے۔ تم آنکھیں بند کر کے [illegible] سنائے
[illegible] گھر [illegible] جائیں [illegible]۔ بس وہ تمہارے ساتھ گھٹنے سے
گھٹنے لگائے بیٹھی رہے۔"

شہرام ہنستا ہے "اصل بیوی کا پتا تو خوبیاں [illegible] کسی
ہے۔"

"ارے اس غریب کو کیوں گھسیٹ رہے ہو۔ وہ تو بڑی نیک سیدھی
سادی ہے۔ مجھے تو بہت ہی پیاری لگتی ہے۔ بے پناہ خلوص والی
ہے۔ مگر وہ تم کو کیوں لفٹ دینے لگی۔"
"آپ کوشش تو کیجئے۔"

بھابی مسکرا دیں۔ اب ہمیں یہ خبر نہیں کہ وہ صاحبزادے کامیاب
ہوئے یا نہیں۔ بس ایسی لچھے دار گفتگو سننے کو بڑا دل چاہتا ہے ہم
تو روز ہی دعا کرتے ہیں کہ ایسی نوک جھونک ایسی لڑائیاں روز گھر میں
برپا ہوں۔ ہر انسان کی فطرت اور طبعی ظرافت خود بخود سامنے آجاتی
ہے۔ ● ●

ڈبل روٹی سے شاہی ٹکڑے۔ سینڈوچ اور دوسری بہت سی کھانے کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ آیئے آج ہم آپ کو ڈبل روٹی سے بننے والی دو اور چیزوں کی ترکیب بتاتی ہیں تجربہ کریں۔

ڈبل روٹی کے گلاب جامن

سامان:۔ تازی روٹی کے دس سلائس۔ دودھ ۲۵۰ گرام۔ کھویا ۱۰۰ گرام۔ شکر ۲۵۰ گرام۔ گھی یا ڈالڈا حسب ضرورت۔

پہلے سلائس کے کناروں کو بلیڈ یا تیز چھری سے تراش لیں کھوئے میں ذرا سی شکر ملا کر ایک جان کریں۔ بقیہ شکر کی ایک تار کی چاشنی بنا لیں، یعنی قوام جو ہلکا ہو زیادہ گاڑھا نہ ہو۔

سلائس کو دودھ میں ڈبو کر ہتھیلی پر رکھیں اور ہلکے ہلکے دودھ کو سلائس دبا کر نکال دیں اور پھر درمیان میں کھوئے کی چھوٹی گولی بنا کر رکھیں اور سلائس کو ہر طرف سے موڑ کر گول کر لیں۔ ذرا دیر مٹھی میں دبائے رکھیں کہ جوڑ مل جائیں۔ پھر گھی میں انہیں تل کر قوام میں ڈبو دیں اور کچھ دیر بعد نکال کر ذرا کیوڑہ چھڑک کر نوش فرمائیں۔

ڈبل روٹی کے سموسے

اشیا:۔ تازہ ڈبل روٹی کے سلائس۔ آلو۔ نمک مرچ کٹی پیاز۔ گرم مسالہ حسب خواہش۔ گھی بقدر ضرورت

آلو ابال کر اس کا بھرتہ بنائیں اور تمام مسالے ملا کر رکھ لیں پھر کسی برتن میں پانی لیں اور سلائس کو اس میں ایک منٹ تک ڈبو کر نکال لیں۔ ہتھیلی پر رکھ کر دوسری ہتھیلی سے . . . . . . دبا کر اس کا پانی نچوڑ دیں۔ پھر اس میں آلو کے بھرتے بھرے کو اس طرح رکھیں کہ سلائس موڑ کر تکونا بن جائے۔ منہ کو اس طرح موڑیں ▽ اور کناروں کو اچھی طرح دبا کر اس طرح ملائیں کہ تلنے میں منہ کھلنے نہ پائے۔ جتنے سموسے بنانا ہوں بنا کر گھی یا ڈالڈا میں تل لیں۔ گلابی ہونے پر اتار کر کسی چٹنی کے ساتھ یا یوں ہی نوش فرمائیں۔

مرسلہ: مس نہ مینہ حبیب (گورکھپور)

تبصرات

ریویو کے لیے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

زمزم فرات :-

کلام جناب ہوش نعمانی۔ ناشر باطت دارالاشاعت نشتر خانہ۔ رام پور۔ قیمت پانچ روپیہ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۰۔

کتاب نعت۔ مناقب، قصائد اور سلاموں کا مجموعہ ہے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ صاحب نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ کتاب کا موضوع مذہبی اور نازک عقائد سے متعلق ہے اور اس میں انھوں نے مختلف ہیئتوں کے تجربے کئے ہیں۔ عقیدے اور جذبے کو زبان دینا اور ہیئت کی رنگا رنگی سے کلام کے حسن میں اضافہ کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بڑے مشاق اور پرگو شاعر ہیں۔

کتاب کی ابتدا نعت رسول سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد "یا علی" "یا حسین"۔ "یا پیارکربلا" "چودہ جام" "مقدس اضافے یا امام آخرالزماں" "شہادت نامہ" "تضمین برباعی غریب نواز" "گیت" کے عنوانات کے تحت مناقب، قصائد، سلام اور مرثیے شامل ہیں۔ جو محبان اہل بیت کے دلوں میں اتر جاتے ہیں۔ کاش ابتدا میں حمد باری تعالیٰ اور حضرت بی بی فاطمہؓ کے عنوانات بھی شامل ہوتے۔ نہ جانے ہوش صاحب نے ان عنوانات پر خامہ فرسائی کیوں نہیں کی۔

عورت اور پردہ

مولف ابوالسلمی فاروقی۔ ناشر مکتبہ البدر۔ دارالعلوم فاروقیہ۔ کاکوری۔ ضلع لکھنؤ۔ صفحات ۶۴۔ قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے۔

پردے سے متعلق متعدد کتب اب تک شائع ہو چکی ہیں جن میں صاحب موصوف کی یہ ایک مختصر اور جامع اضافہ ہے جس میں مولف نے اختصار کے ساتھ عورت کا مقام مختلف مذاہب میں دکھاتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو سب سے زیادہ حقوق بخشے اور ایسے قوانین بنائے جن کے تحت مسلمان عورت کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ہی پردہ کی افادیت اور اس کے مقاصد کو بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ پردہ نہ تحت و تنزل میں ڈالتا ہے نہ ترقی نسواں میں بلکہ پردہ کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ ایک پاک و صاف معاشرہ قائم ہو اور عورت مردوں کا ہدف نہ بنے۔

مکے باز حسینائیں

محمد علی ایک بار پھر باکسنگ کے عالمی چیمپین بن گئے ہیں۔ انھوں نے اپنے کو عظیم ترین کہا ہے۔ وہ مشہور ترین اور مقبول ترین بھی ہیں ان کی مکہ بازی کو دیکھنے کے لئے جتنے لوگ آتے ہیں اتنے کسی اور کھیل تماشے میں نہیں جاتے لیکن محمد علی کی مقبولیت کو ایک نئی سمت سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے ہمارا امروز لاہور کے منو بھائی راوی ہیں کہ نیویارک اسٹیٹ ایتھلیٹک کمیشن نے تین عورتوں کو باکسنگ کے لائسنس جاری کر دیئے ہیں بتایا گیا ہے کہ چار سال قبل ایک خاتون جیکی ٹونادا ہنڈا کی درخواست مسترد کر دی تھی مگر اب وہی خوش نصیب پہلی خاتون ہیں جنھیں مکہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لینے کا لائسنس دیا گیا ہے ان کی عمر تیس سال ہے کمیشن نے اس سے پہلے اس خاتون کو لائسنس جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا کمیشن کے ضوابط کسی خاتون کو باکسنگ کے رنگ میں اترنے کی اجازت نہیں دیتے تھے اس فیصلے کے خلاف ایک اور مکہ باز حسینہ کیتھی نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور جیت لیا اس کے ساتھ جیکی اور کیتھی کو باکسنگ کا لائسنس مل گیا ان دو کے علاوہ ایک تیسری مکہ باز حسینہ نے بھی لائسنس حاصل کرنے کی درخواست دی اور حاصل کر لیا۔

مکہ باز حسینہ کیتھی نے عدالت میں یقیناً یہی دلیل پیش کی ہوگی کہ امریکی آئین کے مطابق عورتوں اور مردوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں چنانچہ عورتوں کو مکہ بازی کے حق سے محروم کرنے کا کسی کو کوئی حق حاصل نہیں ہے اور یہ بھی بہت جائز اور معقول دلیل ہے کوئی عدالت بھی رد نہیں کر سکتی۔

ابھی پچھلے دنوں لوگوں نے دو [illegible] کے ذریعے ٹیلی ویژن کی سکرین پر محمد علی اور اسپنکس کا باکسنگ کا مقابلہ دیکھا اس مقابلہ میں یہ بھی دیکھا کہ محمد علی اپنا [illegible] اسپنکس کے [illegible] کے مقابلہ اسپنکس سے [illegible] تھا اور اسے اپنے بازو [illegible] نیچے سے نکالتا تھا اور وہ اسپنکس کے جوابی حملے سے محفوظ ہو جاتا تھا۔ یہ وہ حرکت ہے جو باکسنگ کے اصول کے مطابق قانونی نہیں ہے لیکن حقیقت کہا جاتا ہے کہ محمد علی کے مقابلے پر اگر کیتھی یا جیکی جیسی کوئی مکہ باز حسینہ ہوتی تو وہ یہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح ہاکی کے میدان میں مردوں اور عورتوں کی علیحدہ علیحدہ ٹیمیں ہوتی ہیں اور مردوں کا مردوں سے اور عورتوں کا عورتوں سے مقابلہ ہونے لگا ہے اور اس طرح باکسروں اور باکسرنیوں کے بھی علیحدہ علیحدہ مقابلے ترتیب دیے جائیں یعنی مردانہ باکسر زنانہ باکسر کے مقابلے میں اترنے سے بچ جائیں مردانہ باکسنگ کے اصول علیحدہ ہوں اور زنانہ باکسنگ کے اصول علیحدہ ہوں مردانہ باکسنگ میں جبڑے توڑنے اور ناک پھوڑنے کی اجازت ہو مگر زنانہ باکسنگ میں میک اپ تک خراب کرنے کی اجازت نہ ہو۔

اندیشہ ہے کہ باکسنگ کا میلہ مکہ باز حسینائیں لوٹ لیں گی کہ مردانہ مقابلوں میں الو بولنے لگیں گے اور زنانہ مقابلوں میں ٹکٹ منی کے ڈھیر لگ جائیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان مقابلوں میں مکہ باز حسیناؤں کا پہناوا وہی رہتا ہے جو مرد باکسر پہنتے ہیں یا اس میں کوئی ترمیم و اضافہ ضروری قرار دیا جاتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ خواتین اپنی یہ توہین گوارا نہ کر سکیں گی کہ ان کا مقابلہ صرف اپنی ہی جنس سے ہو۔ یہ تو اس بات کی نفی سمجھی جائے گی کہ عورتیں مردوں سے کسی حیثیت میں کم نہیں۔ ان حلقوں میں تماشائیوں کا ہجوم ان حالات میں اور بھی زیادہ ہو سکے گا کہ مقابلہ عورتوں اور مردوں کا ہو۔ اس لئے کاروباری اعتبار سے بھی یہی مناسب ہوگا کہ کوئی تفریق نہ برتی جائے۔ اس لئے کہ اب خواتین اپنی کمتری سمجھیں گی اور وہ ان کے لئے باعث توہین ہوگا۔

(نسیم انہونوی)

انتودے کا مقصد بتائے ہوئے سماج کی تعمیر

اتر پردیش کے

- چھ لاکھ بہت ہی غریب لوگوں کے لئے پانچ ہزار روپیوں کا قرض دیگر روزگار کے ذرائع فراہم کرنے کا نیا پروگرام۔
- بے زمین زرعی مزدوروں، سرحدی کسانوں، دیہی دستکاروں، اور شہری مزدوروں کے صدیوں سے چلے آ رہے قرض کی معافی۔
- ان لوگوں کے لئے موت، شادی، بیماری اور دوسرے موقعوں پر حاجتمندوں کو قرض ملنے کا انتظام۔
- دو ایکڑ سے کم بے زمین ہریجنوں یا بے زمینوں کیلئے صنعتی کوآپریٹو جماعتوں کی شروعات۔
- دیہی علاقوں میں روزگار کی آسانیاں فراہم کرنے کے مقصد سے گھریلو صنعتوں کی ترقی کا منصوبہ۔ اس کے لیے ساٹھ دیہاتی مرکزوں کا قیام۔
- زمین حد بندی قانون کے ذریعہ اعلان کی گئی فالتو زمین کی تقسیم میں ہریجنوں کو ترجیح
- کمزور طبقے کے لوگوں کو راحت دینے کے مقصد سے سستے کپڑے کے تقریباً ساڑھے نو ہزار دیکھ کر بکری مرکزوں کا قیام جن میں سے سات ہزار سے زیادہ دیہی علاقوں میں
- پچھڑی ذاتوں کیلئے سرکاری نوکریوں میں ریزرویشن (مخصوص)، اور تعلیم کی نئی آسانیاں

سوچنا اور جن سمپرک وبھاگ۔ اتر پردیش کے ذریعہ پرسارت

رقم بھی گوارا کروں گا اور ساتھ ہی آپ کی صاحبزادی سلمیٰ کو اپنے خاندان میں شامل کرکے مسرت حاصل کروں گا۔"

"کیا؟" بڑے تعجب سے رابعہ نے پوچھا۔

"جی ہاں!" رحمٰن نے سر ہلایا۔ "شعیب صاحب دونوں باتوں میں راضی ہیں۔ لہٰذا ابا جی کے سینے میں کھلبلی مچی ہے۔ مشورہ لینے کے لیے مجھے بلایا ہے۔ خدا اگر آمادہ ہو جائے تو یہ سمجھو کہ پچاس ہزار اصل کے علاوہ فرضی سود کے پچیس ہزار مفت ملیں گے! یہی بے قراری ابا جی کو لگی ہے۔"

"ہائے مگر یہ کتنی چالاکی اور گہری بات ہے۔" رابعہ نے کہا۔ "اچھا تو کیا ان روپیوں میں تمھارا کوئی حصہ نہیں ہے؟"

"میرا کیوں ہوتا بھئی!" رحمٰن نے مایوسی سے کہا۔ "دس سال قبل کے معاملات ہیں، میں نہ آس تھا نہ پاس۔!"

"باپ کے روپیہ میں ہر طرح بیٹے کا حق ہوتا ہے۔" رابعہ نے چمک کر کہا۔ "تم ابھی سے کہہ دو مایوسانہ ہو کر بعد کو پھر جھنجھٹ ہو!"

"بات خراب نہ کرو۔" رحمٰن نے کہا۔ "ابا جی کتنے دنوں کے ہیں۔ سال بھر سے مسلسل بیمار چلے آ رہے ہیں۔ جہاں اتنے دن صبر کیا ہے وہاں چند دن اور سہی۔ پھر یہ نقد رقم، یہ بڑا سا گھر سب اور کس کا ہے؟"

"تمھیں نہیں معلوم۔" رابعہ نے نہایت حسرت سے کہا۔ "بعضے بڑے بہت دنوں تک نہیں مرتے۔"

"ان ادھامر کا غم نہیں کیا گیا ہے۔" رحمٰن نے کہا۔ "ایک ...

صلح کرکے معقول رقم لینے پر تیار تھے۔ اگرچہ یہی انصاف اور حق پر تھے۔ ان کی سوتیلی بچی کے لڑکے نے جو تقریباً شعیب صاحب کی عمر کے تھے۔ حویلی پر اپنا قبضہ کرنے کے لیے یک طرفہ استحقاق کی درخواست عدالت میں دے رکھی تھی۔ اس سال سے مکان سانپ کے منہ کی چھچھوندر بنا ہوا تھا۔ خدا خدا کرکے موجودہ وکیل نے صلح کی تجویز پیش کی تھی۔ لیکن شعیب صاحب نے منظور نہ کی! بہرحال اب مکان کی قسمت کا فیصلہ بھی ہوتا نظر آ رہا تھا!

اور اس مکان کا بھی جس میں یہ لوگ فروکش تھے۔ خدا جانے اپنی اکڑفوں میں شعیب صاحب کیا کچھ کر گزرتے! نہ وہ کسی سے مشورہ لیتے تھے نہ کسی کی کوئی رائے سنتے تھے۔ جو دل میں آتا تھا کرتے تھے اور اکثر ان کی ضد کے نتائج اچھے نہیں نکلے تھے۔ لیکن انھیں اس کی پرواہ کبھی نہیں ہوتی تھی۔ اچھا یا برا کوئی کام کرکے وہ پچھتانا حماقت سمجھتے تھے!

کیفی کو انھوں نے منع کر دیا کہ خبردار خاں صاحب سے مل کر کچھ کہنے سننے کی کوشش مت کرنا۔ کیفی نے ان کی بات مان لی۔ رہے خرم۔ وہ داماد تھے۔ ان کا دخل کچھ نہ تھا۔ لہٰذا وہ خاموش ہی رہے۔ البتہ وہ معقول رقم جو وہ اپنے جہاں شوہر میں لگانا چاہتے تھے۔ جھٹ سے نکال کر اپنے پاس رکھ لی۔ شاید خسر کی نظروں میں سرخرو ہونے کا موقع ملے! ان کا ارادہ مہ نگار کے دعوت کے دوسرے دن گھر جانے کا تھا لیکن اس نئی صورت حال کے پیش نظر نگار سسرال نہیں گئی۔ خرم ناشتے سے فارغ ہو کر چلے گئے۔ کیفی نے اپنے دفتر کی راہ لی۔ شعیب صاحب اپنے کمرے کے پچھواڑے اپنی خاص لمبی اور چوڑی آرام کرسی پر لیٹ کر اخبار پڑھنے لگے!

جو قرن میں کچھ ہی لکھنے لگی اور زبان میں [illegible] نگار اور

ناصرہ بھی اُٹھ کر چلی گئیں۔ ایزد جانے کب چلا گیا تھا۔!

اب سارے گھر پر ایک اداسی اور مکمل سناٹا طاری تھا۔ گرمی کی ایک دوپہر آہستہ آہستہ طوالت اختیار کر رہی تھی۔ دھوپ میں تمازت آچکی تھی! اور وسیع پختہ صحن میں دھوپ کی تیزی اتنی بڑھ چکی تھی کہ اس کی طرف دیکھنے سے نگاہیں چکاچوند ہو جاتی تھیں۔!

ہم نے تو کچھ اور سوچا تھا: نگار نے اپنی بھاوج سے کہا: بھابی تمہاری بچی اماں کی چھوٹی لڑکی مجھے بہت پسند تھی۔ ننھے کے عقیقے میں دیکھا تھا اسے۔ مجھے تو بہت پسند آئی تھی۔ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اسی لڑکی کے لیے امی سے کہہ کر کرا دوں اسے بیاہ کر۔ مگر دل کی دل ہی میں رہ گئی! اب جو بھی کیا سکتا ہے۔ جو اللہ دکھائے سو لاچار دیکھنا ہے۔

مہ وش کا تذکرہ کر رہی ہو تم؟: ناصرہ نے پوچھا۔

ہاں۔ نام بھول رہی تھی: نگار نے کہا: سچ بھابی۔ بہت پیاری لڑکی ہے۔

اس کا تذکرہ نہ کرو نگار: ناصرہ نے کہا: وہ تو عجیب لڑکی ہے۔ اپنے سب بھائی بہن سے بالکل مختلف۔ اچھی اماں بے چاری کا خیال ہے کہ بہت زیادہ..... کتب بینی کرتے کرتے لڑکی سنک گئی ہے۔ پچھلے بیس سال کی عمر ہے اس میں اتنی سنجیدگی ہے کہ بس۔ کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ لڑکوں کا مذاق اڑاتی ہے۔ مردوں سے اسے شدید نفرت ہے۔ کسی بات پر ایک دن میرے چھوٹے بھائی نے عورتوں کے سلسلے میں کچھ کہہ دیا تھا کہ کاہل الوجود اور بیکار مخلوق ہوتی ہیں۔ بس مہ وش نے اس بے چارے کو دھنک کر رکھ دیا۔!

ارا بیٹا؟: نگار نے حیرت ہو کر پوچھا: اپنے برابر کے لڑکے کو..؟

ارا بیٹا نہیں: ناصرہ نے کہا: مگر ایسی ایسی سخت اور چبھتی باتیں کی ہیں

کے یا خود ان کا قرض بیباق کر دیا۔ اب خود ان کی رقم شعیب صاحب پر واجب الادا ہے۔ اگرچہ کہ میں سمجھتا ہوں۔ والد صاحب نے مہاجن کا قرض بھی ادا کر دیا ہے۔ لیکن ظاہر نہیں کیا ہے۔ اور اب۔ شعیب صاحب کو گھیر رہے ہیں کہ یا تو مہاجن کا اصل مع سود واپس کر دیا۔ پھر یہ شرط ہے کہ میری بیوہ لڑکی سے شادی کرو۔ قرض معاف کر دوں گا۔ تو یہ بات ہے شعیب صاحب پکڑ گئے ہیں۔!

واہ اچھی مت ہے ابا جی کی۔ انھیں اتنا نہیں معلوم کہ شعیب صاحب روپیہ ادا کر دیں گے۔ خوامخواہ بیوہ لڑکی کو کیوں قبول لیں گے؟۔ رابعہ نے کہا۔

ابھی شعیب صاحب ڈھول کے اندر پول ہیں: رحمٰن نے حقارت سے ہنس کر کہا: ان کے پاس کچھ رہا نہیں ہے۔ دو لڑکے ہیں برسر روزگار ہیں لیکن ان کی نوکریاں اتنی خشک ہیں کہ بس وہ سوکھی سوکھی تنخواہ لے کر چلے آتے ہیں یا پھر انھیں یہ گر ہی نہیں معلوم کہ پیسے بالائی آمدنی وہ چیز ہو کہ آدمی کو بالائی کھلاتی رہتی ہے۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے لڑکوں میں بھی اتنا دم نہیں کہ وہ کچھ ہزار قرض ادا کر سکیں۔ لہٰذا وہ بیوہ لڑکی کو ضرور قبول کر لیں گے۔!

اے اللہ۔ ایسی بات ہے؟!: رابعہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے آنکھیں نکالیں۔ اور سنو مزے کی بات: رحمٰن نے سگار سے مسکراتے ہوئے کہا: معلوم ہوتا ہے کہ شعیب صاحب قبلہ پاگل خانے میں پیدا ہوئے تھے یا عقل سے کچھ معذور ہیں۔ یا انھیں بھنگ کا شوق ہے کہ آپ نے دو دن پیشتر اس معاملہ [illegible]

کرے۔ میں تو بے مزہ ہوگئی اس کا جواب سن کر۔

اب میں بھی: نگار نے سر ہلا کر معنی خیز انداز میں کہا: یہ حالت اس کی کیوں ہے۔ صاحبزادی یونیورسٹی میں پڑھتی ہیں۔ وہاں ایسا روگ بڑی جلدی لگ جاتا ہے جسے چچا غالب نے دماغ کا خلل بتایا ہے۔

ارے وہ مردوں ہی کو منہ نہیں لگاتی: نگار نے ہنس کر کہا: وہ خاص دماغی فتور بھی مردوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے!

ایک مرتبہ میں مل کر دیکھوں گی صاحبزادی سے۔ شاید کچھ اندازہ لگا سکوں نگار بھی ہنسنے لگیں۔ پچھتاؤ گی۔ وہ ایسی ہی بداخلاق ہے: ناصرہ نے جواب دیا۔

دفعتہً کچھ یاد کر کے نگار نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے بھابی۔ بھلا ایزد راضی ہو جائیں گے اباجان کے حکم پر:

میں کیا کہوں نگار۔ اباجان کا معاملہ درمیان میں ہے۔ ورنہ ایزد جیسے شکیل، تعلیم یافتہ اور برسر روزگار آدمی کے لیے ایک سے ایک اچھا رشتہ موجود ہے۔ میں تو اس رشتہ کو بالکل پسند نہیں کرتی۔ بھلا کیا شامت آئی ہے کہ اپنے ہیرا سے آدمی کو ایک ناپسندیدہ ان گھڑ زیور میں جڑ دیا جائے۔ زندگی بھر کی بات ہے۔ ایسا تو نہیں کہ ایک سودا ناپسند ہوا۔ بازار سے دوسرا سودا لے آئے۔

مگر مجھے تو ایسا اندازہ ہو رہا ہے کہ یقیناً یہ رشتہ طے ہو کر رہے گا۔ نگار نے سر ہلا کر کہا۔

لگتا تو مجھے بھی ایسا ہی ہے: ناصرہ مسکرائیں۔

میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ ایک مرتبہ بہانے بہانے خاں صاحب کے یہاں جا کر اس لڑکی کا خود سے جائزہ لے آؤں۔ [illegible]

میں دن بھر دکان میں سر کھپا کر رات کے بارہ بجے گھر آتا ہوں: رحمٰن نے صاف صاف جواب دیتے ہوئے کہا: مجھے اپنے بچوں سے بات کرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ میں نئے جھگڑے نمٹانے کہاں بیٹھوں گا۔

اچھا خیر۔ میں نے حماقت کی جو تم لوگوں سے رائے لی: اباجان صاحب کو غصہ آ گیا: اب تم سے کوئی مطلب نہیں۔ جو کچھ میری سمجھ میں آئے گا میں کروں گا: یہ کہہ کر خان صاحب اٹھے اور غصے میں بھرے ہوئے چلے گئے۔

اباجی کی بھی عجیب باتیں ہیں: رحمٰن نے کھسیا کر کہا۔

تمہارے اباجی چاہتے ہیں کہ ہم ان کی بیٹی کی ناز برداری کریں تو یہ نہ ہوگا۔ ارے میں لڑکی کی کوئی بات تو برداشت کر نہیں سکتی۔ دھتکار کر رکھ دیتی ہوں اسے۔ بھلا میں کیسے گوارا کر دوں گی کہ تمہاری بہن نو بجے دن کو سو کر اٹھیں اور میں ناشتہ تیار کر کے ان کے آگے سجا دوں۔ اپنے ہاتھ کام کرنے کو کہوں گی تو خاندان بھر انگلیاں اٹھانے کو موجود ہوگا کہ بہو دکھیا کا نند سے گھر کا کام لے رہی ہوں۔ نہ بابا نہ۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی جگہ ہم اپنی جگہ:

ارے تو تم خفا کیوں ہو: رحمٰن نے کہا: اسی اندیشے کے لیے تو میں نے اباجی سے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ میں عورتوں کے جھگڑے نمٹاتا نہیں پھروں گا:

تمہارا دل چاہے تو تم دس بیس دے دیا کرو بچے کے دودھ کے نام سے: رابعہ نے فیاضی دکھائی۔ ابھی تمہیں نہیں معلوم۔ اباجی ایک چال اندر چل رہے ہیں! رحمٰن نے کہا۔

[illegible]

"تو پھر مجھ سے پوچھنا کیا۔ جو کچھ آپ کا دل چاہے کیجئے:" رحمٰن نے کہا۔
اتنے میں ان کی بیوی بھی آکر بیٹھ گئیں۔ اور خیر خواہی کے انداز میں
انھوں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا:
"آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ ابا جی۔ حنا کی عمر ہی کیا ہے۔ پہاڑ سی زندگی
ایک بچے کے ساتھ کیونکر گزاریں گی۔؟ اب وہ اپنے منہ سے تو اقرار نہیں کریں
گی لیکن آپ خود سوچیے کہ کسی کی زندگی کا کیا بھروسہ۔ آپ کا سایہ ان کے سر
پر سلامت رہے۔ اگر یہ عمر بھر کا ساتھ رہنے والا نہیں ہے۔"
خان صاحب نے بات کاٹ کر ترش لہجے میں کہا: "بے شک میں آج ہوں۔
کل نہ رہوں گا۔ لیکن معاف کرنا دلھن۔ تم لوگ تو جوان ہو صحت مند ہو۔ اس
کے سر کا سایہ بن سکتے ہو۔ بڑا بھائی اور بھاوج کیا ماں باپ کا درجہ نہیں رکھتے
لیکن تم لوگوں نے کبھی اپنا فرض نہیں سمجھا کہ اس کے لیے کچھ ایثار کرو۔ میں اتنا
فکر مند بھی نہ ہوتا:"
"ارے ابا [illegible] سے کچھ دیجیے کہ چلیں ہمارے ساتھ:" والد کا لہجہ بدل گیا: "جو
کچھ ہم سے ہو سکے گا وہ ضرور کریں گے۔ مگر وہ خود منظور نہیں کرتیں۔ کہیں چکی میں
[illegible] میں بھائی کی روٹیاں نہ توڑ دل گی۔ کیا یہ بات بھائی کو بری نہ لگی گی؟"
"پھر وہ کیا کرے۔ اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے:" رحمٰن نے جواب دیا۔ "وہ
[illegible] آپ کو چھوڑ کر ہمارے پاس رہ نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ ان دونوں
میں کبھی میل نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس کے سب درد زاس کے اپنے ہیں۔ ہمارے
یہاں [illegible] ہوں گے۔ اختلافات رائے بڑھتے بڑھتے جھگڑوں میں تبدیل ہوگا۔
[illegible] اضافہ ہے:"
[illegible] خان صاحب نے ناخوشگوار لہجے میں پوچھا

ہے لیکن اس نیت سے نہیں دیکھا کہ ہمارے گھر میں آنے والی ہے۔ ایزدکی
دلہن بن کر۔ کچھ عجیب سوگوار شکل تھی اس کی جیسے ہنسنا تو درکنار مسکرانا تک
اسے آتا نہ ہو:"
"بیچارا کیا کرے لڑکی ہے غریب پر۔ بھرے پرے سہاگ کے دن ہوتے۔ ذرا اجڑی
مانگ لے کر پھر باپ کے پہلو میں آبیٹھی ہے:"
"آپ کے اس طرح کہنے سے مجھے اس بے چاری پر ترس آنے لگا:" نگار نے کہا۔
"تم امی سے اجازت لے لو تو پھر پکا ہے ایک روز چلیں ان کے یہاں:"
"ابھی دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے:" نگار نے کہا: "میرا دل
سوس رہا ہے۔ اچانک ایسی آفت نازل ہوئی ہے۔ گھر بھی نہ رہیں گے تو
پھر ہم کہاں رہیں گے۔ ادھر ابا جان اس مکان کا بھی تیا پانچہ کرکے رکھ دیں
گے۔ خدا ہی رحم کرے۔ مصیبت ایک طرف سے نہیں آتی۔!"
"کیا کس نے۔ پھر کون رہا ہے:"
پھر دونوں چپ ہو کر کچھ سوچنے لگیں۔ ایک اداس دن آہستہ آہستہ ڈھل
رہا تھا۔ صالحہ بیگم کو یہ معلوم کرنے کی بے چینی تھی کہ شعیب صاحب نے کیا کیا
ہے۔ لیکن اس ڈر سے کہ کوئی ناگوار بات ان سے معلوم نہ ہو جائے وہ
خاموش ہو رہیں۔

خان صاحب کا گھرانہ خالص مشرقی اور بے انتہا قدامت پسند تھا۔ مکان
ہی سے مکینوں کی طرز زندگی کا اندازہ ہوتا تھا۔ پرانی وضع کی اونچی اونچی

کائی جمی ہوئی سیاہ دیواریں۔ جن میں بعض کی دراروں میں بڑ کے پودے
اُگ آئے تھے۔ اور اپنے زرد زرد پتوں سے مکان کی اداسی میں اضافہ کر
رہے تھے۔ قدیم طرز کا اونچا اور چوڑا چوبی مضبوط پھاٹک تھا جس میں آہنی
میخیں گڑی تھیں۔ پھاٹک میں برسہا برس سے موٹا تالا پڑا تھا۔ آمد رفت کے
لیے ذیلی کھڑکی استعمال ہوتی تھی۔ کھڑکی سے سر اندر ڈالنے کے ساتھ ہی بڑا وسیع
وعریض آنگن دکھائی دیتا۔ وسط میں ایک ہشت پہلو حوض۔ جس کا فوارہ
زمانے کی شکست و ریخت کی مکمل تصویر بن کے سرنگوں ہو چکا تھا۔ اونچے
اونچے درخت ادھر ادھر ایستادہ تھے۔ آم۔ پھلیندے اور نیم کے ایسے
گھنے گھنے درخت تھے کہ اگر روایتی علی بابا کے چالیس چور دن دہاڑے
ان میں چھپنا چاہتے تو چھپ سکتے تھے اور کسی کو ان کی پگڑی تک نظر نہ
آتی۔ سرِ شام ہی سے ان میں ان گنت چڑیاں شور مچانے لگتیں۔ اور سہ پہر کے
آغاز کے ساتھ سرِ شام کا اداس اور غمناک دھندلکا صحن میں اتر آتا۔
مکین بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ دنیا کی کسی خوشی اور مسرت سے جیسے انہیں ملی
تھی۔ خانم کی ناگہانی موت کے بعد خان صاحب کا دل سرد ہو گیا۔ اولاد کو
اپنی دولت جو انھوں نے گھر بار سے لگا دیا تھا۔ بڑا بیٹا ہر طرح خوشحال
تھا۔ خان صاحب نے اسے برائے نام تعلیم دلائی تھی لیکن جہالت اس کی
ذہانت پر اثر انداز نہیں ہوئی اس نے اپنی قابلیت سے اپنی زندگی آپ
بنا لی۔ شہر میں اس کی کپڑوں کی بڑی بیش قیمت دکان تھی۔ جس سے کافی سے
زیادہ منافع ہو جاتا تھا۔ دو لڑکیاں بھی خان صاحب نے کھاتے پیتے خوشحال
گھرانوں میں بیاہ دی تھیں۔ تعلیم یافتہ وہ بھی نہیں تھیں۔ ویسے خانم نے
خانہ داری میں انھیں اپنی مثال آپ بنا دیا تھا۔ بڑی لڑکی آمنہ نہایت

شورہ تھیں۔ اسی لیے انھوں نے رحمان کا سہارا تلاش کیا۔
ان کے سامنے پورے واقعات رکھے۔ رحمٰن نے ان کے حسبِ توقع اس
معاملہ میں بالکل دلچسپی نہیں لی۔ بلکہ بیزاری اور اکتاہٹ کے لہجے میں بولے۔
"اباجی یہ آپ کا وہم ہے۔ اور کچھ بھی نہیں۔ ابھی آپ بقیدِ حیات ہیں
اور حنا کی بھی زیادہ عمر نہیں۔ آپ نے اس سے قبل بھی ہماری مرضی کے خلاف
بہت کم سنی میں صبا کی شادی کر دی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا! خیر قضا و قدر
کے معاملات میں انسان دخل نہیں دے سکتا لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ ایک اندھا
جوا مت کھیلیے۔"
"اس میں اندھے جوئے کی بات کون سی ہے خبیب صاحب میرے
دوست ہیں۔ جانے بوجھے لوگ ہیں شریف گھرانا ہے۔" خان صاحب
نے کہا۔
"یہ سب ٹھیک ہے۔ مگر میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ان کا لڑکا کس
مزاج کا ہے۔" رحمٰن نے کہا: "جیسے انسانیت تو اس شخص کے پاس سے بھی
نہیں گزری ہے۔ بڑا سخت گیر۔ بدمزاج اور تند خو ہے۔ اور سنا ہے کہ [illegible]
کسی لڑکی کے چکر میں بھی ہیں۔"
"ایسی ہی دلچسپیاں اکثر لڑکے اختیار کر لیتے ہیں۔ مگر خبیب صاحب جیسے
متقی پرہیزگار اور دیندار انسان کے لڑکے سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ
غیر شریفانہ، سفلی اور عام آوارہ نوجوانوں کا سا نوجوان ہو گا۔ اتنا ہے کہ وہ شخص [illegible]
پسند خوشحال زمانے کی بے ہودہ رفتار کے ساتھ نہ چلے۔ اس [illegible] کو اچھا
نظر سے نہ دیکھے لوگ اسے سخت گیر، بدمزاج اور خدا جانے کیا کچھ کہتے ہیں"
خان صاحب نے اپنے دل کی تسلی کی خاطر ایک تاویل پیش کی۔

بہرحال ماں اور بچے کی کسمپرسی، تباہ حالی دیکھ کر خان صاحب کا رہا سہا
خون خشک ہو رہا تھا۔ اور وہ اس فکر میں گھلے جا رہے تھے کہ ان کا مستقبل...
انتظام کیا کر سکتے ہیں۔ انھیں اپنے بڑھاپے کا بھی احساس تھا اور یہ بھی خیال
تھا کہ ان کے بعد حنا کے بڑے بھائی صاحب۔ رحمن اس کی کوئی مدد نہیں کریں گے
بلکہ یہ بھی امکان بعید نہ تھا کہ وہ اپنے کسی کم حیثیت واقف کار سے حنا کا نکاح
کر کے اپنے سر سے بوجھ اتار دیں۔ خان صاحب نے سوچا کہ وہ اپنی زندگی ہی میں
حنا کا عقد ثانی کیوں نہ کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے دور دور تک
اشہب خیال دوڑائے، نیندیں حرام کیں اور بالآخر ایک موہوم سی منزل پر
جا کے زرہ اور مقصد رکا۔ ہرچہ بادا باد کہہ کر انھوں نے اپنے ارادے کو عملی
جامہ پہنا ہی دیا!

سب سے بڑی مشکل حنا کی مرضی تھی۔ وہ تذکرۃً کہہ چکی تھی کہ
اب اسے عمر بھر یونہی رہنا ہے۔ اور وہ اپنے باپ کی خدمت کرتی رہے گی!!

اس نے اچھا کیا تھا۔ صبح سے شام تک باورچی خانے میں مصروف
رہتی۔ دو آدمیوں کا کھانا ہی کتنا تھا۔ لیکن وہ زیادہ تر کچن ہی میں رہتی!
اتنے بڑے گھر کی صفائی کرتی۔ حتیٰ کہ اسے صحن میں جھاڑو دینے سے بھی
عار نہ تھا! خان صاحب کے یہاں دو قدیم ملازم تھے۔ ایک بڑے میاں جو
مولانا صاحب کہلاتے تھے اور خادم مرفوری۔ ابھی حال ہی میں خان صاحب
نے بچے کے لیے آیا رکھی تھی۔ جو صبح آتی اور شام کو چلی جاتی!

حنا کے عقد ثانی کے سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لیے انھوں نے رحمن اور ان
کی بیوی کو بلا لیا۔ حالانکہ خان صاحب کو بخوبی علم تھا کہ انھیں حنا سے
کوئی دلچسپی نہ تھی۔ لیکن خان صاحب کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس سے

ابھی زندگی گزار رہی تھی۔ چار لڑکوں کی ماں تھی۔ وہ ایسے خاندان کی بہو تھی
جہاں چار لڑکوں کی ماں بننا کسی ملک کی ملکہ بن جانے سے زیادہ گرانقدر اعزاز
تھا۔ لہٰذا آمنہ کو دنیا کی تمام راحتیں اور آسائشیں حاصل تھیں۔

چھوٹی لڑکی کی شادی خان صاحب نے اپنے دوست کے لڑکے سے کی تھی۔
بڑی دھوم دھام سے کی تھی۔ قیمتی جہیز دیا تھا! لیکن وہ شادی کے سال ہی بھر بعد
بیوہ ہو گئی۔ اور ایک شیر خوار بچے کو لے کر پھر باپ کے گھر آ بیٹھی۔ سسرال والوں
نے بہو کو منحوس اور سبز قدم کا خطاب دے کر اپنے گھر میں پناہ نہیں دی!

قدرت کوئی نہ کوئی کمی آدمی میں ضرور باقی رکھتی ہے۔ حنا دست قدرت
کا تراشا ہوا حسن و دلکشی کا پیکر تھی۔ بظاہر اس کے حسن میں کوئی عیب نہیں تھا
نکھرا ستھرا سفید و گلابی رنگ، کالی کالی آنکھیں، لمبے لمبے سیاہ بال، نرم آواز
اور شیریں آواز۔ الغرض خوبیوں پر قسمت نے اچھی مہر لگا دی تھی۔ جیسے بدن کا ہل
پر مستقل گھن لگ گیا ہو۔

وہ بے حد نیک اور مخلص لڑکی تھی۔ جب سے سسرال والوں نے اس پر لعنت
ملامت کے تازیانے برسا کر اسے اپنے گھر سے نکالا تھا۔ تبھی سے اس کے
لبوں پر خاموشی کے قفل پڑ گئے تھے۔ اس کا تبسم چھن چکا تھا۔ لیکن وہ دل کی
بھڑاس نکالنے کے لیے روتی بھی نہیں تھی۔ اس کی جگر پاش خاموشی باپ کے
دل کا ناسور بن گئی!

اب وہ مبہوت تھی۔ جیسے کابوس کی بیمار ہو۔ اس کے شب و روز کس طرح
بسر ہو رہے تھے اسے خود بھی احساس نہ تھا۔ کبھی یہاں کبھی وہاں ایک بگولے کی
طرح دنیا کی طرح جس کا ٹھکانہ برزخ میں بھی نہ ہو۔ وہ گھر میں [illegible]!
دل کو جیسے کچھ میسر ہی نہ تھا اور باپ کی خدمت میں لگا رہتا۔ لیکن پھر بھی

اس کے لیے نیا عذاب لے کر آتی۔ طرح طرح کے ہولناک خیال اس کی نیندیں اڑانے اور اس کا سکون برباد کرتے اس پر یورش کر دیتے۔ ایک ایک خیال اژدہا بن جاتا۔ جو اپنا ہولناک منہ پھاڑے بس یہی سوال اس سے کیا کرتا کہ اب کیا ہوگا۔ اس کا عمل بیڑہ کہاں لگے گا؟

اسے اپنی ماں کی یاد آتی۔ مرحوم شوہر کے ساتھ گزارے ہوئے عیش فزا لمحات یاد آتے۔ اور پھر قرار اس سے رخصت ہو جاتا!

ماں نے اپنے لیے شوہر خوشحال پسند کر لیا۔

شوہر نے اس کا دائمی ساتھ گوارا نہ کیا۔

باپ کا یہ حال تھا کہ وہ بوڑھے تھے۔ بیمار تھے۔ بھائی ایسا خود غرض اور بے مروت تھا کہ وہ بیمار ضعیف باپ ہی کو مڑ کے نہیں پوچھتا تھا! بھاوج بھی جاہل گستاخ اور لڑاکا عورت تھی جس نے کبھی اپنے سسرالی رشتہ داروں کا احترام نہیں کیا تھا۔ بلکہ بھائی کو بہکانے اور بھڑکانے میں اسی کا ہاتھ زیادہ تھا۔ بھائی بھاوج سب سے الگ تھلگ رہتے تھے!۔ انہیں اپنی دولت کا غرور تھا!

آمنہ تو ان الجھنوں سے جلد ہی آزاد ہو گئی۔ لیکن حنا کو پھر انہیں تکلیف دہ الجھنوں سے سابقہ پڑا۔ ہمدرد اور غمگسار کوئی تھا نہیں جو کم از کم زبانی تسلیاں دیتا اور غم کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کرتا! وہ تو باپ کی حالت دیکھتی ہی تھی۔ اور خوفزدہ رہتی تھی کہ اگر موت کی آندھی ایک حقیر تنکے کی طرح اس کے باپ کو بھی اڑا لے گئی تو پھر اس کا کیا حشر ہوگا؟۔ ساری ساری رات کی بیخوابی بے تابی، دل بھر کی پریشانی، تنہائی اور گوناگوں فکروں نے اس کی صحت اور دلکشی پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ اور اب وہ انیس بیس سال کی عمر میں کہن سال خاتون بن کر

رہ گئی جس نے بڑے اور خوفناک حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو اور آگے کو بھی کرنے پر تیار ہو۔

اسے اپنے خورد سال بچے سے بھی ایسی محبت نہیں تھی۔ جیسی ایک ماں کو ہونی چاہیئے۔ وہ اسے بدنصیب سمجھتی تھی۔ جو پیدائشی یتیم تھا۔ جب انہیں معلوم تھا کہ وہ کیسے زبردست خسارے سے دوچار ہو چکا ہے۔ اسے طرح طرح کے القاب سے نواز گیا۔ منحوس، نامبارک پیدا ہوا اور باپ کو نگل گیا۔ حنا نے جی بھر کے آنسو بہائے تھے!

خان صاحب اسے اکثر سمجھاتے تھے۔ اسے مجبور کرتے کہ وہ گھر سے باہر کی دنیا میں بھی دلچسپی لے۔ کہیں گھومنے جائے یا ہمسائے کی لڑکیوں سے میل جول بڑھائے لیکن وہ اتنی مردہ دل ہو چکی تھی کہ اس کا دل ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ باہر کی دنیا کی چہل پہل میں حصہ لے!

خان صاحب اسے سفید لباس میں دیکھتے اور ان کا کلیجہ پاش پاش ہونے لگتا۔ رنگین اور قیمتی ملبوسات سے اس کی الماری لبریز تھی۔ لیکن کس کام کی۔ اس کی ریشمی سونی کلائیاں انہیں خون کے آنسو بہانے پر مجبور کرتیں۔ حنا کو تو شوق تھا۔ رنگ برنگی قیمتی چوڑیاں پہننے کا۔ جب بھی عید بقرعید آتی۔ وہ ڈھیروں چوڑیاں خرید لاتی۔ اپنے حصے کی چوڑیاں اس نے جی بھر کے پہن ڈالیں۔ اب ننگے ہاتھ پھرتی تھی۔ ہاتھ گلا سب زیوروں سے خالی۔ سنگھار سے عاری۔ بال روکھے الجھے رہتے۔ اسے ہوش ہی نہ ہوتا!

ننھا کاشف اپنے نانا کا محبوب تھا۔ انہی کے پاس رہتا انہی کے ساتھ کھاتا۔ اور پاس سوتا۔ کبھی کبھار نفیسہ کو بھیج کر آمنہ سے اپنے پاس بلا لیتی۔ عجیب حالت اس کی تھی۔ یعنی کوئی مستقل ٹھکانا نہ معقول تربیت اور نہ خاطر خواہ توجہ جو اسے ملنی چاہئے تھی۔

The Hareem Lucknow Dec. 1978 (Phones : 44559-45334) Regd. No. LW/NP 32